آئینۂ عرب

جس میں عرب قدیم کے مفصل معاشرتی ملکی علمی اور تاریخی

جغرافیائی حالات درج ہیں

کتاب صناجۃ الطرب فی تقدمات العرب سے

مولوی محمد ہارون صاحب مولوی فاضل نے

کارخانہ پیسہ اخبار کے لئے اردو میں

پہلی مرتبہ سنہ ۱۹۰۳ء میں

آئینۂ عرب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلا باب

عرب کے مواطن کے ذکر میں اور اس مقالے کی پانچ فصلیں ہیں

فصل اوّل

اصلی عربوں کے وطن کا بیان۔ جسے جزیرۃ العرب کہتے ہیں۔

پہلے زمانے میں قوم عرب اقلیم ایشیا کے ایک جزیرہ نما مقام میں رہتی تھی جو انکی طرف منسوب تھا۔ چونکہ وہ لوگ جزیرہ اور شبہ جزیرہ نما میں کوئی فرق نہیں سمجھتے تھے۔ اسلیئے اُس جزیرہ نما مقام کو جزیرۃ العرب کہتے تھے۔ اور اُنکے نزدیک عرب ایک جزیرہ تھا۔ یہ جزیرہ خشکی سے ملا ہوا ہے۔ اور ملک آفریقہ اور باقی ایشیا کے درمیان میں واقع ہے۔ اس جزیرہ نما ملک کے پانچ حصے ہیں۔

پہلا حصہ یمن ہے۔ اسکے بھی پانچ حصے ہیں۔ حضرموت۔ مہرہ۔ عمان۔ شحر۔ نجران۔ اس حصے کو یمن اس سبب سے کہنے لگے کہ جس وقت مشرق کیطرف منہ کرکے کھڑے ہو تو یمن کو خانہ کعبہ کی جانب یمین (دائیں طرف) دیکھوگے۔ جسطرح ملک شام کعبہ کی

بائیں طرف ہے۔ کبھی کبھی شحر کو عمان کیطرف نسبت دے لیا کرتے ہیں۔ جیسا کہ شاعر کہتا ہے۔ **شعر**

دارُ سعدیٰ بشحرِ عمان | سعدیٰ (معشوقہ کا نام) کا وطن عمان کے ایک حصہ
قد کساھا البلی الملوان | مسمی شحر میں ہے جسے شب و روز کے دوران نے ویران کر دیا

دوسرا حصہ حجاز ہے۔ اسی میں مکہ اور یثرب ہے۔ جسے مدینہ یا مدینۃ الرسول بھی کہتے ہیں۔ حجاز کو حجاز کہنے کی یہ وجہ ہے کہ حجز کے لغوی معنے منع و فصل کے ہیں۔ چونکہ تہامہ اور نجد کے درمیان میں ملک حجاز حد فاصل ہے اسلئے حجاز کہا گیا۔ مکے کے جنوبی حصہ میں جبل ثور ہے جسمیں ایک مشہور غار ہے اسی کی بابت شیخ محمد بوصیری[1] نے اپنے قصیدہ بردہ میں لکھا ہے۔ **شعر**

وما حوی الغار من خیر ومن کرم | شاعر ہجرت رسول اللہ کو اور انکے غار میں پوشیدہ ہونیکو بیان
وکل طرف من الکفار عنہ عمی | کرتا ہے کہ غار نے خیر اور کرم مجسم کو احاطہ کر لیا تھا اور کفار کی تمام

آنکھیں انکے دیکھنے سے نابینا ہو گئی تھیں۔

فالصدق فی الغار والصدیق لم یرما | صدق اور صدیق دونو غار میں تھے مگر دکھائی نہ دیے
وھم یقولون ما بالغار من ارم | اور کفار کہہ رہے تھے کہ غار میں تو کوئی نشان ہی نہیں

مدینہ کے شرقی حصے میں طے کے دو پہاڑ آجا اور سلمیٰ ہیں۔ اکثر دن کہا جاتا ہے کہ آجا سلمیٰ عرب کے دو شخصوں کے نام ہیں۔ آجا سلمیٰ پر عاشق تھا۔ آخر لوگوں نے ان دونو بیچارے نامرادوں کو اسی پہاڑ پر سولی دیدی۔ اسی وجہ سے یہ دونوں اُن بیگناہ شہیدان عشق کے نام سے مشہور ہیں۔ انہی پہاڑوں کا ذکر جابر بن رالان سنبسی نے بھی اپنے شعر میں کیا ہے: **شعر**

وسخن غلبنا بالجبال وعزھا | ہم ہی ان پہاڑوں اور انکی عزت و وقعت پر غالب
ونحن ورثنا غیثنا وبدیّنا | اور ہم ہی غیث اور بدین کے وارث ہوئے

شاعر کی مراد جبال سے یہی آجا و سلمیٰ اور انکے ٹیلے ہیں۔

---

[1] نواح اسکندریہ کے قصبہ بوصیر کی طرف نسبت ہے۔

انہی پہاڑوں کا ذکر حسان بن خنظر الطائی نے بھی اپنے شعروں میں کیا ہے۔ شعر

غضبت علی ان اتصلت بطیئ
واذا امرأ من طیئ الاجبال

(شاعر کسی [illegible] مخاطب کر کے کہتا ہے) تو نے فقط اس [illegible] پر غصہ کیا کہ میں قبیلہ طے والوں سے مل گیا۔ (پھر غصہ کی کیا بات ہے) [illegible] طئی الاجبال کا رہنے والا ہی ہوں۔ (یعنی طے کے دو پہاڑوں کا)

طے کی پہاڑیوں میں [illegible] جودی بھی ہے جسکی طرف ابو صعترہ بولانی نے اشارہ کیا ہے۔

فما نطفة من حب مزن [illegible]
بها جنبتا الجودی واللیل [illegible]
باطیب من فیها وما ذقت [illegible]
ولکننی فیما تری العین [illegible]

اندھیری رات میں جودی کی دونو طرف سے جو ابر سے صاف و شفاف برسا ہوا پانی بہ رہا ہے۔ وہ کبھی میری معشوقہ کے آب دہن سے زیادہ لطیف نہیں ہو سکتا باوجودیکہ ابتک مجھے [illegible] نہیں حاصل ہوا ہے۔ لیکن میں تو آنکھ سے ہی دیکھ [illegible] ہوں۔

[illegible] حصہ تہامہ ہے۔ یہ مقام یمن سے جانب جنوب اور حجاز سے جانب شمال ہے۔ [illegible] حصہ نجد ہے۔ یہ مقام شام سے شمالی جانب میں اور عراق سے [illegible] میں ہے۔ اور حجاز سے مغربی حصہ میں اور یمامہ سے جنوبی سمت [illegible] اور عرب کے تمام شہروں کی بہ نسبت اسمیں ایک خاص قسم کی تازگی اور [illegible] سی کی بابت قیس ابن ملوح شاعر نے لکھا ہے۔

اقول [illegible] والعیس تھوی
بنا بین المنیفة فالضمار
تمتع من شمیم عرار نجد
فما بعد العشیة من عرار

ہمکو اور ہمارے دوست کو شتران تیز رفتار مقام منیفہ و ضمار کے درمیان سے لئے جاتے ہیں۔ اور میں اپنے دوست سے کہہ رہا ہوں (اے دوست) نجد کے عرار (ایک خوشبودار پھول کا نام ہے)

---

[1] لیلے عامریہ ایک نامی [illegible]

[2] عرار ایک خوشبودار زرد پھول ہے۔ نرگس دشتی بھی کہا جاتا ہے جیسا تو یہی اسکو [illegible]

کی خوشبو سے لطف اٹھا لے۔ کیونکہ جب ہمارے اونٹ یہاں سے آگے بڑھ جائینگے تو پھر شام کے بعد کہاں یہ عرار کی خوشبو نصیب ہوگی۔

کسی شاعر نے اور بھی کہا ہے۔

سقی اللہ نجدا والسلام علی نجد	خدا تعالیٰ نجد کی زمین کو ہمیشہ سیراب رکھے
ویا حبذا نجد علی القرب والبعد	اے نجد تجھپر میرا سلام ہو۔ شاعر دوبارہ اپنے

دل کیطرف مخاطب ہوکر کہتا ہے۔ نجد کا مقام بہر صورت قریب ہو یا بعید ہو۔ بہت ہی خوب جگہ ہے۔

نجد ہی میں ایک مقام مسمیٰ العالیہ کلیب بن وائل بن ربیعہ کی حمایت میں تھا اسی کی بابت کلیب بن وائل مارا گیا۔ اور اسی کے متعلق حرب بسوس کا مشہور واقعہ ہے۔ اور عرب میں آج ضرب المثل بنا ہوا ہے۔ وہیں جبل عکاد بھی ہے جسمیں زمانۂ اسلام کے بہت دن بعد تک فصیح عربی باقی رہی تھی (کیونکہ اسلام کے زمانے میں قرابتیا کی رفاقتنے عرب کے ایسے چھکے چھوڑا دیے کہ انکی شاعری سب خاک میں ملگئی تھی۔ اور وہ زور شور کہ الاان والحفیظ سب مٹ مٹا گیا تھا۔ مصنف فشاجہ کی رائے میں اس مقام پر فصیح عربی ابتک بھی باقی ہے۔ مترجم)

پانچواں حصہ بیا ہے۔ جو نجد اور یمن کے مابین واقع ہے اور اسے عروض بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ نجد اور یمن کے درمیان عارض یعنے واقع ہے۔ ... کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ سینیا اور دوسرا حوریب ہے۔ جہاں پر کہ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو خدا تعالیٰ نے شریعت عطا فرمائی ہے۔ (دیکھو باب ۱ خر ص ۱۹) اور جبل فاران ہے (تک ص ۲۱ و تنث ص ۳۳) و جبل ہارون ہے اس مقام پر ہارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی دفن ہیں۔ (عدد ص ۲۰۔ ۲۰۱۔ ۲۲۰)

اسی جبل فاران کی مشرقی جانب میں وادی موسیٰ ہے۔ اسی مقام پر قدیم میں شہر بترا آباد تھا۔

اس شعبہ جزیرۃ العرب کے مشہور شہروں میں سے ایک شہر جسے قدیم زمانہ

باس - باسہ - اور لباسہ کہتے تھے۔ مگر اب مکہ کہتے ہیں۔ اور بعض اسکو بکہ (بتقدیم بائے موحدہ) بھی کہہ لیتے ہیں۔ بعض مورخین کا قول ہے کہ بکہ کا لفظ اوسط مکہ پر اطلاق ہوتا ہے۔ کیونکہ اس مقام پر عوام الناس کا اجتماع بہت ہوتا تھا۔ (یہ لفظ بکہ بمعنے زحمت سے مشتق ہے) مکہ کو ام القری بھی کہتے ہیں۔ ابتدائے اسلام میں سے اب کوئی شخص وہاں جانیکا مجاز نہیں ہے کیونکہ وہیں مسجد الحرام ہے جسکے وسط میں خانہ کعبہ ہے۔ اس شہر کا طول دو میل کے قریب ہے۔ اور عرض ایک میل۔ وہاں کوئی چشمہ یا نہر نہ تھی۔ صرف چاہ زمزم تھا۔ بعد میں خلیفہ مقتدر باللہ عباسی نے بہت دور سے ایک نہر لا کے مکہ میں پانی جاری کیا۔

مکہ کے مشہور مضافات میں سے صفا و مروہ بھی ہیں۔ یہ دونوں پہاڑ کوہ ابوقبیس کے ذیل میں ہیں۔ علی ہذا القیاس وادی منی اور جبل عرفات اور مزدلفہ اور بطن محسر وغیرہ بھی وہاں کے مقامات مشہورہ میں سے ہیں۔

حجاز کے ان مقامات مذکورہ کے ذکر میں شیخ عمر فارض نے بہت اچھے اچھے اشعار لکھے ہیں۔ منجملہ انکے یہ شعر بھی ہیں۔[1]

سقی بالصفا الربعی ربعا بہ الصفا وجاد باجیاد ثری منہ ثروتی
علی فاتت من جمع جمع تاسفی وود علی وادی محسر حسرتی

ایضاً

یا راکب الوجناء بلغت المنی عج بالحمی ان جزت بالجرعاء
متیمما تلعات وادی ضارج متیامنا عن قاعۃ الوعساء
واذا وصلت اثیل سلع فالنقا فالرقمتین فلعلع فالشظاء
وکذا عن العلمین من شرقیہ مل عادلا للحلۃ الفیحاء
فلنا الی سرح المربع فالشبیکـ ـۃ فالثنیۃ من شعاب کداء
ولحاضر البیت الحرام وعامر تلک الخیام وزائری الخیماء

[1] چونکہ ان اشعار میں زیادہ تر مقامات کے نام منظوم کئے گئے ہیں۔ ان کا ترجمہ غیر ضروری سمجھا گیا۔

ولفتية الحرم المريع وجيرة   الحي المنيع تلفتی و عنائی

ایضاً

عمرك الله ان مررت بوادی   ينبع فالدهنا فبدر غادِ
وسلكت النقا فاودان ودان   الى رابغ الروی الثمادِ
وقطعت الحرار عمداً لخيمات   قديد موارطن الامجادِ
وتلابيت من خليص فعسفان   فمر الظهران ملقى البوادی
ووردت الجموم فالقصر فالدكناً   طرا مناهل الورادِ
وانتيت التنعيم فالزاهر الزا   هی نورا الى ذوی الاطوادِ
وعبرت الحجون واجزت فاقرهت   اذ زياد مشاهد الاوتادِ
وبلغت الخيام فابلغ سلامی   عن حفاظ غريب قرن النادی
یارعى الله يومنا بالمصلى   حيث ندعى الى سبيل الرشادِ
وقباب الركاب بين العليمين   لها زعين غرادی
وسقى جمعنا بجمع مكتا   وليلات الخيف صوب عهادِ
من تمنى مالا وحسن ماآل   فمنائی منیٰ وانصی مرادی

انکے علاوہ بھی عرب کے اشعار بہت سی وادیوں اور پہاڑوں اور مواضعات کے بیان میں آسکتے ہیں۔ جہاں وہ لوگ اکثر ٹھہرا کرتے تھے لیکن ان میں سے اکثروں کے نام امتداد زمانہ کی وجہ سے بھول چوک گئے۔ اور اب فقط بعض کے نام رہ گئے ہیں۔ ان مضافات کا کہیں پتا تک نہیں۔ اور اکثر نام چند مقامات پر باضافت اطلاق کئے جاتے ہیں۔ مثلاً برقا رہے کہ یہ سخت پتھریلی زمین کو کہتے ہیں۔ اور اب باضافت برقار جندب و برقار شملیل۔ برقار آبدین وغیرہ تقریباً سو مقام کو باضافت برقار استعمال کرتے ہیں۔ اور برقہ تہمد برقتہ احواق۔ برقتہ احداد وغیرہ تقریباً (۹۰) موضع اسی طرح کے ہیں۔

کمیت بن معروف

وقد فاض غرب عند برقا خبند   لعينيك من عرفان ما انت تعرف

(اے کمیت) برقار جنذب کو دیکھ کے تیری آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے - کیونکہ تیری آنکھوں نے پہچان لیا جیسے تو اچھی طرح پہچانتا تھا - (یعنے چونکہ اس مقام پر تیری معشوقہ رہتی تھی - جب تو یہاں آیا تو وہ یک بیک یاد آگئی - اور سارے سامان اُسکے رہنے سہنے کے آنکھوں تلے پھر گئے - آخر ضبط نہ ہو سکا - اور آنسو جاری ہو گئے

نعمان بن منذر کہتا -

وما عذرك منه بعدما جرت   ابيي المطي به برقاء شمليلا

اب تجھے بعد اسکے کیا عذر باقی رہا کہ تیری اونٹنی کے اگلے پاؤں میں برقار شملیل میں پہونچکے اضطراب پیدا ہو گیا - یعنے تجھکو اضطراب اور جزع کیوں نہیں طاری ہوتا - درحالیکہ تیری معشوقہ کی قیامگاہ کو دیکھ کے تیری اونٹنی تک کو جزع و فزع طاری ہو گیا ہے -

ایک اور شاعر کہتا ہے -

ویوما ببرقار الاجدّین لوانی   أبیا بمقامی لانتهی او لجرّبا

اگر کسی دن برقار اجدین میں میرے مقام پر نفرت اور انکار کی حالت میں آؤ تو یا یہ ہوگا کہ کامیاب مقصد پر پہونچ جائیگا - یا میرا پورا تجربہ کرے گا کہ کیسا بہادر ہوں -

طرفہ بن عبد بکری کہتا ہے

لخولة اطلال ببرقة ثهمد   تلوح كباقي الوشم في ظاهر اليد

خولہ (طرفہ کی معشوقہ کا نام ہے) کے مکانوں کے کچھ نشانات اور ٹیلے برقہ ثہمد میں رہ گئے ہیں جو اسطرح چمک رہے ہیں جسطرح کلائی کے اوپر گودنے کے نشان چمکتے ہوتے ہیں -

ابن مقبل کہتا ہے :-

طربت الى الحي الذين تحملوا   ببرقة احواذ وانت طروب

جو قبیلہ کہ برقہ احواذ میں گیا ہے اُسے دیکھا تو بہت خوش ہوا - اور حقیقت میں تو بڑا خوش ہونیوالا ہے

کسی اور نے کہا ہے:-

لمن الدیار ببرقۃ الاجداد عفت سوار سمہا وغواد

برقہ اجداد میں کسی معشوقہ کے مکانات ہیں۔ جنکے نشان کو صبح و شام کے برسنے والے ابر نے بالکل مٹا دیا ہے۔

اسی طرح لفظ ثبیر ہے۔ یہ بھی مکہ کے قریب چند پہاڑوں کا نام ہے۔ مگر یہ سب اس ثبیر کے علاوہ ہیں جنکو امرا القیس کندی نے اپنے شعر میں نظم کیا ہے:

کان ثبیرا من عرانین وبلہ کبیر اناس فی بجاد مزمل

زور شور کی بارش کے وقت ثبیر گویا ایک بہت بڑا آدمی معلوم ہوتا ہے۔ جو خطوط دار گلیم میں لپٹا ہوا ہے۔

منجملہ انکے ثبیر الزنج اور ثبیر الاعرج اور ثبیر الخضرار اور ثبیر النصع ثبیر غینا ثبیر الادب بھی ہے۔ (انکو اثبرہ بھی کہتے ہیں)

علامہ ڈاکٹر فان دیک مصنف الاصل کہتا ہے کہ عرب ان ناموں میں مختلف طرح کے تصرفات کرتے ہیں۔ مثلاً ذی سلم۔ ذی الغضا۔ ذی قار۔ ذی طارح۔ ذات الشیح۔ ذات الحرل۔ ذات عرق وغیرہ۔ صاحب قصیدہ بردہ کہتے ہیں:

امن تذکر جیران بذی سلم مزجت دمعاً جری من مقلۃ بدم

کیا ان ہمسایوں کو یاد کرنے سے جو کہ ذی سلم میں رہتے ہیں میری آنسو کو جو کہ میرے گوشۂ چشم سے نکلا تو نے خون میں ملا دیا۔ یعنے کیا اتنی سی خطا پر کہ میں نے اپنی معشوقہ اور اسکے اعزہ اقارب کو یاد کیا تو نے میری آنکھوں سے آنسو کے بدلے خون جاری کر دیے۔

فارض کا قول ہے:

انار الغضا ضائت وسلمی بذی الغضا ام ابتسمت عما حکتہ المدامع

کیا غضا (ایک درخت کا نام ہے جسکی لکڑی کی آگ چالیس دن تک رہ سکتی ہے) کی آگ روشن ہو گئی ہے جو یہ روشنی پھیلی ہوئی ہے۔ اور سلمی میری معشوقہ ذی الغضا میں ہے

یا میرے آنسوؤں کے بیان پر سلمیٰ ہنس رہی ہے۔ اور اسکے دانتوں کی چمک اسقدر تیز تھی کہ بجلی معلوم ہوتی ہے
بکیر بن اہم تغلبی نے لکھا ہے:۔

ھم یوم ذی قار وقد حمس الوغی   خلطوا لھاما جحفلاً بلھام

ذی قار کی جنگ کے دن جبکہ لڑائی کی آگ بہت تیز ہو گئی تو ایسے گھمسان کی لڑائی ہوئی کہ ایک عظیم الشان لشکر دوسرے لشکر میں بڑے زور سے مخلوط ہو گیا۔
کسی اور شاعر نے کہا ہے:۔

اذا نزل الخیام بذی طلوح   سقیت الغیث ایتھا الخیام

جبکہ ذی طلوح میں یہ خیمے فروکش ہوں تو اے خیمو تمہیں باراں سیراب کرے۔
چونکہ یہ خیمے اسکی معشوقہ کے ہیں اسلئے اسکو دعا دیتا ہے۔

فارض نے کہا ہے:۔

وبذات الشیح عنی ان مررت   بحی من عریب الجزع حی

اے قاصد جب تو ذات الشیح میں قبیلہ عریب الجزع کے پاس پہونچے تو میرا سلام پہونچا دینا۔

عنترہ عبسی کہتا ہے:۔

طال الثواء علی رسوم المنزل   بین الکلیل وبین ذات الحرمل

معشوقہ کی منزل کے پاس جو کلیل اور ذات حرمل کے درمیان میں ہے کھڑے کھڑے دیر ہو گئی اور ابتک کوئی جواب نہ آیا۔

اسی طرح لفظ بطن ہے کہ اکثر ناموں کے ساتھ منضم ہوتا ہے۔ مثلاً بطن قو بطن مر بطن ایاد بطن حرۃ وغیرہ۔ تقریباً بیس نام ایسے ہی ہیں۔

امرؤ القیس کہتا ہے:۔

سمالک شوق بعد ما کان اقصرا   وحلت سلیمی بطن قو فعرعرا

تیرا شوق پھر بڑھ گیا بعد اسکے کہ کم ہو گیا تھا۔ معلوم ہوا اسکا سبب یہ ہے کہ سلیمی بطن قو اور عرعر میں آ گئی ہے۔

لفظ حجر بھی اکثر ناموں کیطرف مضاف ہوا کرتا ہے مثلاً حجر الیمامہ حجر الراشدہ حجر بنی سلیم حجر وغیرہ

بلاد عذرہ اور غطفان میں ایک وادی کا نام بھی حجر ہے۔ اسی طرح بادیہ میں بھی ایک مقام حجر سے نامزد ہے۔

اکثر مقامات لفظ دارہ کے ساتھ پکارے جاتے ہیں مثلاً دارالمدینہ جزیرہ میں ایک مقام کا نام اور بنی عامر کے بلاد میں ایک وادی کا نام ہی ہے۔ دارہ کو وارہ بھی کہتے ہیں جیسے دارۂ جلجل وغیرہ۔

یاقوت سے بعض مورخین نے نقل کیا ہے کہ اس نے مشترک (اسکی کتاب کا نام ہے) میں چالیس سے زیادہ نام لفظ دارہ کے ساتھ مستعمل لکھے ہیں۔ اور فیروزآبادی نے سو سے بھی زیادہ کی خبر دی ہے۔ شیخ ابوالحسن احمد بن فارس نے بالخصوص ایک کتاب اس بابت لکھی ہے۔ اور جتنے مقامات کے نام ہیں لفظ دارہ ہی سے انکو شروع کیا ہے۔

شہر جدہ بحر احمر کے کنارے پر واقع ہے یہ بندرگاہ ہے۔ یہیں سے مکہ۔ مدینہ اور طائف بیبہ کو راستہ جاتا ہے۔ ایک مورخ نے بیان کیا ہے کہ بعض حصہ اسکا حل (خارج حرم) میں ہے اور بعض حصہ حرم (بعد مسجد الحرام کے چاروں طرف چار چار اپنچ تک حرم ہے) میں ہے۔

تبوک۔ مدینہ منورہ اور دمشق کے درمیان میں نصف مسافت پر واقع ہے اس مقام پر ایک بہت بڑا واقعہ مسلمانوں اور عیسائیوں میں پیش آیا تھا۔

دومتہ الجندل۔ ایک شخص کا نام اکیدر تھا۔ اور وہ اپنے کسی شہر میں قریب جبلین النمر کے حدود عراق میں سے جسکو دومہ کہتے ہیں رہتا تھا اور بنی کلب جو اُسکے ماموں تھے انکی ملاقات کیوجہ سے اطراف شام میں جایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اثنائے راہ میں اسکو گرا پڑا سا ایک شہر دکھلائی دیا جسکی چند دیواریں رہ گئی تہیں۔ اور اس جگہ ایک مکان تھا۔ جسے جندل کہا کرتے تھے۔ اکیدر نے جب یہ دیکھا تو اُسکو پھر دوبارہ بنایا۔ اور وہاں زیتون کے درخت لگائے اور اُسکا نام دومتہ الجندل رکھا۔ تاکہ دومتہ الجندل اور دومتہ العراق میں فرق رہے۔ اس شہر کو خالد بن ولید نے جس سال جنگ تبوک

واقع ہوئی تھی اسی سال فتح کر لیا تھا۔ اُس زمانے میں بنی کلاب وہیں فروکش تھے منجملہ اُنکے زہیر بن جناب کلبی بھی تہا۔ اور ماء الحبنی (ایک تالاب کا نام ہے) پر جو بنی بکر و تغلب کی لڑائی ہوئی تھی۔ اُسکی بابت اُس نے یہ اشعار نظم کئے تھے۔

این این الفرار من حذر الموت	موت کے ڈر سے کوئی کہاں بھاگ سکتا ہے
واذ تتقون بالاسلاب	اور کپڑے چھپائے جانے سے کیوں ڈرتی ہو
اذ اسرنا مهلهلا واخاه	جبکہ ہم نے مہلہل اور اُسکے بھائی کو قید کر لیا
وابن عمرو فی القید وابن شهاب	اور ابن عمرو اور ابن شہاب دونوں اسیر کر لئے
وسبینا من تغلب کل بیضاء	اور بنی تغلب میں سے ہم نے ہر حسین وخوبرو
رقود الضحی برود الرضاب	عورت کو قید کر لیا۔ جو کہ دن بھر آرام کرنے

والیاں اور اوس لے لب ودہن والیاں تھیں۔

زہیر بن شراب کلبی کہ جس نے اپنی بی بی اسمار کو قتل کر ڈالا تھا کہتا ہے:۔

الا اصبحت اسماء فی الخمر تعذل	اسمار (میری بیوی) مجھے شراب پینے کو منع کرتی ہے
وتزعم انی بالسفاه موکل	اور نصیحت کرتی ہے وہ خیال کرتی ہے کہ میں بالکل بے عقل
فقلت لها کفی عتابک نصحها	ہو گیا ہوں۔ میں نے اُسکے جواب میں کہا کہ آپ
والا فبینی فالتفرق امثل	ذرا اپنے عتاب کو روکیں کہ شراب صبح تو پی لوں

اور اگر نہ مانیگی اور رکے ہی جائیگی تو جلد سے کیونکہ ایسے وقت میں ودری ہو جانا بہتر ہے۔

حجر۔ بکسر حا مہملہ۔ دومتہ الجندل سے جانب جنوب میں واقع ہے۔ یہیں پر شام کے حجاج اُترتے تھے۔ اسی مقام پر قوم ثمود کی بستی تھی۔

حجر۔ بفتح حائے مہملہ — یمامہ میں قریب شہر یمامہ کے واقع ہے۔ اور یہ دونوں مقام بنی حنیفہ اور بنی مضر کی فرودگاہ ہیں۔ بنو حنیفہ جنکا ابھی ذکر آیا ہے بکر بن وائل کے قبیلے سے ہیں اور انہی میں سے مسیلمہ کذاب بھی تھا۔ یہ لوگ ربیعۃ الفرس کے قبیلے کے عرب مستعرب ہیں انہی میں سے امام ابو القاسم حریری مصنف مقامات حریری وہیں کے ایک قریہ میسی مشان کے رہنے والے تھے۔ جبکہ بادشاہ وقت

اسکو منشی گری دی تھی اور ان سے کچھ لکھنے کو کہا گیا تو عجب بات ہے کہ اتنا بڑا قابل شخص ایسا عاجز ہوا کہ ایک سطر بھی نہ لکھ سکا۔ چنانچہ ایک شاعر نے اس مضمون کو ادا کیا ہے

شیخ لنا من ربیعة الفرس
ینتف عثنونه من الهوس
انطقه الله بالمشان کما
رماه وسط الدیوان بالخرس

ہمارا ایک بڈھا بزرگ قبیلہ ربیعۃ الفرس میں
اپنی ڈاڑھی کو آرزومندی سے نوچ رہا تھا۔
(قاعدہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی کام کی سوچ
میں ہوتا ہے تو ڈاڑھی سے اکثر شغل کرتا ہے

خصوصاً جبکہ اس کام کی بندش اچھی طرح سمجھ میں نہ آتی ہو) خدا تعالے نے انکو مشان میں کیسا نطق اور کیسی خوشگفتی عطا کی۔ اور دیوان انشا میں گنگ و بے زبان کردیا۔

اسی تہامہ کے رہنے والی حذام جدیسیہ بھی تھی۔ اسکا مکان مقام جو میں تھا جو کہ یمامہ میں واقع ہے۔ اسکو زرقا الجو کہتے تھے کیونکہ اسکے رنگ میں ایک قسم کی نیلاہٹ تھی۔ اسی کی بابت شاعر کہتا ہے۔

اذا قالت حذام فصدقوها
فان القول ما قالت حذام

حذام جس وقت کوئی بات کہے تو اسکو تسلیم کرلو
کیونکہ بات وہی ٹھیک ہے جو حذام کہے۔

تیما قبیلہ طے کا شہر تھا۔ اسمیں ایک قلعہ معروف بہ ابلق فرد ہے جسکے بارے میں سموال بن عادیا صاحب مروت ووفا نے ایک قصیدہ لکھا ہے جسکا مطلع یہ ہے۔

اذا المرء لم یدنس من اللوم عرضه
فکل رداء یرتدیه جمیل

جو شخص اپنی آبرو کو ملامت کی نجاست سے بچائے
اسکے واسطے ہر قسم کا فعل قابل مدح سمجھا جائیگا

اسی قصیدہ میں یہ شعر بھی ہے:

لنا جبل یحتله من نجیره
منیع یرد الطرف وهو کلیل

ہمارے قبضہ میں ایک پہاڑ (قلعہ ابلق فرد) ہے
جسمیں جو پناہ چاہتے ہیں وہ اسمیں آسکتا ہے

یہ پہاڑ (قلعہ) نہایت بلند ہے اور نظر وہاں سے تھک کر پھر آتی ہے

هو الابلق الفرد الذی شاع ذکره
ہمارا جبل یہی قلعہ ابلق فرد ہے جسکا ذکر

یعز علی من رامہ ویطول	تمام عالم میں مشہور ہے۔ جو شخص اسکا ارادہ

کرتا ہے اسکو وہاں تک پہونچنا دشوار اور طولانی ہوجاتا ہے۔

رسا اصلہ تحت الثری وسما بہ	اسکی جڑ زمین کے نیچے نہایت سخت بیٹھی ہے
الی النجم فرع لاینال طویل	اور اسکی فرع طویل آسمان تک بلند ہے جسکو

کوئی شخص نہیں پاسکتا۔

جحر کی مغربی جانب کنارہ دریا سے ملا ہوا مدین کا خرابہ ہے جسکی بابت کثیر عزہ کہتا ہے:۔

رھبان مدین والذین عھدتھم	شہر مدین کے رہبان اور جن لوگوں کو مینے دیکھا ہے
یبکون من حذر العذاب قعودا	بیٹھے ہوئے عذاب کے خوف سے روتے ہیں۔
لو یسمعون کما سمعت کلامھا	جسطرح میں نے عزہ کا کلام سنا اگر وہ بھی
خروا لعزۃ رکعا وسجودا	اسیطرح سنتے تو اسکو رکوع اور سجدے کرتے

ہوئے منہ کے بل گرپڑتے۔

اسی مقام پر وہ کنواں بھی تہا جس سے موسیٰ نبی نے رعویل کاہن مدیان کے گلوں کو سیراب کیا تھا۔ (خر۔ ص ۲)

ینبع۔ دریا کے قریب ایک شہر ہے۔ یہاں اولاد حسن بن علی ابن ابیطالب علیہم السلام کی فرودگاہ تھی۔ اور اُس سے تقریباً ایک منزل کے فاصلہ پر ایک بندر ہے۔ اسی کے قریب جبل رضوی ہے جس سے لوگ سنگ فسان اطراف عالم میں لیجاتے ہیں شاعر کامل صفی الدین حلی نے اسکیطرف اپنے شعر میں اشارہ کیا ہے۔

وحلفت الی ذائب بالذی نعوی	تیرے حق کی قسم جو کچھ تو چاہیگا اسپر قانع
ورا ض ولو حملتنی الطود رضوی	رہوں گا۔ اور خوش رہونگا اگرچہ تو اس محبت

میں مجھے کوہ رضوی کو پیٹھ پر اٹھالو۔ یعنے تیرے عشق میں ہر قسم کی مصیبت اور بار اٹھانے میں تیار ہوں۔

مدینہ طیبہ۔ یہی وہ مقام ہے جسکی بابت فرزدق اپنے شعر میں یوں کہتا ہے۔

تیقنت ان لا دار من بعد طیبة
تطیب وان لا عزة بعد عزة

میں نے یقین کرلیا کہ جب مجھے مدینہ چھوڑنا تو
پھر میرے لئے کوئی مقام اچھا معلوم نہ ہوگا۔
اور نہ بعد عزت (اپنی معشوقہ) کے کسی قسم کی عزت حاصل ہوگی۔

خیبر یہود متعصبہ یہیں رہتے تھے۔ اور مکر و خباثت نفس میں شہرۂ آفاق تھے۔ سموأل بن عادیا مذکور الصدر بھی خیبر ہی میں رہتا تھا۔ بعض کا بیان ہے کہ خیبر عمالقہ کا بنا کیا ہوا ہے۔ بعد میں بنی عنزہ بن اسد بن ربیعہ کے قبضے میں آگیا۔ یہاں کی آب و ہوا نہایت خراب ہے۔ مختلف قسم کی تپ یہاں پیدا ہوتی ہیں۔ یہاں کی تپ اپنی شدت کے سبب عرب میں مشہور ہے۔ اخفش کہتا ہے:۔

فمن یک امسی فی بلاد مقامه
یسائل اطلالا بها لا تجاوب
فقفت بها ابکی واشعر سخنة
کما اعتاد محموما بخیبر صالب

کون شخص ایسے شہروں میں پہنچا کہ وہاں کے
گرے ہوئے مکانات کے ٹیلوں سے کچھ سوال
کرتا ہو اور وہ کچھ جواب نہ دیتے ہوں۔ میں وہاں
کھڑا تھا اور وہاں کی گرمی کو محسوس کرتا تھا جیسے
صالب (خیبر کی تپ جو مع دردسر کے بڑی سخت ہوتی ہے) کسی بیچارے تپ زدہ کی عادت کرلی ہو اور بار بار اسکو ستاتی ہو۔

خیبر میں خرما کے درخت بہت ہیں۔ دور دور یہاں سے چھوارے جاتے ہیں۔ اسکی بابت خارجہ ابن ضرار مری کہتا ہے:۔

اخالد هلا اذ سفهت عشیرة
کففت لسانك السوء ان یبتل عرا
فانك واستبضاعك الشعر نحونا
کمستبضع تمرا الی ارض خیبرا

خالد جب تیرا قبیلہ اعلیٰ درجہ کا سفیہ اور
بیوقوف ہے تو اپنی بدزبانی کو تو بتا ہی سے
کیوں نہیں روکتا ہے۔ تو جو ہمارے پاس
اپنے شعر بھیجتا ہے تو ایسا ہے جیسے کوئی شخص
خیبر میں چھوارے بھیجے حالانکہ وہ چھواروں کا معدن ہے۔

دوسرے شعر کا دوسرا مصرع عرب میں ضرب المثل کے طور سے استعمال کیا جاتا ہے۔
جاؤ۔ مدینہ سے پورب اور روہن کے کونے پر ایک دن رات کی راہ کے فاصلہ پر واقع

اور مدینہ کا بندرگاہ ہے۔

اسی موضع کیطرف اکثر اشخاص منسوب ہیں۔ منجملہ انکے عبد الملک بن حسن جاری احول بھی ہے۔ اس سے ایک منزل کے فاصلے پر جنوب مشرق میں ایک تالاب ہے جسے بدر کہتے ہیں اسی کے قریب قریہ بدر ہے۔ اسی مقام پر کفار قریش اور مسلمانوں میں سخت جنگ ہوئی۔ اور ظفر مسلمانوں ہی کے ہاتھ رہی اسوقت سے اس مقام کو بدر القتال۔ اور بدر الموعد کہنے لگے۔ اس جنگ میں جو لوگ مارے گئے تھے منجملہ انکے بدر بن اسود بن زمعہ بن مطلب بن نوفل قریش مشرک بھی تھا۔ اسکا باپ اسکے مرثیہ میں کہتا ہے۔

اتبکی ان یضل لها بعیر
ویمنعها من النوم السهود
فلا تبکی علی بکر ولکن
علی بدر تقاصرت الجدود

کیا وہ عورت اسبات پر روتی ہے کہ اسکا اونٹ گم ہو گیا ہے اور اس غم میں اسے نیند تک نہیں آتی۔ اپنے جوان اونٹ کے گم ہو جانے پر نہ روئے۔ بلکہ بدر پر روئے کہ جسکے سبب سے نصیبوں نے بہت کمی کی۔ یا بہت کم ہو گئے۔

عسفان جحفہ (جو کہ آجکل بالکل غیر آباد ہے) اور مکہ معظمہ کے بیچوں بیچ راہ میں واقع ہے۔ اسکو مدرج عثمان بھی کہتے ہیں۔ عنترہ عبسی شاعر نے اسی کیطرف اشارہ کیا ہے۔

کانها یوم صدت ما تکلمنا
ظبی بعسفان ساجی الطرف مطروف

جس دن میری محبوبہ مجھسے ناراض ہو گئی اور کلام نہ کرتی تھی گویا ایک ہرن بنی ہوئی ہے آنکھوں سے شکار کرتی تھی۔ اور اسکی آنکھوں میں سرخی دوڑتی تھی۔

طائف مکہ سے مشرقی جانب کوہ غزوان کے دامن میں واقع ہے۔ یہاں ٹھنڈک بہت رہتی ہے۔ میوے زیادہ پیدا ہوتے ہیں۔ کیونکہ اسکے قریب ہی بہت سے باغ ہیں۔ جنہیں نہروں اور چشموں کا پانی پہاڑ سے بہہ بہہ کر آتا ہے۔ طائف کو طائف اسوجہ سے کہتے ہیں کہ جب طوفان آیا تھا فوراً تمام خطہ زمین کا

غرق آب نہ ہوا بلکہ پانی سے اوپر رہا۔ یا اسوجہ سے کہ فرشتہ جلیل جبرئیل نے اسکو خانہ کعبہ کا طواف کرایا تہا۔ کیونکہ دراصل یہ مقام شام میں تھا۔ وہاں سے پروردگار نے حضرت ابراہیم نبی کی دعا سے حجاز میں آٹھوا منگایا تہا۔ طائف کے رہنے والے قبیلۂ ثقیف کے لوگ ہیں۔ انہی میں سے حجاج بن یوسف ثقفی (مشہور قاتل) تہا۔ یہ لوگ قیس عیلان کی اولاد میں سے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ایاد کی نسل سے ہیں۔ بعض کا بیان ہے کہ قوم عاد کے بچے ہوئے لوگوں سے ہیں۔

عکاظ۔ یمامہ اور تہامہ کی حد کے قریب ہے۔ اسی میں مشہور بازار عکاظ لگا کرتا تہا۔ اسکا ذکر آگے آئیگا۔

صنعاء الیمن۔ عرب کے مشہور و معروف شہروں میں ہے۔ اور نہایت شاداب و تر و تازہ ہے۔ صنعاء یمن۔ یمن کے شہروں میں سے ایک قصبہ ہے بعض کا بیان ہے کہ صنعاء یمن جو عرب کے شہروں میں نہایت مشہور ہے ملک شام سے بہت مشابہ ہے کیونکہ جسطرح وہاں درختوں کی کثرت ہے یہاں بھی ہے۔ اور جیسے وہاں نہریں جاری ہیں یہاں بھی ایسا ہی ہے۔ وہاں کی آب و ہوا نہایت لطیف ہے۔ بازار خوبصورتی سے آباد ہیں۔ تجارت کا دروازہ بہت وسیع ہے اگلے زمانے میں بادشاہان یمن کا یہی پایۂ تخت تہا۔ اونکا ایک عالیشان قصر بھی اتبک باقی ہے۔ اوسکو غمدان کہتے ہیں۔ قریب ہی اسکا ذکر آئیگا۔

صنعا کے جنوب و مشرق کی سمت پر شہر مارب ہے جسے شہر سبا بھی کہتے ہیں۔ یہ شہر سبا عبد شمس ملقب بہ سبا کے نام سے مشہور ہے۔ عبد شمس نے اس مقام میں ایک بہت بڑی شہر پناہ کی دیوار بنوائی تہی۔ اور بہت دور سے وہاں نہر لایا تہا۔ شہر کا بڑا حصہ اسی شہر پناہ پر واقع تہا۔ آخر ایک سال پانی برسا اور اس کثرت سے برسا کہ وہ سد منہدم ہو گئی۔ اور ہزاروں جانیں اوسمیں تلف ہوئیں۔ اس حادثے کو سیل عرم کہتے ہیں۔ اسی حادثہ سے عرب کے بہت سے قبیلے متفرق ہو گئے۔ انہی اطراف میں پتھروں پر چند تحریریں حمیری خط میں ہیں۔ مگر اونکا پتہ

نہ ملتا تھا۔ آخر ۱۸۷۰ء میں فرانس اور انگلینڈ کے بعض سیاحوں نے اسکا پتا لگایا اور ان شہروں کے اطراف میں خوب پھرے۔ اور تحریرات مذکورہ کو حبشی اور کوفی اور فنیقی اور عبرانی خطوط سے مقابلہ کرکے پڑھ لیا۔ (دیکھو سیاحۃ المعارف ص ۱۱۵)

بعض آدمیوں کا یہ خیال ہے کہ یہ ساری تحریریں عاد و ثمود کے وقت کی ہیں اور حمیر کیطرف محض اسوجہ سے منسوب کر دیگئی ہیں کہ ثمود کو حمیر نے یمن سے نکالدیا۔ اور وہ جاکر مقام حجر میں آباد ہوئے تھے۔ اسی وجہ سے تحریریں بھی حمیر کی کہلائیں۔

صعدہ صنعار کے شمالی اور مغربی گوشہ پر صعدہ واقع ہے۔ حریری نے اپنی مقامات کا ایک مقالہ بھی اسی قریۂ صعدیہ کے نام سے منسوب کیا ہے۔ اور اُس میں یہ دو شعر بھی ہیں۔

من ظلمہ او ضارہ دھرہ
فلیقصد القاضی فی صعدہ
سماحہ اذری بمن قبلہ
وعدلہ اتعب من بعدہ

جبکو زمانہ ستائے اور تکلیف پہونچائے تو
اُسے چاہیئے کہ صعدہ کے قاضی صاحب کے
پاس حاضر ہو کیونکہ اُنکی بخشش نے اگلوں
کی بخشش میں دھبہ لگا دیا اور اُنکے انصاف
نے پچھلے آنیوالوں کو تکلیف پہونچائی۔ کیونکہ وہ چاہتے ہیں کہ ہم بھی ویسا ہی عدل کریں مگر ہو نہیں سکتا۔

شہر زبید۔ صنعار کی مغربی جانب ایک منزل کے فاصلہ پر بحر احمر کے کنارے بطور بندرگاہ کے واقع ہے۔ جسے علاقہ بھی کہتے ہیں۔

مخا۔ صنعار کی جنوبی جانب میں دریا کے کنارے پر آباد ہے۔ بن یہیں سے آتا ہے۔ اور مخا سے چار منزل پر بیت الفقیہ ہے۔ اس مقام پر بھی کثرت سے بن پیدا ہوتا ہے۔ اور اطراف عالم سے تجار وہاں بن کی خریداری کے لئے بکثرت آیا کرتے ہیں۔

عدن بحر ہند کے کنارے پر واقع ہے کشتیوں کے ٹھہرنے کے لئے یہاں لنگرگاہ بہت اچھا بنا ہوا تھا۔ یہاں کی تجارت بھی بہت بڑی بڑھی تھی۔ لیکن اب اسکا

اعتبار بہت کم ہو گیا ہے۔ اُسکے گرد واگرد جو خشک زمینیں پڑی ہوئی ہیں وہ آجکل انگریزوں کے قبضے میں ہیں۔ ہند اور سویس کے درمیان جو انکے جہاز آتے جاتے ہیں وہ یہیں ٹھیرتے ہیں۔ یمن کے توابع میں سے ایک جزیرہ مسمی سقطرہ بھی ہے جہاں سے صبر سقوطری آتا ہے۔ اور یہیں تک یمن کے ملک کی انتہا بھی ہے

مسقاط۔ بلاد عمان کا ایک قصبہ ہے۔

احسار بلاد بحرین کا ایک قصبہ ہے۔ یہاں جاری پانی کی نہریں کثرت سے ہیں۔ اور نہایت گرم چشمے بھی یہاں بہتے ہیں۔ احسار میں کھجور کے درخت اس کثرت سے ہیں کہ غوطہ دمشق (بہت مشہور مقام ہے) کے مشابہ ہیں۔ کھجوریں اس کثرت سے یہاں پیدا ہوتی ہیں کہ بصرہ کے اطراف میں لیجاکر لوگ گیہوں سے تبادلہ کرتے ہیں۔

احسار کی شمالی جانب میں نہر خلیج کے کنارے پر قطیف واقع ہے۔ یہیں موتی دریا سے نکلتا ہے۔ قطیف سے کاظمہ تک چار دن کی راہ ہے۔ اسی کے قریب خلیج عجم میں جزائر بحرین ہیں۔ یہاں چند مقام سے ایسے ایسے موتی نکلتے ہیں کہ جنکی نظیر عالم میں نہیں ملسکتی۔

کاظمہ مقام ابلہ سے جانب جنوب میں خلیج عجم کے کنارے پر آباد ہے۔ بعض لوگ اسکو عراق میں داخل کرتے ہیں۔ اسی کو صاحب قصیدہ بردہ نے اپنے شعر میں کہا ہے

ام هبت الريح من تلقاء كاظمة
وأومض البرق في الظلماء من إضم

"یا تو کاظمہ کیطرف سے ہوا چلی ہے جو میری معشوقہ کی چشم نازنین کی خوشبو لیکر پہنچی اور اس سے تو متاثر ہوا ہے۔ یا تاریکی میں کوہِ اضم سے برق چمکی ہے اور جمال یار دکھلائی دے گیا ہے اور اس سے تیرے دل کی بیتابی بڑھ گئی ہے۔"

اور مدینۃ الیمامہ احسار سے جانب جنوب کسی جانب مغرب آباد ہے اسکا ذکر پیشتر بھی آچکا ہے۔

ہجر عرب کے بہت قدیم شہروں میں سے ہے اور زبیر سے جانب شمال و مشرق

یمن آباد ہے۔ زبید کے دکھن کیجانب قلعہ تعز ہے جسمیں بادشاہان یمن رہتے تھے۔ یہ قلعہ ایک پہاڑ پہ بنا ہوا ہے اور اُسکے دامن میں اور زبید کی زمینیں ہیں۔ اور دریا کیطرف جانیکے چوڑے میدان۔ اور صنعا رکی مشرقی جانب میں دریائے جون کے اندر کنارے سے قریب شہر ظفار آباد ہے۔ یہ مقام علاقہ شحر کا ایک قصبہ ہے اور یہیں سے مابین ہندوستان اور مدینہ ظفار کے سلسلہ تجارت جاری ہے۔ اسیوجہ ظفار میں ہندوستان کے اکثر درخت موجود ہیں۔ مثلاً ناریل۔ پان وغیرہ۔ ظفار کی شمالی جانب میں رمال احقاف ہیں اور یہیں قوم عاد کے شہر آباد تھے۔

نجران۔ شمالی یمن سے شمالی صعدہ کے پہاڑ پر آباد ہے۔ اسمیں اور صنعا میں میں دس منزل کا فاصلہ ہے۔ اسکی زمینیں تمام قبیلۂ ہمدان کے قبضے میں تھیں۔ ہمدان کا نام کہلان تھا جو سبا کا بیٹا ہے۔

دوسری فصل

بلادِ جزیرہ کے بیان میں جسے دیار بکر اور دیار ربیعہ اور دیار مضر کہتے ہیں

مورخین کا بیان ہے کہ سیل عرم کے بعد کہ جسکا ذکر اوپر ہو چکا ہے یمنی عربوں کے تین قبیلے ربیعہ۔ بکر۔ مضر وہاں سے چلدیئے۔ اور نہر دجلہ وفرات کے درمیان میں شمال کیجانب آباد ہوئے جس مقام کو جزیرہ کہتے ہیں۔ مگر اُسوقت سے اس مقام کو دیار بکر و دیار ربیعہ و دیار مضر کہنے لگے۔ شیخ صفی الدین حلی کہتے ہیں:-

هوى تقتادني بديار بكر
وآخر نحو ارض الجامعين
سأسعى نحو رأس العين خطواً
واقصدها على رأسي وعيني

"ایک عشق تو مجھے دیار بکر کیطرف کھینچے لئے جاتا ہے اور دوسرا مقام جامعین کیطرف۔
میں بہت جلد راس العین (نام مقام ہے) کیطرف قدم اٹھاؤنگا اور اپنے سر آنکھوں پر اوسکا قصد کرونگا۔"

اسی مقام پر نہر خابور جاری ہے جسکے دونوں طرف بہت گھنے درخت لگے ہوئے ہیں۔ ابن طریف کے مرثیے میں خارجیہ شاعرہ اسی مطلب کیطرف اشارہ کرتا ہے۔

ایا شجر الخابور مالك مورقا
کانك لم تجزع علی ابن طریف

"اے خابور کے درخت تجھے کیا ہوا ہے کہ تو ہرا بھرا ہے۔ شاید تجھے ابن طریف کے مرنیکا صدمہ نہیں ہوا۔ اور تو نے اوسپر جزع وبکا نہیں کی"۔

بنی مضر کے بقایائے نسل میں سے عرب طائیہ ہیں حاتم بن عبداللہ (جوکہ سخاوت میں مشہور شخص ہے) اور اوس بن حبیب معروف ابوتمام طائی شاعر کامل اسی قبیلہ طائی سے تھے۔

اسی جزیرے کے شہروں میں سے ایک سروج ہے۔ حریری نے جس ابوزید سروجی کا اپنے تمام مقامات میں ذکر کیا ہے اسی مقام سے منسوب ہے۔

دوسرا رقہ ہے اسکو بیضا بھی کہتے ہیں۔ امام بیضاوی (جنکی تفسیر بیضاوی مشہور ہے) یہیں کے رہنے والے تھے۔

تیسرا رحبہ ہے۔ رشید عباسی کا سپہ سالار مالک بن طوق اسی مقام کا رہنے والا تھا۔ اسی وجہ سے اسکو رحبہ مالک کہتے ہیں۔

چوتھا قرقیسیا ہے۔ یہ شہر زبان کی بیٹی ہند کا آباد کیا ہوا ہے جسنے جذیمہ ابرش کو مارا تھا۔ اور دیار مضر سے شمار ہوتا ہے۔

پانچواں مدینہ دارا ہے۔ جسکی بابت شاعر کہتا ہے:۔

ولقد قلت لرحلی بین حران ودارا
اصبری یا رحل حتی یرزق اللہ حمارا

"میرا اونٹ کا پالان جو حران اور دارا کے درمیان رکھا ہوا تھا اوس سے میں نے کہا اے پالان تھوڑی دیر صبر کر کہ خدا تعالے کہیں سے ایک گدہا بھیجدے اور اوسپر رکھکے تجھے لیچلوں"۔

چھٹا مدینہ نصیبین ہے۔ یہ شہر دیار ربیعہ کا ایک حصہ ہے۔ یہاں گلاب بکثرت

اعلیٰ درجے کے پیدا ہوتے ہیں۔ بلکہ کہنا چاہیئے کہ یہ گلاب یہیں کے واسطے مخصوص ہے۔ یہی سبب ہے کہ جہاں سفید گلاب جاتا ہے اسی شہر سے جاتا ہے مگر سرخ گلاب یہاں نہیں پیدا ہوتا۔

جزیرۃ ابن عمر۔ دجلہ کی مغربی جانب میں چھوٹا سا ایک شہر ہے اہل علم کا ایک بڑا گروہ اسی شہر کی مردم خیز زمین کا نتیجہ ہے۔ منجملہ اُنکے اثیر کے کئی بیٹے ہیں ایک مبارک ہیں جنکی تصانیف سے کتاب جامع الاصول فی احادیث الرسول ہے۔ دوسرا نصر اللہ صاحب انشاء و بلاغت تیسرا علی اعلیٰ درجے کے تاریخ دان و مورخ۔ ان نسبتوں لائق عالموں کو جزری اسی مناسبت سے کہتے ہیں کہ جزیرہ ابن عمر کے رہنے والے ہیں۔

عانہ بابل قدیم کے پاس آباد ہے۔ یہاں کی شراب بہت اعلیٰ درجے کی ہوتی ہے۔ شاعر کہتا ہے:۔

امن بابل ام من لواحظک السحر
ومن عانۃ ام من مراشفک الخمر
وھل ما ارا۔ الموت ام حادث الھوی
وھل ھو شوق بین جنبی ام جمر

اپنے معشوق سے مخاطب ہوکے کہتا ہے لوگ جادو کہتے ہیں اسکی ابتدا بابل سے ہوئی ہے یا تیری ترچھی نگاہوں سے پیدا ہوئی ہے۔ اور یہ شراب جسے لوگ پیتے ہیں اور بے خود ہو جاتے ہیں یہ تیری لبوں کے چوسنے کا اثر ہے یا مقام عانہ کی بنی ہوئی ہے۔ اور جسے میں دیکھ رہا ہوں یہ موت ہے یا فراق کی مصیبت ہے جو شکل موت نظر آتی ہے۔ اور یہ جو میرے دل میں ہے تیرا شوق ہے یا کسی نے انگارہ رکھدیا ہے۔

تکریت۔ اکثر علماء اس پاک سرزمین سے ہی پیدا ہوئے ہیں۔ یہ شہر بابک کی بیٹی تکریت کے نام سے موسوم تھا مگر اب ویران ہے۔

تیسری فصل

بلادِ عراق کی تفصیل

ابوالفدا کا بیان ہے کہ عراق کو عراق اسود سے کہتے ہیں کہ نجد سے نیچے اور دریا سے قریب واقع ہے۔ عراق کا لفظ عراق القربہ سے لیا گیا ہے۔ عراق القربہ اون سیون کو کہتے ہیں جو قربۃ (مشکیزہ) کے نیچے ہوتی ہے۔ عراق کا ملک دجلہ کے دونوں کنارونپر آباد ہے۔ جسطرح مصر کے شہر دریائے نیل کے دونوں طرف آباد ہیں۔

ابن خلدون مغربی نے عرب کے تیسرے طبقے (یہ لوگ عرب اصلیہ کے تابع سمجھے جاتے ہیں) کے بیان میں لکھا ہے کہ یہ گروہ صحرانشین اور خیموں میں رہنے والوں کا ہے۔ انکے مکانات نہیں ہوتے۔ بلکہ خیموں اور جھولداریوں میں رہا کرتے ہیں۔ یہ گروہ ہمیشہ تمام دنیا کے بڑے گروہوں میں سے تھا۔ انکی حالت یہ تھی کہ کسی زمانے میں عزت اور غلبے کی انتہا انہیں تک ہوتی رہی ہے۔ ملکوں پہ فتح یاب اور اقلیموں پہ غلبہ پاتے رہے ہیں۔ اور کبھی دولت و ثروت کے مزے میں پڑکر تباہ و برباد ہوتے رہے ہیں۔ پھر آخر میں آپس ہی میں ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے لگے اور قتل و غارت کا بازار گرم کیا۔ اور اپنے صحراؤں میں واپس آ اس سے تھوڑے سے فاصلے پر لکھنا ہے کہ انھوں نے اپنی معاش فقط اسبات پر ٹھرالی تھی کہ راہوں میں منتظر کھڑے رہتے۔ جو کوئی قافلہ آتا تھا اُسے لوٹ لیتے تھے۔ انکے طبقہ اولی میں عمالقہ تھے اور دوسرے میں تبابعہ۔ اس دوسرے طبقے کے بہت سے واقعات اور لڑائیاں بخت نصر بادشاہ بابل کے ساتھ مشہور ہیں۔ بخت نصر ہی نے ان لوگوں کو مقام حیرہ میں آباد کیا تھا۔ مگر اوسکے مرنیکے بعد

سے کے سب مقام انبار میں چلے گئے۔ اور پھر عراق اور شام کی سرزمین میں جا بسے
مقام حیرہ جسکا ابھی ذکر آیا تھا ویہا اور سواد عراق کے کنارے پر شہر
کی صورت میں آباد تھا۔ اسکی وجہ تسمیہ میں بیان کیا گیا ہے کہ تبع (نام بادشاہ)
جسوقت یمن سے خراسان کو روانہ ہوا اور اس مقام پر رات کے وقت پہونچا
تو حیران رہ گیا کہ آگے کسطرف جاؤں۔ اسی حیرت میں گھوڑے سے اتر پڑا اور فوج
بھی وہیں ٹھہر گئی۔ صبح کو اس نے حکم دیا کہ اس مقام کو آباد کیا جاوے اور عمارتیں
بنائی جائیں۔ اسوقت سے اسکو حیرت کہنے لگے۔ اور نعمان بن منذر کی اولاد
میں جتنے بادشاہان لخمیین ہوئے انکا پائے تخت یہیں رہا۔ اس مقام میں منذر
بن امرء القیس نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ اور بڑے بڑے گرجا یہاں
بنوائے۔ اور ایک عظیم الشان قصر بھی تیار کرایا تھا۔ جسکا نام زورا رکھا تھا۔ (دیکھو
نابغہ ذبیانی کا یہ شعر)۔

وتسقى اذا ما شئت غير مصرد بزوراء في اكنافها المسك كارع

حیرت نہایت عظیم الشان شہر تھا۔ اسمیں مختلف قسم کی زراعتیں ہوتی تھیں نہریں
جاری تھیں۔ مگر جب اسلام کا ظہور ہوا۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد
ابوبکر خلیفہ اول تخت نشین ہوئے تو اس شہر کو بطریق امان فتح کیا (یعنے جنگ نہ ہونے
پائی بلکہ اہل حیرہ نے بعض اقرار امان پر اطاعت قبول کر لی) اسی وجہ سے تھوڑے
دنوں تک اسلام کا پائے تخت یہیں رہا۔ مگر پھر انبار میں منتقل کر دیا گیا۔

انبار نہر فرات کے کنارے پر عراق میں بھی ایک شہر کا نام ہے۔ بغداد اور انبار
کے درمیان میں دس فرسخ کا فاصلہ ہے۔ انبار کو انبار اس سبب سے کہنے لگے کہ شاہان
کاسرہ (شاہ کسریٰ) کی نسل سے جو بادشاہ ہوئے [illegible] غلہ [illegible] انبار [illegible]
اہل علم اس شہر سے [illegible] انتساب رکھتے ہیں۔ [illegible]
ابوبکر رضی اللہ عنہ [illegible]
پائے تخت کا مرکز قرار دیا۔ یہانتک کہ آبادی اوسکی حد سے زیادہ ہو گئی۔ اور [illegible]

فنون بھی بکثرت ترقی پذیر ہوئے۔ اور شہر نہایت مشہور ہو گیا۔

بصرہ پہلا شہر ہے جسے مسلمانوں نے آباد کیا ہے۔ یہ شہر حضرت عمر بن خطابؓ مذکور الصدر کے زمانے میں بنا ہوا۔ بصرہ کے لغوی معنے نرم پتھر کے ہیں۔ اس شہر میں بھی اکثر ادیب ہوئے ہیں منجملہ انکے شیخ محمد ابوالقاسم حریری مصنف مقامات حریری ہیں۔

اس شہر کے جنوب و مشرق کے گوشے پر ایک وادی ہے۔ جسے وادی النساء کہتے ہیں۔ اس سبب سے کہ عرب کی عورتیں اس مقام پر سار وغ ملنے کے لئے جایا کرتی تھیں۔ اسی شہر میں مربد البصرہ بھی ہے اور اسے ہم آگے بالتفصیل لکھیں گے۔

کوفہ کو سعد بن ابی وقاصؓ صحابی نے عمر بن خطابؓ کی خلافت کے زمانے میں بصورت شہر آباد کیا۔ اور اہل حیرت بالآخر وہیں جا کے آباد ہوئے۔ بعض کا قول ہے کہ کوفہ فرات سے بہت قریب واقع تھا۔ مگر خیال ہوتا ہے کہ فرات کے کنارے پر نہ ہوگا بلکہ خورنق کے کنارے پر ہوگا۔ کیونکہ مورخ ابوالفداء نے لکھا ہے کہ خورنق نامی کوفے میں ایک نہر ہے۔ اور ایک قصر کا نام بھی خورنق ہے۔ اکثر شعرا نے خورنق کا ذکر کیا ہے۔ ابوالعتاہیہ کہتا ہے:۔

لهفي على الزمن القصير
بين الخورنق والسدير

"مجھے نہایت افسوس ہے اس تھوڑے زمانے پر جو شہر خورنق و سدیر کے درمیان گذرا ہے کیونکہ اب ایسا زمانہ کہاں ملیگا"۔

اسود ابن یعفر نے کہا ہے:۔

اهل الخورنق والسدير وبارق
والقصر ذي الشرفات من سنداد

"میرا ممدوح خورنق اور سدیر اور بارق اور سنداد کے کنگرے دار قصر کا مالک ہے"۔

اور منخل یشکری کہتا ہے:۔

ولقد شربت من المدا
مة بالصغير وبالكبير

میں نے چھوٹے اور بڑے پیالوں میں شراب پی۔

واذا انتشیت فاننی	جب نشہ میں آ گیا تو میں تمام خورنق اور
رب الخورنق والسدیر	سدیر کا مالک تھا۔
واذا صحوت فاننی	اور جب ہوش آیا تو وہی بکریوں اور
رب الشویھة والبعیر	اونٹوں کا مالک تھا۔

کوفہ اور قادسیہ کے درمیان ایک مشہور موضع میں عرب و عجم کی بہت مشہور جنگ واقع ہوئی ہے جسے جنگِ قادسیہ کہتے ہیں۔ اسی کی طرف ایک شاعر نے اشارہ کیا ہے۔

ویوم القادسیة قد دعتنا   قادسیہ کی لڑائی کے دن ہمیں ضرورتوں
الی تبدید شملهم الدواعی   نے مخالفین کی جماعت کے متفرق کرنے پر آمادہ کیا

قادسیہ اور واسط کے درمیان میں ایک اور جنگ عظیم واقع ہوئی تھی جو کہ عرب کے تمام وقائع میں یادگار سمجھی جاتی ہے۔ اسی کی بابت بکر بن اصرم ثعلبی کہتا ہے

هم یوم ذی قار وقد حمس الوغی	"اُن لوگوں نے ذی قار کے دن جبکہ آتش جنگ
خلطوا لهاما مجفلا بلهام	بھڑک رہی تھی ایک عظیم الشان لشکر کو دوسرے
منی بواہی الاحرار یوم لقوهم	عظیم الشان لشکر میں خلط ملط کر دیا۔ اور
بالمشرفی علی صمیم الهام	شریفوں کے وسط سر پر تلواریں ماریں جس دن

کہ لڑائی میں مقابل ہوئے"۔

اسی کوفہ میں مشہور شاعر احمد بن حسین معروف متنبی ۳۰۳ھ ہجری مطابق ۹۱۵ء میں پیدا ہوا۔ اسی کے قریب مسجد علی ہے۔ اور اسی مقام پر امام علی ابن ابیطالبؓ کا مدفن ہے۔ اکثر عجم وغیرہ کے شیعہ یہاں زیارت کی غرض سے آتے ہیں۔

اور اسی سرزمین پر طائفہ باطنیہ اور قرامطہ نے نشو ونما پائی ہے"۔

واسط۔ عبدالملک بن مروان کی خلافت کے زمانے میں حجاج نے ۷۸ھ مطابق ۶۹۷ء میں آباد کیا تھا۔ شہر واسط کو واسط اسود بھی کہتے ہیں کہ بصرہ اور کوفہ کے وسط میں واقع ہے۔

بغداد کو ابوجعفر منصور خلیفہ عباسی نے آباد کیا ہے۔ اسکا ذکرآئندہ آئیگا
سر من رائی۔ کو لوگوں نے مخفف کرکے سامرہ کہنا شروع کردیا ہے۔ اسکی
تصدیق بن متنبی کا ایک شعر ہے۔

اسامری ضحکة کل راء	"اے سامری کے رہنے والے جسپر ہر دیکھنے
فطنت وکنت اغبی الاغبیاء	والا ہنستا ہے کیا تو سمجھ گیا حالانکہ تو اعلیٰ

درجے کا غبی ہے"

عراق کی نہروں میں سے ایک نہر ہے جسے نہر عیسی کہتے ہیں۔ یہ نہر عیسی بن
عبداللہ عباسی نے کھدوائی تھی اور اسی کے نام سے مشہور ہے۔

حلہ۔ شہر بغداد سے جنوب اور مغرب کے گوشے پر واقع ہے۔ شیخ صفی الدین
بن سرایا حلی شاعر بے بدل کا جسکا ایک مشہور دیوان ہے اور انہی کی تصنیف سے عاطلات
اور نقد بھی ہے یہ مولد ہے۔ بعض مورخین کا قول ہے کہ شہر حلہ بابل قدیم کے
پتھروں سے بنایا گیا تھا۔ اور بابل اس سے مشرق کی جانب واقع ہے۔ فادسیہ
بیابان اور سواد عراق کے کنارہ پر واقع ہے۔

قطربل۔ بغداد کیطرف ایک چھوٹے سے شہر ستی عکبری کے قریب آباد تھا
اسی مقام پر اولفارسکا مجمع تھا۔ اور دلی اللہ لوگوں کے دل بہلانیکا مقام تھا۔ اسی
کے بارے میں محمد بن جعفر حلی کہتے ہیں:۔

یقولون ما قطربل فوق دجلة	"لوگ کہتے ہیں کہ یہ قطربل دجلہ کے کنارے
عدمت الفاظا بغیر معانی	پر واقع ہے ایسے الفاظ ہیں جنکے معنے معدوم ہوجاتے
اقلب طرفی لا اری القصف دونها	ہیں۔ میں اپنی نظر کو پھیر پھیر کے دیکھتا ہوں۔
ولا النخل بادمن قری البردان	تو مسئے قصف سے ظاہر کنہیں پاتا۔ اور نہ بردان

کے قریوں کے درخت خرما ہی دکھلائی دیتے ہیں"۔

اس شہر کی شراب بھی بہت اچھی ہوتی تھی۔ یہانتک نوبت پہونچی کہ اچھی شراب
اسی شہر کیطرف منسوب ہونے لگی جیتنی نے کہا ہے:۔

بلاد اذا زار الحسان لغیرها
حصی تربها ثقبنه للمخانق
سقتنی بها القطربل ملیحة
علی کاذب من وعده ضوء صادق

"یہ ایسے شہر ہیں کہ اگر اسکی زمین کے سنگریزے اور مقام کو حسین عورتیں دیکھ پائیں تو اسکو اپنے گلے میں ڈالنے کے لئے سوراخ کرلیں مجھے اُس مقام پر ایک ملیحہ نے قطربلی یعنی شراب پلائی کہ جسکے جھوٹے وعدے پر بھی سچائی کی جھلک تھی"۔

ابونواس اسی شراب کی تعریف میں کہتا ہے :۔

قطربل مربعی ولی بقرای الکرخ
مصیف وامی العنب۔

"قطربل تو میرا مکان ہے اور کرخ کے دیہاتوں میں گرمیاں کرتا ہوں۔ اور میری ماں انگور ہے۔ کہ اپنے دودھ (شراب) سے مجھے سیراب کرتی ہے"۔

مدائن بغداد سے ایک منزل کے فاصلہ پر جانب جنوب واقع ہے۔ اگلے زمانے میں اسکو طیسیفون کہتے تھے۔ ایوان کسریٰ کے کھنڈرات اسی مقام پر تھے۔ کہتے ہیں اُسکے ایک ستون سے دوسرے ستون تک ۹۵ ہاتھ فاصلہ تھا۔ اور اسکی بلندی ۱۰۰ ہاتھ تھی۔

بغداد اور واسط کے درمیان میں ایک شہر ہے جسے جبل کہتے ہیں۔ بہت سے مشاہیر کامل لوگ اسی شہر کے رہنے والے تھے۔ منجملہ اُنکے ابوالخطاب شاعر جبلی بھی ہے۔ ابوالخطاب اور ابوالعلا معرّی باہم مشاعرہ کیا کرتے تھے۔ اُسکی بابت ابوالعلا معرّی نے ایک مشہور قصیدہ کہا تھا جسکا مطلع ذیل میں مذکور ہے۔

غیر مجد فی ملتی واعتقادی
نوح باک ولا ترنم شاد

"میری ملت اور اعتقاد میں یہ بات ہے کہ کبھی رونے والوں کا نوحہ اور کسی گانے والی کا گانا عمدہ دل کو فائدہ بخش نہیں ہوتا"۔

چوتھی فصل

ملک شام کے مشہور مقامات

ابو الفدا نے لکھا ہے کہ شام کو اسوجہ سے شام کہتے ہیں کہ بنی کنعان کی ایک قوم نے اسکی طرف تشام کیا تھا۔ یعنے چونکہ ملک شام خانہ کعبہ سے بائیں جانب ہے۔ اور وہیں بنی کنعان آباد ہوئے تو انہوں نے تشام کیا یعنے خانہ کعبہ کی بائیں جانب آباد ہونا اختیار کیا۔ بعض کا قول ہے کہ شام بن نوح کے نام سے شام کا نام رکھا گیا ہے اسوجہ سے کہ عبرانی اور سریانی زبانوں میں سام کو شام کہتے ہیں۔

ایک شخص کا قول ہے کہ اس ملک کو شام اسوجہ سے کہنے لگے کہ یہاں کی زمینوں کی رنگ مختلف ہیں۔ بعض سرخ بعض سفید۔ بعض سیاہ لہذا اسکو شامات (تلون) سے تشبیہہ دی اور شام کہنے لگے۔ واحد اسکا شامۃ اور خود یہ لفظ جمع ہے جیسے لفظ امۃ واحد ہے اور اسکی جمع ام ہے۔ اس حصہ ملک کو اسوقت سے شام کہنے لگے سبب سے مسلمانوں نے ۱۳ھ میں اسکو فتح کیا۔ اس سے قبل اس قطعہ کا نام سوریہ تھا۔ مگر جب سے کہ سلطنت عثمانیہ نے اس ملک کے بہت سے حصوں کو ایک صوبے کے ماتحت کر دیا ہے اسوقت سے اسکا پہلا نام اسکو واپس کر دیا

ہم نے اس سے پہلے عراق کے بیان میں اس ملک میں عرب کے آباد ہونے کا سبب اور بخت نصر بادشاہ بابل کیطرف اسکا منسوب ہونا مورخ ابن خلدون المغربی کی کتاب کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ مگر مورخ ابو الفدا کا یہ قول ہے کہ جب سیل عرم کے صدمے سے اولاد ازد بن غوث بن نبت ابن مالک ابن ادد ابن زید بن کہلان بن سبا ملک یمن سے علیحدہ ہوئے۔ تو ایک تالاب پر جا اترے جو اس مقام (شام) میں تھا

اور جبکو غسان کہتے تھے۔ اسی مناسبت سے انکو بھی غسان کہنے لگے اور کثرت استعمال و اختلاف زبان سے غسان کا شام ہوگیا۔

غسان۔ حسان کے قریوں میں ایک قریہ ہے۔ دمشق سے جنوب بسمت کیطرف۔ اور وہیں ایک اور قریہ ہے۔ جسے کبر کہتے ہیں۔ ابوالفدا کا قول ہے کہ بصریٰ بنی فزارہ اور بنی مرہ کے شہروں میں سے ہے۔

حوران کے قریوں میں سے ایک موضع اذرع کے نام سے بھی مشہور تھا جسکا ذکر توریت (ریش ص ۱۲: ۱۔ ۲۱) میں آیا ہے۔ عرب اسکو اذرعات کہتے تھے جیسا کہ امرأالقیس کے کلام سے ظاہر ہے:

تنورتھا من اذرعات واھلھا
بیثرب ادنی دارھا نظر عالی

"میں نے اپنی محبوبہ کو اذرعات (نام مقام) سے دیکھ لیا۔ حالانکہ وہ اور اسکے عزیز تمام یثرب میں تھے۔ مگر اسکے مکان کو میری بلند نظر نے قریب کر دیا تھا۔"

منجملہ اسکے سردار ہے جنہیں بادشاہان غسان میں سے نعمان بن عمرو بن منذر نے ایک قصر بنوایا تھا جسکے بابت نابغہ ذبیانی کہتا ہے:

لھم شیمۃ لم یعطھا اللہ غیرھم
من الناس والاحلام غیر عوازب
ولا عیب فیھم غیر ان سیوفھم
بھن فلول من قراع الکتائب
تخیرن فی ازمان یوم حلیمۃ
الی الیوم قد جربن کل التجارب

"ممدوحین کو ایسی ایسی عمدہ عادتیں ملی ہیں کہ خداتعالیٰ نے ویسی عادتیں کسی کو نہیں دیں۔ عقلیں بھی انکی حاضر ہیں۔ اور ان میں کوئی عیب نہیں ہے سوائے اسکے کہ انکی تلواریں لشکروں کے قتل کرنے میں کند ہو گئی ہیں۔ جنگ حلیمہ کے دن یہ تلواریں ٹیکیں نہیں اور آجتک ہر طرح کے تجربے انہوں نے حاصل کر لیے۔"

اسی کی بابت عمرو بن کلثوم الاسدی نے یہ شعر کہا ہے۔

علی لعمرو نعمۃ بعد نعمۃ
لوالدہ لیست بذات عقارب

مجھپر عمرو کا احسان نعمت ہے اور اس سے اسکے باپ کا احسان بھی مجھپر ہے۔ مگر وہ نعمت

بچھونوں والی نہیں ہے۔ یعنے اسمیں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہے۔

جبل حوران (مذکور الصدر) کے مشرقی جانب میں ارض بثنیہ ہے جسکا ذکر کتب مقدسہ آسمانی میں آیا ہے۔ اور انہیں ارض باسان لکھا ہے۔ ابو الفداء نے اسکو بثنیہ لکھا ہے اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ یہ زمین حضرت ایوب الصدیق کے ملکیت میں تھی۔ منجملہ اسکے دیہاتوں کے قریہ صلخد ہے۔ کہ جسے صرخد بھی کہتے ہیں اس مقام پر بہت بلند عظیم الشان ایک قلعہ ہے اور ابو الفدا نے بیان کیا ہے کہ یہ قلعہ بنی ہلال کے رہنے کا مقام تھا۔

ارض بثنیہ میں علاوہ ان مقامات کے بہت سے مشہور مشہور مواضع تھے مگر امتداد زمانہ کی وجہ سے اب اجڑے پڑے ہیں اور فقط نام باقی ہیں۔ ان مکانات میں انکی دیواریں سنگ سیاہ کی ہیں۔ اور یہاں سے اپنے شہروں میں یہ پتھر کھود کر لیجاتے ہیں۔ اور چھتوں میں بجائے کڑیوں کے پتھر کے عمود دیئے ہوئے ہیں۔ اور تختوں کے عوض میں پتھر کی پٹیاں بچھائی ہوئی ہیں۔

نقل کرتے ہیں کہ بصرے میں ایک مکان ہے جسے اکثر لوگ سرجیس راہب منسوب بحیرا کا بتاتے ہیں۔ اس مکان کی صفت یہ ہے کہ فقط پتھروں سے بنا ہے اور کوئی چیز اسمیں نہیں لگائی گئی ہے۔ چاروں دیواریں پتھر کی ہیں اور چھت بھی پتھر کی ہے اور دروازہ بھی پتھر کا ہے۔ مگر اسمیں یہ صنعت رکھی گئی ہے کہ بہت آسانی سے کھلتا اور بند ہوتا ہے۔ جیسے لکڑی کا دروازہ ہوتا ہے۔ اور ایسے ایسے بہت سارے مکان ہیں کہ جنکے نیچے گہرے تہ خانے قابل دید ہیں۔ بادشاہان غسان (جنکا اجمالی ذکر پیشتر آچکا ہے) قیصران روم کیطرف سے ملک شام کے عربوں پر حاکم تھے۔ اور ظہور اسلام کے قبل تک دمشق انہیں کے قبضے میں تھا۔ انہی کی بابت حسان بن ثابت الانصاری کہتا ہے۔

اولاد جفنۃ حول قبر ابیہم	جفنہ کی اولاد اپنے باپ کی قبر کے پاس
قبر ابن ماریۃ المعم المخول	جمع ہیں جو کہ ماریہ کا بیٹا تھا اور اسکو بہت مال

يسقون من ورد البريص عليهم	اور چہاتے تھے۔ یعنے اُسکے عزیز واقارب
بردى يصفق بالرحيق السلسل	بہت سے تھے۔ جو شخص کہ موضع بریص پر

اُنکے پاس آوے تو نہر بردے کا پانی اُسے پلاتے ہیں۔ جو کہ شراب خوشگوار میں ملایا ہوا ہے۔

آخری شعر میں جو لفظ بردے مذکور ہے اس سے مراد وہ نہر ہے جس سے غوطہ دمشق سیراب کیا جاتا تھا۔ غوطہ ایک بے مثل باغ ہے اور دنیا کی عجائبات میں سے سمجھا جاتا ہے۔ اور منجملہ دنیا کی چار جنتوں کے ایک یہ بھی ہے۔ اول غوطہ دمشق۔ دوم شعب بوان۔ سوم نہر ابلہ۔ چہارم سغد سمرقند۔ شیخ برہان الدین قیراطی وادی بردی کی تعریف میں لکھتے ہیں:-

اشتاق فی وادی دمشق معهداً	میں وادی دمشق میں ایک مقام معین معلوم کا مشتاق
كل الجمال الی حماه ينسب	ہوں کہ تمام حسن وجمال اسی کے سبزہ زار کیطرف منسوب ہے
ما فيه الا روضة او جوسق	اُسمیں یا تو باغ ہے یا کوٹھا ہے یا نہر ہے یا
او جدول او بلبل او ربرب	بلبل ہے یا نیل گائیں ہیں۔
وكأن ذاك النهر فيه معصم	گویا کہ اس نہر کی کلائی نسیم کے ہاتھ میں ہے۔
بيد النسيم منقش ومكتب	جسمیں نقش ونگار کئے ہوئے ہیں۔
فاذا تكسر ماؤه الهی فنه	جب اُسکا پانی نیچے کیطرف بہنے لگتا ہے تو
فی الحال بين رياضه يتشعب	دیکھو کہ فوراً اُسکے جہنڈوں میں پھیل جاتا ہے۔
وشدت على العيدان ورق الربى	درختوں کی شاخوں پر جو ہوا کے جھونکوں سے پتیاں ہلتی اور
تقتالها من غاب عنه المطرب	ایک دوسرے سے ٹکراتے اور آواز کرتی ہیں تو کانوں کو [illegible] آتی ہے گویا
فالورق تشدو والنسيم مشبب	گویا نسیم اُسکو بھی آواز سنا کر دیتی ہیں پتیاں گاتی اور نسیم
والنهر يسقی والحدائق تطرب	کہتی ہے لہذا نہر سیراب کرتی اور چمن اُنکو سیر کر کے خوش ہوتے ہیں۔

له شعب بوان ملک فارس میں ارجان اور نوبند جان کے مابین ایک باغ یا سبزہ زار ہے۔ سغد سمرقند ملک ... میں ہے۔ اور نہر ابلہ نہر دجلہ کی ایک شاخ ہے جو شہر بصرہ سے نکلتی ہے۔

وحلت بقلبي من اعالي جنة فيها لارباب الخلاعة ملعب ولكم طربت على السماع بجنكها وغدا لديه فما اللسان يشبب	میرے دل کو اس باغ کے بلند مقامات بہشت ہی خوشگوار معلوم ہوتے ہیں جسمیں بےسامانوں کے واسطے اچھا دل بہلاوا ہے۔ میں اکثر اسکے چنگ کے بجنے پر وجد میں آیا۔ اور زبان اسکی بلندیوں کی تشبیب کہتی ہے"۔

دمشق بہت قدیم شہروں میں سے ہے۔ کہتے ہیں کہ اسکا نام دمشق اسوجہ سے پڑ گیا کہ آباد کرنے والا اسکا دمشاق یا دامشقیوس بن کنعان تھا ۱۴ھ مطابق ۶۳۵ء میں مسلمانوں نے خلافت عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں خالد بن ولید کی ماتحتی میں اسے فتح کیا۔ اور معاویہ بن ابو سفیان کے زمانے میں وہی پایہ تخت مقرر پایا۔ اور آخر عہد بنی امیہ اور ابتدائے دولت عباسیہ تک اسی مقام میں رہا۔ اکثر علما اور اہل ادب وہاں پیدا ہوئے ہیں منجملہ انکے شیخ محمد بن مالک اندلسی مصنف الفیہ ہیں۔ (جو الفیہ ابن مالک کے نام سے علم نحو میں مشہور کتاب ہے) اور شیخ محمد حریری جنکا حاشیہ رسالہ قطر کی شرح فاکہی پر ہے اور شیخ حسن بورینی دیوان ابن فارض کے شارح۔ اور شیخ عبدالغنی نابلسی۔ اور عائشہ باعونیہ جنکا قصیدہ بدیعیہ مشہور ہے۔ انکے علاوہ اور بھی اکثر علما اور شعراء کاملین اس شہر میں گذرے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اسکے پانی میں ایک عجیب خاصیت یہ ہے کہ جذام کو دفع کرتا ہے۔ وہاں کے رہنے والوں کو کبھی جذام نہیں ہوا۔ اور جو لوگ اس مرض میں مبتلا ہوکے وہاں گئے اور وہاں کا پانی استعمال کیا۔ تو جسقدر مرض تھا اس سے زیادہ نہیں ہوا۔ بلکہ اسی قدر پر ٹھہر گیا جسقدر یہاں آنے سے پہلے ہو چکا تھا۔

نہر بردے کی وادی میں کئی گاؤں اور سیرگاہیں ہیں۔ مثلاً جبجہ و بلوذان۔ زبدانی۔ صالحیہ۔ جنکی بابت عبدالغنی نابلسی کہتا ہے:

الصالحية جنة والصالحون بها اقاموا	"صالحیہ جنت ہے اور اسمیں صالحین ہی رہتے ہیں"۔

اور قارہ اور نبک۔ یہ دونوں مقام ان تمام مواضع کے بنسبت نہایت خوش نما ہیں۔ اور آب و ہوا کے اچھے ہونے میں ضرب المثل ہیں۔ اور بعض شعرا نے ان دونوں کی تعریف بھی کی ہے۔

اذا هاجت الرمضاء ذکرات بردها
حشاي كأني بين قارة والنبك

اے میری محبوبہ جبکہ تیری یاد کو رمضا ر (زمین گرم) جوش میں لاتی ہے تو باوجودیکہ خود گرم ہے مگر میرے دل میں ایسی خنکی پیدا کرتی ہے کہ گویا میں قارہ اور نبک میں موجود ہوں۔

اور نیرب۔ ربوہ و منشار جنکی بابت صلاح الدین صفدی کہتا ہے۔

انهض الى الربوة مستمتعا
تجد من اللذة ما يكفي
فالطير قد غنى على عوده
في الروض بين الجنك والدف

مقام ربوہ میں لطف حاصل کرنیکے لئے چلو۔ تم وہاں ایسی لذت پاؤ گے کہ تمہارے واسطے کافی ہوجائیگی کیونکہ طیور اُسکے باغ کے درختوں کی شاخوں پر چنگ و دف بجا بجا کے گاتے ہیں۔

بیت راس جسمیں حبابہ۔ یزید بن عبد الملک کی کنیز کا انتقال ہوا تھا اور اسی کے غم میں یزید بھی مرگیا۔ اسکا اصل قصہ اس طور پر ہے کہ ایک روز یزید بن عبد الملک سیر کی غرض سے بیت راس میں آیا۔ اثنائے سیر میں ایک بات اُسکے دل میں آئی۔ کہنے لگا کہ لوگ کہا کرتے ہیں کہ کوئی شخص کسی وقت کسی نہ کسی غم سے کامل دن بھر خالی نہیں رہ سکتا۔ دیکھو میں اسکا تجربہ کرتا ہوں جب صبح ہوئی تو اُس نے حکم دیدیا کہ اسوقت سے رات تک کوئی ملکی اہم مہم میرے سامنے نہ پیش کیجائے۔ اور خود حبابہ کو لیکے خلوت میں گیا۔ وہ گانے لگی۔ اور یہ سن سن کے خوش ہوتا تھا۔ یہانتک کہ کھانا لایا گیا۔ اور یہ اپنی معشوقہ حبابہ کے ساتھ کھانے میں مشغول ہوا۔ اور پہلے سے چند انار اسی بیت راس کے اسکے پاس آئے تھے کہ جنکے دانے بڑے بڑے ہوتے ہیں کھانے سے فارغ ہوکر حبابہ نے انار کھانا شروع کیا۔ یکبیک اُسکے حلق میں ایک دانہ اٹک گیا اور اُسکی سانس بند ہوگئی۔ اور وہ پہر سے قبل ہی مرگئی۔ چونکہ یزید اُس کو حد سے

رہا وہ پیار کرتا تہا۔ اسوجہ سے اسکو نہایت سخت صدمہ ہوا۔ اور رونے لگا آخر یہانتک رویا کہ خود بہی اسی مہینے میں مر کے رہگیا۔

بعلبک۔ اب تو صرف اسکی کچہ قدیم عمارتیں اور کچہ عمارتوں کے نشانات رہ گئے ہیں۔ اور باقی ویران ہے لیکن اگلے زمانے میں البتہ بعلبک بہت بڑا اور محفوظ شہر تہا۔ دشمن اسپر غالب نہیں آسکتا تہا۔ اور برابر اسی عظمت پر مسلمانوں کے سنہ ۱۴ ہجری مطابق سنہ ۶۳۶ء میں فتح کرنے تک باقی رہا۔ اسمیں بہت سے بازار۔ بہت سی جامع مسجدیں اور بہت سے شفاخانے تھے شہر پناہ اسکا بہت عظیم الشان تہا۔ مگر ایکمرتبہ ایسا سیلاب آیا کہ شہر پناہ منہدم ہو گیا اور ۵۰۰ سے زیادہ مکان گر پڑے اور خلقت کی خلقت تلف ہو گئی۔ اسوقت اسکے آثار میں سے ایک قلعہ رہگیا ہے جو اپنی دیواروں اور ستونوں اور بڑے بڑے پتہروں کی چہت کی وجہ سے ایک عجیب و غریب منظر ہے۔ ابتک اسپر مختلف شکلوں کے نقش و نگار اور حروف باقی ہیں۔ اسکی چہت پر چڑہنے کی راہ ایک دیوار کے اندر ہی اندر بنی ہوئی ہے۔ اور اسپر کچہ نشانات ایک عمارت کے باقی ہیں جسے قصر بنت الملک کہتے ہیں۔ اسی قلعہ کی پوری عمارت اسطرح سے واصل ہے کہ معلوم ہوتا ہے ایک ڈال پتہر ہے اور کہیں سے جوڑ نہیں ہے۔ ایک شخص کئی مرتبہ اس قلعہ میں جا چکا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں جب وہاں گیا کوئی نہ کوئی ایسی عجیب چیز دیکہی جسے پہلے نہ دیکہا تہا۔ یا دیکہا تہا مگر نقشہ نہ ہوا تہا۔ اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ کسقدر عجائبات اسمیں ہونگی۔ مگر ابتو اسکا بہت کچہ حصہ منہدم ہو گیا ہے۔ اور فقط اسی قدر باقی ہے جسپر زمانے کی دست درازیوں نے قابو نہیں پایا ہے۔ بااین ہمہ اب بہی وہ قلعہ دنیا کی عجائبات میں سے شمار کیے جانیکے قابل ہے۔ عام لوگوں کا خیال ہے کہ اس عمارت کو حضرت سلیمان بن داؤد نے بنایا ہے۔ اور رومانیوں نے جو زمانہ بادشاہ انطونینوس بویس میں بعد میلاد کے دوسری صدی میں اضافہ کیا ہے وہ انہی

آثار ہیں جو کہ اُنکے عہد سے پیشتر موجود تھے۔

حلب الشہباء بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی ایک گائے مسمی سہبا تھی جسکا دودھ ایک بلندی پر جہاں قلعہ حلب واقع ہے بیٹھ کے دوہتے تھے اور ایک شخص اُنکی طرف سے فقراء و مساکین کو آواز دیتا تھا کہ حضرت ابراہیم اپنی گائے کا دودھ دوہ چکے ہیں۔ آواز کو سُنکے فقراء جمع ہوجاتے تھے۔ اور حضرت اُسکو فقراء میں تقسیم کر دیتے تھے۔ اُسی گائے سہبا زباں اور دوہنائی (جسے عربی میں حلب کہتے ہیں) کے نام سے یہ مقام شہر حلب مشہور ہوگیا۔ مگر صحیح یہ ہے کہ اس شہر کی وجہ تسمیہ اب تک معلوم نہیں ہے لیکن اسکا لقب شہبا کیوں ہے۔ اسکا سبب یہ ہے کہ اسکی عمارت ایک سفید پتھر یا سفید زمین پر واقع ہے۔ اور چونکہ سفید زمین کو شہبا کہتے ہیں۔ اس سبب سے اس مقام کو حلب الشہباء کہنے لگے۔ اسکی بابت ابن وردی کہتا ہے :-

علیک بسوق الشہباء تلقی	تجھکو لازم ہے کہ پشت شہبا پر سوار ہو۔ یعنے
بجوشنہا محاربۃ الزمان	شہبا میں جا تو زمانے کی لڑائیوں سے بچ جائیگا
فللعزبات فی الفردوس طیب	کیونکہ فردوس کے عزباتمیں ایسی خوشبو ہے
یفوح شذاہ من باب الجنان	کہ جسکی مہک دروازہ جنت سے پھیلتی ہے۔

اسی کے جنوب میں قنسرین واقع ہے۔ اوائل اسلام میں یہ شہر حلب سے بھی کسیقدر بڑا تھا۔ مگر اب ویران پڑا ہے۔

اُسکے قریب حاضر قنسرین ہے۔ جسکی بابت عکرشہ کہتا ہے :-

سقی اللہ اخواناً ورائی ترکتہم	"خدا تعالے میرے اُن دوستوں اور
بحاضر قنسرین من سبل القطر	عزیزوں کو سلامت رکھے جنکو میں نے

حاضر قنسرین میں چھوڑا ہے۔"

اُسی کے قریب ایک اور موضع ہے جسے فرادیس کہتے ہیں۔ یہاں شیر کا بیشہ ہے۔ جب ابوالطیب متنبی (معروف شاعر) اسطرف سے ہو کے گذرا اور اسکو

دیکھ کے شیر گونجنے لگے تو اُس نے یہ شعر پڑہے تہے:-

اجارک یا اسد الفرادیس مکرم	"اے شیران بیشۂ فرادیس کیا تمہارے ہمسایہ
فتسکن نفسی ام مھان فمسلم	شریف اور قابل آرام ہیں کہ میرے دل کو
ورائی وقدامی عداۃ کثیرۃ	اطمینان ہو جائے یا بالکل ذلیل اور چھوڑ دئے
احاذر من لص و منک و منہم	جانیکے لائق ہیں۔ میرے پیچھے اور آگے بہت سے

دشمن لگے ہوئے ہیں اور میں اس راہ میں چوروں سے اور تم سے اور اُن دشمنوں سے ڈرتا ہوں"۔

قنسرین کے قریب شہر خناصرہ واقع ہے جسمیں خلیفہ عمر بن عبد العزیز رہتے تہے۔ اسے بھی ابو الطیب متنبی نے اپنے شعر میں ذکر کیا ہے:-

احب حمصا الی خناصرۃ	"میں حمص سے لیکر خناصرہ تک کو محبوب
وکل نفس تحب محیاھا	رکھتا ہوں اور کیوں نہ ہو کہ ہر نفس اپنی زندگی کو

محبوب رکھتا ہے۔"

معرۃ النعمان نعمان بن بشیر انصاری کے نام سے مشہور ہے۔ اسکا سبب یہ ہے کہ وہ معرہ میں گئے تہے۔ وہیں اُنکے ایک بیٹے نے انتقال کیا تہا۔ اور اونہوں نے اُسکی ماتم داری اسی مقام پر کی۔ آخر خود بھی اہل حمص کے ہاتھ سے ۶۵ ہجری مطابق ۶۸۴ء میں وہیں مارے گئے۔ مشہور انشا پرداز شاعر ابو العلا احمد بن عبد اللہ بن سلیمان تنوخی معری اسی معرہ کے رہنے والے ہیں۔ اور انہی کا یہ شعر ہے:-

یاماء دجلۃ ما اراک تلذ لی	"اے دجلے کے پانی کیا بات کہ میں تجھے
شوقا کماء معرۃ النعمان	شوق کیوجہ سے لذیذ پاتا ہوں جیسا کہ معرۃ

النعمان کا پانی لذیذ ہے"۔

انکی وفات ۴۴۹ھ ہجری مطابق ۱۰۵۷ء میں واقع ہوئی۔

شہر حماہ۔ نہر عاصی کے دونوں کناروں پر آباد ہے۔ ابو الفدا مورخ نے لکھا ہے

کہ یہ شہر شام کے تمام شہروں کی نسبت فرحت خیز ہے۔ اور جس طرح شیراز میں کوزہا دولاب کی کثرت ہے اسی طرح یہاں بھی ہے۔ حالانکہ یہ بات شام کے باقی شہروں کے برخلاف ہے۔ اس شہر کا شہر پناہ بہت عظیم الشان تھا جسکی بابت شہاب الدین بارزی کہتا ہے:

سور حماة بربعها محروس

"یہ عبارت صنعت عکس مستوی میں ہے۔"

اکثر اہل ادب اس شہر میں پیدا ہوئے ہیں۔ جیسے یاقوت مورخ اور ابو الفدیٰ مورخ۔ اور شیخ تقی الدین بن حجہ جنکا قصیدہ بدیعیہ بہت مشہور قصیدہ ہے) اور شیخ الشیوخ وغیرہ۔ شیخ تقی الدین حجہ کا شعر اس شہر کی تعریف میں کافی ہے

مروج حماة نوا عبیرة ۔
زادت على المقياس و روضنة
واغتاظ غور دمشق لسدا
قلت لا فكرا فی غيضته

"حماۃ کے سبزہ زار کے کوزہا ی سلہ روضہ کے مقیاس سے بھی زیادہ ہیں غور دمشق نے اوسپر حسد اور غصہ کیا اس وجہ سے میں نے کہا کہ ہرگز اسکے سبزہ زار و جنگل کی فکر کرو نگا۔

شہر حمص بھی نہر عاص کے قریب آباد ہے۔ اسکی تعریف میں بدر الدین حسن بن حبیب کہتا ہے:

جزیرة حمص كعبة اللهو يقصد
يطوف بها دان ويسعى لها قاصي

"حمص کا جزیرہ دل بہلانے کا کعبہ ہے جو لوگ قریب کے رہنے والے ہیں وہ تو اسکا طواف کرتے ہیں اور جو لوگ دور رہتے ہیں

لہ روضہ۔ اور مقیاس۔ دریائے نیل کے جزیرے ہیں۔ دو سبزہ زار نہایت دلچسپ اور مصر کے سیر گاہوں میں دلفریب جگہیں ہیں۔

لہ ان دونوں شعروں میں شاعر نے پوری رعایت خانہ کعبہ کے صرف کی ہے جو عربی دانوں پر پوشیدہ نہیں۔ چونکہ اسنے جزیرہ حمص کو کعبہ فرض کیا تو اسکی مناسبت سے طواف۔ سعی۔ قد۔ استارہ۔ عاص۔ وغیرہ کو بھی ذکر کیا ایک عجیب لطف ہے کہ جسطرح کعبہ کے پردے کو عاصی (گنہگار) پکڑ کے دعا مانگتے ہیں اور اسمیں لپٹے رہتے ہیں اسطرح یہ عاصی (یعنی نہر عاصی) کے قریب شہر آباد ہے اس مقام کے سبزہ زار کے لباس سندس کے دامن میں لپٹی ہوتی ہے۔ مترجم

لها حلة من نبتها سندسية
تلوح فی ذیل استارها العاصی

"تو اسکی طرف دوڑتے آتے ہیں اسکے ہرے ہرے سبزوں سے اسکا لباس سندسی بنا ہوا ہے جسکے پردے کے دامنوں میں عاصی لٹکی ہوئی ہے"۔

اسکے مقابلے میں شیخ تقی الدین ابن حجہ نے یہ شعر نظم کیے:

جزیرة حمص لم تکن قط کعبة
یطوف بها دان ویسعی لها قاص
ولکنها اللهو والقصف حانة
الم تنظروها کیف جاورها العاصی

"جزیرۂ حمص کبھی بھی کعبہ نہ تھا جسکا طواف قریب والے کرتے اور دور والے اسکی طرف دوڑتے۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ وہ بُری باتوں اور کھیل کود کی جگہ ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ کسطرح عاصی (نہر عاصی بمناسبت عاصی یعنے گنہگار و بدکار) اوسکا مجاور بنا ہے"۔

شہر حماۃ سے چار گھنٹے کی راہ کے فاصلہ پر مشرقی جانب میں شہر سلمیہ کے خرابات واقع ہیں۔ جو کہ یونانیوں کے زمانے میں اور نیز اوائل اسلام میں بہت مشہور تھے۔ ابو الطیب متنبی نے جس قصیدہ میں سیف الدولہ حمدانی کے ایک محاربہ کا ذکر کیا ہے جو ۳۴۴ھ مطابق ۹۵۵ء میں واقع ہوا تھا۔ اسمیں ان خرابات کا بھی ذکر کیا ہے۔

فاقبلها المروج مسومات
ضوامر لا هزال ولا شیار
تثیر علی سلمیة مسبطرا
تناکر تحته لولا الشعار

"سیف الدولہ کے سواروں کا استقبال مروج (سبزہ زار) شہر سلمیہ نے کیا درحالیکہ گھوڑیاں سواروں کی نشاندار تھیں پتلی پتلی کمر والیاں نہیں، مگر بالکل دبلی اور بالکل موٹی بھی نہ تھیں۔ شہر سلمیہ سے وہ تک غبار اڑا رکھے تھے۔ اگرچہ علامتیں اس شہر کی نہ معلوم ہوتیں تو غبار کے سبب سے اس شہر کا پتہ بھی نہ ملتا"۔

حمص کی مشرقی طرف تدمر واقع ہے۔ اصل میں یہ لفظ عبرانی ہے معنے اسکے چھوارے کے ہیں یونانیوں اور رومانیوں نے اسکا ترجمہ پلمیرا کیا ہے۔ یعنے مدینة النخل (کھجور کے درختوں کا شہر) کہتے ہیں کہ اس شہر کو سلیمان بن داؤد

نے آباد کیا تھا (اصم ص ۹ : ۱۰) مگر میرا خیال یہ ہے کہ شاید اُنہوں نے اسکو خوشنما صورت میں کر دیا ہو اور کچھ عمارتیں زیادہ کر دی ہوں۔ ورنہ یہ بہت قدیم شہر ہے۔ اور اُن سے قبل ہی آباد تھا۔ اس شہر کا ذکر بھی ابو الطیب متنبی نے کیا ہے جبکہ سیف الدولہ کے مقابلے میں بنی عامر اور بنی کلاب نے اوسکو اپنا مطابق ۳۵۹ھ میں اپنا قلعہ بنا لیا تھا۔

ولیس بغیر تدمر مستغاث	بنی عامر و کلاب کو سوائے تدمر کے کہیں پناہ
وتدمر کاسمها لهم دمار	کی جگہ نہیں ہے حالانکہ تدمر مثل اپنے نام کے
ارادوا ان یدیروا الرأی فیها	انکے لئے دمار (ہلاکت) کا باعث ہوگا انہوں نے
فصبحهم برأی لا یدار	چاہا تھا کہ اسمیں بیٹھ کر رائے زنیاں کیا کریں مگر

وہ ایسی حالت میں ہو گئے کہ کوئی بھی رائے قائم نہیں کر سکتے۔

عرب کا یہ خیال تھا کہ تدمر کو جنوں نے بنایا ہے کیونکہ اسکی مضبوطی کو دیکھ کر اُنہیں حیرت ہوتی تھی اور سمجھتے تھے کہ یہ بات انسانی قوت سے باہر ہے + اسی مضمون کے متعلق نابغہ ذبیانی کے یہ دو شعر ہیں۔

الا سلیمان اذ قال الاله له	اس شعر کا مستثنیٰ منہ مذکور نہیں ہے اسکا
قم فی البریة فاحددها عن الفند	اس سے ماقبل کے شعروں میں مل سکتا ہے
وخیس الجن انی قد اذنت لهم	شاعر کہتا ہے مگر سلیمان علیہ السلام جبکہ خدا تعالیٰ
یبنون تدمر بالصفاح والعمد	نے اُن سے کہا کہ اٹھو اور خلقت کو سستی

سے اور حماقت کی باتوں سے روکو اور جنات کی جماعت کو جمع کرو کہ میں نے انکو اجازت دیدی ہے کہ وہ شہر کی چٹانوں اور عمودوں سے تیار کریں

یہ شہر ملکہ زنوبیا (جسکو اہل فرنگ زنوبیا کہتے ہیں) کے زمانے میں بہت ہی اعلیٰ درجے سے آباد تھا۔ جب اس شہزادی نے اپنے شوہر مسمی اودوناتوس کو جو کہ بنی عذینہ میں سے تھا اپنا جانشین بنا دیا تھا۔ (یہ واقعہ تاریخ مسیحی سے تیسرے قرن کا ہے یعنی اسلام سے تین سو سال قبل) مگر عجب ہے کہ اس شہزادی پر قیصر اورلیانوس

رومانی فتحیاب ہوا۔ اور اُسکو قید کرکے روم میں لے گیا اُس وقت سے تدمر کا زوال شروع ہوگیا۔ اور اُسکی تمام قدیم عظمتیں زائل ہوگئیں۔ اور اب تو سوائے چند نشانات عمارت کے اور کچھ بھی نہیں رہگیا۔

بحر متوسط کے آباد شہروں میں شمالی جہت میں مدینۃ اللاذقیہ ہے اسکو بادشاہ سلوقس ثانی نے آباد کیا تھا۔ اور اپنی ماں کے نام پر اسکو نامزد کیا تھا پیشتر زمانے میں یہ شہر بھی بہت معتبر شہروں میں سے تھا۔ اور تنوخی امرا وہیں رہتے تھے۔ اسی مقام پر امیر محمد بن اسحٰق تنوخی کا انتقال ہوا ہے جسکے مرثیہ میں متنبی نے یہ شعر کہے ہیں:-

خرجوا به ولكل باك خلفه	(محمد بن اسحٰق) کو لوگ تابوت میں لے
صعقات موسی یوم دک الطور	اور جو لوگ اسکے پیچھے پیچھے روتے جاتے
والشمس فی کبد السماء مریضة	تھے انکی چیخ ایسی تھی جیسی کہ کوہ طور کے
والارض واجفة تکاد تمور	ریزہ ریزہ ہونیکے دن حضرت موسیٰ کی چیخ
وحفیف اجنحة الملائک حوله	اور وسط آسمان میں آفتاب بیمار ہے اور زمین زلزلے میں آ
وعیون اهل اللاذقیة صور	قریب ہے کہ چل پھر ہی ہو۔ اور ملائک کے پروں کی آواز

اُسکے گرداگرد اور اہل لاذقیہ کی آنکھیں اسکو گھیری ہوئی ہیں۔"

مگر یہ شہر ۱۲۱۱ھ ہجری مطابق ۱۷۹۶ء کے زلزلے میں بالکل منہدم اور برباد ہوگیا۔

جبلہ۔ اب اس مقام میں ایک جامع مسجد ہے جسے ابراہیم ادہم نے بنایا تھا۔ اور رومانیوں نے جو ایک مکان اپنے کھیلنے کے واسطے بنایا تھا اُسکے چند آثار کے سوا باقی کچھ نہیں ہے۔

اس مکان کو تیاتر (تھیٹر) کہتے ہیں۔ اسکی ساخت دایرہ کی ایک قوس کے مشابہ ہے۔ صحن کے گرداگرد صف بصف کرسیاں بنی ہوئی ہیں اور انمیں ہر ایک صف دوسرے سے تھوڑی تھوڑی اپنی ماتحت کی کرسیوں سے بلند ہوتی گئی ہے

اور دیرہ کا نصف قطر تقریباً ۱۵۰ قدم لمبا ہے اور محیط تقریباً ۴۵۰ قدم ہوگا۔ اور نشستگاہوں کے نیچے گھوڑا وغیرہ باندھنے کی جگہ بنی ہوئی ہے۔ کیونکہ تماشے کے وقت جو جانوروں کو لاتے تھے اسی مقام پر باندھتے تھے

اور قریہ سفیطہ میں طرطوس کی مشرقی جانب میں کیفندرہ مائل بجنوب بلندی پر ایک برج رومانیوں کے زمانے سے بنا ہوا ہے اور اس سے مشرق میں مائل بجنوب چشمہ دوریہ کے قریب (جس سے چند دن پانی جاری رہتا ہے اور پھر بند ہو جایا کرتا ہے اور اس چشمہ کا جاری ہونا اور بند ہو جانا فصلوں کے تغیرات کم و بیش ہوتا رہتا ہے یہی نہر سبتی ہے جسکو یوسیفوس بن کولون یہودی مورخ نے بیان کیا ہے) دیر جمیرا واقع ہے۔ اور قدیس جاورجیوس کیطرف منسوب ہے۔

اس دیر کے جنوب میں قلعۃ الحصن ہے جسے اگلے زمانے میں حصن الاکراد بھی کہتے تھے۔ اور قبل فتح طرابلس کے سلطنت کا پایۂ تخت یہی تھا۔ اسکو حصن عکار بھی کہتے ہیں۔ ایک زمانے میں ملک ظاہر بیبرس نے اسکا محاصرہ بھی کیا تھا (دیکھو تاریخ ابوالفداء سنہ ۶۶۵ھ) ۱۱ برس تک اسپر قبضہ نہ پا سکا۔ اسکی خدمت میں اسوقت قاضی محی الدین بن عبداللہ بن عبدالظاہر موجود تھا۔ اس نے یہ اشعار اس موقع پر کہے تھے:-

حصن عکار ما صفا قط یوما من الکدر کیف یصفو الذی ثلاثۃ اربعہ عکر	"قلعہ عکار کبھی کسی دن بھی کدورت سے صاف نہ ہوا۔ کیونکر صاف ہو سکتا ہے وہ جسکے تین چوتھے کیچڑ اور میل ہو"

اسی زمانے میں اس نے تھوڑی سی فوج اپنی قلعہ عکار پر بٹھلا دی مگر اسپر بھی قبضہ میں نہ آیا۔ اسکے عرصے کے بعد قلعہ عکار فتح تو ہوا مگر قلعہ عکا ہاتھ نہ آیا۔ دوبارہ انہی قاضی صاحب نے اس مضمون کو یوں ادا کیا:

یا ملک النصر قد هنئت فابشر بالاراتہ	"اے بادشاہ تجھ کو نصرت مبارک ہو اور اپنے ارادے کو خوشخبری

ان عکارلمہم ھی عکا و زیادہ | کیونکہ عکار خفیف ہی عکا ہی ہے بلکہ کچھ زیادہ۔

بالفعل یہ عکار طرابلس کے متعلقات میں ہے۔ پیشتر یہ مقام بنی سیفا کے امرا و حکام کے رہنے کا مقام تھا۔ منجملہ عکار کے قریوں کے ایک قریہ مسمی عرقہ بھی ہے۔ یہ قریہ قدیم زمانے کا ایک مشہور شہر تھا۔ مگر اب تو چھوٹے سے گانوں کی حیثیت میں ہے۔ (دیکھو ہماری کتاب سیاحۃ المعارف وجہ ۳۶)

طرابلس بعض کا بیان ہے کہ دراصل یہ شہر اُن لوگوں کا آباد کیا ہوا ہے جو کہ صور اور صیدا اور ارواد سے قدیم زمانے میں اپنے گھروں کو خیرباد کہکے یہاں آبسے تھے اور ہر گروہ نے علیحدہ علیحدہ اپنے واسطے ایک محلہ بنا لیا تھا۔ پھر وہ سب محلے ملکے ایک شہر کی صورت ہوگئے۔ اور طرابلس کے نام سے مشہور ہوئے۔ اس سبب سے کہ طرابلس کے معنے یونانی زبان میں مدن ثلاثہ (تین شہر) کے ہیں۔

ابوالفدا مورخ لکھتا ہے کہ طرابلس روم کے شہروں میں سے ہے۔ اور دریا کے کنارے پر واقع ہے۔ مسلمانوں نے ۶۸۸ ہجری مطابق ۱۲۸۹ء میں اسکو عیسائیوں سے لڑکے فتح کیا تھا۔ مگر اسکو خراب و منہدم کرکے اس سے ایک میل کے فاصلے پر ایک شہر آباد کیا۔ اور نام اسکا طرابلس رکھا۔

یاقوت نے کتاب مشترک میں ذکر کیا ہے کہ طرابلس شام اور طرابلس شمالی افریقہ میں بعضوں نے یہ فرق بیان کیا ہے کہ طرابلس شام کے اول میں ہمزہ ہے یعنے (اطرابلس) اور طرابلس افریقہ بغیر ہمزہ کے ہے (طرابلس) مگر متنبی نے اسکے خلاف لکھا ہے۔ چنانچہ اسکا شعر شہادت میں موجود ہے:

اکارم حسد الارض السماء بھم	"وہ لوگ ایسے کریم کہ اُنکی وجہ سے آسمان نے
وقصرت کل مصر عن طرابلس	زمین پر حسد کیا۔ اور طرابلس شام ایسا شہر

ہے کہ تمام شہر اسکے مقابلے سے قاصر ہیں"۔

ان دونوں شہروں میں ایک اور بھی فرق ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس طرابلس کو طرابلس شام کہتے ہیں اور افریقیہ طرابلس کو طرابلس الغرب (بالفعل یہی مشہور بھی ہے)۔

طرابلس قدیم کے مقام پر جہاں اب المینا آباد ہے ایک کتب خانہ تھا جسے "قاضی ابو طالب نے جمع کیا تھا۔ اور اس میں تین لاکھ کتابیں عربی۔ فارسی۔ یونانی زبانوں میں موجود تھیں لیکن جب انگریزوں نے اس شہر کو ۵۰۲ھ ہجری مطابق ۱۱۰۹ء میں فتح کیا تھا۔ اسی معرکے میں یہ کتب خانہ جل گیا۔ علامہ فاضل ڈاکٹر لیبلیوس فان ویک نے لکھا ہے۔ گویا اس کتب خانے کی کتاب مرأۃ الوقیۃ فی الکرۃ الارضیۃ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں جس میں سے میں نے اس مقابلے کے اکثر مطالب نقل کئے ہیں"۔

طرابلس کے دو حصے ہیں۔ ایک تو شہر طرابلس ہے اور دوسرا المینا ہے۔ شہر طرابلس نہر ابوعلی کے کنارے پر آباد ہے۔ اور اس نہر کا پانی تمام شہر کی راہوں اور مکانوں تک میں بہا کرتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مکان کے تیسرے درجے تک پانی چڑھ جاتا ہے۔ اسی وجہ سے طرابلس والوں کو شدید الباس اور عزیز النفس (یعنی ہمیشہ خوفناک حالت میں رہتے ہیں اور جانیں انکی بہت عزیز ہیں)۔ کہتے ہیں اہل طرابلس میں اعلیٰ درجے کا ایک وصف یہ ہے کہ وہ لوگ علم اور اہل علم کی بہت قدر کرتے ہیں۔

اس شہر میں کثرت سے باغ ہیں مختلف قسم کے میوے یہاں پیدا ہوتے ہیں یہاں کا سیب اور سرد قان اور گلاب اپنی عمدگی میں مشہور آفاق ہے"۔ الخ

اس شہر کو فیحاء عدلا بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ عموماً لعد خاصکر بہار کی فصل میں درخت لیموں اور نارنج وغیرہ (جوکہ تمام شہر کے گرد لگے ہیں بلکہ مکانوں کے اندر بھی ہیں) جب پھولتے ہیں تو انکے پھول بکثرت شہر بھر میں پڑے پھرتے ہیں۔ ابن ماہیہ رومی نے اس مضمون کو اپنے ان اشعار میں ادا کیا ہے:-

کلا تخلیق من قول زید ومن عمرو	خبردار اے دوست مجکو عمرو زید کی باتیں نہ سنا
وقم ننہب اللذات فی فرص العمر	اور اٹھ کہ عمر کی مہلت کے زمانے میں لذتیں لوٹیں
فان اللیالی تسبق العمر خلسة	کیونکہ مصائب زمانہ (یا مرور شب روز) غافل اور وہوکا

من الغافل المغتر من حيث لم يدر
فيا قلب لا تأسف على كل فائت
وخل عن الخل الذي زاد في الهجر
ففي كل يوم تلتقي الف موطن
فعش خالي الافكار والبال في اليسر
وان كان وادي الشام ساء بما لثر
طرابلس الفيحاء باسمة الثغر
حكت جنة الفردوس حسنا ومنظرا
وسكانها الولدان تسمو على البدر
لها قصبات السبق بالقصب الذي
حلا رشفه طعما على السكر المصري
ولو لم تكن تحكي الجنان لما حوت
فواكه رمان يجل عن الحصر
بوادي بواديها حنين رحائها
حكى انه المشتاق من لوعة الهجر
وابراجها عد الكواكب سبعة
وتحمي حمى الاسلام من عصبة الكفر
وكم طمست عين العدو وتقلعه
حماها اله العرش بالعز والنصر
باربعة سادت وسادت مقامها
على سائر الامصار في البحر والبر
بابيض ثلج واحمرار كثيبها
وخضرة صرح ذلك جلا رونقها

کھائے ہوئے آدمیوں کی عمر کو اسطرح اُچکے
ہوئے لئے جاتا ہے کہ وہ بالکل نہیں سمجھ سکتا
اسلئے دل گذشتہ چیز پر افسوس نہ کرو اور ایسے دوست سے
قطع تعلق کرو جو تجھ سے زیادہ منافرت رکھے۔ تو ہر روز
ایک ہزار مقام راحت کے پائیگا پس بالکل اطمینان سے
زندگی بسر کرو۔ اور اگر وادی شام ہوسکتا ہے
تو طرابلس وسیع کے واسطے ہنسی ہی کافی ہے یہی
طرابلس شام اپنے حسن منظر میں جنت فردوس کے مشابہ ہے۔
اور اسمیں بسنے والے نوجوان لڑکے ہیں جو اپنے حسن
میں چاند سے بھی فوق لیگئے ہیں۔ اسکو اپنے نیشکر
اور شہر و نیز صفت حاصل ہے جسکی شیرینی قند
مصری سے بھی زیادہ ہے۔ اس کے جنگلوں
کے نشیب کے مقامات میں چکیوں کے
رونے کی آواز ایسی آتی ہے جیسے کوئی
عاشق جدائی کی آگ میں جلکے روتا ہو۔
طرابلس کے ساتوں برج سبعہ سیارہ (آسمان کے سات ستارے
جو برابر الکیف سے دوسر لطیف آتے ہیں) کے عدد کے
برابر ہیں اور کافروں کی جماعت اسلام کے سبزہ زار کو بچاتے ہیں
بہت سے دشمنوں کی آنکھیں اس قلعہ میں اندھی ہوگئیں ہیں کی حمایت
خود پروردگار عالم نے عزت و نصرت کی ہے۔ یہ چار چیزوں کی
وجہ سے اس مقام کو تمام دنیا کے شہروں پر زیادہ شرف حاصل ہے
ایک تو برف کی سفیدی دوسرے اسکے ٹیلوں کی مٹی کی وجہ
سرخی تیسرے سبزہ زار کا سبز رنگ انکی سے صرف نظر آتا

بتوھما بنوا في الجبال ركنًا مشيدًا
لله في الذكر وناهيك من ذكر
وناهيك من قوم واهل مروّة
عذيبهم لم ينثلك من ضيقة الصدر
كرام الحيا شيمهم وقتا تمتم
ويلقاهم بالضيفان جاء بالبشر
وفيهم امارات للامارة امهم
اذا امروا بالخير واخولك بالبر
وفيها تجارة تربح الكسب والقنار
وقد ينفقوا اموالهم لذي الفقر
فيا رب فاحرسهم بعين عناية
بجاه رسول الله من ساد بالفخر

چونکہ ہر بالا نیلگون پانی جو آسمان کی عکس نما ہے [illegible] اسکے ساکنین نے پہاڑ میں ایسا مضبوط اور مستحکم مقام بنایا ہے کہ جسکا ذکر خیر تمام عالم میں پھیلا ہوا ہے - یہاں کی قوم بڑی صاحب [illegible] مروت رکھنے والی ہے کہ کبھی کسی محتاج فقیر کو مفلسی سے تنگدل نہیں دیکھ سکتے - یہاں کے بوڑھے اور جوان سب کریم اور خوش خلق ہیں - جب انکے یہاں مہمان آجاتا ہے تو کشادہ پیشانی سے اُسے ملتے ہیں - ان میں امارت کی نشانیاں بہت سی پائی جاتی ہیں منجملہ انکے یہ کہ جب کسی نیکی کا حکم دیتے ہیں تو اسکو پورے طور سے انجام دیتے ہیں - یہاں تجارت پیشہ لوگ جو قابل تعریف ہیں انکی تجارت میں نفع معتد بہ ہے اور محتاجوں پر مال خرچ کرتے ہیں - اسلئے میرے پروردگار اپنی چشم عنایت سے انکو ہر بلا سے محفوظ رکھ - اپنے رسول کے وسیلے جنپر سیادت اور فخر کا خاتمہ ہو چکا ہے -

بیروت دمشق کا فرضہ اور ناؤ آب نہا ہے - یعنے دمشق میں بیروت ہی سے پانی جاتا ہے - اور اس سے جانب جنوب میں ایک گھنٹے کی راہ کے فاصلے امام اوزاعی فقیہ ابو عمرو عبدالرحمن بن عمرو بن یحمد اوزاعی پیشوائے اہل شام کا مقام ہے - انکی وفات ۱۵۷ھ ہجری مطابق ۷۷۴ء میں واقع ہوئی - اسکے مرثیے میں بعض شعرانے یہ شعر کہے :

سقا دار جيا بالشام كل سحابة
قبرًا تضمن لحد الاوزاعي
قبر تضمن فيه طود شريعة
سقيًا له من عالم نفّاع

ملک شام میں ہر شام کو باران اس قبر کو سیراب کرے تا جسکی لحد میں امام اوزاعی دفن ہیں - وہ ایسی قبر ہے جسمیں شریعت کے پہاڑ دفن ہیں - خدا کرے وہ اس نفع رسان عالم کی قبر کو سیراب کرے -

تعرضت لہ الدنیا فاعرض مقلعا — دنیا اسکی طرف آئی مگر اس نے بہت نفرت سے
عنہا بزھد اَیّما اقلاع — اسکی طرف سے منہ پھیر لیا اپنے زہد کے سبب سے

دیکھو تو کیسی نفرت اور کیسا اثر جاری ہے۔

صیدا و صور۔ ان دونوں شہروں کی بابت جسقدر خبریں ہمیں پہونچی ہیں کتاب مسمی زبدۃ اللطایف فی سیاحۃ المعارف کے صفحہ ۲۶ میں نقل کردی ہیں۔ جسکا جی چاہے اس کتاب کو دیکھ لے۔

عکا۔ صور سے جانب جنوب میں واقع ہے۔ قدیم زمانے میں اسکو بطولمائیس کہتے تھے۔ مگر آجکل تو اس مقام پر عثمانی قلعوں میں سے نہایت مہتم بالشان ایک قلعہ ہے۔ عکا سے جانب جنوب میں شہر خیفا ہے اور اسی مقام میں جبل کرمل بھی ہے جس پر اکثر حضرت ایلیا پیغمبر آمد و رفت رکھتے تھے۔

شہر طبریہ۔ اس شہر کے قریب گرم پانی کا چشمہ ہے۔ یہاں ایک حمام بھی بنا ہوا ہے۔ لوگ وہاں نہاتے دھوتے ہیں۔ اسی حمام کے قریب بہت بڑی اور چوڑی سی نہر ہے۔ اور اسمیں مختلف مقاموں سے پانی آکے جمع ہوتا رہتا ہے۔ اس نہر میں مچھلیاں کثرت سے ہیں۔ اس نہر کے گرداگرد جنگلستان اور باغات ہیں۔

بورین۔ شہر نابلس کا ایک قریہ ہے۔ شیخ حسن بوربنی کی یہیں ولادت ہوئی۔ نابلس کا اصلی نام شہر شخیم ہے جسکا ذکر کتاب مقدس ژنک ص ۱۲ و ۲۳ و ۲۴ و ۲۷ میں بھی آیا ہے۔ اسی نابلس کا رہنے والا شیخ عبد الغنی نابلسی مشہور صوفی اور شاعر بے بدل تھا۔ دمشق میں اس نے ترقی کی تھی۔ اور بارھویں قرن ہجری مطابق اٹھارہویں قرن میلادی میں وفات پائی۔

نواحی یافا کے جانب جنوب میں شہر رملہ ہے۔ یہیں کے رہنے والوں میں شیخ خیر الدین رملی ہیں۔ جنکی کتاب فتاوی خیریہ بہت مشہور کتاب ہے۔ اور یہیں پر بنی طلیح کے برالیعوں کا پایہ تخت رہا ہے۔ جنکی بابت ابو الطیب متنبی نے اپنے اشعار میں ذکر کیا ہے۔

اور شلیم۔ جسے قدس شریف بھی کہتے ہیں۔ اسکی پوری بحث کتاب زبدۃ الصحائف فی اصول المعارف کے ص ۱۲-۱۷ میں ہیں سے واضح طور سے لکھی ہے۔

حبرون جسے جلیل بھی کہتے ہیں۔ یہ شہر بہت قدیم شہروں میں سے ہے یہیں پہ حضرت ابراہیم اور اسحٰق یعقوب پیغمبران علیہم السلام رہتے تھے اور اپنی بعض عورتوں کے ساتھ یہیں پہ دفن ہوئے ہیں۔

شہر غزہ۔ شہر جلیل سے جنوب میں مشرقی کوفہ کیطرف واقع ہے شہر کو غزہ ہاشم بھی کہتے ہیں۔ اس سبب کہ عمرو بن عبد مناف قریشی جنکا لقب ہاشم الثرید تھا۔ اس شہر میں بغرض تجارت گئے تھے اور وہیں انتقال کیا۔ مطرود بن کعب غزاعی کہتا ہے۔

وھاشم فی ضریح وسط بلقعة	ہاشم ایک صاف ہموار زمین میں قبر میں دفن ہیں
تسفی الریاح علیہ بین غزات	جسپر غزات کی ہوائیں خاک اڑا اڑا کر ڈالتی ہیں۔

پانچویں فصل

مصر کے شہروں کے ذکر میں

مصر کے شہروں پہ دو مرتبہ عرب بذریعہ فتح کے غالب آئے ہیں ایک مرتبہ تاریخ عیسوی شروع ہونے سے کئی قرن پیشتر ان کو مصر پہ غلبہ حاصل ہوا ہے۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ عرب اس مرتبہ مصر میں آسیا کیطرف سے آئے اور دریا سی ولاکیطرف سے ملک میں داخل ہوئے تھے۔ اور ولیدین دو فرعون جسے یونانی زبان میں سلاطین کہتے ہیں، کی کمان میں مصر کے نشیبی مقامات پر قبضہ کر لیا۔

اور جبکہ اُسکی حکومت وہاں جم گئی تو عبادت گاہوں اور گرجاؤں کو جلوادیا اور بہت سے بڑے قلعے بنوا لیئے اور فوج اور ضروریاتِ حرب کے سامان سے خوب تیار ہو گئے کیونکہ انہیں خوف تھا کہ شاید اہل مصر اُن پہ یورش کریں۔ اور اپنا پایۂ تخت شہر منفیس میں بنا لیا تھا۔

اہل مصر کی یہ حالت تھی کہ ان عربوں سے سخت جلتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ یہ لوگ بکریاں چرانے والے سخت دل اور ظالم ہیں۔ مصری امانتداری کو حقیر سمجھتے ہیں۔ پھر ہم پر کیوں حاکم نہیں۔

انکی حکومت مصر میں تقریباً ۲۶۰ برس تک رہی۔ بعض کا قول ہے۔ کہ اس سے زیادہ یہ لوگ وہاں حکمران رہے۔ آخر میں فرعون اموسیس نے بہت سی لڑائیوں کے بعد تمام ملک مصر کو تقریباً ۱۵۰۰ برس قبل میلاد عیسوی کے ان سے چھین لیا۔

اور دوسری مرتبہ اسلام کے بعد خلافت عمر بن الخطابؓ کے زمانے میں ۱۸ھ مطابق سنہ ۶۴۰ء میں عمرو بن عاص کی کمان میں فتح ہوا اور اُسوقت سے اب تک مسلمانوں ہی کے قبضے میں ہے۔ اور چونکہ مصر کے متعلق تمام تفصیلی حالات کو کتاب زبدۃ الصحایف ۱۳۰۰ میں لکھدیا ہے اسلئے یہاں تکرار کی کوئی ضرورت نہیں۔ فقط یہاں شیخ عمر تاریخی کے دو شعروں پر اکتفا کرتا ہوں۔

وطني مصر وفيها وطري	"میرا وطن مصر ہے۔ اور اُس میں میری
ولعيني مشتهاها مشتهاها	ساری ضرورتیں ہیں۔ اور اُسکے تمام مرغوبات
ولنفسي غيرها ان سكنت	میری آنکھوں کو مرغوب اور پسندیدہ ہیں۔
يا خليلي سلاما سلاها	اگر میرے نفس کو سکون حاصل ہو تو مصر کے

علاوہ بھی اسکو کافی ہے۔ اے میرے دوستو اسے غم کرو یا میرے نفس کو جسنے چھوڑ دیا کہ اسکو بے غم کر دیا ہے۔"

دوسرا باب

عرب اصلیہ کے اقسام میں اس مقالے میں چار فصلیں ہیں

فصل اول

عرب اصلیہ کے اقسام میں

تمام دنیا کی قدیم تاریخوں میں اس قوم کی تاریخ سے زیادہ قدیم تاریخ کوئی بھی نہیں ملسکتی۔ اِن عربوں کی تین قسمیں ہیں۔ بائدہ۔ عاربہ۔ مستعربہ۔

عرب بائدہ کے حالات تو ہم کو بالکل معلوم نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ اُنکا زمانہ اسقدر ہم سے دور ہوگیا ہے کہ تفصیلی حال اُنکا ہم نہیں بتا سکتے۔ نہ تاریخ کے ذریعے سے کسی سے سنکے۔ جیسے قوم عاد۔ قوم ثمود۔ قوم جرہم اولٰی وغیرہ۔ البتہ قدرے قلیل جو کچھ کسی طرح دریافت ہوا اُسکو ہم آیندہ بیان کرینگے۔

عرب عاربہ سے مراد یمن کے عرب ہیں جو قحطان کی اولاد میں سے تھے۔

عرب مستعربہ۔ اسمٰعیل بن ابراہیم خلیل اللہ کی اولاد میں سے ہیں جنکا سلسلہ بقول بعض قوم جرہم ثانیہ تک جا ملا ہے اور یہ بھی قحطان ہی کی نسل سے ہیں۔ اور آپس میں سلسلہ تزویج قایم کرکے ملگئے ہیں۔

اس گروہ کو مستعربہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اصل میں اسمٰعیل کی زبان عبرانی تھی اور خود بھی عبرانی تھے۔ اصلی عرب نہ تھے۔ مگر آخر میں عرب عاربہ اور عرب مستعربہ کے باہم

ملجانے سے انکے مشہور مشہور قبائل پیدا ہوئے ہیں۔

عرب بائدہ ۔ مورخین بیان کرتے ہیں کہ سام بن نوح کی اولاد نے جنہیں شہروں میں وطن بنا لیا تھا۔ اُنہی سے متعدد قبائل پیدا ہوئے جنہیں سے اکثر یا تو تباہ ہوگئے یا اوروں میں ایسے مل گئے کہ اصلی نام تک اُنکے چند دنوں بعد صفحہ عالم سے مٹ گئے۔ انہی عرب کو عرب بائدہ کہتے ہیں۔

بعض کا بیان ہے کہ عرب بائدہ کے سات قبیلے تھے ۔ عاد ۔ ثمود ۔ صحار ۔ جاسم ۔ وبار ۔ طسم ۔ جدیس ۔ اور انکے مکان عمان بحرین ۔ یمامہ وغیرہ میں تھے ۔ اُسوقت تک اُنکا لغت نہایت سخت اور غیر مہذب تھا۔ ان ساتوں قبیلوں میں سے زیادہ مشہور رعاد بن عوص بن ارام بن سام بن نوح علیہ السلام کا قبیلہ ہے ۔ (دیکھو نک ص ۱۰ ۲۲ و ۲۳)

اور ثمود کا قبیلہ اصل میں جاثر بن ارام بن سام کا قبیلہ ہے (دیکھو نک ص ۲۲۱۰) اول اول یہ لوگ یمن میں جاکے مقیم ہوئے ۔ مگر تھوڑے دن بعد حمیر بن عبد شمس ملقب سبا نے انکو مار کے نکال دیا ۔ وہاں سے نکلے ہوئے حجاز کے ملک میں موضع حجر میں مقیم ہوئے ۔ اُسیوقت سے یہ مثل مشہور ہے کہ جب کوئی قوم متفرق ہو جاتی ہے تو کہتے ہیں تفرقوا ایدی سبا ۔

طسم کا قبیلہ لوذ بن سام کی اولاد سے ہے (دیکھو نک ص ۲۲۱۰)

جدیس جاثر مذکور کی نسل سے ہے ۔ یہ آخری دونوں قبیلے اُسوقت تک ملے جلے رہے جب تک کہ آپس میں تلوار نہیں چلی ۔ مگر جب ہاتھ کھلے اور تلوار چلی تو دونوں قبیلے تباہ ہوگئے ۔ متنبی کہتا ہے :۔

اشمتا لخلف بالشراة عداها	وشفی رب فارس من ایاد
وملوکا کامس فی القرب منا	وکطسم واختها فی البعاد

قبیلہ جرہم اولی اور عاد کا ذکر بھی متنبی نے اپنے شعروں میں کیا ہے ۔ وہ جب دیکھ لکھتا ہے :

یقرله بالفضل من لا یودہ	جو شخص میرے ممدوح کا دشمن ہے وہ بھی
ویقضی له بالسعد من لا ینجم	اسکی فضیلت کا قائل ہے۔ اور جو شخص علم
اجار علی الایام حتی ظننته	نجوم نہیں جانتا وہ بھی اسکے طالع کی سعادت
تطالبه بالرد عاد وجرهم	کا مقر ہے۔

قبیلہ عمالیق بن الیفاز بن عیسو (دیکھو تک ص ۱۲۳۶) بھی عرب بائدہ کے مشہور قبیلوں میں سے ہے۔ اسیوجہ سے ابتک اُنکے بہت سے قبیلوں کے نام اور اشعار لوگوں کو یاد ہیں۔ الیف بن زیاد۔ یا۔ انیف بن حکیم نبہانی کہتا ہے:

لهم عجز بالرمل فالحزن فاللوی	تیں میری فوج کا آخری حصہ تورمل اور
وقد جاوزت حیی جدیس رعالها	حزن اور لوی میں تھا مگر اسکا مقدم حصہ

جدیس کے دو قبیلوں سے آگے چلا گیا تھا متلمس کہتا ہے:۔

الم تر ان الجون اصبح راسیا	کیا تو نہیں دیکھتا ہے کہ قلعہ جون جسے
تطیف به الایام ما یتانس	طسم اور جدیس نے بنایا تھا کسقدر مضبوط

ہے اور طواف کرتا ہے اسپر زمانہ جس سے وہ مانوس ہوتا ہے"۔

اور منجملہ اُنکے اشعار کے عفیرہ بنت عباس جدیسیہ (جسے شموس بھی کہتے تھے) کے اشعار ہیں۔ اپنی قوم کو عملاق بادشاہ طسم سے لڑنے پر آمادہ کرتی ہے کیونکہ وہ نہایت ظالم شخص تھا۔

لا احد اذل من جدیس	کوئی قوم جدیس سے زیادہ ذلیل نہیں ہے
اهکذا یفعل بالعروس	کیا عروس کے ساتھ ایسا ہی کیا جاتا ہے۔
یرضی بهذا یا لقومی حر	افسوس ہے میری قوم پر کیا اسی بات پر شریف
اهدی وقد اعطی وسیق المهر	آدمی راضی ہوجاتے ہیں اور حالیکہ اسکو عروس دیگئی اور عروس کو مہر دیا گیا۔ بیشک اُسکا موت
لاخذه الموت کذا بنفسه	کے دریا میں خود غوطہ لگانا اپنی بیوی کے ساتھ
خیر له من فعل ذا بعرسه	

ایسا کرنے سے کہیں بہتر ہے۔ غرض جدیسی کی بیوی ہذیلہ اسی عملاق کے بارے

یہ کہتی ہے:

أتینا أخا طسم لیحکم بیننا
فأنفذ حکماً فی ہزیلۃ ظالما
لعمری لقد حکمت لا متورعاً
ولا کنت فیما یبرم الحکم عالما

ہم طسم کے بھائی کے پاس فریاد کے لیے آئے کہ وہ ہمارے درمیان میں فیصلہ کر دے گا۔ مگر اس نے ہزیلہ کے بارے میں بڑے ظلم سے حکم دیا۔ اپنی عمر کی قسم تو بالکل پرہیزگار نہ تھا اور نہ تو عالم تھا جو فیصلے کے قابل ہے اُن لوگوں میں جو مستحکم حکم لگاتے ہیں۔

مگر دونو قبیلے عملاق مذکور کے ہاتھ سے تباہ ہوئے۔ اس سبب سے کہ جب اس نے شموس جدیسیہ (جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے) کی بے پردگی کی تو اس کے بھائی اسود کو بڑی غیرت آئی۔ اور آخر اس نے ایک حیلہ کیا کہ ایک دن عملاق اپنے مقوم چند آدمیوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ یک بیک اسود اس پر ٹوٹ پڑا اور اپنی جدیسیوں کی تلوار سے ایک ایک کو چن چن کے مار ڈالا۔ جدیسیوں کے یہ اشعار پڑھتے ہیں:

ذوقی ببغیک یا طسم مجللۃ
فقد أتیت لعمری أعجب العجبا
إنا أتینا فلم ننفک نقتلہم
والبغی ہیج منا سورۃ الغضب
ولن یعود علینا بغیہم أبدا
ولن یکونوا کذی أنف ولا ذنب
فلو رعیتم لنا قربی مؤکدۃ
کنا الأقارب فی الأرحام والنسب

اے قبیلۂ طسم میرا وقت تیرے ظلم کی انجام پہنچا ہے قسم اپنی عمر کی تو نے نہایت عجیب بات کی ہے۔ (یعنی جو کچھ ظلم کیا ہے نہایت عجیب ہے) ہم آئے مگر ان کے قتل کیے بغیر نہیں جدا ہوئے۔ فقط ظلم ہی نے ہماری شدت غضب کو تیز کر دیا۔ اب ہرگز بھی ان کا ظلم ہماری طرف نہیں لوٹے گا۔ اور اب کبھی بھی انہیں عزت یا ذلت نہ حاصل ہو گی۔ (کیونکہ جو ہونا تھا وہ ہو چکا) اگر تم لوگ حق قرابت کی پاسداری کرتے تو ہم بھی تمہارے عزیز ان نسبی میں سے ہوتے۔ (مگر تم نے ہمارا کچھ نہ خیال کیا۔)

مگر کچھ لوگ قبیلۂ طسم میں سے حسان بن تبع کے زمانے تک زندہ رہے۔

اور اسکی قوت پربنی جدیس سے لڑنے ۔ انکو قتل کیا اور انکے شہروں کو تباہ کردیا۔ آخر دونوں قبیلے لڑ بھڑ کر خاک ہو گئے۔ جبھی سے مثل مشہور ہے الفنٔ من جدیس عن طسم۔

عرب عاربہ اور مستعربہ کی بابت اہل تواریخ نے لکھا ہے کہ بنی قحطان بن عابر بن شالح بن ارفخشاد بن سام بن نوح (دیکھو ٹنگ ص ۱۰ ۲۵) کی اولاد یمن کے نواحی میں آباد ہوئے تھے۔ اسی نسل کو عرب عربا کہنے لگے۔

قحطان کی نسل میں سے کچھ تو یمن کے بادشاہ ہوئے ہیں اور کچھ حجاز عرب کے۔ یمن کا بادشاہ تو قحطان بن عابر (تذکرۃ الصدر) تھا۔ اور اسکی سلطنت زمانہ اسکندر مکدونی سے تقریبًا ۷۰۰ برس تک رہی ہے۔ اسی قحطان کی نسبت ایک شاعر کہتا ہے:۔

فما مثل قحطان السماحۃ والندی	جوانمردی اور بخشش میں کوئی شخص قحطان
ولا کابنہ رب الفصاحۃ یعرب	کی مثل نہیں ہے۔ اور نہ فصاحت سے گفتگو

کرنے والا کوئی اسکے بیٹے یعرب کے مثل ہے۔"

مگر بعض کا بیان ہے کہ یمن کا پہلا بادشاہ یعرب بن قحطان تھا۔ اسی کے نام سے عرب کو عرب کہنے لگے۔

(اولیات بادشاہ یعرب۔ یہ پہلا بادشاہ ہے جسکی قوم نے بادشاہی سلام کیا ہے۔ اسی نے پہلے پہل یمن میں شہروں کی بنیاد ڈالی۔ یہی پہلا شخص ہے جسنے عربی زبان میں کلام کرنا شروع کیا۔ (بعض کا بیان ہے پہلے جس نے عربی میں کلام کیا ہے قحطان یعرب کا باپ تھا)

مگر ابن خلدون نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ اس پہاڑ پر جو عرب مستعربہ رہتے تھے۔ اُن میں سب سے پہلے اس نے عربی میں کلام کیا ہے۔ ورنہ عرب عاربہ کی ایک جماعت دوسرے پہاڑ پر رہتی تھی اور وہ عربی میں کلام کرتے تھے اُنہی سے قحطان نے عربی لغت سیکھا۔ اور یہ بات صاف ظاہر ہے کیونکہ قحطان میں خود اتنی قوت

نہ تھی۔ کہ بغیر سیکھے عربی میں کلام کرسکے۔

اسکے بعد یشجب بن یعرب اسکے بعد عبدشمس بن یشجب جسکا لقب سبا ہے بادشاہ ہوئے۔ اہل لغت نے لکھا ہے کہ یشجب کو یشجب اسوجہ سے کہتے تھے کہ اسکے سبب سے لوٹ مار اور جدال وقتال کثرت سے تھا۔

ابن خلدون نے لکھا ہے کہ اسی نے پہلے پہل دشمنوں کی عورتوں بچوں کے قید کرنے کی رسم نکالی ہے۔ اور اسی نے شہر سبا کی بنیاد ڈالی۔ اور مانہ سب اوئین شمس پر مصر کے ملک پر سند قائم کی۔ اسکے بعد اسکی اولاد میں سے حمیر اور کہلان عمرو اشقر۔ عاملہ وغیرہ نے۔

جنکو عرب عاربہ کہتے ہیں وہ انہی کے قبیلوں میں سے ہیں۔ جو لوگ کہ ملک حجاز میں مالک ہوئے اور سلطنت کرنے لگے انمیں سب سے پہلا جرہم بن قحطان بن عبد یالیل ہے۔ اسکے بعد عبد المدان بن نفیلہ اسکے بعد عبد المسیح بن مضاض ہے جسکے بیٹے مستی رعلہ سے اسمعیل نے تزویج کی اور انہی کی نسل سے ہاجریون ہیں۔

انھوں نے اپنا لقب اپنی ماں ہاجرہ کے نام سے رکھا تھا۔ اور بنو شون بنبوث سے نکلا ہے۔ اشوریون بنبوث کے بیٹے اشور سے۔ دیکھو تک (ص ۱۳۲۵ء)

ان سب کے بعد عمرو بن الحرث بن مضاض بن عمر ہے۔ عرب عاربہ انہی لوگوں میں ہیں۔ اور یہی جرہم ثانیہ کا قبیلہ ہے انکا نسب عدنان ہی تک پہونچتا ہے اسمعیل تک نہیں جاتا کیونکہ عدنان اور اسمعیل کے خاندانوں میں کچھ اختلاف پڑگیا ہے بعضے کہتے ہیں ان دونوں آدمیوں میں آٹھ پشت کا فاصلہ ہے بعضوں نے کہا ہے کہ تین پشت کا فرق ہے۔

عدنان سے عرب مستعربہ کے قبائل کی ابتدا رہے اور ان سب میں زیادہ مشہور فہر کا قبیلہ ہے جنکو قریش بھی کہتے ہیں۔ انہی میں سے آل قریش ہیں جو کہ خانہ کعبہ کے ڈیوڑھی دار تھے۔ اور انہی میں سے اسلامی شریعت کے پھیلانے والے پیدا ہوئے تھے۔ جیسا کہ آئندہ تفصیلات سے معلوم ہوگا۔

پہلی

دوسری فصل

عرب کے قبائل اور اُن کے فروع

قوم عرب کو علمائے نسب نے چند گروہوں پر تقسیم کیا ہے۔ سب میں عام لفظ شعب ہے۔ اور اس سے خاص قبیلہ کا لفظ ہے اس سے خاص عمارہ اس سے خاص بطن ہے لیکن لفظ بطن آئندہ اور سابق لفظوں کی بہ نسبت متوسط ہے نہ تو جد اعلیٰ سے زیادہ قریب کو بتاتا ہے نہ زیادہ بعید کو۔ اسکے بعد لفظ فخذ ہے اسکے بعد فصیلہ پھر عشیرۃ۔ عشیرہ بہ نسبت تمام الفاظ سابقہ کے قرب کو ظاہر کرتا ہے۔

شعب کا لفظ چونکہ شاخ کے معنے دیتا ہے تو مثلاً اگر شعب مضر کہینگے تو سمجھا جائیگا کہ انکی ابتدا مضر ہے وہ انکی اصل ہے۔ اور یہ انکی شاخ ہیں۔ اور قبیلہ جیسے بنی قیس بن عیلان بن مضر۔ دیکھو اس مثال سے معلوم ہوتا ہے کہ قبیلہ میں اس شخص کو نہیں لیتے ہیں جس سے ابتدا ہوتی ہے بلکہ اسکے بعد کے کسی شخص سے شروع کرتے ہیں۔ جیسے قبیلہ بنی قیس کہا تو معلوم ہوا کہ عیلان اور مضر کو چھوڑ کے قیس سے نسب شروع کیا ہے۔

عمارہ کی مثال جیسے بن سعد بن قیس بن عیلان بن مضر۔ اسمیں قیس کے بیٹے سعد سے نسب شروع کیا۔

بطون کی مثال جیسے غطفان بن سعد بن قیس بن عیلان بن مضر۔

فخذ کی مثال بنی ذبیان بن بغیض بن ریث بن غطفان وغیرہ۔

فصیلہ کی مثال بن فزارہ بن ذبیان۔

عشیرہ کی مثال بنی بدر بن فزارہ۔ (ہر مثال کو اسکی سابق والی مثال سے ایک یا دو پشت بعد کی سمجھو۔ ان مثالوں میں دو ایک کی کمی ہوتی ہے جو بالکل قریب ہے)

سب جمع ہے۔ مثلاً باپ ہی سے ابتدا ایک کی ہے وہ عشیرہ ہے۔ اور اس سے نافوق کو درجات کے تفاوت سے سمجھ لو۔

عرب کے نزدیک جماجم (جوکہ جمجمہ کی جمع ہے) سادات پر اطلاق ہوتا ہے۔ اگر ایک قبیلہ بہت سے بطنوں پر حاوی ہو۔ یعنے ایک شخص کی چند اولاد ہوں اور ہر ایک سے ایک خاندان بنگیا ہو۔ تو اُس خاندان کی جس سے ابتدا ہوئی ہے اُسی تک نسب کو ختم کر ینگے۔ مثلاً کلب بن وبرہ ہے۔ اگر کسی شخص کو کلابی کہدیں تو اسکے سمجھنے کے واسطے اسبات کی ضرورت نہیں ہے کہ وبرہ کو بھی بیان کریں۔ یا اُس سے ماقبل کے کسی شخص کا نام لیں۔

عرب الفاظ کو مخفف بھی کر لیتے ہیں مثلاً بنی الحرث کو بالحرث۔ بنی العنبر کو بلعنبر۔ علی ہذا القیاس جس اسم میں آل ہوگا اسمیں ضرور تخفیف کرینگے۔ جیسے بنی القین سے بلقین۔ بنی الہجیم سے بلہجیم وغیرہ۔

علاوہ تقسیم سابق کے عرب کی ایک تقسیم اور بھی ہے۔ یعنے حضر و وبر۔ کچھ حصہ عرب کا تو اہل حضر کہا جاتا ہے اور کچھ اہل وبر۔

بلطبرون نے لکھا ہے کہ عبرانی مورخوں کے بیان سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہمیشہ سے عرب کئی کئی قبیلوں پر تقسیم ہوتے رہے ہیں۔ اکثر تو شہروں میں رہا کرتے تھے۔ اُنکو عرب کہتے ہیں۔ اور اُنہی کو حضر بھی کہتے ہیں (حضر یا مصر یا بیٹھ میں رہنے کے سبب سے) اور اکثر سفر کیا کرتے تھے۔ آج یہاں اور کل وہاں۔ یہ لوگ ہمیشہ خیموں اور منڈھیوں میں رہتے تھے۔ اس سبب سے کہ کثرت سفر کیوجہ سے اُن لوگوں نے اپنے رہنے کے لئے کوئی خاص مقام تجویز نہیں کیا تھا۔ اور نہ کوئی اُنمیں سے کہیں مکان بناتا تھا۔ اُنکو اعراب کہتے ہیں جمع اسکی اعاریب ہے جیسا کہ متنبی کہتا ہے:۔

من الجآذر فی زی الاعاریب	یہ کون سے بچھڑے (معشوقوں کو نیل گاؤں کے بچوں سے
حمر الحلی والمطایا والجلابیب	تشبیہ دی ہے) ہیں جو اعراب کی صورت میں نظر آتے ہیں

جنکے کپڑے بھی سُرخ ہیں۔ سواری کے اونٹ بھی سرخ ہیں اُنپر جو پردے پڑے ہیں وہ بھی سُرخ ہیں"۔

انہی کو بدو۔ بدوی۔ اہل وبر۔ بھی کہتے ہیں۔ بدوی تو اسوجہ سے کہ یہ لوگ بادیہ اور صحرا نشین ہوتے ہیں۔ اور وبر اس سبب سے کہ اُون کے لباس پہنتے ہیں۔ اور اُون ہی اُنکی معاش کا باعث ہے۔ اُسی کی تجارت کرتے ہیں۔ اُسی کے لباس بناتے ہیں۔

ملٹبرون نے یہ بھی کہا ہے کہ جنوبی عرب ہندوستانیوں اور مصریوں کیطرح پانچ قسموں پر منقسم ہیں۔ ایک گروہ لڑنے والوں کا ہے۔ دوسرا زراعت کرنے والوں کا تیسرا صنعت والوں کا۔ چوتھا علمار کا۔ پانچواں تاجروں کا۔

تیسری فصل

اشراف عرب

عرب میں سب سے زیادہ شریف وکریم قصی بن کلاب قریشی کے فرزندان میں سے عبد مناف تھے۔ اُنکے بعد اُنکی اولاد میں سے عبد شمس اور ہاشم اور مطلب اور نوفل شرفائے عرب ہوئے۔ اور اسیطرح اسلام میں بھی اُنکی شرافت تسلیم کیگئی۔

عبد مناف کو قمر۔ سید۔ فہد بھی کہتے تھے۔ انکا اصل نام مغیرہ تھا۔ اور اُنکے بھائی عبد الدار۔ عبد العزیٰ اور مغیرہ سے پہلے انکا نام عبد مناۃ بن کنانہ بن خزیمہ تھا پھر عبد مناۃ سے عبد مناف ہوگیا۔

اسیطرح عبد المدان بن ریان بن قطن بن زیاد بن حرث بن مالک بن ربیعہ حارثی بھی اشراف عرب کیا بلکہ تمام عالم کے بزرگوں سے بھی زیادہ بزرگ اور جلیل الرتبہ شریف سمجھے جاتے تھے۔ آخر انکی شرافت میں ضرب المثل ہوگئے جبکسیکو شریف کہنا ہوتا ہے اور مبالغہ کرتے ہیں تو اشرف من عبد المدان کہتے ہیں۔

لقیط بن زرارہ کہتا ہے :-

شربت الخمر حتی خلت انی
ابو قابوس او عبد المدان
اسیر فی بنی عبس ابن زید
رخی البال منطلق اللسان

"میں جب شراب پی لیتا ہوں تو اپنے آپ کو سمجھنے لگتا ہوں کہ ابو قابوس (نعمان بن منذر بادشاہ عرب) ہوں یا عبد المدان ہوں۔ بنی بنی عبس بن زید کے ساتھ سیر کرتا ہوں نہایت اطمینان خاطر اور آزادی زبانی کے ساتھ"

انکا قبیلہ حرث بن زیاد سے شروع ہوتا ہے۔ اور انکے اہل بیت بنو قنان کہے جاتے ہیں۔ انکی اولاد بنی عباس کے ماموں ہوتے تھے۔

عرب ہاشم بن عبد مناف کے گھر سے شرف اور بزرگی میں کچھ کم نہیں گھروں کو اور سمجھتے تھے۔ بعض مورخین نے چار گھروں کو اور شامل کر لیا ہے۔ انہیں سے ایک حذیفہ بن بدر فزاری اور قیس اور آل زرارہ بن عدی دارمیین۔ اور تمیم اور آل ذی الجدین بن عبد اللہ بن عمام اور شیبان۔ اور بنی الدیان (جو بنی الحرث بن کعب کی نسل سے ہیں) کا گھر ہے جو سب میں معزز گنا جاتا ہے۔ لیکن قبیلہ کندہ ان اشراف گھروں میں شمار نہیں کیا جاتا۔ بلکہ انکا شمار بادشاہوں میں ہے۔

اسلام کے بعد عرب کا جو کچھ بھی شرف تھا۔ وہ سب خاندان ہاشمیین میں منحصر ہو گیا۔ انہی کو اہل البیت کہنے لگے۔ (یعنے اہل بیت رسول صاحب شریعت) اب کسی کو بھی شریف یا سید نہیں کہہ سکتے مگر انہی لوگوں کو جنکا نسب اہل بیت میں سے کسی تک منتہی ہوتا ہو۔ انکی شرافت میں کوئی قید دولتمندی اور صاحب صفت ہونیکی نہیں ہے بلکہ محض اہلبیت کیطرف فقط شرافت کیواسطے کافی سمجھا جاتا ہے۔

صاحب شریعت اور رسول خدا جنکا ذکر ابھی اشارۃً گذرا ہے اُنکا نام محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان ہے۔

حضرتؐ کا جب انتقال ہوا تو آپ کے پاس نو بیویاں تھیں شاعر کہتا ہے۔

توفی رسول اللہ عن تسع نسوۃ
الیہن تعزی المکرمات وتنسب
فعائشۃ میمونۃ ۔ وصفیۃ
وحفصۃ تتلوہن ہند وزینب
جویرۃ مع رملۃ ثم سودۃ
ثلاث وست ذکرہن مہذب

"رسولخدا کی جب رحلت ہوئی ہے تو آپ کی نو بی بیاں تھیں۔ انہیں کیطرف عزت اور کرامتیں منسوب ہیں۔ ایک عائشہ دوسری میمونہ تیسری صفیہ چوتھی حفصہ۔ انکے بعد ہند و زینب ساتویں جویرہ آٹھویں رملہ نویں سودہ ہیں۔ تین اور چھ نو ہوئیں جنکا ذکر نہایت مہذب ہے"

آپنے اپنی وفات کے بعد بڑے بڑے اصحاب کو چھوڑا تھا۔ منجملہ انکے ابوبکر صدیق خلیفہ اول تھے جنکا نام عتیق یا عبداللہ بن ابی قحافہ عثمان بن عامر بن عمر بن کعب بن تیم قرشی۔ دوسرے عمر بن خطاب بن نفیل بن عبدالعزی بن قرط بن رباح بن زراح بن عدی قرشی۔ تیسرے عثمان بن عفان بن عاص بن امیہ بن عبدشمس بن عبدمناف بن قصی مذکور الصدر۔ چوتھے علی ابن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی تھے۔

بعد صحابہ کبار کے جو لوگ کہ مالک خلافت بنے انکے تین فرقے ہوئے۔ اول بنی امیہ (انکو اموئین بھی کہتے ہیں) امیہ ابن شمس بن عبدمناف بن قصی سے ہے۔ دوسرے بنی عباس (عباس رسولخدا صاحب شریعت کے چچا تھے) تیسرے بنو الحسینؑ بن علیؑ بن ابیطالب (انکو فاطمی بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ لوگ بنت الرسول صاحب شریعت اسلامیہ کی اولاد سے ہیں) اس گروہ کو شیعہ کہتے ہیں۔ مگر بعض علما ان لوگوں کو حسین بن علیؑ کی اولاد میں سے جانتے ہیں اور بعض انکار کرتے ہیں۔

چوتھی فصل

علم انساب

ابن خلدون مغربی نے لکھا ہے کہ انساب (نسب کی جمع) اور لغات کے حفظ

رکھنے کا طائفہ مضر اور قریش ۔ ثقیف ۔ بنی اسد ۔ ہذیل ۔ خزاعہ وغیرہ میں بہت تھا ۔ اس سبب سے کہ یہ لوگ نہایت تنگ حال تنگ عیش تھے ۔ انکے پاس زراعت کے قابل زمینیں نہ تھیں ۔ اونٹ بکریاں نہ تھیں ۔ شام اور عراق کی سبز و شاداب زمین سے دور ہو گئے تھے ۔ اس حالت میں انکو دوسری قوموں کے ساتھ ربط ضبط اور اختلاط نسب کی نوبت نہ آئی ۔ لہٰذا انکی نسب خالص رہی ۔ آپس میں تزویج کر لیتے تھے کسی قسم کا شائبہ انکی نسب میں نہیں پیدا ہو سکتا تھا ۔ یہاں تک کہ شرافت نسب میں جس کسی کی مدح کرتے ہیں اور مبالغہ کرنا مقصود ہوتا ہے تو کہتے ہیں

ھو احسن الناس نسبا من تمیم ۔

تمیم سے مراد اُد بن طابخہ بن الیاس بن مضر (نضر بن کنانہ کا جو کہ ابو القریش تھا اسکا ماموں ہے ۔ اس سبب سے کہ برہ بنت مر تمیم کی بہن ہے اور نضر کی ماں ہے) اسی برہ کی بابت جریر کہتا ہے :۔

وما الام الذی ولدت قریشا	"جس ماں نے قریش کو جنا ہے نہ تو وہ عام مردوں کی مدخول بہا (یعنے فاحشہ) ہے اور نہ عقیم (بانجھ) ہے
بمقرفۃ الرجال ولا عقیم	کوئی فرزند دنیا میں قریش سے بڑھ کے شریف
فما ولد باکرم من قریش	نہیں ہے ۔ اور نہ کوئی ماموں تمیم سے زیادہ
ولا خال باکرم من تمیم	کریم النسل ہے"

تمیم کے قبائل میں سے بنی حرشد بھی ہیں جنمیں سے احنف بن قیس بن عاصم بن حبیقی ہے ۔ اور انمیں سے ہر ایک شخص اپنی خاص صفت میں ضرب المثل ہے ۔ اور ازبسکہ جاہلیت کے زمانے میں عرب کو اپنی نسب پر مباہات اور ناز کرنیکا مرض تھا اس سبب سے اکثر ان لوگوں میں تنافر (تفاخر ایک دوسرے پر فخر کرنا) ہوا کرتا تھا ۔ اور جب کبھی دو شخص اپنے حسب و نسب میں تنافر کرتے تو اپنے حاکموں کے پاس جایا کرتے ۔ اور کہتے انفرنا (کون ہم میں سے گروہ میں عزیز القدر ہے) مغلوب کو منفور کہتے تھے ۔ اور غالب کو نافر اور فیصلہ کرنیوالے کو حکم

اور جب اُن دونوں میں سے کوئی منفور (مغلوب) ہوتا تو نافر (غالب) کو شرط کے موافق کچھ دینا پڑتا۔ جس چیز پر شرط ہوئی ہو اُسکے بعد اُسکی قدر بالکل گھٹ جاتی تھی اور ذلیل سمجھا جاتا تھا۔

تمیم کے حاکموں میں سے اکثم بن صیفی اور حاجب بن زرارہ اور اقرع بن حابس ربیعہ بن مخاشن ضمرۃ ابن ابی ضمرہ تھے (مگر ضمرہ نے ایک مرتبہ رشوت لے کے فیصلہ کیا تھا۔ اور نہایت ظلم کیا۔)

قیس کے حاکموں (حکموں) میں سے عامر بن الظرب۔ غیلان بن ابی سلمی ثقفی تھے۔ کہتے ہیں کہ غیلان نے اپنے دنوں کو تین کاموں پر تقسیم کیا تھا۔ ایک دن تو حکم بنتا تھا۔ دوسرے دن شعر نظم کرتا تھا۔ تیسرے دن اپنے جمال و جمال کو دیکھتا تھا۔ جب اسلام کا زمانہ آیا تو اسکے پاس دس بیویاں تھیں۔ آنحضرتؐ نے اُس سے فرمایا کہ ان دسوں میں سے انتخاب کرلے اُس نے چار کو منتخب کیا۔ وہی چار بیویوں کی سنت جاری ہوگئی۔

قریش کے حکام میں سے عبد المطلب اور ابو طالب اور عاص بن وائل اور علا بن حارثہ تھے۔

اسد کے حکام میں سے ربیعہ بن حذار تھا۔

کنانہ کے حکام میں سے یعمر شرخ۔ صفوان بن امیہ سلمی بن نوفل تھے۔

جاہلیت میں جو لوگ علمائے انساب سمجھے جاتے تھے اور کثرت علم انساب کیوجہ سے ضرب المثل بنی ہوئی تھی۔ انہیں سے ایک دغفل بن حنظلہ السدوسی ہے بنی ذہل بن ثعلبہ کے خاندان سے۔ یہ شخص اپنے زمانے میں علم انساب میں یکتا سمجھا جاتا تھا۔ ورقا بن اشعر کنیت اسکی ابو کلاب تھی۔ بعض کا بیان ہے کہ ایک شخص سہمی عبد اللہ بن حصین بڑا نسب دان اور سیاہی نسباً بھی بزرگ تھا۔ اور اپنے علم میں ضرب المثل تھا کسی کے علم انساب کی تعریف کرتے وقت کہتے تھے

هو النسب من ابن لسان الحمرة۔

زہیر بن کعب ہے - بعض کا بیان ہے کہ ابن حرث مزنی اور مالک بن جبیر بھی
بڑے علمائے انساب میں سے تھے - اسی کی بابت یہ مثل مشہور ہے علی الخبیر
بھا سقطت جو شخص بڑا عالم حقائق ہو اسپر یہ مثال کہی جاتی ہے -
ایک شخص اسبات میں مشہور تھا کہ دو نو متنافرین میں باحسن الجمیل صلح کرا دیتا تھا
اسکو لوگ حکیم کہنے لگے تھے - اسکی وجہ یہ تھی - کہ ایک مرتبہ علقمہ بن علاثہ بن صعصعہ
اور عامر بن طفیل کے درمیان میں اس نے ایسی صلح کرا دی کہ فریقین میں کسی قسم کی عداوت
نہ پھیلی - حالانکہ ہمیشہ سے اس تنافر کا لازمی نتیجہ یہی تھا کہ باہم عداوت ہو جاتی -
ایک حکایت یہ بھی مشہور ہے کہ عامر بن ظرب عدوانی (جسے ذو الحلم بھی کہتے
تھے) اپنی عقل کے مقابلے میں کسیکو نہیں سمجھتا تھا - اور نہ اپنی حکمت کے برابر
کسی حکیم کی حکمت کو - جب اسکا سن زیادہ ہوا اور اپنی عقل میں اس نے کچھ کمی محسوس
کی تو اپنے بیٹوں سے کہا کہ اب میرا سن زیادہ ہو گیا ہے مجھے سہو بھی ہونے لگا ہے
جب کبھی تم ایسا دیکھو کہ میں اپنی کلام میں کچھ زیادتی کرنے لگا اور بے جا بات زبان
سے نکلنے لگے - تو میرکو چھڑی سے کھٹ کھٹا دینا میں سمجھ جایا کرونگا - اسیوجہ سے
عرب کے کلام میں یہ مثل مشہور ہے - ان العصا قرعت لذی الحلم - اسی کی ایک
حکایت اور بھی مشہور ہے کہ ایکمرتبہ اسکے پاس ایک خنثی لایا گیا - اور اسکی بابت
دریافت کیا گیا کہ اسکو مرد کہنا چاہیئے یا عورت - لیکن اسکو کوئی جواب نہ سوجھا - بات
بنانے کے واسطے اس نے اپنے اونٹ ذبح کر ڈالے - اور مہمانوں کے کھلانے
پلانے میں مصروف ہو گیا - اسکی ایک لونڈی خصیلہ نامی تھی - اس نے اس سے
کہا کہ تجھکو کیا ہو گیا ہے - کیوں خواہ مخواہ اپنے مال کو تلف کرتا ہے - اس نے جواب
دیا سبب اسکا یہ ہے کہ اس خنثی کا معاملہ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا - لونڈی نے کہا
کہ اس خنثی کی پیشاب گاہ پر غور کر - یعنے اسبات کو دریافت کر کہ پیشاب کرتے وقت
مردونکی طرح پیشاب کرتا ہے یا عورتونکیطرح - اگر مردونکیطرح پیشاب کرتا ہے تو اسکو
مرد سمجھ لے اور اگر عورتونکی طرح اسکی حالت ہے تو عورت سمجھ - غرض اس نے ایسا ہی

کیا اور حکم کی صورت نکل آئی۔ جب اسلام کا دورہ ہوا تو اس رائے کو صاحب شریعت نے بھی پسند کیا۔ اور خنثیٰ کی شناخت کا یہی طریقہ بتایا[1]۔

اب شریعت میں بھی یہی معاملہ برتا جاتا ہے۔ اگر اسکو مرد فرض کرتے ہیں۔ تو مردوں کی میراث اسکو دلواتے ہیں اور جب مرتا ہے تو مرد ہی اسکو غسل دیتے ہیں۔ اور اگر عورتوں میں اسکو شامل کرتے ہیں تو عورتوں کی میراث اسکو ملتی ہے اور مرنے کے بعد عورت ہی اسکو غسل دیتی ہے۔

جاہلیت کے زمانے میں چند عورتیں بھی حکیم تھیں۔ منجملہ انکے ایک صحر بنت لقمان ہے۔ دوسری ہند بنت الخس ہے۔ تیسری جمعہ بنت حابس ہے چوتھی اسی عامر بن ظرب مذکور الصدر کی بیٹی ہے۔ یہ چاروں عورتیں نہایت عاقلہ اور ذکیہ تھیں۔

زمانہ جاہلیت میں عرب کو اپنی انساب کے جاننے کا یہ فائدہ تھا کہ اسکی وجہ سے انہیں ایک قسم کا تعصب پیدا ہوتا تھا۔ اور انکا رعب وداب اسی پر قائم تھا۔ اسی نسب کو یاد کرتے تھے۔ اور انہیں جوش پیدا ہو جاتا تھا۔ گویا یہ نسب ہی انکی ظفر کی کنجی تھی۔ لڑائیوں میں اسی سے انکی ہمت بڑھتی تھی اور کامیاب ہوتے تھے اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ نسب ذاتی ایسا علم ہے کہ اگر کسی شخص میں ہو تو اسکو کوئی فائدہ نہیں اور اگر اس سے جاہل ہو تو اسکو کوئی ضرر نہیں۔ کیونکہ جب یہ بات پرانی ہو گئی اور وضاحت کی حد سے نکل گئی تو کتابوں کے ذریعہ سے بھی معلوم ہو سکتی ہے

[1] مصنف کتاب غیر مسلم ہونیکے سبب جا بجا اسلام پر نرم لفظوں میں چوٹ کرتا ہے۔ اس حکایت میں عامر کے حکم کو ختم کرنے سے اسکا مقصود فقط اسقدر ہے کہ وہ اس بات کو دکھلاتا ہے کہ یہ حکم خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں بلکہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک اہل عرب سے اس حکم کو سیکھا ہے۔ حالانکہ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسانی نفوس پر پروردگار عالم نے قدرتی نعمت روشن پیدا کئے ہیں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ صفائی ذہن اور پاکی باطن کے وقت میں ایک معمولی شخص کو ایسی باتیں سوجھ جاتی ہیں جو کسی حکیم کو بڑی غور میں بھی نصیب نہیں ہوتیں ممکن ہے کہ اس وقت اس جاہلیہ کا دماغ کثافات وخرافات سے صاف رہا ہو اور چونکہ عقول انسانیہ کو عقول مجردہ سے جنکو ہم ملائکہ کہتے ہیں ایک قسم کا ارتباط حاصل ہے۔ اس سبب سے انکا یہ حکم منجانب عقل مجردہ

اور نفس کو جو اس سے فائدہ پہونچتا تھا کہ قوت باہم قوی ہوتی تھی۔ وہ بھی جاتی رہی۔ اور بنائے عصبیہ بھی ٹوٹ گئی۔ لہٰذا اس زمانے میں اسکا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ جیسا کہ ابتدائے اسلام سے بھی ہونے لگا اور اس نسب کا کوئی لحاظ نہ کیا گیا۔ اور جب وہ سبین متعصب لوگوں کے دلوں سے نکل گیا اسکی جگہ پر تشبیعات قائم ہوگئے اور اس سے بھی وہی فائدہ ہوتا رہا۔ اسکے بعد شہر اور مواضع کیطرف منسوب ہوتے رہے۔ مثلاً جند قنسرین جند دمشق۔ جند عواصم وغیرہ۔ آخر یہی انتساب بلاد اندلس وغیرہ میں بھی پھیل گیا۔

خصوصاً جبکہ عرب حواضر (شہر باش) ہیں عجم کا اختلاط ہوگیا اور باہم شادی بیاہ ہونے لگے تو وہ نسب والی بھی جاتی رہی۔ اور فائدہ بھی اسکا زائل ہوگیا۔ البتہ بدویوں میں پھر بھی باقی رہا۔

(حاشیہ بقیہ صفحہ ۶۳) دریافت ہوگیا ہو۔ اور یہی تو اتنے حکم خدا ہو جو صاحب شریعت کو بعد سلام سے بتا یا گیا اس سے یہ بات کہاں نکلتی ہے کہ رسول نے اس جاریہ کے فیصلہ سے اس حکم کو سیکھا جیسے ہزاروں اخلاق اور نیک باتیں ان حکما نے اپنی روشن ضمیری سے دریافت کی تھیں جو بالکل وحدانیت خدا اور رسالت نبی کے منکر تھے اور پھر انہی اخلاق اور محاسن کو انبیا نے بھی اپنی امت کو تعلیم کیا تو اس سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ نبی نے جو خدائی حکم ہے دنیاوی حکیم سے تعلیم حاصل کی ہے۔ بلکہ فی نفسہ ایک حق بات تھی جو اس حکیم کو بھی اسکی روشن ضمیری اور رسوخ ذہنی سے معلوم ہوئی اور نبی کو بھی انکی کمال ذہنی اور ذکاوت فطرت سے وہ بات ہوئی علاوہ بریں ہماری شریعت میں کچھ اسی حکم پر انحصار تو نہیں ہے بلکہ اسکے علاوہ اور بھی طریقے ہیں یا فرض کرو اگر وہ خنثی ایسا ہے کہ دونوں طرف سے پیشاب کرتا ہے تو اب بتاؤ وہ عورت بیچاری جا کیا فیصلہ کریگی یا تم کیا فیصلہ کر سکتے ہو سوائے سکوت کے تم سے کوئی جواب بن پڑیگا۔ حالانکہ ہمارے صاحب شریعت نے اسکا ایک طریقہ یہ بھی رکھا ہے کہ اگر جائے بول سے شناخت نہ ہو سکے تو پسلیاں گنو اگر دونوں طرف کی پسلیاں برابر ہوں تو عورت سمجھو اور اگر کم و بیش ہوں تو مرد سمجھو۔ بھلا بتاؤ یہ حکم صاحب بعث نے کس سے سیکھا اس قسم کا الزام صاحب شریعت پر نہیں لگایا جا سکتا۔ میں اسکے متعلق بہت کچھ لکھ سکتا ہوں مگر بمقام ترجمہ میں اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں۔ ۱۲ (مترجم)

مگر اسلام میں اسکی تھوڑی ضرورت میراث و نکاح و دیت کے معاملات میں ہوتی ہے۔ اور چونکہ صاحب شریعت اسلامیہ کا نسب جاننا بھی ہر مسلمان کو لازم ہے اسلئے اتنی نسب دانی بھی ضروری ہے۔ اسیطرح جو لوگ آزاد اور غلام میں تفرقہ کرتے ہیں انکو بھی نسب دانی کی ضرورت پڑتی ہے۔ اسی وجہ سے اکثر علماے اسلام نے بھی اسکیطرف توجہ کی ہے مثلاً عبد الحمید بن عبد اللہ بن اسامہ کوفی ہیں۔ اور شریف قثم ابن طلحہ نسابہ ہیں اور ابن عبد السمیع خطیب وغیرہ ہیں۔

ان لوگوں نے بہت سی کتابیں شجرہ کے طور سے بھی لکھی ہیں۔ یعنے ایک سلسلہ قائم کرتے ہیں جیسے ایک درخت ہوتا ہے کہ اسکی جڑ ہوتی ہے تنہ ہوتا ہے۔ بڑی شاخیں ہوتی ہیں۔ چھوٹی شاخیں اور رگ و ریشہ وغیرہ ہوتے ہیں۔ اور بطن اسفل سے شروع کر کے بطن اعلیٰ تک پہونچاتے ہیں۔ اور علامت کیواسطے خطوط اور نقطے بھی قریب و بعید کے سمجھنے کیواسطے لگائے جاتے ہیں (جن لوگوں کے پاس نسب نامے کے شجرے ہیں وہ اسکو خوب سمجھ سکتے ہیں۔)

منجملہ مؤلفین کتب انساب کے ایک ابو منذر ہشام ابن ابی نضر محمد ابن سائب بن بشر بن عمرو کلبی نسابہ کوفی ہے۔ علم انساب کا بڑا ماہر تھا۔ اسکی ایک کتاب جمہرہ علم نسب میں اعلیٰ درجے کی کتاب ہے۔ دوسری کتاب منزل ہے۔ تیسری کتاب موجز۔ چوتھی کتاب فرید (اس کتاب کو مامون عباسی کے لئے لکھا تھا) پانچویں کتاب الملوکی (اس کتاب کو جعفر برمکی کی خاطر سے تصنیف کیا تھا) انکے علاوہ اسکی تصنیفات سے اور بھی کتابیں ہیں۔ جو ذیل میں مندرج ہیں۔ کتاب حلف عبد المطلب و خزاعہ۔ کتاب حلف الفضول کتاب حلف تمیم و کلب۔ کتاب المنافرات۔ کتاب بیوتات قریش۔ کتاب فضائل قیس بن عیلان۔ کتاب المودات۔ کتاب بیوتات ربیعہ۔ کتاب الکنی۔ کتاب شرف قصی وولدہ فی الجاہلیۃ والاسلام۔ کتاب القاب قریش۔ کتاب القاب الیمن۔ کتاب المثالب۔ کتاب النوافل کتاب ادعاء معاویہ زیاد بن ابیہ۔ کتاب اخبار زیاد۔ کتاب صنائع قریش۔ کتاب المشاجرات کتاب المعاتبات۔ کتاب ملوک الطوائف۔ کتاب افتراق ولد نزار۔ کتاب تفرق الازد۔ کتاب طسم

وجدیس وغیرہ۔
انتقال انکا ۳۸۲ھ ہجری مطابق ۹۹۲ء میں ہوا۔

تیسرا باب

عرب کی تقطیع اور اُن کے اوصاف اور اُن کے ہاں شادی کی رسوم وغیرہ۔ اس میں چار فصلیں ہیں

فصل اول

عرب کی تقطیع اور اُن کے اوصاف

ملٹبرون مورخ نے عرب کی نسبت یہ لکھا ہے کہ یہ قوم نہ تو بہت لمبی ہوتی ہے نہ پست قد۔ بلکہ متوسط قد اور لاغر بدن ہوتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حرارت کی وجہ سے خشک ہو گئے ہیں۔ رنگ اُنکے گندمی ہوتے ہیں۔ آنکھیں اور بال سیاہ۔ مگر اُنکی عورتوں کے رنگ بہت زرد ہوتے ہیں۔ پہاڑی عورتیں اکثر خوش قد۔ متناسب الاعضا۔ گوری رنگت (جیسی بتان روم وفرنگ اٹالیا وغیرہ) کی ہوتی ہیں۔

عرب مردوں کی تعریف یہ ہے کہ اُنکے بدن ہلکے ہوں۔ گوشت بدن پر کم ہو۔ کیونکہ اگر گوشت زیادہ ہوگا تو لامحالہ کسل اور سستی پیدا ہوگی۔ اُنکا قول تھا کہ وہ شخص

بڑا سخت ہے جو اجحف ہو یعنے فقط ہڈی چمڑا ہو۔ اُسکے بس کا منتر نہیں۔ تو پلے آدمی کو مضرب کہتے تھے۔ چھوٹے قد والے کو حزوّقہ مستوی الخلقۃ متناسب الاعضا کو رِبْل۔ موٹے قدآور کو شرعب۔

مردوں کے اوصاف

فیلم۔ بہت بڑا مرد۔
کروس ارأس۔ بڑے سر والا۔
کُفادنی۔ بڑے کانوں والا۔
قُنان۔ جسکی بڑی ناک ہو۔
شفاحی۔ جسکے بڑے بڑے ہونٹ ہوں۔
ازجل۔ جسکے لمبے لمبے پاؤں ہوں۔
ارکب۔ جسکا گھٹنا بڑا ہو۔
جحنظم۔ جسکی آنکھیں بڑی بڑی ہوں۔
جرنفش۔ بڑے تن و توش والا۔
اکول۔ جزور۔ جراخم۔ بڑا کھانے والا۔
ثرثار۔ مھذار۔ بڑا بکّی۔
سِفر۔ سباح۔
نکیر۔ بہت سوچنے والا۔
ضجعۃ۔ کاہل الوجو۔ الکسی ہر وقت چارپائی پر لیٹا رہنے والا۔ نہ گھر میں سے باہر نکلے نہ کسی شرافت کے حاصل کرنے کا قصد کرے۔
قعدۃ۔ ہر وقت بیٹھا رہنے والا۔
عَمّار۔ بڑا نمازی اور روزہ دار۔
صدّیق بڑا سچا۔
اشعر۔ بہت شعر کہنے والا۔

لَقِن۔ جو شخص ہر بات کو جلد سمجھتا ہو۔
خبیر۔ داھی۔ صاحب رائے و تجربہ۔
باقعہ۔ سیاح و تجربہ کار پختہ۔
نِقاب۔ سیاح اور بعض دنیا کی چیزوں کو دیکھنے والا اور اُن سے نتیجہ پیدا کرنیوالا۔
شہر۔ نیز بِل۔ باخبر۔
لوذعی۔ جسکا ظن اکثر سچا ہوتا ہو۔ اور ذہن جلد پہونچتا ہو۔
المعی۔ جسکی رائے روشن ہو۔ اور ذکی ہو۔
فلہ۔ پاک نفس۔ خوش مذاق۔ منسوڑ۔
اصلیت۔ اپنی ضرورتوں کو عمدہ طور سے انجام دینے والا۔ اور اسمیں کوشش کرنے والا۔
کَیِّس۔ جسکی خصلتیں اچھی ہوں۔
عَبقرِی۔ جو پیشہ کرتا ہو اور اسمیں کمال رکھتا ہو۔
منجذ۔ جسکو مصائب نے اور کاموں کے اُلٹ پلٹ ہوجانے نے تنگ کر رکھا ہے۔
کتوم۔ جو شخص اپنے راز پوشیدہ رکھتا ہو۔
متحذلق۔ عناهیۃ۔ جسقدر آتا ہو اس سے زیادہ اپنے میں کمال ظاہر کرتا ہو۔
متلهوق۔ سخی و صاحب مروت نہو مگر اپنے آپ کو بڑا سخی اور صاحب مروت جتاتا ہو۔
مُتبلتع۔ ظریف و کیس نہو۔ پھر بھی ایسا ظاہر کرتا ہو کہ میں ظریف و کیس ہوں۔
مغدمر۔ کثرت سے کام کرنے کا شوق رکھتا ہو۔
خبّاص۔ بعض کاموں کو بعض میں مخلوط کر دیتا ہو۔
مزیال۔ جو شخص یہ سمجھ سکتا ہو کہ مجکو کس رخ سے اس کام میں دخل دینا چاہیئے۔ یا اگر دخل دیا ہو تو کیونکر مخلصی ہوسکتی ہے۔
عِتریف۔ خبیث۔ بدکار۔
عُتُلّ۔ سخت مزاج۔ ظالم۔

فظ۔ بوجھل۔

لحّانۃ۔ جو اچھی طرح بات نہ کر سکے۔

مِتیاح۔ معّن۔ ایسے کاموں میں خواہ مخواہ دخل دینے والا جس سے اُسے کوئی فائدہ نہ پہونچ سکے۔

فضولی۔ خواہ مخواہ کا بکواسی۔ کوئی بات بے پوچھے کہے جانے والا۔

امعۃ۔ جو شخص ہر ایک سے کہتا پھرے میں تمہارا ساتھ دونگا۔

مطرف۔ تلماظ۔ جو شخص کسی کی محبت پر ثابت قدم نہ رہے۔

اعفک۔ جو کوئی اچھی طرح کوئی کام نہ کر سکے اور کسی بات پر مستقل نہ رہے۔

طرِف۔ وہ شخص کہ جو چیز دیکھے چاہے کہ مجھی کو ملجائے۔

بذا یر۔ نمّام۔ علنۃ۔ جو اپنے راز کو نہ چھپا سکے۔

حرِض۔ جس سے بھلائی کی امید نہ ہو۔

لقنس۔ جسے یہ مرض ہو کہ لوگوں کا نام رکھا کرے اور سب سے استہزار اور مسخراپن کرے۔

وارِش۔ کھانے کے وقت مجلس طعام میں جانے والا۔

متطفل۔ طفیلی۔ حضر۔ بے بلائے کسی کی دعوت میں شریک ہونیوالا۔

غرہ ۃ۔ بلاسبب وجد و طرب میں آنے والا۔

سئولہ۔ جو شخص بے حد لوگوں سے سوالات کیا کرے۔

سمّاد۔ وہ چور کہ رات کو نہ سوئے۔

شنیق۔ خودبین۔

مخنبش۔ جو کوئی ناچے کودے تالیاں بجائے۔ کھیلے ہنسے باتیں بنائے۔

مسنوت۔ ساتھیوں پر بے سبب غیظ و غضب کرنیوالا۔

ضیفن کسی مہمان کے ساتھ بے بلائے آنیوالا۔

مخلط۔ کاموں میں خواہ مخواہ دخل دینے والا۔

وقب ۔ احمق ۔
شامخ ۔ اپنے ناک کو تکبر و غرور سے پھولانے والا ۔

عورتوں کے اوصاف

خفرۃ ۔ حیادار ۔
رخیمہ ۔ پست آواز ۔
عروب ۔ جو عورت اپنے شوہر سے زیادہ محبت کرے اور وہ بھی اس سے محبت کرے ۔
نوار ۔ اپنے شوہر سے بہ سبب ریب و شک کے نفرت رکھنے والی ۔
قذور ۔ نجاست و کثافت سے بچنے والی ۔
صناع ۔ اپنے ہاتھوں سے باریک کام کرنے والی ۔
نثور ۔ منتاق ۔ بدر نار ۔ کثیر الاولاد ۔
نزور ۔ جسکی اولاد کم ہو ۔
مذکار ۔ جو عورت لڑکا ہی جنا کرے ۔
مئناث ۔ جو عورت لڑکی ہی جنا کرے ۔
متام ۔ جو عورت توام ہی بچے دیا کرے ۔
منجاب ۔ جس سے نجیب و شریف بچے پیدا ہوں ۔
محماق ۔ میقاب ۔ جس سے احمق ہی بچے پیدا ہوں ۔
مثکال ۔ جسکی اولاد کثرت سے مرتی ہو ۔
محدّ ۔ جس نے اپنے شوہر کے مرنیکے سبب ترک زینت کی ہو ۔
بدوک ۔ جس نے اپنے شوہر کے مرنیکے بعد دوسرے سے تزویج کر لی ہو حالانکہ اسکے جوان بچہ موجود ہے ۔
خباۃ ۔ خبیئۃ ۔ جو عورت اپنے ہی گھر میں رہا کرے باہر نہ نکلے ۔
خبیئۃ ۔ طلعۃ ۔ جو عورت سر نکالے ۔ پھر چھپ جائے ۔ پھر نکلے پھر چھپ جائے ۔
خبنزوع ۔ جسے ایک حال پر قرار نہ ہو ۔

غانیۃ۔ ایسی کامل الجمال کہ کثرت حسن کیوجہ سے اسکو زینت کیضرورت نہ ہو۔ مگر ابن عقیل کا قول ہے کہ غانیہ اس عورت کو کہتے ہیں جو حسین اور جوان ہو۔ مردوں کو تعجب میں ڈالتی ہو۔ اور مرد اسکو دیکھکے متعجب ہوتا ہو۔ ایک اور شخص کہتا ہے کہ غانیہ وہ عورت ہے جس نے ابتک تزویج نہ کی ہو۔ اور اپنے والدین ہی کے گھر میں رہتی ہو۔ ایک اور قول ہے کہ غانیہ شوہر دار عورت کو کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنے شوہر کیوجہ سے اَور اور مردوں سے مستغنی ہوگئی ہے۔

عاتق۔ جو عورت اپنے والدین کے گھر میں رہتی ہو۔ اور ابھی عقد نہ کیا ہو۔ کتاب درۃ الغواص میں لکھتے ہیں کہ عورت جبتک اپنے والدین کے گھر میں رہے اسکو عاتق کہتے ہیں۔

مخبّاۃ۔ پردہ نشین عورت جس نے ابھی تک شادی نہ کی ہو۔

رخصہ۔ جوان حسین خلیق۔

خرعبہ۔ گوری۔ نرم بدن۔ بھرا بھرا جسم۔ نرم نرم ہڈیاں والی۔

مفاضہ۔ جسکا پیٹ بہت لمبا چوڑا ہو اور ڈھیلا ڈھالا ہو کے لٹک آیا ہو۔

مھفھفہ۔ باریک کمر۔ لاغر شکم۔

حوار۔ لمیا۔ جسکی ہونٹ گندمی ہو۔

عضنہ۔ بضہ۔ نرم بدن۔ باریک جلد۔

بھکنۃ۔ خوش خلق۔ گدرا اور نرم بدن۔

عقیلہ۔ شریف زادی۔ اور کریم المال۔

عوائلہ۔ شریف اور بھلی عورتیں۔ اسی سے عائلہ کا نام مشتق ہے۔

خاتون۔ عجمی لفظ ہے۔ تاتار کے لغت میں شریف عورتوں کو خاتون کہتے ہیں مگر عرب بادشاہوں کی عورتوں کو خاتون کہنے لگے۔ اسکی جمع خواتین آتی ہے۔

قاصرۃ الطرف۔ جو عورت اپنے شوہر کے سوا اور مرد کیطرف توجہ نہ کرے۔

غذیۃ۔ بھولی بھالی نازنین عورت۔

دیشاء۔ جسکی آنکھوں کی پلکیں لمبی ہوں۔

عمشاء۔ جسکی بینائی خراب ہو۔ اسی سے لفظ اعمش بھی نکلا ہے۔ ایک شخص کا نام ہے۔

جنثوب۔ بدمزاج، روکھی طبیعت والی عورت۔

خنظوب۔ بے خیر۔

زینب۔ رواج۔ موٹی۔

شجوب۔ ہمیشہ غمگین رہنے والی۔

لینۃ۔ نازک اندام۔

لعوب۔ ناز و ادا میں بھری ہوئی۔

خفوت۔ حسن میں یکتا جسکی مثل عورتوں میں نہ ہو۔

مقلات۔ جسکا کوئی بچہ زندہ نہ رہتا ہو۔

نثور۔ جسکا کوئی بچہ مرتا ہی نہ ہو۔

عروس۔ جو پہلی دفعہ حاملہ ہوئی ہو۔ اور ایسی عورت کو جو کھانا دیا جاتا ہے اسکو خرس کہتے ہیں۔

ماجن۔ اُس لڑکی کو کہتے ہیں جو قبل از وقت بوڑھی ہو گئی ہو۔ اسی سے ایک مثل مشہور ہے۔ حلت الماجن عن الولد (جو شخص کسی کام میں قبل از وقت [illegible] کرے تو اسپر یہ مثل صرف کرتے ہیں)

[illegible]۔ جو ابھی تک [illegible] ہو۔

[illegible]۔ وہ عورت جسکا حمل [illegible] ہو چکا ہو۔ اور اپنے شوہر سے جدا ہو گئی ہو۔ [illegible] عورت کو حیض آنا [illegible] عراکت یا عمکت کہتے ہیں۔

[illegible]۔ جس عورت کو حیض آتا ہو اور اسکو دودھ ہوتا ہو۔

[illegible]۔ حاملہ ہونے سے پہلے عورت کو دودھ آتا ہو۔

[illegible] ہے۔

ظعینہ۔ جو عورت کہ اپنے گھر میں یا ہودج میں ہو اُسکو ظعینہ اسو جہ سے کہتے ہیں کہ اپنے شوہر کے ساتھ سفر کرتی ہے

عرب عیال کو بقرہ کہتے ہیں کیونکہ عورتیں گویا کھیتی ہیں اور اُن سے بچے پیدا ہوتی ہیں اسی سبب سے یہ مثال مشہور ہوئی۔ جاء بجر بقرہ۔ یعنے عیالہٗ۔

خزز۔ تنگ چشم۔ اور جو شخص گوشہ چشم سے دیکھے تو کہتے ہیں۔ صعر۔ اور تصعر۔ چہرے یا ایک ہونٹ کو کج کرنا۔

ساجی العین۔ جسکی آنکھیں ٹھہرائی ہوئی ہوں۔

عین النجلاء۔ بڑی آنکھ۔

رتل۔ برابر برابر دانت۔

حذلۃ۔ بھری بھری اور موٹی عورت۔

لعس۔ ہونٹ کی نلاہٹ کو کہتے ہیں جسے عرب بہت پسند کرتے ہیں۔ (غالباً مسی ملنے کا رواج اسی بنیاد پر شروع ہوا ہے)

منتفال۔ جسکے بدن سے بدبو آتی ہو۔

حنب۔ ساقوں کا کج ہونا۔

طرطب۔ بڑے بڑے پستان لٹکے ہوئے والی جیسا کہ متنبی ضبۃ ابن یزید کی ہجو میں کہتا ہے:۔

ماانصف القوم ضبۃ	"قوم نے ضبہ کی بابت انصاف نہیں کیا۔
وامہ طرطبۃ	حالانکہ اُسکی ماں طرطبہ ہے (یعنے اُسکے پستان بڑے بڑے اور لٹکے ہوئے ہیں)

رتی۔ توتلی۔

ھنباء۔ بے عقل بیفیہ عورت۔

اعفت۔ سخت و دشوار۔

لفتاء۔ حاملہ یا وہ جھلی جو بچہ جننے کے وقت نکلتی ہے۔

فالج۔ دونوں پاؤں کا پھیلا پھیلا ہونا۔ اور دانتوں کا کشادہ ہونا۔

زوزنی نے لکھا ہے کہ عرب کم سن عورتوں کو انڈے سے تشبیہہ دیتے تھے اور اسکی تین وجہیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک تو اس وجہ سے کہ ابھی اُنکا ازالہ بکر نہیں ہوا۔ جیسا کہ فرزدق کہتے ہیں:۔

خرجن الی لم یطمثن قبلی وهن اصح من بیض النعام	"وہ نوجوان عورتیں میرے پاس آئیں اور یہاں آنے سے قبل اُنکا ازالہ بکر نہیں کیا

گیا تھا۔ یعنے بالکل کم سن تھیں۔ اور وہ شتر مرغ کے انڈوں سے بھی زیادہ صحیح وسالم تھیں (یعنے ٹوٹی نہ تھیں)

دوسری محفوظ رہنے اور پردہ داری میں۔ اس سبب سے کہ طائر اپنے انڈوں کو پروں میں چھپاتا ہے اور گود میں لیکے ٹوٹنے سے محفوظ رکھتا ہے۔

تیسری رنگ کی صفائی اور گورے ہونے میں انڈے سے تشبیہہ دیتے ہیں۔ اکثر عورتوں کو شتر مرغ کے انڈوں سے اس سبب سے تشبیہہ دیتے ہیں کہ شتر مرغ کے انڈے میں سفیدی کے علاوہ خفیف خفیف سی زردی بھی ہوتی ہے۔ اور عرب کی رائے میں ایسا ہی رنگ عورتوں کا نہایت عمدہ ہوتا ہے۔ اسی بنا بر ذوالرمہ نے کہا ہے:۔

کانها فضة قد مسها ذهب "گویا کہ وہ چاندی ہے ایک ذرا سونا اُس کو چھو گیا ہے"

یہ بھی اُنکے کلام میں مشہور ہے بیضة الخدر وجاریته۔ یہ بات بھی سمجھ رکھنی چاہئے کہ حسن کی بعض صفتیں ایسی بھی ہیں جو بلندی قدر اور شرف ومنزلت پر دلیل ہوتی ہے اور عرب اُن اوصاف سے عورتوں میں شرافت اور ذات کا فرق کر لیتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے:۔

بعیدة مهوی القرط اما لنوفل ابوها واما عبد شمس وهاشم	"جسکے گوشوارے کے جھکنے کی جگہہ ذرا لمبی ہے۔ یا تو اسکے اپنے باپ نوفل کیوجہ سے حاصل ہوتی ہے

یا عبد شمس یا ہاشم کی وجہ سے۔ یقیناً یہ بات شرافت پر دلیل ہے"۔

بعیدۃ مہوی القرط سے مراد گردن لمبی ہونا۔ ابو حسان بن ثابت کہتا ہے:-

بیض الوجوہ کریمۃ احسابھم
شم الانوف من الطراز الاول

"گورے گورے چہرے والے ہیں جنکے حسب کریم ہیں۔ اور انکی اونچی ناکیں نقش اول سے ہیں"۔

اسی کے مقابلے میں ایک اور شخص نے تردید میں لکھا ہے:-

سود الوجوہ لئیمۃ احسابھم
فطس الانوف من الطراز الآخر

"سیاہ ہیں انکے چہرے۔ حسب انکی نہایت لئیم ہیں چپٹی ناکیں ہیں اور نقش آخر سے ملتی جلتی ہیں"۔

زوزنی کہتا ہے کہ عرب جو گورے پن کی تعریف کرتے ہیں اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ جیسے ممدوح شریف اور حر ہیں۔ اور شریف عورتوں سے پیدا ہوئے ہیں۔ لونڈیوں کی نسل انہیں شامل نہیں ہے۔ جس سے انکے چہرے کے رنگ میں تغیر ہو اور ازبسکہ انکے چہرے اور پیشانی چمکتے رہتے ہیں۔ اگر کسی مجلس میں انکا کوئی عیب بیان کیا جائے تو فوراً انکے رنگ متغیر ہو جاتے ہیں۔

اور اس وجہ سے بھی انکو بیض (سفید رنگ) کہتے ہیں کہ انکے عیوب دنیاوی انکی سادگی مزاج کی وجہ سے کم ہوتے ہیں۔ جسطرح کہ سفید کپڑا وہی ہوتا ہے جسمیں میل وغیرہ نہو۔

یا اس وجہ سے بعض کہتے ہیں کہ انکی شہرت دنیا میں زیادہ ہے جس طرح فرس اغر (سفید پیشانی کا گھوڑا) اور قسم کے گھوڑوں کی بہ نسبت زیادہ مشہور ہے۔ عرب گورے چہرے کے لوگوں کو بہت مبارک سمجھتے تھے۔

دوسری فصل

عرب کا حسن

عرب حسن کو وسامت کہتے ہیں۔ زوزنی کا بیان ہے۔ کہ میسم کے معنے حسن کے ہیں۔ اور میسم کا لفظ وسام اور وسامت سے مشتق ہے۔ اور ان دونوں لفظوں کے معنے بھی حسن ہی کے ہیں۔ اسیطرح قسامت کا لفظ ہے۔

محیط المحیط (ایک لغت کی کتاب کا نام ہے) میں لکھا ہے کہ میسم داغ دینے کے آلے کو کہتے ہیں جس سے حیوانات کو داغتے ہیں۔ قسم یقسم قسامۃ۔ جمل یجمل جمالا کے معنے ہیں ہے۔

بعض اہل لغت نے حسن اور جمال میں فرق کیا ہے۔ ایک بڑے گروہ اہل لغت کا یہ قول ہے کہ لفظ حسن میں چہرے کے رنگ کا لحاظ ہوتا ہے اور جمال میں تناسب اعضا کا۔

مگر ملاحت دونوں سے عام ہے حسن پر بھی اور جمال پر بھی اطلاق کیجاتی ہے ہر ملیح کو حسین اور جمیل دونوں کہہ سکتے ہیں۔ مگر ہر حسین کو جمیل نہیں کہہ سکتے اور ہر جمیل کو حسین نہیں کہہ سکتے۔ ممکن ہے کہ ایک آدمی حسین ہو جمیل نہو۔ اور یا جمیل ہو حسین نہو۔

بعض کا قول ہے کہ جمیل اس شخص کو کہتے ہیں کہ جسکی خوبصورتی دور سے آنکھوں میں کھینتی ہو۔ اور ملیح اسکو کہتے ہیں جسکی خوبصورتی نزدیک سے دل میں کھبتی ہے۔

بعض کا قول ہے کہ جمیلہ اس عورت کو کہتے ہیں کہ دور سے دیکھنے میں اچھی معلوم ہوتی ہو اور جب نزدیک سے دیکھی جائے تو کچھ بھی نہیں۔ اور ملیحہ وہ ہے

کہ دور اور نزدیک دونوں میں اُسکا حسن جگر سوز پورا اثر کرسکتا ہو۔

بعض اہل لغت نے حسن کی یوں تقسیم کی ہے کہ اگر چہرے میں حسن ہو تو اسکو صباحتہ کہتے ہیں اور اگر جلد میں ہو تو اسکو وضاءتہ کہتے ہیں۔ اور اگر ناک میں ہو تو اُسکو جمال اور آنکھوں میں ہو تو اُسے ملاحۃ اور اگر منھ میں حسن ہو تو اسکو حلاوتہ اور اگر زبان میں ہو تو ظرف۔ اور قد میں ہو تو رشاقت اور عادات و اخلاق میں ہو تو لیاقت۔ مگر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان الفاظ میں سے ایک کو دوسرے کے مقام پر استعمال کر لیتے ہیں۔ مثلاً ملیح کو حسین۔ حسین کو جمیل۔ جمیل کو انیق وغیرہ

اکثر اہل لغت نے یہ بھی لکھا ہے کہ عرب کے نزدیک قد و قامت کے اعتدال پر ہونے اور پستان کے اُبھار۔ اور سیاہ آنکھوں کے خمار آلودگی اور رخسارے کی سُرخی اور سینے کے گورا پن اور سرین کے بڑے ہونے اور کمر کے پتلے ہونے اور گردن کے لمبے ہونے کے مجموعے کو حسن کہتے ہیں۔

ایک عرب نے اپنے ایک دوست سے کسی عورت کے بارے میں مشورہ کیا کہ اُس سے عقد کرے یا نہیں۔ اُس نے نہیں یا ہاں کے بدلے میں یہ کہا کہ:۔

خذ ملساء القدمین لفاء الفخذین ضخمة الذراعین رخصة الکفین ناھدة الثدیین حمراء الخدین کحلاء العینین زجاء الحاجبین لمیاء الشفتین بلجاء الجبین شماء العرنین شنباء الثغر محلولکة الشعر عیطاء العنق مکسرة البطن

"ایسی عورت منتخب کر جسکے قدم چکنے چکنے ہوں۔ رانیں ملی ہوئی ہوں۔ بانہ بھرے بھرے ہوں۔ ہتھیلیاں نرم نرم ہوں پستان اُبھرے اُبھرے ہوں۔ آنکھیں سرگیں ہوں بھواں کمان کیطرح کھچی ہوں۔ ہونٹ گندمی ہوں۔ دونوں ابرو کشادہ ہوں۔ ناک اونچی ہو۔ دانت آبدار ہوں۔ بال سیاہ ہوں۔ گردن ادھر اُدھر مڑتی ہو۔ پیٹ پر شکن پڑے ہوں"۔

ایک مرتبہ حرث بن عمرو بادشاہ کندہ نے ایک عورت کو عوف بن محلم شیبانی کی لڑکی کے دیکھنے اور اُسکے حسن و جمال و سیرت و عقل کے اندازہ کرنے کو بھیجا تھا

جب وہ پلٹے تو اس نے پوچھا او رائک یا عصام (اے عصام کیا خبر ہے) اُس نے
جواب میں مثال کے طور پر کلام کرنا شروع کیا۔ وہ کہتی ہے:-

صرح المحض عن الزبد رأيت جبهة كالمرآة يزينها شعر حالك كأذناب الخيل
ان أرسلته خلته السلاسل وان مشطته قلت عناقيد جلاها الوابل وحاجبين
كأنما خطا بقلم او سودا بفحم تقوسا على مثل عين ظبية عبهرة بينهما أنف كحد
السيف حفت به وجنتان كالأرجوان - في بياض كالجمان - شق فيه فم كالخاتم
لذيذ المبسم فيه ثنايا غر ذات أشر - تقلب فيه لسان ذو فصاحة وبيان -
بعقل وافر وجواب حاضر تلتقي فيه شفتان حمراوان تحلبان ريقا كالشهد
اذا دلك في رقبة بيضاء كالفضة ركبت في صدر كصدر تمثال دمية - و
عضدان مدمجان يتصل بهما ذراعان ليس فيهما عظم يمس ولا عرق يجس
ركبت فيهما كفان دقيق قصبهما لين عصبهما - تعقد ان شئت منهما الانامل
نتأ في ذلك الصدر - ثديان كالرمانتين يخرقان عليها ثيابها تحت ذلك
بطن طوي طي القباطي المدمجة كسر عكنا كالقراطيس المدرجة تحيط بتلك
العكن سرة كالمدهن المجلو خلف ذلك ظهر فيه كالجدول ينتهي الى خصر
لولا رحمة الله لانبتر - لها كفل يقعدها اذا نهضت وينهضها اذا قعدت
كانه دعص الرمل لبده سقوط الطل - يحمله فخذان كأنما قلبا على نضد
جمان - تحتهما ساقان خدلتان كالبرديتين وشيتا بشعر اسود كأنه حلق الزرد
ويحمل ذلك قدمان كحذو اللسان فتبارك الله مع صغرهما كيف يطيقان
حمل ما فوقهما -

ترجمہ۔ خالص بات معلوم ہوگئی۔ میں نے اُس لڑکی کو دیکھا۔ پیشانی تو اسکی
صیقل دار آئینے کی سی ہے۔ اُسپر کالے کالے بال ایسے لمبے لمبے پڑے ہیں کہ گھوڑے
کی دم معلوم ہوتی ہے۔ اگر انکو لٹکا دیا جائے تو معلوم ہو کہ زنجیر ہے۔ اور اُنہیں کنگھی
کیجائے تو اُنکے بل خم سے ایسا معلوم ہو کہ انگور کے گچھے ہیں جو پانی کے برس جانے سے

صاف اور چمکدار ہو گئے ہیں۔ دونوں ابرو ایسے ہیں کہ گویا قلم سے کسی نقاش نے
بنائے ہیں اور نہایت سیاہ ہیں۔ کمان کیطرح خم ہیں جیسے ہرن کی ابرو ہیں۔ دونوں
آنکھوں کے بیچ میں ناک ہے جیسے تلوار کی باڑھ۔ دونوں طرف اسکے ایسے رخسارے
ہیں جیسے گل ارغوان۔ اور چمک انمیں ایسی ہے جیسے کہ سونگے میں موتی ہے۔
اور دونوں رخساروں کے بیچ میں دہن ہے جیسے انگوٹھی کا نگینہ بوسہ لینا اسکا نہایت
ہی لذیذ ہے۔ دانت اسکے بہت ہی چمکدار اور تیز ہیں۔ دانتوں کے بیچ میں زبان
ہے جسکی فصاحت و شیرین بیانی اور حاضر جوابی عقل کے ساتھ ہے۔ دونوں لب یاقوت
سرخ ہیں جو سینے میں شہد کا مزہ دیتے ہیں۔ گردن ایسی صاف اور چمکدار ہے۔ جیسے
چاندی۔ سینہ ایسا ہے جیسے پتھر کی سلیٹ کا ہو۔ بازو دونوں گول ہیں ساق دست
ایسے گوشت سے بھرے ہیں کہ ہڈی کا نشان ہی نہیں معلوم ہوتا یا وجہ نہ ڈھونڈنے سے
نبض کا پتہ چل سکتا ہے۔ دونوں ہاتھوں کی کلائیاں پتلی پتلی ہیں اور اعصاب
انکے بہت نرم ہیں۔ اگر تو چاہے تو انہی کلائیوں سے انگلیاں بنا لے۔ سینے سے
ابھر کے دو پستان نکلے ہیں جیسے دو انار ہیں کہ کپڑے کو پھاڑے دیتے ہیں۔ ان کے
نیچے پیٹ ہے۔ جسمیں ایسی شکنیں پڑی ہوئی ہیں جسطرح سے قبطی چادریں یا تو ڑے
ہوئے کاغذ ہیں۔ انہی شکنوں میں ناف ہے۔ جیسے وہ ہوئے والے تیل رکھنے
کی چھوٹی سی پیالی۔ پیٹھ کے درمیان میں نالی ایسی بنی ہوئی ہے جیسے باریک سی
نہر پانی جاری ہو نیکی۔ کمر بھی ایسی ہے کہ خدا رحم نہ کرتا تو کب کی ٹوٹ گئی ہوتی سرین
اسکے ایسے ہیں کہ جب وہ اٹھتی ہے تو اسکے بار سے بیٹھ جاتی ہے۔ اور جب بیٹھتی
ہے تو اسکی کلائی کیوجہ سے بیٹھا نہیں جاتا۔ بلکہ اٹھ کھڑی ہوتی ہے۔ گویا ریتوں کا
ٹیلہ ہے کہ پانی کے برسنے سے ریت جم گئی ہے۔ اور ایک بلندی سی بن کے رہ گئی
ہے۔ دونوں رانیں تو اس طرح کی ہیں کہ گویا سنگ مرمر کی تختیاں تہ بتہ جما کے بنائی گئی
ہیں۔ ٹانگیں باریک ہیں جنکے بدوید (ایک پلاؤ نہ ہے) کا نمونہ جسمیں باریک باریک
کالے بال ہیں۔ اور انمیں ایسے حلقے پڑے ہوئے ہیں جیسے ذرہ کی کڑیاں۔ قدم ایسے

پتلے ہیں۔ جیسے وبان۔ مبارک ہے وہ خدا جس نے ایسے چھوٹے چھوٹے پاؤں بنائے ہیں اور اتنے بڑے جسم کے اٹھائے رہنے کی طاقت انہیں دی ہے۔

ایک مرتبہ منذر اکبر نے کسرے انوشیروان کی خدمت میں ایک لڑکی بطور ہدیہ کے بھیجی تھی۔ اور یہ عبارت لکھی تھی :-

انی قد وجهت الی الملك جارية معتدلة الخلق۔ نقية اللون والثغر بيضاء وطفاء۔ كحلاء دعجاء حوراء عيناء قنواء شماء برجاء زجاء اسيلة الخد شهية المقبل جثلة الشعر عظيمة الهامة بعيدة مهوى القرط عيطاء۔ عريضة الصدر كاعب الثدی ضخمة مشاش المنكب والعضد حسنة المعصم لطيفة الكعب والقدم قطوف المشي مكسال الضحى بضة المتجرد سموع للسيد ليست بخنساء ولا سعفاء رقيقة الانف عزيزة النفس لم تغذ فی بؤس حيية رزينة حليمة ركينة كريمة الخال تقتصر على نسب ابيها دون فصيلتها وتستغنی بفصيلتها دون جماع قبيلتها قد احكمتها الامور فی الادب فرأيها رأی اهل الشرف وعملها عمل اهل الحاجة صناع الكفين قطيعة اللسان رهوة الصوت ساكنة تزين الولی وتشين العدو ان اردتها اشتهت وان تركتها انتهت تحملق عيناها وتحمر وجنتاها وتذبذب شفتاها وتبادرك الوثبة اذا قمت ولا تجلس الا بامرك اذا جلست۔

ترجمہ۔ بادشاہ سلامت کی خدمت میں ایک لڑکی بھیجی جاتی ہے۔ جسکا تمام جسم اعتدال سے ہے۔ رنگ اسکا صاف شفاف ہے۔ دانت سفید چمکدار ہیں۔ ابروؤں میں کثرت سے بال ہیں۔ آنکھیں نہایت سیاہ ہیں۔ پتلی کے گرد کی سفیدی بہت صاف ہے بڑی بڑی آنکھیں ہیں۔ ناک اونچی ہے۔ کسیقدر آنکھوں کی سفیدی میں سیاہی کا عکس پڑتا ہے۔ رخسارے ستواں ہیں۔ بوسہ گاہ اسکی بہت مرغوب ہے۔ سر کے بال اسکے بہت گھنے ہیں۔ سر بڑا ہے۔ گردن لمبی ہے۔ سینہ چوڑا ہے۔ پستان ابھرے ابھرے ہیں۔ بدن اسکا گوشت سے پر ہے۔ شانے کی ہڈی نرم ہے۔ کلائیاں

خوبصورت ہیں۔ پاؤں کے ٹخنے بہت لطیف ہیں۔ چال میں ناز ہے۔ دیر تک سوتی رہتی ہے (یعنی ناز پروردہ ہے) بدن کی جلد بہت نرم ہے۔ اپنے مالک کی بات کان لگا کر سنتی ہے۔ ناک چپٹی نہیں ہے۔ چیچک رو نہیں ہے۔ پتلی سی ناک ہے۔ دشواری سے سانس لے سکتی ہے۔ دوڑ نہیں سکتی۔ صورت بہت ہی خوشنما ہے۔ عقل میں بھی اچھی ہے۔ بردبار ہے۔ باوقار ہے۔ ماں کیطرف سے نسب اُسکا اچھا ہے۔ باپ کیطرف سے نسب والا ہے۔ اپنے بچوں میں لگی رہتی ہے۔ ادب دانی میں بھی اُسکو کمال ہے۔ شرفا کی سی اُسکی رائے ہوتی ہے۔ حاجتمندوں کا سا اُسکا کام ہوتا ہے۔ کام کاجو ہے۔ کم گو ہے۔ باتوں سے غرور حسن ٹپکتا ہے۔ متین ہے۔ مالک کی زینت ہے۔ دشمن کے لئے عیب ہے۔ اگر تو کسی بات کی خواہش کرے تو فوراً رضامند ہو جائیگی اور اگر اُسے چھوڑ دے تو برابر تیری طرف دیکھتی رہیگی۔ اور رخسار سے شرم سے سُرخ ہو جائینگے۔ اور زیر لب کچھ کہتی ہوگی۔ (یعنی اشتیاق کے کلمات) جب تو اُٹھے تو وہ بھی جھٹ اُٹھ بیٹھے گی۔ اور جب تو بیٹھے تو بغیر تیرے حکم کے نہ بیٹھے گی۔

عرب کی چند مشہور حسین اور ادیب عورتیں

اگرچہ بہت سی عرب عورتیں حسن و جمال میں طاق شہرۂ آفاق ہوئی ہیں۔ اور اکثر مرد بھی حسن میں یکتا اس خطہ میں پیدا ہوئے۔ یہانتک اپنے حسن میں ضرب المثل بنگئے ہیں مگر میں چند حسین عورتوں اور چند جمیل مردوں کا ذکر کرتا ہوں۔

منجملہ حسین عورتوں کے ماویہ عوف بن جشم کی نیک بخت لڑکی ہے۔ مگر بعض اہل تواریخ کا قول ہے کہ ماویہ ربیعہ ثعلبی کی لڑکی تھی۔ یہی منذر (بادشاہ عرب) بن امرالقیس بن نعمان (جوکہ بادشاہ کسریٰ کیطرف سے عرب پر حاکم تھا) کی ماں تھی۔ منذر کی قیامگاہ خورنق اور حیرت کی عمارتیں تھی۔ اور عرب میں ضرب المثل بنا ہوا تھا جو شخص اپنی قوم سے زیادہ ہمدردی کرتا ہو اُسکو کہتے ہیں هو اکفى لقومه من ابن ماء السماء (وہ شخص اپنی قوم کے لئے ابن ماء السماء سے بھی زیادہ کافی ہے

اسکو ابن ماء السماء اس سبب سے کہا ہے کہ در اصل اسکی ماں کا نام ماویہ تھا مگر بے حد حسین ہونیکے سبب سے اسکو ماء السماء کہتے تھے۔ (یعنے جیسے بارش کا پانی صاف شفاف ہوتا ہے اسیطرح اسکا رنگ ہے)

یہی منذر اس نعمان کا باپ ہے جسکی طرف گل لالہ منسوب ہے یعنے شقائق نعمان اور اسکا سبب یہ ہے کہ چونکہ اسکو گل لالہ سے بیحد الفت تھی تو شہر کوفہ کی پشت پر جس میدان میں یہ اگتا تھا اسکی بڑی حفاظت کرتا اور کسی کو وہاں نہ جانے دیتا تھا

شیریں۔ شہر سابروج یا ساروج کے بہت بڑے ایک رئیس کی لڑکی تھی۔ اس شہر کے حاکم نے اس لڑکی کو اسکے باپ سے لیکے بطور تحفہ بادشاہ وقت کیخی بست میں پیش کیا تھا۔ اس (بادشاہ) نے اس لڑکی کو بادشاہ کسریٰ پرویز کی نذر کیا۔ کسریٰ اس سے بہت محبت کرنے لگا۔ اور یہانتک محبت بڑھی کہ جسطرح اسکا حسن جہانتاب ضرب المثل تھا یہ محبت بھی ضرب المثل ہوگئی۔

عائشہ بنت طلحہ۔ اسکی ماں کا نام کلثوم ہے جو ابوبکر صدیق کی صاحبزادی تھیں۔ عائشہ پردہ نہیں کرتی تھیں۔ اسپر مصعب بن زبیر نے انپر عتاب کیا۔ (یہ شخص خود بھی اعلیٰ درجہ کا حسین تھا) تو عائشہ نے جواب میں کہا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے حسن وجمال کے ساتھ اسواسطے نہیں پیدا کیا کہ لوگ اسے نہ دیکھیں بلکہ مجھے یہ بات بہت پسند ہے کہ لوگ میرے حسن خداداد کو دیکھیں۔ اور میرے حسن کی فضیلت اپنے حسن پر سمجھیں۔

لبابہ۔ عبداللہ بن عباس کی لڑکی تھیں۔ انکا عقد ولید بن عتبہ بن ابی سفیان سے ہوا تھا (ولید بھی بہت حسین لوگوں سے تھا) لبابہ کہا کرتی کہ جب میں اپنے چہرے کو کسی کے چہرے کے ساتھ ایک آئینہ میں دیکھتی تھی تو اپنے ہی چہرے کے حسن کو ترجیح دیتی تھی۔ مگر جب ولید کی صورت کو اپنی صورت کے ساتھ ایک آئینہ میں دیکھتی ہوں تو اسکے حسن صورت کو اپنی حسن صورت پر ترجیح دیتی ہوں۔

سوائے ولید کے مردوں میں سے جو لوگ حسن میں مشہور ہیں انکی فہرست نیچے

عالم کی فہرست میں بہت بڑی ہے۔ مگر چند شخص یہاں مذکور ہوتے ہیں:-

ذوالعمامہ سعید بن عاص بن امیہ۔ جب یہ شخص کبھی گھر سے نکلتا تو کوئی عورت ایسی نہ ہوتی جو اسے دیکھنے کے واسطے باہر نہ چلی آتی۔ اسکے کمال حسن کیوجہ سے اہل مکہ اسکو ضرب المثل بنائے ہوئے تھے۔ جب کسی کے حسن کی تعریف کرتے تو کہتے اجمل من ذی العمامہ۔

متوکل بن معتصم بن ہارون رشید۔ اسکا ذکر آئیندہ آئیگا۔

مقنع کندی محمد بن ظفر بن عمیر بن فرعان بن قیس بن اسود ابن عبداللہ بن حرث بن عمرو بن معاویہ بن کندہ اپنے زمانے کے لوگوں سے حسن میں یکتا اور جسم وصورت میں فرد سمجھا جاتا تھا۔ جب لوگوں کے مجمع میں نکلتا تو چہرے پر مقنع ڈال لیتا اور لوگوں سے منھ چھپا لیتا تھا۔ کیونکہ اسکو خوف تھا کہ مجھکو نظر نہ لگ جائے۔ (یہ مقنع علاوہ مقنع خراسانی کے ہے جو بغداد میں مشہور تھا)

اصبہانی (صاحب اغانی) نے لکھا ہے کہ مقنع کندی۔ ابو زبید طائی۔ وضاح الیمن (اسکا اصلی نام عبدالرحمان بن اسمعیل تھا۔ مگر کمال حسن کیوجہ سے وضاح الیمن کہا جاتا تھا) جب عرب کے میلوں میں آتے تو نظر لگ جانے کے خوف سے اپنے اپنے چہروں کو مقنع میں چھپا لیتے تھے۔

اور چونکہ جتنے اوصاف مردوں میں پائے جاسکتے ہیں وہ تمام عورتوں میں بھی پائے جاسکتے ہیں۔ اور عرب ان باتوں کا انکار بھی نہیں کرتے۔ مگر شجاعت وکرم کہ خاص مردوں کی صفت ہے اسمیں عورتوں کو کوئی حصہ نہیں ملا ہے۔ اور نہ انکی اس امر میں کسی نے تعریف کی ہے۔ بلکہ یہ دونوں باتیں عورتوں میں نہایت معیوب ہیں۔ لہذا میں چند ادیب عورتوں کا ذکر کرتا ہوں جو کہ کمال فصاحت وبلاغت میں مشہور آفاق ہوئی ہیں۔ اور آخر ضرب المثل بنگئی ہیں۔

خنساء ہے۔ اسکا نام تماضر تھا۔ یہ عمرو بن شرید سلمیہ کی لڑکی تھی۔ اس نے اپنے بھائی صخر کے بہت سے مرثیے کہے ہیں جسکی وجہ سے اسکا زیادہ شہرہ ہوا۔

صخر اسکا حقیقی بھائی تھا عرب میں نہایت حسین مانا گیا تھا۔ اسکو ربیعہ بن ثور اسدی نے ذوالاثل کی لڑائی میں مار ڈالا تھا۔ اسی کے غم میں خنسا بہت بے چین تھی۔ اور ایسا غم کیا کہ آجتک اسکی نظیر نہیں ملسکتی۔ مرثیہ گوئی میں ضرب المثل ہوگئی تھی۔ لوگوں کا خیال ہے کہ بڑے بڑے کامل مرد بھی اس سے بہتر مرثیہ نہیں کہہ سکتے۔ اسیوجہ سے جب کسی کی تعریف میں مرثیہ گوئی کی بابت مبالغہ کرتے ہیں۔ تو کہتے ہیں ارثیٰ من الخنساء۔ یہ دو شعر اسی خنسا کے ہیں :۔

ولولا کثرۃ الباکین حولی علی اخوانہم لقتلت نفسی وما یبکون مثل اخی ولکن اعزّی النفس عنہ بالتاسی	"اگر میرے گرد و پیش یہ لوگ نہ بیٹھے ہوتے جو اپنے اپنے بھائیوں کی مفارقت میں روتے ہیں اور انکو دیکھ کے مجھے تسلی سی ہوجاتی ہے۔ تو اپنے آپ کو میں ہلاک کردیتی۔ اور پھر بھی وہ

ویسا نہیں روتے جیسا میں اپنے بھائی پہ روتی ہوں لیکن میں اپنے نفس کو انکی تاسی کرکے صبر دلاتی ہوں"۔

یہ شعر صخر کی مدح میں اس نے کہا تھا۔

وان صخرا لتاتم الھداۃ بہ کانہ علم فی راسہ نار۔	"تمام رہنما اور ہادیان قوم صخر کی پیروی کرتے ہیں گویا کہ وہ کوہ علم ہے جسکی چوٹی پر آگ روشن ہے

(اور لوگ دور سے آسے پہچان لیتے ہیں۔)

لیلیٰ اخیلیہ۔ عبداللہ بن رحال کی بیٹی۔ اسلام کے بعد جتنی عورتیں شاعرہ ہوئی ہیں انمیں اسکا نمبر بڑھا ہوا تھا۔

توبہ بن حمیر اسپر جان دیتا تھا۔ آخر اس نے اسکے باپ سے اسکی بابت درخواست کی۔ اس نے اسکا عقد توبہ کے ساتھ کرنے سے انکار کیا اور بنی ادلع میں سے ایک شخص کے ساتھ لیلی کا عقد کردیا جب خلافت معاویہ کے زمانے میں عوف بن عامر بن عقیل کے قبیلے والوں نے اسے مار ڈالا کیونکہ یہ شخص ڈاکو تھا۔ اور اکثر عوف کے قبیلے کو لوٹ لیا کرتا تھا۔ جب وہ مرگیا تو لیلیٰ اسکے مرثیے کہا کرتی تھی۔ اسکے مرثیے

اور شعرا ایسے بے مثل ہیں کہ شاذ و نادر۔ اس نے عبدالملک بن مروان اور حجاج کی مدح میں بھی قصیدے کہے ہیں۔

فارعۂ مریہ مسعود بن شداد کی بہن۔

ان تین کے علاوہ اور بھی بدوی عورتیں ادیبہ و کاملہ گذری ہیں۔ مگر بنظر اختصار اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

حضری عورتیں

عائشہ باعونیہ۔ جسکا ذکر دمشق کے بیان میں آچکا ہے

فارعہ یا فاطمہ ایلیلی (اسکے نام میں اختلاف ہے) ولید بن طریف بن صلت شیبانی (یہ شخص بڑا بہادر اور سرکش تہا۔ خلافت رشید عباسی کے زمانے میں یہی شخص خوارج کا راس رئیس سمجھا جاتا تہا اور ۱۹۵ہجری مطابق ۸۹۵ء میں مارا گیا۔) کی بہن تہی۔ اس نے بھی اپنے بہائی کے بہت سے مرثیے کہے ہیں۔ اور وہی رنگ اختیار کیا تھا جو خنساء نے صخر کے مرثیوں میں اختیار کیا تہا۔

فاطمہ بنت سلطان محمد سلجوقی۔ مکتفی لامر اللہ عباسی کی زوجہ۔ فاطمہ بہت اچھی طرح لکھ پڑھ لیتی تھی۔ اور عقل بھی نہایت درست تہی ۵۴۲ہجری مطابق ۱۱۴۷ء میں مری۔

فخر النسا شہدہ بنت ابی النصر احمد بن فرج بن عمر ابری دینوریہ اصلی دینور کی رہنے والی تہی۔ ولادت اسکی بغداد میں ہوئی تہی۔ بہت بڑی عالمہ و فاضلہ تہی۔ [illegible] اسکا نہایت عمدہ ہوتا تہا۔ اور ایک [illegible] اسکے حکایات سننے کا شوق تہا۔ [illegible] ۵۷۴ھ میں [illegible] رحلت کی۔

ام علی تقیہ بنت ابوالفرج۔ تابعین ابوالحسن علی ابن فاضل [illegible] تھی۔ ولادت اسکی قصبہ صور میں ہوئی تہی۔ اس نے ایک قصیدہ سلطان [illegible] تقی الدین عمر (جو کہ سلطان صلاح الدین کا بہتیجا تہا) کی مدح میں لکہا تہا۔ [illegible] شراب سے کی تہی جب یہ قصیدہ سلطان تقی الدین کے پاس پہونچا تو اس نے [illegible]

کیا عورت ان باتوں کو اپنے بچپن ہی کے زمانے سے جانتی تھی جب یہ خبر نقیتہ کو پہونچی تو اُس نے دوسرا قصیدہ حربیہ کہا جس میں جنگ کے تمام حالات پر ترتیب کی تھی۔ اور نہایت خوبی سے ادا کیا تھا۔

جب قصیدہ تیار ہوا تو سلطان تقی الدین کے پاس بھیجدیا۔ اور کہلا بھیجا کہ مجھے جسطرح سے آپکے تمام اوصاف معلوم ہیں اسی طرح میں جنگ کے بھی تمام حالات جانتی ہوں۔ اسکی وفات ٥٧٩ھ ہجری مطابق ١١٨٣ء میں ہوئی۔

اُم المؤید زینب۔ اسے حرہ بھی کہتے تھے۔ یہ ابو القاسم عبد الرحمٰن بن حسن بن احمد بن سہل بن احمد بن عبدوس جرجانی کی لڑکی تھی۔ زینب بہت بڑی عالمہ فاضلہ تھی۔ بلکہ اس نے بعض علمار کو اجازہ بھی لکھا ہے۔ اسکی وفات ٦١٥ھ مطابق ١٢١٨ء میں ہوئی۔

جاحظ نے اپنی کتاب بیان وتبیین میں لکھا ہے کہ فصاحت عورتوں کا حسن نہیں ہے۔ بلکہ کلام میں غلطی کرنا انکے محاسن میں سے ہے۔ چنانچہ اسکی شہادت میں دو شعر بھی پیش کرتا ہے:۔

وحدیث الذہ ھو مما
ینعت الناعتون یوزن وزنا
منطق صائب وتلحن احیاناً
واحلی الحدیث ماکان لحنا

"بہت سی باتیں ہیں جنکو میں لذیذ سمجھتا ہوں۔ اور صفت کرنیوالے اُسکی صفت بیان کرتے ہیں۔ اور وہ بات گراں وزن ہوتی ہے۔ اسکی گویائی بہت درست ہے۔ مگر کبھی کبھی غلطی بھی کرتی ہے۔ اور غلطی والا ہی کلام کچھ زیادہ شیریں معلوم ہوتا ہے۔"

مگر یحییٰ بن علی منجم نے اسکا خوب جواب دیا ہے کہ عورتیں نہایت ذکی اور ذہین ہوا کرتی ہیں۔ اور اپنے کلام میں جو لحن (غلطی) کرتی ہیں تو یہ فعل اُنکا عمداً ہوتا ہے۔ اور اُنکا مقصود اس سے کوئی خلاف ظاہر معنے ہوا کرتا ہے۔ یعنے کسی سے کوئی کلام کرتی ہیں۔ اور مقصود ہوتا ہے کہ دوسرا نہ سمجھے۔ بلکہ فقط اُنکا مخاطب ہی اُسے سمجھے تو کچھ نہ کچھ اُلٹ پھیر کے باتیں کرتی ہیں۔ اور قرآن میں جو دونوں

کی نسبت لحن القول کا لفظ آیا ہے اُس سے بھی یہی مراد ہے۔ کیونکہ غلطی اور خطا تو ہر ایک شخص میں معیوب بات ہے خواہ عورت ہو یا مرد ہو۔

تیسری فصل

عرب کا عشق

ظاہر بات ہے کہ بادیہ نشین عربوں میں جو اس کثرت سے عشقبازی کا مرض پھیلا ہوا تھا اُسکا سبب فقط یہی تھا کہ اُنکی عورتیں کھلے منہ پھرا کرتی تہیں۔ اور پردے کا بالکل رواج نہ تھا۔ کیونکہ پردے کا رواج اُسوقت سے ہوا ہے جب کہ شریعت اسلامیہ کو رواج ہوا۔ اور وہ بھی اُسوقت سے جب سے کہ آیۂ حجاب نازل ہوئی۔ اور اُسی زمانے میں مردوں کو ممانعت ہوگئی کہ عورتوں کو نہ دیکھیں۔

اصبہانی نے لکہا ہے کہ خلفائے عباسیہ کے وقت میں بھی اُسوقت تک لڑکیوں کو پردے میں نہیں بٹھلاتے تہے جبتک کہ اُنکے اولاد نہ ہو لے[1]

مگر بدوی عورتیں تو ابتک کھلے منہ پھرتی ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ بادیہ نشین لوگ محل عشق سمجھتے ہیں۔ اور جو کچھ غزل وغیرہ عشق کے متعلق عرب نے نظم کئے ہیں۔ وہ سب اِسی بےپردگی کا فیض ہے۔ اور اسی بادیہ نشینی کا نتیجہ ہے۔

---

[1] کیا خوب یہ عشقبازی کا نوِ دہی زمانہ ہے۔ اُبھرتی ہوئی جوانی۔ اُبلتا ہوا جوبن اور بیہودہ نظارہ۔ پہر بہلا عشق کی آگ اُنکو دیکھکر کس کے سینے میں نہ بھڑکتی ہوگی لیکن بچہ ہو جانے کے پہر کون پوچھتا ہے۔ (مترجم)

عشق کیا چیز ہے

انتہا درجے کی محبت کو عشق کہتے ہیں۔ اسکی اصلی تعریف یوں کیگئی ہے محب کا اپنے محبوب کو دیکھکے کمال متعجب اور مسرور رہونا۔ بعضوں نے کہا ہے کہ عشق افراط محبت کا نام ہے۔

عشق کئی طرح سے ہوتا ہے کبھی تو پاک محبت سے پیدا ہوتا ہے جسمیں کوئی خاص غرض معشوق سے نہیں ہوتی۔ بلکہ اسکا کوئی امر۔ مثلاً حسن صورت یا ادا یا عقل وغیرہ پسند آجانے پر پیدا ہوجاتا ہے۔ اور کبھی محض عشق ہوتا ہے۔

بعض کا قول ہے کہ عشق اسے کہتے ہیں کہ عاشق کے حواس ایسے باطل ہوجائیں کہ معشوق کا کوئی عیب اسے دکھلائی نہ دے۔ بلکہ ہر عیب کو ہنر سمجھتا ہو۔ بعض کا قول ہے کہ عشق ایک وسواسی مرض ہے جسے کوئی اپنے معشوق کی صورت کو دل میں سوچتے سوچتے اور اس میں دھیان لگائے رہنے سے پیدا کرلیتا ہے۔

ابن فارس کا قول ہے کہ عورتوں پر بے خود ہوجانے کا نام عشق ہے۔ اطبائے عشق کو امراض میں شمار کیا ہے۔ اسیوجہ سے اسکے علاج بھی مقرر ہیں۔

حکیم بقراط کا قول ہے کہ عشق آدھا مرض ہے۔

حکیم ابوعلی فارابی کا قول ہے کہ عشق دو ثلث مرض ہے۔ کیونکہ اسکا تعلق بدن اور نفس دونو سے ہوتا ہے۔

حکما کا خیال ہے کہ فاسد المزاج اور غلیظ اور کمینے آدمیوں کو عشق نہیں ہوتا جیسا کہ متنبی کے کلام سے نکلتا ہے:

وعذلت اھل العشق حتی ذقتہ	پہلے تو میں عاشقوں کی مذمت کیا کرتا تھا۔ آخر
فعجبت کیف یموت من لا یعشق	خود بھی عشق کا مزا چکھا۔ اب میں تعجب کرتا ہوں

کہ جو لوگ عاشق نہیں وہ کیونکر مرتے ہیں۔

کتاب مجمع السلوک میں لکھتے ہیں کہ محبت کی ابتدا موافقت سے ہوتی ہے۔ اُس سے بڑھ کے میلان طبیعت تک نوبت پہونچتی ہے اُس سے بڑھ کے مؤانست تک نوبت آتی ہے۔ اُس سے بڑھکے مودّت پھر ہوی پھر خلّت پھر محبت پھر شغف پھر تتیم پھر ولَہ اُسکے بعد عشق کا درجہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ محبت میں درجہ بدرجہ ترقی ہوتی رہتی ہے۔ یہانتک کہ حضرت عشق کا دورہ ہوتا ہے۔

اسکے کلیات میں بیان کیا گیا ہے کہ حب کا پہلا مرتبہ ہوی ہے۔ اُسکے بعد علاقہ اسکے بعد کلف پھر عشق پھر شغف اور لوعہ اور لاعج اسکے بعد تتیم اُسکے بعد تبل اسکے بعد ولہ اور آخری مرتبہ ہیام۔

عرب کے بہت بڑے عاشق مزاج قبائل میں سے بنی عذرہ مشہور ہیں۔ یہانتک کہ اعشق من بنی عذرۃ کی مثل مشہور ہے۔ مگر انکا عشق ہمیشہ پاک ہوتا ہے۔ کیونکہ جس عشق کی ابتدا پاک محبت سے ہوی ہو اُسکو عرب ہوی عذری (عشق بنی عذرہ) کہتے ہیں چنانچہ فارض کا قول سند میں موجود ہے:

یالائمی فی الھوی العذری معذرۃ	"اے میرے ملامت کرنیوالے بنی عذرہ کے
منی الیک فلو انصفت لم تلم	ایسے عشق میں میں تجھے معذرت کرتا ہوں

اور اگر تو انصاف کرتا تو کبھی ملامت ہی نہ کرتا"۔

لے موافقت مخالفت کی ضد ہے۔ میل ایک چیز سے دوسری چیز کیطرف متوجہ ہونا۔ انس وحشت کی ضد ہے۔ مودت تمنا اور دل کا ملنا۔ ہوی نفس کا ارادہ اور اُسکا میلان ایسی چیز کیطرف جسمیں اُسکو لذت ملتی ہو۔ خلت بھائی چارہ اور ایسی خالص دوستی جسمیں کوئی خلل نہ ہو۔ محبت کسی لذیذ چیز کیطرف نفس اور طبیعت کا مائل ہونا۔ شغف۔ دل کے پردے کو پھاڑ کے اندر چلا جانا۔ تتیم کسی کا بندہ اور غلام بنا رہنا۔ ولہ عقل کا مضطرب ہوجانا۔ اور شدت وجد میں حیران رہجانا۔ اور اُس سے ڈرنا۔ عشق اپنے محبوب کو دیکھکے محب کا متعجب رہجانا۔ علاقہ جو محبت دل تک اثر کر چکی ہو۔ کلف سخت محبت جسمیں شورش دل پیدا ہو۔ تبل ایسی محبت جسمیں عقل تک تشریف لیجائے۔ عشق سے بیمار ہوجانیکو بھی تبل کہتے ہیں۔ ہیام عشق میں وسوسہ اور جنون کا پیدا ہوجانا۔

بنی عذرہ عرب کے مشہور قبیلوں میں سے ہیں۔ مشہور ہے کہ جب یہ لوگ محبت کرتے ہیں تو ضرور مرجاتے ہیں۔[1]

انہی میں سے بثینہ عذریہ بنت عبداللہ ہے۔ جو جمیل بن معمر عذری کی مشہور بیوی تھی۔ اور عفراء عذریہ بنت مالک عروۃ ابن حزام کی بیوی تھی۔ انکے عشق کی بابت شاعر کہتا ہے:-

اذا ما نجا العذري من ميتة الهوى
فذاك و رب العاشقين دخيل

"بنی عذرہ میں سے جو شخص کسی پر عاشق ہو اور پھر زندہ رہ جائے تو عاشقوں کے پروردگار کی قسم وہ کبھی خالص عذری نہیں ہے۔ بلکہ دخیل ہے۔"

ایک اعرابی سے کسی نے پوچھا تھا کہ تو کس قوم میں سے ہے۔ اس نے جواب دیا میں ایسی قوم میں سے ہوں کہ جب وہ عاشق ہوتے ہیں تو ضرور مرجاتے ہیں۔ اس کلام کو ایک لڑکی سن رہی تھی یہ کہنے لگی۔ عذری و رب الکعبۃ (رب الکعبہ کی قسم ہے تو ضرور عذری ہے)

جمیل مذکور الصدر کے ساتھ ایک دن ایک آدمی بنی عذرہ میں سے جاتا تھا اثنائے کلام میں اس نے اپنے عاشق ہونے کا دعوی کیا۔ مگر ذرا موٹا تازہ تھا۔ اس وقت جمیل نے یہ شعر پڑھا ہے:-

وقد رابني من زهدم ان زهدما
يشد على خبزي ويبكي على جمل
فلو كنت عذري العلاقة لم تكن
سمينا وانساك الهوى كثرة الاكل

"مجھے زہدم کی بابت شک پیدا ہوا کیونکہ زہدم میری روٹی پر بڑے زور سے دوڑتا ہے۔ اور جمل پر روتا ہے۔ اے شخص اگر تو عذری العلاقہ ہوتا تو کبھی موٹا تازہ نہ ہوتا۔ اور عشق تیری ساری پرخوری سے تجھے بھلا دیتا۔"

[1] بظاہر اسکا سبب یہ ہے کہ انکے دل نہایت نرم ہوتے ہیں۔ اور صدمہ اٹھانے کی طاقت انکے دل میں بالکل نہیں ہوتی ہے۔ اس سبب سے جلد عاشق بھی ہوجاتے ہیں اور معشوق سے دل میں اپنے محبوب کی مفارقت کا صدمہ نہ اٹھا سکنے کی وجہ سے بیمار ہو کے مرجاتے ہیں۔ (مترجم)

عرب کا یہ خیال ہے کہ جب کوئی مرد اور عورت ایک دوسرے پر عاشق ہو اور پھر مرد اپنی ردا عورت کے فراق میں اور عورت اپنا برقع مرد کے فراق میں نہ پھاڑے تو وہ محبت بگڑ جاتی ہے۔ اور محبت کی صورت میں نہیں باقی رہتے۔

عباس بن ححاس نے کہا ہے :-

وکم قد شققنا من رداء مزنر
ومن برقع عن ناظر غیر ناعس
اذا شق برد شق بالبرد برقع
علی ذاک حتی کلنا غیر لابس

"ہم دونوں عاشق و معشوق نے اپنی ردا اور برقع کو دونوں ہاتھ سے کئی بار چاک کر ڈالا۔ جب ردا چاک کر ڈالی گئی تو اسکے ساتھ برقع بھی پھاڑ دیا گیا۔ یہاں تک کہ ہم دونوں کے بدن پر کپڑا باقی نہ رہا۔"

ان دونوں شعروں کو نوزولی نے یونہی لکھا ہے۔ جیسا کہ سابق میں مذکور ہوا مگر ناسف یازجی نے ان دونوں شعروں کو یوں لکھا ہے :-

وکم قد شققنا من رداء محبر
ومن برقع عن طفلة غیر عانس
اذا شق برد شق بالبرد برقع
من الحب حتی کلنا غیر لابس

"ہم دونوں نے اپنے منقش چادر اور برقع پھاڑ ڈالے۔ ایک ایسی لڑکی پر سے جو ابھی پوری جوان نہ ہوئی تھی۔ جب چادر پھٹی تو اسکے ساتھ عشق کے سبب برقع میں چاک ہوا۔ یہاں تک کہ ہم دونوں کے پاس لباس نہ رہ گیا۔"

اور محیط المحیط میں یوں لکھا ہے :-

اذا شق برد شق بالبرد مثله
دوالیک حتی لیس للبرد لابس

"جب چادر میں چاک لگی تو اسکی مثل میں سے برقع میں بھی متواتر چاک لگی۔ یہاں تک کہ اب کوئی چادر اوڑھنے والا نہیں رہا۔"

ان عربوں کے پاس ایک جزیرہ ہے جسے سلوانہ کہتے ہیں انکا خیال یہ ہے کہ عاشق جب اسکو کریدے اور جو کچھ اسمیں سے نکلے اسے پی جائے تو پھر اسکا درد جاتا رہتا ہے۔

امام ابو عبداللہ محمد بن ابو محمد ابن ظفر نے اپنی کتاب سلوان المطاع فی عدوان الاتباع کے نام کو اسی لفظ سے مشتق کیا ہے۔ اسکی سند میں ذوبہ کا شعر موجود ہے۔

لو اشرب السلوان ماسلیت	"اگر میں سلوان کے پانی کو بھی پی لوں تو بھی مجھے
مابی غنیً عنکم وان غنیت	تسلی نہیں ہونیکی۔ میں ہزار چاہوں کہ تم سے مستغنی

ہو جاؤں۔ مگر مجھکو بے پروائی تم سے نہیں ہو سکتی۔"

عرب کا ایک مشہور قول یہ بھی ہے۔ اذا دخلت ارض الحصیب فھرول "جب حصیب کی زمین پر پہونچو تو دوڑ جاؤ تاکہ وہاں کی عورتیں تمہیں اپنا عاشق نہ بنالیں" حصیب یمن کے ملک میں ایک موضع ہے۔ وہاں کی عورتیں حسن وجمال میں مشہور ہیں۔ حالانکہ عموماً یمن کے لوگ اپنی بدصورتی میں فرد سمجھے جاتے ہیں۔

چوتھی فصل

عرب کی شادی بیاہ کے حالات اور اولاد وغیرہ سے متعلق جو باتیں ہیں موت کے وقت تک

یہ بھی قابل لحاظ بات ہے کہ عرب کی شریف عورتیں کبھی ایسے دبیوں سے تزویج کرنا پسند نہیں کرتی تھیں۔ جب تک کہ اُنکے مرتبے کا اور ہر امر میں اُنکے برابر کا شوہر نہ ملے۔

عرب کا یہ بھی قاعدہ تھا کہ عقد سے پہلے باپ اپنی بیٹی کے پاس آتا اور اُس سے تزویج کی بابت گفتگو کرتا۔

ایک عرب کی حکایت مشہور ہے کہ زمانہ جاہلیت میں اُسکی چند لڑکیاں تھیں اُس شخص کا نام ہمام بن مرہ تھا۔ ہمام بن مرہ جب اپنی لڑکیوں کے سامنے اُنکے نکاح کی بابت

کوئی امر پیش کرتا تو وہ شرم سے کچھ جواب نہ دیتیں۔ وہ یہ سمجھتا کہ انکو تزویج کی خواہش ہی نہیں ہے اسی سبب سے انکے عقد کی کوئی فکر نہ کرتا۔ اتفاق سے اس نے ایک دن انھیں باتیں کرتے سنا۔ وہ بیچاریاں اپنی اپنی دلی حسرتوں کو اشعار میں ظاہر کر رہی تھیں۔ جب نوبت چھوٹی لڑکی پر پہونچی تو وہ بیچاری جھینپے جاتی تھی آخر اصرار ہونے کے بعد اس نے یہ جملہ کہا زوج من عود خیر من قعود۔ (لکڑی کا بھی اگر شوہر ہو تو اس بے شوہری کی حالت میں بیٹھے رہنے سے بہتر ہے۔) یہ فقرہ بہت مشہور ہو گیا اور ضرب المثل کے استعمال کیا جانے لگا۔

اکثر اشخاص غیر قرابت دار عورتوں کو قرابتداروں پر ترجیح دیتے تھے۔ اسی وجہ سے یہ فقرہ انکا مشہور ہے کہ البنات ولا القرائب (یعنے غیر قرابتدار عورتیں قرابتداروں سے بہتر ہیں) (ترجمہ سمجھ لیجیے؟)

اسلام نے بھی اس قول کی تصدیق کی جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اغتربوا ولا تضووا (یعنے اجنبی عورتوں سے عقد کرو اور قریبیوں سے نہ عقد کرو) مگر عرب کی اس مخالفت سے یہ غرض نہ تھی کہ قرابتداروں سے بالکل عقد نہ کرنا چاہیے۔ بلکہ انکا خیال یہ تھا کہ اپنی قرابتدار عورتوں سے جو بچہ پیدا ہوتا ہے لاغر و نحیف ہوتا ہے۔ مگر شریف اور اپنی قوم کے ہم خیال اور ہم مزاج ہوتا ہے جیسا کہ شاعر کا یہ شعر بتاتا ہے۔

فتی تلدہ بنت عم قریبۃ فیضوی فقد یضوی ردید القرائب	"جو شخص کہ قریبی چچا کی لڑکی سے پیدا ہو وہ لاغر ہوگا۔ اور قرابت دار سے جو بچہ پیدا ہوتا ہے وہ لاغر ہوتا ہی ہے"

اس مقام پر یہ بھی جان لینا چاہیے کہ اسلامی شریعت نے تزویج و نکاح کی بابت جسقدر توریت میں لکھا ہے اسی پر اکتفا کی اور سوائے ایک بات کے اور کسی قسم کی زیادتی نہیں کی کہ وہ دو شرکی بہن سے نکاح ناجائز کر دیا ہے اسے حقیقی بہن کے حکم میں داخل کیا ہے۔ اسی وجہ سے قرابت محرم رشتے کو حرام

کی تعداد اسلام میں حسب ذیل ہے:-

ماں۔ حقیقی بہن۔ بیٹیاں۔ پھوپھیاں۔ خالائیں۔ بھتیجیاں۔ بھانجیاں۔ دودھ پلانے والی مائیں۔ دودھ شریکی بہنیں۔ ساس۔ ربیبہ لڑکیاں (مادر جلو) بشرطیکہ اُن لڑکیوں کی ماؤں سے مقاربت کرچکا ہو۔ اپنے صلبی بیٹے کی بیویاں دو بہنوں کو ایک زمانے میں اپنے حبالہ نکاح میں لانا۔

تواریخ کی کتابوں سے رجوع کرنے سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عقد از زمانہ جاہلیت میں بھی برے مانے جاتے تھے۔ وہ بھی دو بہنیں ایک وقت میں اپنے زیر تصرف نہیں رکھتے تھے۔ اور جب کسی عورت سے عقد کرتے تو اسکی بیٹی سے پھر نسبت نہیں کرتے تھے۔ مگر بعض بعض باتیں جہل بھی رائج تھیں۔ مثلاً اُنکے ہاں ایک نکاح (مقت) تھا۔ اسکی صورت یہ ہے کہ جب کوئی شخص مرجاتا تو اسکا بڑا بیٹا اٹھتا اور اپنے باپ کی بیوی پر اپنی چادر ڈال لیتا۔ اور اس طریقے سے اُسکے نکاح کا وارث ہو جاتا۔ (یعنے وہ عورت اپنے بیٹے کے نکاح میں آجاتی) اب اگر اس لڑکے کو اس عورت کی ضرورت نہ ہوتی تو اُسکا نکاح کسی اپنے اور بھائی سے جیسا بہتر سمجھ کر دیتا تھا۔ عرب کے نزدیک یہ وراثت بھی مال کی وراثت کی طرح تھی۔ مگر اکثر لوگوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ عرب ایسا کرنے والے کو معیوب سمجھتے تھے۔ اور اسکا نام ضیزن کہتے تھے۔ محیط المحیط میں لکھا ہے کہ ضیزن اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے باپ کے مرنے کے بعد اسکی بیوی پر تصرف کرے۔ اوس بن حجر کا قول ہے کہ تمام عرب اپنے باپ کا ضیزن (اپنے باپ کی بیوی پر تصرف کرنیوالے) تھے۔

ضیزن غسانی اسی لفظ سے مشتق ہے۔ جو جزیرہ عرب کی شہزادی زبار کا چچا تھا۔

ابن خلکان نے لکھا ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں ضیزن ایک بت کا نام تھا۔ اسی بت کے نام سے ساطرون نگہ بت (جزیرہ کے بادشاہ ...) کہلاتا کہ نام ہوتا

خلاصہ یہ کہ جب اسلام آیا تو اس نے ان لوگوں میں سے یہ رسم دی عادت شادی۔

عرب کی تزویج کا یہ طریقہ تھا کہ لڑکی کا باپ اور اُسکی عدم موجودگی میں اُسکا بھائی یا اور کوئی شخص جسکی تولیہ اور پرورش میں وہ لڑکی اُس وقت ہو۔ اپنا ہاتھ خطبہ کرنے والے (جس نے نکاح کی درخواست کی ہے) کیطرف یا اُسکے باپ یا ورثیائی آدمی کیطرف بڑھاتا تھا۔ اور اُسکے سوال خطبہ کا جواب دیتا تھا۔ مگر اس ہاتھ بڑھانے سے پہلے زوجہ کے مہر کی گفتگو طے ہوجاتی تھی۔ (یہی آئین نکاح تھا)

بعض مورخین کا بیان ہے کہ عرب کے نکاح کا صیغہ نَکَحْ ہے۔ نکاح کے وقت اس کلمہ کو لڑکی کا باپ یا بڑا بھائی (یا لڑکی کا کوئی سامرتی) کہتا تھا۔ پھر زفاف کے واسطے چند عورتیں جمع ہوکے عادل اور سچے گواہوں کے سامنے ایک وقت معین یا روز معین پر نکاح سے وعدہ لیتی تھیں۔

مگر اسلام[1] میں ایک چٹ بھی ضرور لکھی جاتی ہے جسکو الکتاب کہتے ہیں۔ جب کوئی کہتا ہے کہ فلاں شخص نے فلاں عورت کے واسطے کتاب لکھی تو اُسکا یہی مطلب ہوتا ہے کہ تزویج کی۔

جب وہ دن یا وقت مقرر آتا ہے تو سب لوگ جمع ہوتے ہیں اور دعوت ہوتی ہے۔ اُسکے بعد عورتیں جمع ہوکے دُلہن کو کنگھی چوٹی سے ٹھیک کرکے دولہا کے گھر لیجاتی ہیں اور شوہر اُسکا اُسکے واسطے جلوہ پیش کرتا ہے اور وہ یا تو ایک لونڈی ہوتی ہے یا کوئی اور اچھی چیز۔ پھر ایک حجلہ بنایا جاتا ہے اور دونوں اُسکے اندر جاتے ہیں۔

---

[1] - یہ بات بالکل غلط ہے۔ ہرگز اسلام میں ضروری نہیں کہ کوئی چک وک لکھی جائے۔ البتہ اگر لکھیں تو کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ بلکہ شاید ضرورت کے وقت پر مفید ہو۔ مگر اسلام کا یہ حکم ہرگز نہیں۔ (مترجم)

رسم عروسی میں حاضرین پر کعک[1] اور ضبیب وغیرہ بھی پھینکا جاتا تھا (جیسے ہندوستان میں کھیلیں پھینکتے ہیں۔) بعض لوگوں نے بیان کیا ہے کہ عرب شادی کے موقع پر خرمے نثار کرتے تھے۔ جس شب کو دولہن کا ازالہ بکر ہوتا ہے اسکو شیباء کہتے ہیں۔ اور اگر شوہر اُسپر قادر نہو سکا تو اُس شب کو حرّہ کہتے ہیں۔ اسی معنے کے لحاظ سے یہ مثل باتت بلیلۃ حرۃ (شوہر اسکا اُسپر غالب نہ آسکا) اور باتت بلیلۃ شیباء (دولہا دولہن پر قابو پا گیا) مطلق غالب و مغلوب کیواسطے استعمال کرتے ہیں۔ مرد کو بعل کہتے ہیں اور عورت کو بعلۃ۔ جیسے مرد کو زوج اور عورت کو زوجہ کہتے ہیں۔ اسی طرح شوہر کو حلیل اور زوجہ کو حلیلہ۔ اس وجہ سے کہ دونوں ایک مکان میں اور ایک بچھونے پر حلول کرتے ہیں۔ یعنے داخل اور مجتمع ہوتے ہیں۔

جب باکرہ لڑکی کی تزویج کرتے ہیں تو مقاربت کے وقت اُسکی بکارت کا لحاظ بھی کیا جاتا ہے۔ اور اُس شب کی صبح کو مندیل یا چادر وغیرہ دولہن کے باپ کے پاس بھیجنے سے اسکا اعلان کر دیا جاتا ہے۔ اور یہی عادت اہلِ صعوت مصریوں میں اب تک جاری ہے۔ مگر شام کے بعض شہروں میں شب عقد کی شب خوابی کی قمیص فقط بھیجی جاتی ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ شاید اسی سبب سے جاہلیت کے زمانہ میں عرب اپنی لڑکیوں کی شادی اُس شخص سے نہیں کرتے تھے جس نے خطبہ کرنے سے پہلے اُسکی تشبیب (غزلیہ اشعار) کہی ہو۔

اسی طرح اگر کسی لڑکی کی شادی اُسکے باپ کے گھر میں ہوئی ہو (یعنے لڑکے نے اپنے سسرال ہی میں آکے رسم تزویج کی ادا کی ہو اور اپنے مکان پر شب زفاف نہ لیگیا ہو) اور نیز اُس لڑکی کا ہموطن اور ہم صحرا بھی نہ ہو تو بہت کم ایسا اتفاق ہوتا تھا کہ دولہن اپنے شوہر کو اپنے آپ پر قابو دیتی ہو۔ کیونکہ وہ سمجھتی تھی کہ باپ کے گھر میں بیٹھ کے ازالہ بکر کرانا باپ کی بے احترامی کا باعث ہے۔ اور اُسوقت تک دولہا کو یہ بات نصیب نہ ہوتی تھی جبتک دولہن کو اپنے

[1] کعک ۔ کیک ۔ بسکٹ ۔ خشخشیں ۔ نشاستہ

مکان پر نہ لے آئے۔

عرب کی عورتوں کے لوازم میں سے ایک سنبذ بھی ہے۔ یہ ایک قسم کی تھیلی ہوتی ہے جسمیں عورت آئینہ اور کنگھی وغیرہ سنگار کے سامان رکھتی ہے۔ عرب میں اجنبیہ عورت کے آئینے کی صفائی پر ایک مثل مشہور ہے جس شخص کی نظافت اور صفائی کی تعریف میں مبالغہ کرنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں انقی من مرآۃ الغریبۃ اسکا سبب یہ ہے کہ جو عورت اپنی غیر قوم میں تزویج کرتی ہے تو وہاں کوئی ایسی عورت تو ملتی نہیں جو اُسکے سنگار کے اسباب کو پاک صاف رکھے اسوجہ سے وہ بیچاری خود ہی اپنے آئینے وغیرہ کو آپ صاف رکھا کرتی ہے۔

اُس زمانے میں بھی عرب میں طلاق کا رسم تھا جب شوہر و زوجہ میں موافقت نہ ہوتی تو عورت کو یہ حق حاصل تھا کہ اپنے شوہر کو طلاق دیدے جسطرح کہ مردوں کی عادت تھی کہ عورتوں کو طلاق دیدیا کرتے تھے۔ طلاق کا طریقہ یہ تھا کہ شوہر اپنی زوجہ سے کہتا تھا الحقی باھلک یا اذھبی فلا انده سربك یعنے اپنے اہل و اقارب میں جا رہیں۔ یا چلی جاؤ تیرے چلے جانے کو نہ روکوں گا۔" انہی دونوں لفظوں پر طلاق ہوجاتی تھی۔ اور کبھی الظباء علی البقر طلاق کے موقع پر کہتے تھے اور اُسی سے طلاق ہوجاتی تھی۔

اور جب عورتیں طلاق دینا چاہتی تھیں تو جس کمبل کے خیموں میں رہتی تھیں اُسکا رخ بدل دیا کرتی تھیں۔ اگر اُسکا رخ مغرب کیطرف ہوتا تھا تو مشرق کیطرف کر دیتی تھیں اور اگر مشرق کیطرف ہوتا تو مغرب کیطرف کر دیتیں۔ اور اگر شام کیطرف ہوتا تو یمن کیطرف اور یمن کیطرف ہوتا تو شام کیطرف پھیر دیتیں۔ جب شوہر اُسکا باہر سے آتا اور دیکھتا کہ مکان کا رخ بدلا ہوا ہے تو سمجھ جاتا تھا کہ آج بیگم صاحبہ کا رخ بھی بدلا ہوا ہے۔ اور اُنھوں نے مجھکو طلاق دیدی ہے پھر اُس مکان میں نہ آتا تھا۔

لیکن جب سے اسلام نے اپنا علم بلند کیا تو نگاہداشت کا حق مردوں کو دیا۔ اور مردوں ہی کو تمام گھر بھر کے بال بچوں کا افسر و حاکم بنا دیا۔ اور طلاق میں بھی مرد ہی کو اختیار دیا وہ بھی اسوقت کہ جب بتصریح اپنی منکوحہ زوجہ سے انت طالق کہے۔ اور بعد طلاق دینے کے رجوع بھی جائز ہے۔ مگر اسمیں یہ شرط ہے کہ دو مرتبہ سے زیادہ طلاق نہ دی ہو۔ لیکن تیسری طلاق کے بعد یا ایک مذہب کے موافق ایک ہی ساتھ تین مرتبہ انت طالق کہنے سے پھر رجوع کرنے کا اختیار نہیں رہتا۔ ہاں اگر وہ عورت جاکے کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے اور پھر اُس سے طلاق لے۔ اور عدت کے دن بھی گذر جائیں جنمیں حمل کا احتمال نہ رہے۔ تو پہلے شوہر کو حق پہونچ سکتا ہے کہ رجوع کرلے۔ مگر پھر یہ رجوع قابل قبول نہ ہوگی۔ بشرطیکہ اسکا وقوع قصدی ہو لیکن اگر اتفاقی ہو تو ہوسکتا ہے۔

عدت کا ذکر جو سابق میں آیا ہے اُسکی دو قسمیں ہیں۔ ایک عدت طلاق ہے جسکی مدت تین حیض ہے۔ یا تین طُہر۔ اور ایک عدت وفات ہے جسکی مدت چار مہینے دس دن ہے۔ اس مدت میں عورت کو انتظار کرنی چاہیئے۔ جب اتنا زمانہ گذر جائے تو پھر اُسے اختیار ہے جس سے چاہے عقد کرے۔

جاہلیت کے زمانے میں عرب کی عدت کا یہ دستور تھا کہ جب عرصہ چار ماہ گذر جاتا تھا تو عورت اپنے بدن میں عطر ل لیتی تھی یا اور کوئی چیز لگا لیتی تھی یا اپنے بدن کو کسی پرندے یا چوپائے سے ملوا لیتی تھی جسکے معنے یہ تھے کہ اب عدت سے نکل گئی۔ مگر لونڈیوں کے واسطے بجائے عدت کے استبراء مقرر ہے (بظاہر اس سے ایک طہر کا انتظار کرنا مراد ہے)

چند زوجات کا ایک وقت میں کسی مرد کے پاس ہونا یا بہت سی لونڈیاں اپنے تصرف میں رکھنا زمانہ جاہلیت میں بکثرت رائج تھا۔ اسلام نے

بھی ایسا ہی حکم دیا ہے۔ مگر عورتوں کو جائز نہیں ہے کہ ایک وقت میں چند شوہر کرسکیں۔ کیونکہ عورت فقط ایک ہی مرد کی حفاظت میں رہ سکتی ہے۔ اور مرد کو یہ بھی اجازت ہے کہ چار زوجات کے علاوہ اور بھی عزیز بطیبۂ متعہ اپنے پاس رکھے۔ مگر وہ اسکی زیر نگرانی نہ سمجھی جائینگی سوا ئے لونڈیوں کے کہ وہ تو البتہ علاوہ زوجات جسقدر چاہے اپنے پاس رکھے۔

مرد جب تزویج کرلیتا ہے تو کہتے ہیں احصن (یعنے اب زنا وغیرہ سے محفوظ ہوگیا) اور جب عورت تزویج کرلے تو کہتے ہیں احصنت اسی سے محصن۔ محصنۃ۔ محصَنۃ بھی مشتق ہے۔

اور جب کوئی شخص تین عورتوں سے تزویج کرے تو اتفق الرجل کہتے ہیں۔ متفی اُس شخص کو کہتے ہیں جسکی تین بیویاں مرچکی ہوں۔ اور اسکو بھی متفی کہتے ہیں جسکی بیویاں برابر مرتی جاتی ہوں۔ متفاۃ متفی کا مونث ہے۔ حرف الرجل اسوقت کہتے ہیں جبکہ اُس نے چار عورتوں سے نکاح کرلیا ہو اور چاروں موجود ہوں۔

ضرائر اُن چند عورتوں کو کہتے ہیں جو ایک وقت میں کسی مرد کی تزویج میں ہوں۔ (جیسے اردو میں سَوت کہتے ہیں) مگر ایک قول ہے کہ ضرۃ (سَوت) کو بدفالی کی غرض سے جارہ کہتے ہیں۔ (اسکی جمع جارات ہے)

بغیۃ اُس عورت کو کہتے ہیں جو ایک وقت میں چند مردوں سے تزویج کرے جیسے بازاری عورتیں۔ پھر ایسی عورت کے جو اولاد پیدا ہوتی ہے اسکو جسکی طرف چاہتی ہے منسوب کردیتی ہے۔ چاہے وہ منظور کرے یا نہ کرے۔ ایسی ہی عورتوں سے جو اولاد پیدا ہوتی ہے انکے متعلق عرب کی یہ مثل مشہور ہے۔ اینک ابن بوحک یشرب من صبوحک یعنے یہ تیرا لڑکا ویسا ہی ہے جو تیری شراب صبوحی کا ہی پیتا ہے۔

صداق اُسے کہتے ہیں جو عورت کو اُس سے نکاح اور مقاربت کرنیکے

عوض میں دیا جاتا ہے۔ اسی کو مہر بھی کہتے ہیں۔ مہر دینے کی رسم جاہلیت میں بھی تھی۔ اور اسلام میں بھی ہے۔ مگر دونوں زمانوں میں اختیار رہا کہ جتنا مہر چاہے قرار دے اگرچہ لاکھوں تک نوبت پہونچ جائے۔ چنانچہ جب کسی کے ہاں لڑکی پیدا ہوتی تو لوگ اُسے مبارکباد دیتے تھے۔ اور کہتے تھے ھنیئاً لك النافجة (یہ تیرے مال کے بڑھانے والی تجھے مبارک ہو۔ کیونکہ اب تو اسکا مہر لیکے اپنے مال میں ملالیگا۔ خود بخود مال زیادہ ہو جائیگا۔) اسی وجہ سے جو شخص کسی عورت سے عقد کرتا تھا اُسکو کچھ نہ کچھ قبل مقاربت مہر دینا ضرور ہوتا تھا۔ اور کچھ حصہ اُسکا باقی رکھ لیتا تھا۔ جب طلاق دیتا تو اُسے فنت کل ادا کر دیتا۔ یا اُسکے مرنیکے بعد اُسکے ترکہ سے اُتنا وصول کر لیا جاتا تھا۔ مگر یہ علاوہ حق وراثت کے ہے۔ جو متوفی کے مال سے چوتھا یا آٹھواں حصہ حق زوجیت لیا جاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن سے ثابت ہے۔

مرد متوفی کے اگر کوئی اولاد ہو۔ خواہ تمام بی بیوں سے ایک دو ہوں یا فقط ایک سے ہی تو اُسکی زوجات کا حق (ایک ہو یا کئی ہوں) ترکہ میں سے آٹھواں حصہ ہوگا۔ اور اگر کوئی اولاد نہ ہو تو چوتھائی۔ اور یہ مقدار (خواہ چوتھا ہو یا آٹھواں حصہ) برابر برابر ساری زوجات پر تقسیم کر دیجائے گی۔

لیکن چونکہ اسلامی شریعت میں مرد کو عورت کا دوگنا حصہ ملتا ہے اسلئے عدم اولاد کیصورت میں عورت کے متروکات میں سے مرد کو نصف ملیگا۔ اور موجودگی اولاد کیصورت میں چوتھائی۔ اسی طرح متوفی کی اولاد پر جب اُسکے متروکات تقسیم ہونگے تو لڑکوں کو بہ نسبت لڑکیوں کے دوگنا ملیگا۔ یعنی کل مال تین حصوں پر تقسیم کیا جائیگا۔ دو حصے لڑکوں کو اور ایک حصہ لڑکیوں کو۔ اور متوفی کے والدین کو سدس سدس (چھٹا چھٹا) حصہ ملیگا۔ بشرطیکہ متوفی کی کوئی اولاد ہو۔ اور اگر نہ ہو تو متوفی کی ماں کو ثلث ملیگا۔ اور اگر متوفی کے بھائی بھی موجود ہونگے تو ماں کو سدس ہی ملیگا۔ اور باقی باپ کو۔ اور اگر کسی شخص کے

مادری بھائی یا بہن ہوں تو اُنکو حق ترکہ چھٹا حصہ ملیگا۔ اور اگر کئی ہوں تو ثلث ملیگا۔ مگر برابر برابر آپسمیں تقسیم کر لینگے۔ اور اگر کوئی شخص مرجائے اور اُسکی کوئی حقیقی یا علاتی بہن ہو تو اُسکو اصل ترکہ میں سے نصف ملیگا۔ اور بھائی بھی متوفی بہن کا وارث ہوگا۔ بشرطیکہ متوفیہ کی کوئی اولاد نہ ہو۔ اور اگر دو بہنیں ہوں تو دونوں کو دو ثلث ملیگا۔ اور اگر دو سے زیادہ ہوں تو وہی دو ثلث میں برابر برابر بانٹ لینگی۔ اور اگر بھائی بہن دونوں ہوں تو بھائی کو دوہرا حصہ اور بہن کو اکہرا حصہ دیا جائیگا۔ مگر یہ تمام تقسیمیں اُسیوقت ہونگی جبکہ وصیت اور قرضہ وغیرہ سے فراغت کر لیجائے۔

اولاد کے متعلق چند حالات

عرب کی یہ عادت تھی کہ جب کسی بازاری رنڈی سے کوئی اولاد ہو تو اُسکو اُسی وقت اپنی اولاد میں شامل کرتے اور نسب میں شریک کرتے تھے۔ جبکہ اُسکے ظاہر کرنے کا ارادہ ہوتا تھا۔ ورنہ اُسکو اپنی نسب میں نہ داخل کرتے اور نہ اُسکو اپنی اولاد میں سمجھتے تھے۔

پھر یا تو وہ اپنی ماں ہی کیطرف منسوب ہوتا تھا اور اپنی ماں کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ یا کسی مجہول الاسم باپ کا لڑکا سمجھا جاتا تھا۔ جیسا کہ زیاد بن سمیہ کو معاویہ بن ابوسفیان نے اپنی اولاد میں شامل کر لیا تھا۔ محض اس غرض سے کہ وہ مجھسے ملجائے اور اُسکا سبب یہ تھا کہ عمرو بن عاص نے زیاد کی تعریف کی تھی۔ اور کہا تھا کہ اگر یہ لڑکا قریش میں ہوتا تو تمام دنیا کے آدمیوں کو ایک لاٹھی سے ہنکاتا۔ حالانکہ ابوسفیان کہتا تھا کہ میں اُس شخص کو خوب جانتا ہوں جسنے اس لڑکے کو اسکی ماں کے رحم میں رکھا ہے (یعنے میں خود اسکا باپ ہوں) مگر یا ایں ہمہ یہ لڑکا اپنی ماں ہی کے نام سے مشہور رہا۔ اور زیاد بن سمیہ یا زیاد بن ابیہ یا زیاد بن ابیہ کہنے سے ہے۔ اور عرب برابر اُسپر اور اُسکے نسب پر طعن و تشنیع کیا کرتے تھے

آخر اُس نے ایک کتاب اخلاق عرب کے متعلق تصنیف کی اور اپنے بیٹوں کو دے کر کہا کہ اس کتاب کے ذریعے سے عرب پر غالب آؤ۔ کیونکہ عیب اُسکی تحریرات کو اُن پر ظاہر کرو گے تو پھر وہ کبھی تمہارے منہ نہ آئینگے۔ (یہ پہلا شخص ہے جسنے اس مضمون میں ایسی کتاب لکھی ہے)

عرب کی لونڈیوں سے جو اُنکی اولاد ہوتی اُسکو بھی غلام ہی سمجھتے تھے۔ لیکن اگر وہ لڑکا نجیب ہوتا تو اُسکو اپنا فرزند سمجھتے تھے۔ (جیسا کہ عنترہ بن شداد عبسی کے حال میں لکھا ہوا ہے)

مگر اسلام نے صلبی اولاد میں کوئی فرق نہیں رکھا ہے خواہ آزاد اور شریف عورتوں سے پیدا ہوئے ہوں یا لونڈیوں سے۔ بلکہ اگر لونڈی سے کوئی اولاد پیدا ہو جائے تو شرعاً اُسے حرہ (آزاد) کہتے ہیں۔

عرب کی عورتوں میں ایک یہ بھی عادت تھی کہ غیر عورتوں کے بچوں کو دودھ نہیں پلاتی تھیں۔ بلکہ اس بات کو عار سمجھتی تھیں۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ شریف زادیاں بھوکی مرتی تھیں اور دودھ پلا کے کسی سے کچھ لینا گوارا نہیں کرتی تھیں۔ اسی وجہ سے یہ مثل مشہور ہے تجوع المرأة ولا تاکل بثدییھا (عورت بھوکی مرے مگر اپنے پستانوں کی کمائی نہ کھائے)

عرب اپنی اولاد کو بول (پیشاب) کے لفظ سے اشارہ کرتے تھے۔ اور کہتے تھے ھذا بولی۔ (یہ میرے پیشاب سے پیدا ہوا ہے)

عبد الملک بن مروان نے ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ میں محراب میں کھڑا ہوا ہوں۔ اور میں نے پانچ مرتبہ وہاں پیشاب کیا ہے۔ یہ مضمون خواب ابن سیرین کے پاس کہلا بھیجا اُس نے یہ تعبیر دی کہ تیرے پانچ لڑکے ہونگے اور سب امام جماعت اور تیرے بعد خلیفہ و جانشین ہوں گے۔ اور ایسا ہی ہوا بھی۔

بچہ جبتک ماں کے پیٹ میں رہے اُسے جنین کہتے ہیں لیکن اگر کوئی

عورت حاملہ ہو اور کسی دار الکفر سے اُسے پکڑ لائے ہوں تو اُسکے پیٹ کے بچے کو حمیل کہتے ہیں۔

حشّ ۔ جو بچہ پیٹ میں مرگیا ہو۔

حشیش ۔ جو بچہ مرا ہوا پیدا ہو۔

خشعہ ۔ جو مرا ہوا بچہ عورت کا پیٹ چاک کر کے نکالا جائے۔

مجبوس ۔ جسکی ماں زر خرید لونڈی ہو اور باپ زر خرید غلام ہو

ولید ۔ آزاد عورت کا بچہ۔

صدیغ ۔ سات مہینے سے پہلے پہلے کا بچہ۔

رضیع ۔ شیر خوار بچے کو اُسوقت تک کہتے ہیں جبتک دودھ پیتا رہے۔

فطیم ۔ دو برس سے زیادہ کا بچہ جسکی دودھ بڑھائی ہو چکی ہو۔

دارج ۔ اُسوقت کہینگے جب ذرا چلنے پھرنے اور آنے جانے لگے۔

مثغر ۔ جب بچے کے دانت نکلنے لگیں۔

مترعرع ۔ ناشی ۔ جب دس برس سے زیادہ کا ہو جائے۔

یافع ۔ حوتل ۔ مراھق ۔ جب سن بلوغ کو پہونچ جائے۔

فتی ۔ شاب ۔ جب سبزہ آغاز ہو جائے۔

کہل ۔ تیس سے پچاس برس تک۔

شیخ ۔ پچاس سے اسی برس تک۔

یفن ۔ کنتی ۔ اسی سے آخر عمر تک۔ (شاعر کہتا ہے)

وما ذیبتغی الشعراء منی وقد جاوزت حد الاربعین	شعراء اب مجھسے کیا چاہتے ہیں ۔ حالانکہ میری عمر چالیس برس سے تجاوز ہو گئی۔ یعنے مَیں بوڑھا ہو گیا۔"

دوسرا شاعر کہتا ہے :

ان الثمانین وبلغتها قد احوجت سمعی الی ترجمان	"مَیں اسی برس کا ہو گیا ۔ اب میرا کان ایک ترجمان کا محتاج ہے یعنے صاف سنائی نہیں دیتا۔"

دوسری قسم

لعاب بالقلین ۔ دس برس کے بچے کو کہتے ہیں۔ کیونکہ جب بچہ دس برس کا ہو جاتا ہے۔ قلین (دو لکڑیاں ہوتی ہیں جنسے بچے کھیلتے ہیں) سے کھیلنے لگتا ہے۔ اسکا واحد قلہ ہے جسکو ہندی میں گلی ڈنڈا کہتے ہیں۔

باغی نسبین ۔ جب بیس برس کا ہو جائے ۔ کہ اُسوقت عورت کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔

اسعی الساعین ۔ تیس برس کے آدمی کو کہتے ہیں

ابطش الباطشین ۔ چالیس برس کے آدمی کو۔

لیث عفرین ۔ پچاس برس کے آدمی کو۔

مونس الجالسین ۔ ساٹھ برس کے آدمی کو۔

احکم الحاکمین ۔ ستر برس کے آدمی کو۔

اسرع الحاسبین ۔ اسّی برس کے آدمی کو۔

احد الارذلین ۔ نوّے برس کا آدمی۔

لاحاء لاساء ۔ سو برس کا۔ (لاحاء ولاساء کا معنے یہ ہے کہ اب نہ تو مردوں میں اُسکا شمار ہے۔ نہ عورتوں میں۔)

تیسری قسم

زکمۃ عجزۃ | بعض ادیبوں نے بیان کیا ہے کہ زکمہ اور عجزہ دونوں کے ایک ہی معنی ہیں یعنی پچھلا؛

ہرل ۔ پہلے شوہر سے جو بچہ ہو مگر عام لوگ اُسکو قارہ را بھی کہتے ہیں۔

جرنبذا ۔ جب بچے کی ماں نے دوسرا شوہر کر لیا ہو۔

یتیم ۔ جسکا باپ مرگیا ہو اور وہ خود ابھی نابالغ ہو۔

لطیم۔ جسکے ماں باپ دونوں مرگئے ہوں۔
عجی۔ جسکی فقط ماں مرگئی ہو۔ مگر حیوانات میں یتیم اُس بچے کو کہتے ہیں جسکی ماں مرگئی ہو۔
بیضۃ العقر۔ پچھلا لڑکا جسکے بعد دوسرے بچے کی امید نہ ہو۔ کیونکہ اُسکی ماں عاقر ہوجاتی ہے۔ یعنے جس سے اب اولاد نہیں ہوسکتی۔
پہلے بچے کو بکر بھی کہتے ہیں۔ اس سبب سے کہ بکر کا لفظ ہر شے کے اول پر اطلاق ہوسکتا ہے[۱]۔ جاہلیت کے زمانے میں یہ قاعدہ تھا کہ جب کبھی بچہ اُسپر غالب آجاتا تھا تو اُسکو سال کے میلے کے موقع پر لاتا تھا اور منادی کرتا تھا ایہا الناس! میں نے اس لڑکے کو اپنا جانشین بنادیا۔ لہذا اگر یہ کسی قسم کا نقصان کسی کا کرے تو میں ضامن نہیں۔ اور اگر اُسکو کوئی شخص نقصان پہونچائے تو میں اُسکا مواخذہ نہ کرونگا۔ یعنے اب میں بالکل اس سے بری ہوگیا۔
اس منادی کے بعد اب جو کسی قسم کا نقصان وغیرہ اُس سے ہوتا تو اسکا مطالبہ اُسکے باپ سے نہیں کیا جاتا بلکہ وہ خود ذمہ دار ہوتا تھا۔
زوزنی نے لکھا ہے کہ خلیع اُس شخص کو کہتے ہیں جسے اُسکے اہل و اقارب نے اُسکی خیانت کیوجہ سے چھوڑ رکھا ہو۔ مگر اہل لغت کا بیان ہے کہ خلیع اسے کہتے ہیں

۱؎ ہر چیز کی ابتدا کا کچھ نہ کچھ نام ضرور ہے مثلاً عورت کے پہلے بچے کو بکر کہتے ہیں اور کتاب کے شروع کو فاتحہ۔ اول شباب کو شرخ۔ عنفوان۔ ریعان۔ بیعۃ۔ فلوا کہتے ہیں۔ شروع بارش کو ولی۔ اول عمر کو حدثان۔ شروع ہوا کو صشوَن۔ شروع صبح صادق کو تباشیر۔ شروع دن کو صبح۔ شروع رات کو غسق۔ بہار کے پہلے پانی کو وسمی۔ بارش کی پہلی گھاس کو بارض۔ شروع زراعت کو لعاع۔ پہلے میوے کو باکورہ۔ شروع لشکر کو طلیعہ۔ پینے کی ابتدا کو نہل۔ ابتدائے نشہ کو نشوۃ۔ شروع نیند کو نعاس۔ شروع بڑھاپے کو وخط۔ بچہ اپنے پیدا ہونے کے بعد جو پہلے پہل روتا ہے اسکو استہلال۔ تپ کے شروع کو رس۔ ابتدائی مرض کو وعث۔ شاعر جب کلام سے اپنے قصیدہ کو اور خطیب اپنے خطبے کو شروع کرتا ہے اسکو براعۃ الاستہلال۔ حسن المطلع کہتے ہیں۔ ۱۲

جو جوئے میں ہار جائے۔
معیل۔ کثیر العیال کو کہتے ہیں۔

موت کے متعلق چند باتیں

جاہلیت کے زمانے میں جب کوئی مرتا تو اُسپر واحرباہ کہکے روتے تھے اُسکا اصلی سبب یہ تھا کہ جب حرب میں امیہ مرا تھا تو کوفہ والوں نے اُسپر واحرباہ واحرباہ کہکے آہ وزاری کی تھی۔ اسکے بعد یہی طریقہ ہوگیا کہ جو کوئی مرتا ہے اُسپر یہ لفظ کہکے روتے اور اپنا حزن وغم ظاہر کرتے ہیں۔

عرب اپنی میتوں کی تشیع اسطرح کرتے تھے کہ تمام عزیز واقارب جنازے کے پیچھے پیچھے ننگے پاؤں چلتے تھے۔ عورتیں اپنے بال کھولے خاک سر پہ ڈالے ہوئے ہوتی تھیں۔

عرب کے اس قول لاافعل ذلک امک حالق (جب کسیکو کسی کام سے منع کرنا چاہتے تو کہتے۔ ایسا نہ کر تیری ماں کا سر مونڈا جائے) سے ظاہر ہوتا ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں عورتیں اپنے بال بھی میت کے غم میں مونڈا دیتی تھیں۔ (جسطرح ہمارے ہندوستان کے اہل ہنود اپنے عزیزوں کے غم میں مونچھیں ڈاڑھیاں تک مونڈواتے اور سر بھی چھلوا لیتے ہیں۔) حالقۃ لغت میں اس عورت کو کہتے ہیں جس نے اپنے سر کے بال مصیبت میں یا بغرض نحوست اور بدفالی کے مونڈا ڈالے ہوں۔

عرب میں ایک یہ بھی رسم تھی کہ جب کوئی مر جاتا تو اُسپر رونے اور حزن و ملال زیادہ ظاہر کرنیکے واسطے نائحات (نوحہ کرنیوالیاں) کو اجرت پر مقرر کرتے تھے۔ وہ میت کے تمام اوصاف کو ایک ایک کرکے بیان کرتیں اور اُسپر زور و شور سے نوحہ کرتیں۔ جب میت کو دفن کرکے واپس آتے تو کھانا منگایا جاتا۔ نائحات مستاجرات (اجرت پر نوحہ کرنیوالیاں) ایک دسترخوان پر بیٹھ کے کھانا کھاتیں۔

اسی طرح چھ مرتبہ دعوتیں کرتے تھے۔ ۱ تیسرے دن ۲ نویں دن ۳ پندرہویں دن ۴ چالیسویں کو ۵ چھ ماہی پر ۶ سال بھر پر۔ اصبہانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو عورت اپنے شوہر کے غم میں کھڑی ہوتی تو لوگ سمجھ جاتے تھے کہ اسکو اب دوسرا شوہر کرنا منظور نہیں ہے۔

اسلامی شہروں میں بھی ایسی ہی چند رسوم تھوڑے سے فرق سے باقی رہگئے ہیں۔ مثلاً بعض شہر ایسے ہیں جنمیں میت پر اسوقت تک روتے ہیں اور عورتیں نوحہ کرتیں اور بال کھولتی ہیں۔ جبتک لاش دفن نہ کیجائے۔ اور جب دفن کردیجائے تو پھر کچھ بھی اثر نہیں رہتا۔

بعض شہروں میں چند دنوں تک نوحہ کرتے ہیں۔ مصر کے شہروں میں ایک ہفتہ سے لیکر چالیس دن تک عورتیں روتی ہیں اور اپنے ہاتھوں کو نیل سے سیاہ رنگ لیتی ہیں۔ چہرہ پر طمانچہ مارتی ہیں۔ سر کے بال کھولکے اپنے جلسوں میں اور اپنے گھر کے صحن میں مونھ پیٹتی ہوئی روتی پھرتی ہیں اور دف بجائے جاتی ہیں۔ انکی تال پر باقی عورتیں حزین آواز سے نوحے پڑھتی ہیں۔ اسوقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کی قبروں سے آوازیں آرہی ہیں۔

مثلاً تجہیز جنازہ کے متعلق انکی پوری رسوم یہ ہیں کہ پہلے مردے کو اسکے گھر میں غسل دیتے ہیں اور کئی کئی کفن پہناتی ہیں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ سات سات کفن تک نوبت پہونچتی ہے۔ بعد اسکے ایک تابوت میں لٹاتے ہیں۔ اگر میت کسی عالم آدمی کی ہے تو کئی کئی مسجدوں میں موذن آواز سے کہیگا اور لوگوں کو نماز جنازہ پڑھنے کے لئے بلائیگا۔ اور اگر کوئی معمولی آدمی ہے تو بغیر اذان کے جامع مسجد میں لیجاتے ہیں۔ بہر حال جب جنازہ لے چلتے ہیں تو ساتھ ساتھ بزرگان قوم اور حافظان قوم کی ایک صف ہوتی ہے۔ اور انکے ہاتھوں میں جھنڈیاں ہوتی ہیں جنکے کپڑوں پر شہادتیں یا بعض قرآنی

آیتیں لکھی ہوتی ہیں۔ اور شیخ محمد بوصیری کا قصیدہ بردہ (حبیب صاحب شریعت اسلامیہ کی مدح کیگئی ہے) پڑھتے جاتے ہیں۔ بالحضوص کلمہ توحید کہتے رہتے ہیں۔ یہانتک کہ جامع مسجد میں پہونچ جاتے ہیں۔ وہاں اُسکی حسب حیثیت جسقدر لوگ جمع ہوتے ہیں اُن بزرگان قوم اور حافظانِ قرآن کے ساتھہ نماز جنازہ پڑھتے ہیں۔ اور بلا صندوق کے قبر میں دفن کردیتے ہیں۔ اور جب شیخ میت کے کان میں تلقین پڑھہ لیتا ہے تو پھر خاک ڈالتے ہیں۔ اُسکے بعد اوپر سے قبر کا نشان سنگ سفید یا بلاط یا معمولی پتھر سے اُسکی حیثیت کے موافق بنادیتے ہیں۔ اور اکثر یہ بھی ہوتا ہے کہ کوئی قطعہ تاریخ پتھر پر کندہ کرکے قبر پر نصب کردیتے ہیں۔ اُسوقت جو لوگ حاضر ہوتے ہیں کچھہ تو قبر ہی پر اور کچھہ مکان پر واپس آنے کے بعد میت کے قرابتداروں کو کلمات تعزیت کہتے ہیں۔

دفن وغیرہ سے فراغت پالینے کے بعد فقیروں کو کھانے کھلاتے اور روپے پیسے تصدق دیتے ہیں۔ اور عرصے تک میت کی روح کو ثواب پہونچانے کی غرض سے یا صاحب ماتم کی تسکین کے واسطے مولود وغیرہ کے جلسے ہوتے رہتے ہیں۔ میت کی قبر پر قرآن خوان مقرر ہوتا ہے۔ عموماً عورت و مرد اُسکی قبر کی زیارت کے واسطے کئی دن تک جایا کرتے ہیں۔ خصوصاً ہر جمعہ کو تو ضرور ہی جاتے ہیں۔ قبر پر پھول۔ ہار۔ ہری ہری پتیاں خصوصاً آس کے درخت کی تازی تازی شاخیں ضرور چڑھاتے ہیں۔

تحقیق لغات

موت۔ اور فیض اور اکہ اور خزاع ایک ہی معنے میں استعمال ہوئے ہیں جو لوگ توفی کے معنے تَوَفّٰی پڑھتے ہیں اُنکی غلطی ہے۔ اصل لفظ تُوُفِّیَ ماضی مجہول ہے اسکے معنے یہ ہیں کہ اُسکی روح قبض کرلیگئی۔

موت کو ہادم اللذات بھی کہتے ہیں۔
مجہز۔ جلدی کی موت کو کہتے ہیں۔
محتضر۔ وہ شخص ہے جسکی موت کی گھڑی قریب آگئی ہو اور اب مرا ہی چاہتا ہو۔
اختضر الرجل (خا معجمہ سے) اسوقت کہتے ہیں جب کوئی بالکل نوجوان نامراد مرجائے۔
اجزر الشیخ۔ اس موقع پر کہتے ہیں کہ جب بڈھا آدمی مرنے لگے۔
مات حتف انفہ۔ جو شخص اپنی موت طبعی سے مرے اُسے کہتے ہیں۔
موت ابیض (ناگہانی موت) موت احمر (قتل کی موت) امثال ابو عبید کے حاشیہ پر میں نے دیکھا ہے وہ لکھتا ہے کہ موت احمر تلوار سے مقتول ہونیکو کہتے ہیں اور موت اسود گلا گھونٹ کے مار ڈالنے کو اور موت ابیض موت طبعی کو کہتے ہیں۔
جارف۔ عام موت۔
حبائل موت۔ اسباب موت۔
احتسب فلان ولد الہ (لفظ فلان کی جگہ اُس شخص کا نام لیا جاتا ہے) ایسے موقع پر کہا جاتا ہے کہ جب کسی کا بڑا لڑکا مرجائے۔ اور اگر چھوٹا بچہ مرے تو اسکو افترط کہتے ہیں۔
فوز الرجل کے معنے قضی نحبہٗ (اپنی جان دیدی)
هوز۔ تہین۔ جنز کے معنے مات (مرگیا) ہے۔
جنازہ۔ علکی۔ خبیص۔ نیط۔ عرش۔ میت کو کہتے ہیں۔
جیفۃ۔ سڑی ہوئی بدبودار مردے کی جسم کو کہتے ہیں۔
جنین۔ وہ ہے جسکو قبر میں دفن کرچکے ہوں۔
ہال۔ مردے سے جو چرک وریم وغیرہ بہے۔

سریع۔ شرجع۔ نعش۔ تابوت۔ اران۔ الہ۔ لکڑی کے تختے کو کہتے ہیں۔
جسپر مردہ اٹھاکر لیجاتے ہیں۔
حرج۔ لکڑی کے چند ٹکڑے جوڑ کے باندھ لیتے ہیں۔ اسپر بھی مردے کو اٹھاتے ہیں
اور اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ عورتوں کے تابوت پر ایسا بنا کے لیجاتے ہیں۔ تاکہ اسکا
جسم محسوس نہو۔
دکۃ لکڑی کے تخت کو کہتے ہیں جسپر مردے کو غسل دیا جاتا ہے
جحرہ۔ حفیر۔ ذنوب۔ رجم۔ ربجلہ۔ راموس۔ رمس۔ مرمس۔ ریم
زحلوفہ۔ تکنۃ۔ جبئوہ۔ جنن۔ زحلوقہ۔ صہر۔ صیر۔ ضایح۔ زونہ
حد۔ وتیرہ۔ ودع۔ دم۔ جدث۔ جدف۔ جدل یہ سب قبر کے نام ہیں۔
اصواء۔ چند قبروں کو کہتے ہیں۔ جنابذ۔ معمولی قبریں۔ (اسکا واحد جنبذ ہے)
لحد۔ قبر کی بغلی جو عرضاً کھودی جاتی ہے۔
نواویس۔ ناووس۔ نصاریٰ کی قبریں۔ اسلام سے قبل جو قبریں شکستہ ہو جاتیں
انکی خاک سرمہ بنانے کو لینا جائز تھی۔
جبانہ۔ بلد۔ بیت الہ۔ تربہ۔ مقبرہ کو کہتے ہیں۔ مخناۃ قبر کے گوشے کو کہتے ہیں
جال۔ جول۔ قبر کا کنارہ۔
حان۔ لحد کی منہ جہاں پتھر لگایا جاتا ہے۔
خیسق۔ قبر کا گڑھا۔
تغییب۔ میت کو پتھروں میں دفن کرنا یا کفن پہنا کے۔
رجیم القبر۔ قبر پر نقش و نگار بنانا۔
ھابی۔ قبر کی مٹی جمہ القبر۔ قبر پر مٹی ڈالی گئی گیلی نہیں گئی۔

چوتھا باب

عرب کے دین و مذہب اور انکی عبادتگاہیں اور عبادتیں

اس میں چھ فصلیں ہیں

پہلی فصل

عرب کے دین و مذہب

زمانہ جاہلیت میں عرب کی مختلف عبادتیں تھیں۔ بعض عرب تو ایسے تھے جو خالق کو مانتے ہی نہ تھے۔ اور نہ قیامت کو کچھ سمجھتے تھے۔ بلکہ کہتے تھے۔ طبیعت عناصر خالق ہے اور دہر فنا کرنے والا ہے۔

بعضے خالق کو تو مانتے تھے مگر قیامت کے منکر تھے۔

تیسرا فرقہ بت پرستوں کا تھا۔

چوتھا فرقہ (جو سب میں بڑا فرقہ ہے) ستارہ پرست تھا۔ کوئی آفتاب کی پرستش کرتا تھا۔ کوئی ماہتاب کی۔ کوئی عطارد کی۔ کوئی مشتری وغیرہ کی۔ اسی سبب سے اُن کے نام بھی اسی قسم کے ہیں مثلاً عبد العزّیٰ۔ عبد یغوث۔ تیم اللات۔ عبد شمس۔ عبد المشتری وغیرہ۔

مجوسی فرقہ (آتش پرست) بنی تمیم کا تھا انہی میں سے زرارہ بن عدی اور اسکا بیٹا علی ہے۔ اس نے اپنی لڑکی سے تزویج کر لی تھی۔ چونکہ انکے طریق مذہب

میں یہ بات جائز نہیں مگر بعد میں بہت نادم ہوا۔

زندیقوں کا فرقہ قریش میں تھا۔ انھوں نے زندقہ۔ جزیرہ (مذکورہ) کے رہنے والوں سے سیکھا تھا۔

یہودیوں کا فرقہ

یہودی فرقہ بنی نمیر اور بنی کنانہ اور بنی حارث بن کعب اور کندہ میں تھا۔ مقریزی نے لکھا ہے کہ سنہ کبیسہ (لوند) کو عرب نے اُن یہودیوں ہی سے سیکھا تھا۔ جو کہ سموئیل نبی کے زمانہ میں (جنکی وفات ۱۰۵۰ قبل از میلاد عیسوی ہوئی تھی) یثرب میں آ گئے تھے۔

ابو الفرج اصبہانی نے سموأل بن عادیا یہودی کے بیان میں لکھا ہے کہ یہ شخص اُن یہودیوں میں سے تھا۔ جو کاہن بن ہرون بن عمران کی اولاد میں سے تھے۔ اُنکی یثرب میں آنے کی یہ وجہ تھی کہ عمالیق کی قوم جو تمام اطراف پر قابض ہو گئی تھی اور ملک شام تک اُنکی لوٹ مار کی حد پہونچ چکی تھی۔ کوئی صورت اُن کی سرزنش کی نظر نہ آتی تھی۔ مگر حضرت موسیٰ نبی نے ایک لشکر بہت بڑا اُنکے لیے مقابلے کے واسطے بھیجا۔ اور کہہ دیا تھا کہ جسکو پانا قتل کر دینا۔ چنانچہ یہ لوگ عمالقہ پر غالب گئے۔ اور سب کو مار ڈالا۔ مگر شاہزادے کو کہ از حد حسین تھا اُسکے حسن و جوانی پر رحم کر کے چھوڑ دیا اور وہاں سے شام میں واپس آ گئے۔ مگر حضرت کی وفات ہو چکی تھی جب یہاں پہونچے تو اپنی قوم کو اس بات کی خبر دی کہ ہم نے تمام عمالقہ کی فوج کو قتل کر ڈالا ہے مگر اُسکے شہزادے کو زندہ چھوڑ دیا ہے۔ جب اُنہوں نے یہ سنا تو فوراً ان سے کہا کہ تم لوگ نافرمان ہو ہمارے ملک میں نہ داخل ہو۔ اور ابھی سے چلے جاؤ۔ اسوقت ان لوگوں نے رائے کی کہ اب کہاں جانا چاہیے بعض کی رائے ہوئی کہ جس ملک کو تم نے فتح کیا ہے وہیں چلنا چاہیے۔ چنانچہ اسی رائے پر عمل کر کے یثرب میں آ کر آباد ہو گئے۔ مگر یہود کا یثرب میں آباد ہونا اوس و خزرج کے یثرب میں آنے سے قبل ہے کیونکہ یہ لوگ سیل عرم کے جاری ہونے

انہی یہودیوں میں سے قریظہ۔ نضیر۔ بنی قینقاع وغیرہ ہیں۔ انکی نسب کا سلسلہ کچھ معلوم نہیں ہے کیونکہ یہ لوگ عرب کی قوم سے تو تھے ہی نہیں (بلکہ باہم قول و قسم کرکے اتحاد کے ساتھ ایک جگہ رہتے تھے) اسیوجہ سے انہوں نے انکی نسب کو بالکل نہیں لکھا ہے۔

(اب اگر مقریزی اور اصبہانی کے کلام کی مطابقت کریں اور بیچ کے حاشیے وغیرہ جو خواہ مخواہ یہ لوگ لگا دیا کرتے ہیں حذف کر دیں تو توراۃ کی وہ خبر جسمیں شناذل بادشاہ اسرائیل اور اماج بادشاہ عمالیق کی جنگ کا ذکر ہے پورا پتہ چل سکتا ہے۔ (اصم ص ۱۱۵-۳۵)

ابن خلدون ناقل ہے کہ پہلے پہل جسنے یہودی مذہب کو عرب میں پھیلایا بادشاہ ذونواس (از بادشاہان تبابعہ) تھا۔ اسکا اصلی نام یوسف تھا۔ اسکی وجہ سے اہل یمن تمام یہودی ہو گئے۔ اور اسی نے نجران کے عیسائیوں کو قتل کرایا

ایک اور مورخ نے لکھا ہے کہ یہ شخص ۴۹۰ء میں تخت نشین ہوا تھا صاحب مجیط المحیط لکھتے ہیں کہ اصحاب اخدود (جنکا ذکر قران مجید میں بھی آیا ہے) نجران ہی کے نصاریٰ تھے انکے پاس زرعہ بن کعب یمن کا بادشاہ جسے ذونواس حمیری بھی کہتے تھے آیا اور اہل نجران سے کہا کہ تم سب یہودی ہو جاؤ مگر وہ اپنے مذہب پر وہ قائم رہے۔ اور بالکل اسکے قول کیطرف توجہ نہ کی۔ آخر اس نے ایک گڑھا کھدوایا اور اس میں آگ روشن کرا دی۔ اور جو کوئی اہل نجران میں سے اسکے ہاتھ میں آجاتا تھا اسکو آگ میں ڈالدیتا تھا۔

بعض انگریزی تاریخوں میں لکھا ہے کہ دمیان یہودی یمن کا حاکم تھا۔ وہاں کے لوگوں کو سخت تنگ کئے ہوئے تھا۔ آخر ایلیبان حبش کے بادشاہ نے اسپر چڑھائی کی اور ۵۲۱ء میں غالب آیا۔

بعض کتابوں میں یوں بھی لکھا ہے کہ یہ واقعہ حبش اور یمنی عزلوں میں دریا کے

کنارے پر ابلہ کے مقام پر (جو اب ویرانہ ہے) ہوا تھا۔ مگر ذو نواس حمیری نے اپنے آپ کو حبشیوں کے ہاتھ میں قید ہونیکی غیرت میں دریا میں گرا دیا۔

تاریخ القرون الوسطی میں لکھتے ہیں کہ حمیری بادشاہ یمن چوتھے قرن میلادی کے ابتدا میں تھے لیکن جب انہوں نے عیسائی بیچاروں کو زیادہ تنگ کرنا شروع کیا۔ تو ان مظلوموں نے اس زمانے کے ملک والوں سے التجا کی چونکہ بادشاہان حبش اس زمانے میں بڑے صاحبان شوکت تھے۔ لہٰذا نجاشی بادشاہ حبش ملک یمن میں داخل ہوا۔ اور اریاط کو جو ایک معمولی آدمی تھا اور ابرہہ کا باپ تھا جس نے سنہ [illegible]ء میں خانہ کعبہ کے گرانے کا ارادہ کیا تھا۔ مگر بالکل اسکو دسترس نہیں ہوا اسکو اور اسکے ساتھیوں کو اصحاب فیل کہتے ہیں) دیدیا۔ جبکہ یمن کا ملک تمام ابرہہ کی اولاد کے قبضہ میں آگیا تو کسرے نوشیروان کا زمانہ آگیا۔ اس نے انکو ملک یمن سے نکلوا دیا۔ اور انکی جگہ پر ایک شخص کو انہی بادشاہوں کی اولاد میں سے جو پیشتر بادشاہ یمن تھے سنہ [illegible]ء میں وہاں کا بادشاہ مقرر کیا۔

یہ شخص جسکو کسرے نوشیروان نے یمن کا بادشاہ بنایا تھا اسکا نام سیف بن ذی یزن حمیری ہے جسکے بارے میں ابن درید کہتا ہے۔

وسیف استعلت بہ ہمتہ
حتی رمی ابعد شاو المرتمی
فجرع الاحبش سما ناقعا
واحتل من غمدان محراب الدمی

سیف بن ذی یزن وہ شخص ہے جسکی ہمت سیف (تلوار) سے بدرجہا بلند ہوئے یہانتک کہ اس نے دشمن کو اٹھا کے پھینکدیا۔ حبشیوں کو زہر قاتل پلا دیا۔ اور غمدان (ایک عمارت کا نام) جو نصرانیوں کا فرقہ اعلیٰ درجہ کی نشستگاہ تھا ان پری وش کی تھی داخل ہوا۔"

عرب میں عیسائی فرقہ ربیعہ اور غسان میں تھا۔ اور کچھ لوگ قبیلہ قضاعہ کے بھی عیسائی ہوگئے تھے۔

ابن خلدون مغربی نے لکھا ہے کہ نجران کے عیسائی تمام عیسائی عربوں کے

بہ نسبت نصرانیت میں مضبوط تھے۔ اور اسپر عمل کرتے تھے۔ نہایت عمدگی کے ساتھ انہوں نے دین عیسائی کو ملک تبیعہ کے ایک شخص سے (جسکا نام سیمون تہا اور اصحاب حواریین میں سے بہی تھا) سیکہا تھا۔

کتاب مقدس میں لکہا ہے کہ پہلے پہل جس نے عرب کو انجیل کی بشارت دی تھی۔ پولس رسول تھا۔ (غل ص ۱۵۰۱ - ۱۷)

ایک مسیحی مورخ لکہتا ہے کہ تیسرے قرن میلادی میں کسی حاکم عرب نے معلم اوریجانوس معروف فہمیدہ سے ملاقات کی۔ اور اسی طرح چوتھے قرن میں موسیٰ راہب مصری عرب میں آیا اور انکو انجیل کی بشارت دی۔ اسی بشارت پر حاکم عرب کی زوجہ ساۃ موفیہ عیسائی ہوگئی۔

تاریخ القرون الوسطےٰ میں لکہا ہے کہ قیصر ونٹین کے زمانے میں عرب غسان صحرائے شام کے عابدوں کی ہدایت پر عیسائی ہوئے۔

بت پرستوں کا گروہ

اگرچہ اس گروہ کی قدامت بہت واضح ہے مگر یہ بتانا کہ یہ طریقہ عرب میں کب اور کیونکر چلا بہت مشکل ہے۔ مگر میں اکثر مورخین کے بیان کو نقل کئے دیتا ہوں۔

مورخ عبد الکریم شہرستانی اور ابن خلدون وغیرہ لکہتے ہیں کہ پہلے پہل جس نے کعبہ میں بت بناکے انکی رسم ڈالی (اور اسی کے ساتھ عرب نے بہی اسکی موافقت کی اور اسی طریقہ پر اسلام کے آنے تک باقی رہے) عمرو بن لحی بن حارثہ بن امرالقیس بن ثعلبہ بن مازن بن ازد بن کہلان بن سبا کی اولاد میں سے ہے۔ (جو کہ حجاز کا بادشاہ تہا۔ اور خزاعہ کی قوم اسی سے منسوب ہے کیونکہ لوگ کہتے ہیں کہ خزاعہ کعب بن عمرو مذکور الصدر کی اولاد میں سے ہیں)

عمرو کے بت پرست ہوجانیکا یہ سبب تہا کہ جب یہ بلقا میں (یہ ملک شام میں ہے)

گیا تو ایک قوم کو دیکھا کہ بتوں کی عبادت کرتے ہیں اُن سے سبب اسکا دریافت کیا۔ اُنھوں نے کہا کہ یہی ہمارے پروردگار ہیں۔ ہم نے اُنکی صورت علویہ کو جسم بشری میں بنا لیا ہے۔ جب ان سے کسی قسم کی مدد مانگتے ہیں تو یہہ مدد دیتے ہیں۔ جب پانی مانگتے ہیں تو یہہ ہمکو سیراب کر دیتے ہیں۔ اُس نے یہ بات جو سنی تو بہت ہی بھلی معلوم ہوئی اور ایک بت کی اُن سے درخواست کی۔ اونھوں نے ھبل نامی ایک بت اسکو دیدیا۔ یہ اُسی لئے ہوئے مکہ میں آیا اور خانہ کعبہ کے چھت پر لے کر رکھدیا۔ اور اسکے ساتھہ دو اور بت (جنکے نام اساف اور نائلہ تھے) لایا تھا۔ آنکو مقام زمزم پر رکھدیا۔ اور عام جاہلوں کو اُن پتھروں کی پہچان مورتوں کی تعظیم و تکریم کرنے کے واسطے بلایا۔ سب نے قبول کیا۔ یہہ واقعہ [illegible] برس قبل اسلام سے سابور بادشاہ فارس کے زمانے میں ہوا ہے۔

عمرو کی حکایات میں لکھا ہے کہ اسی نے بحیرہ کا نام بحیرہ رکھا۔ اور سائبہ کا سائبہ اور حامی کا حامی۔ اور قیامت کا منکر تھا جیسکی بابت خود کہتا ہے۔

حیاۃ ثم موت ثم حشر	زندگی سے مرنا مرکے پھر زندہ ہونا اے اُم عمرو
کلام خرافۃ یا ام عمرو	حماقت اور خرافت کا کلام ہے۔ (اپنی ماں سے

مخاطب ہو کے کہتا ہے)۔

بعض مورخین کا یہ خیال ہے۔ اساف ابن عمرو مذکور اور نائلہ بنت سہل یہ دونوں کسی بدفعل کے مرتکب ہوئے آنکو خدائے تعالیٰ نے دو پتھروں کی صورت میں مسخ کر دیا جنکی عبادت قریش کرنے لگے۔

بعض مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ یغوث اور یعوق اور نسر آدم علیہ السلام کے بیٹوں کے نام تھے یہ لوگ بڑے پرہیزگار و عابد و زاہد تھے جب یہ مر گئے تو حضرت شیطان تشریف لائے اور لوگوں سے کہا کیا اچھا ہوتا۔ اگر انکی مورت بنائی جاتی جس سے آنکی یادگار قائم رہتی۔ جب اُنھوں نے مورتیں بنالیں

تو ان کو رائے دی کہ مسجد کے آگے ان کو رکھو تاکہ جب انکو دیکھو تو وہ لوگ بھی
یاد آجائیں۔ اسکے بعد ان کو ان مورتوں کی عبادت کرنے کی رائے دی۔
جاہلوں نے یہ بھی کرنا شروع کیا۔

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وَدّ مرد کی صورت پر بنایا گیا تھا۔ اور سواع عورت
کی صورت پر تھا۔ اور یغوث شیر کی صورت پر۔ یعوق گھوڑے کی صورت
پر۔ نسر گدھ کی صورت پر۔

یہ تمام بت اور انکی مثل دس بیس اور بھی عرب کے معبود تھے۔ مگر قبیلے قبیلے
میں بٹے ہوئے تھے۔ بعض قبیلہ کسی بت کی پرستش کرتا تھا بعض کسی کی۔
طئ اور جدیس تو کنزی کی عبادت کرتے اور کلب وَدّ کی (بمقام دومۃ الجندل)
بنی تمیم تیم کی۔ ہذیل سواع کی۔ مذحج اور یمن کے قبائل یغوث کی۔ ذی الکلاع
نسر کی (بمقام حمیر میں) ہمدان یعوق کی۔ بنی ثقیف لات کی شہر طائف میں (اس
بت کے دربان بنی معتب تھے جو کہ قبیلہ ثقیف میں سے تھے) قریش اور بنی کنانہ
عزیٰ کی۔ (اس بت کے دربان بنو شیبہ تھے۔) اوس و خزرج منات اور ذوالشریٰ کی
ازد باجر کی۔ بنی ہوازن جہار کی۔ بکر و تغلب اوال کی۔ بنی بکر بن وائل محرق کی
بنی ملکان بن کنانہ سعد کی۔ بنی عنزہ سعیر کی۔ خولان عمیانس کی (خولان اپنے
چوپاؤں اور زراعتوں اور روپے پیسوں سے اپنی بت عمیانس کا بھی حصہ
نکالتے تھے) بنی طے رضا کی۔ دوس ذوالکفین کی۔

باقی رہے بجہ۔ جریش۔ جلد۔ شارق۔ عائم۔ اقیصر۔ کسعنہ۔ مدان۔ عوف۔
مناف۔ یالیل۔ جہبہ۔ ہم نے فقط انکے نام ہی سنے ہیں۔ مگر یہ نہیں معلوم کہ
کن کن کے معبود تھے۔

اساف و نائلہ جنکا ذکر پہلے ہوا کوہ صفا اور مروہ پر رکھے ہوئے تھے
اور سب میں جو بڑا بت ہبل تھا وہ خانہ کعبہ کی چھت پر رکھا ہوا تھا۔
ملطبرون نے لکھا ہے کہ لات (مذکور الصدر) زہرہ ستارے کے مشابہ

بنا یا گیا تھا ۔ اور جیسے حجر اسود کی عبادت کیجاتی تھی اسی طرح اسکی بھی ۔
عرب کے بعض کاتبوں نے لکھا ہے کہ یہ حجر اسود (جسکو مسلمان لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جنت کے جواہرات میں سے ہے ۔ پہلے سفید تھا ۔ مگر حاجیوں کے چھونے اور بوسہ دینے کیوجہ سے سیاہ پڑ گیا ہے ۔ یا جنت کے یاقوتوں میں سے ایک یاقوت کا ٹکڑہ ہے ۔ قیامت کے روز ایک زبان اور آنکھیں دیجائینگی اور یہ گواہی دے گا کہ فلاں فلاں حاجی نے مجھے بوسہ دیا ہے) بظاہر جاہلیت میں بھی بہت معزز سمجھا جاتا تھا کیونکہ عرب کے قبائل جب خانہ کعبہ میں مجتمع ہوتے تو اسکو بوسہ دیتے اور سات مرتبہ اسکے گرد پھرتے تھے ۔
ملطبرون نے ایک اور بت ابراطلاہ نامی کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ عرب کے معبودوں میں سے ایک یہ بھی تھا ۔ وہ لوگ اسکو آگ کا خدا سمجھتے تھے
ابشیہی نے لکھا ہے کہ عرب کے ہر گھر میں ایک بت رکھا ہوتا تھا جسکی وہ عبادت کیا کرتے تھے ۔ جب مالک مکان کہیں جانے لگتا تو سوار ہونیکے وقت اپنا جسم اس سے مس کر لیتا ۔ اور جب سفر سے واپس آتا تو قبل اسکے کہ اپنے اہل وعیال میں داخل ہو اسکے پاس حاضر ہوتا اور رسم تعظیم ادا کرتا ۔

تحقیق لغات

ایسے پتھر کے بنے ہوئے بتوں کو انصاب کہتے ہیں اسکا واحد نصب ہے اور لکڑی کی مورتوں کو تمثال کہتے ہیں ۔ بت اور صنم کے ایک ہی معنے ہیں ۔ دمیہ گوند کی بنی ہوئی مورت کو کہتے ہیں ۔ مگر ایک قول یہ بھی ہے کہ نقش ونگار کی بنی ہوئی مورت کو جسمیں سرخ رنگ بھی دیئے گئے ہوں دمیہ کہتے ہیں ۔
بعض کہتے ہیں کہ رخام (سنگ سفید) کے بنے ہوئے بت کو دمیہ کہتے ہیں ۔
بعض عام بتوں کو دمیہ بتاتے ہیں ۔ بعض ہاتھی دانت کی بنی ہوئی مورت کو دمیہ جانتے ہیں ۔ جسکے حسن کو بجائے مثل کے بیان کرتے ہیں ۔ اور کہتے ہیں

فلانة احسن من الدمية (فلاں عورت تو دمیہ سے بھی زیادہ حسین ہے)
دمیہ کے معنے مطلق صنم کے بھی آئے ہیں۔

یعار۔ جبت بھی صنم کے معنے میں ہیں۔

یغبو۔ اُس پتھر کو کہتے ہیں جس پر کسی بت کیواسطے کسی چیز کی قربانی کیجاے

ابوالفرج اصفہانی کے بیان سے ایسا ثابت ہوتا ہے کہ عرب کالے اونٹ کی بھی پرستش کرتے تھے۔ اُس نے لکھا ہے کہ جب زید بن مہلہل مسجد الحرام میں آیا تو اُسوقت صاحب شریعت اسلامیہ (آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم) خطبہ فرما رہے تھے۔ جب آنحضرت کی نظر اُسپر پڑی تو کہا انی خیر لکم من العزی ومما حازت مناع من کل ضار غیر نفاع ومن الجمل الاسود الذی تعبدونه من دون اللہ۔ (اے جاہل عرب! تمکو عزی سے کس قسم کی بھلائی پہونچ سکتی ہے۔ اور مناع جو بالکل ضرر پہونچانے والا اور بے نفع ہے اُس سے کیا حاصل اور خدا کو چھوڑ کے کالے اونٹ کی جو تم پرستش کرتے ہو کیا ملنے والا ہے

عرب کی قوم فصاحت کو بھی سبع معلقات (سات قصیدے سے مشہور ہیں جو عرب کے قصیدوں میں نہایت فصیح و بلیغ قصیدے ہیں اور کورس وغیرہ میں پڑہائے جاتے ہیں) کے سامنے سجدہ کرتے تھے۔ اور ان قصیدوں کو سموط اور سبع طول کہتے تھے۔ ان قصیدوں کو حماد راویہ نے جمع کیا تھا اور اسلامی علماء نے انکی کمال فصاحت و بلاغت اور محاسن شعریہ کیوجہ سے بہت سی شرحیں لکھی ہیں۔ اور ان قصیدوں کو شاعری کا پہلا طبقہ سمجھتے ہیں

عرب بھی ان قصیدوں پر ناز کیا کرتے اور انہی سے اپنی فصاحت کا اندازہ کیا کرتے تھے۔ اور جن جن لوگوں نے انکو نظم کیا تھا بعد نظم کے خانہ کعبہ کے دروازے پر لٹکا دیتے تھے۔

تذکرۃ الحکماء فی طبقات الامم میں لکھا ہے کہ عرب ان قصائد معلقات کو اسلام سے قبل ڈیڑھ سو برس تک سجدہ کرتے رہے۔ مگر جب حضرت اسلام کا

ظہور ہوا اور قرآن اُترا تو اسکی فصاحت و بلاغت نے ان معلقات کی قدر عرب کی نظروں میں بالکل گھٹادی۔

پھر جس طرح سے کہ دین اسلام نے فصاحت کے سجود ہونے کو لغو کردیا اسیطرح سے بتوں کی عبادت کی بنیاد بھی توڑ دی۔ اور اپنے مذہب کی بنیاد پانچ چیزوں پر قائم کی۔ [1] اقرار شہادتین۔ یعنے خدا تعالیٰ کو ایک ماننا اور اُسکو زبان سے بھی ادا کرنا۔ دوسرے صاحب بعثت کے رسول ہونیکا اقرار کرنا۔ اور شہادتین کو کلمہ اخلاص بھی کہتے ہیں۔ [2] صلوٰۃ (نماز پڑھنا) [3] زکوٰۃ دینا۔ [4] صوم (ماہ صیام کے روزے رکھنا) بشرطیکہ مریض یا مسافر نہو۔ اور اگر ہو تو بعد صحت کے یا سفر سے واپس آنیکے قضا کرڈالے۔ [5] خانہ کعبہ کا حج بشرطیکہ وہاں تک جانیکے مصارف اُسکے پاس ہوں۔

صلوٰۃ کے لغوی معنے دعا۔ دین۔ رحمۃ۔ استغفار۔ اور خدا تعالیٰ کیطرف سے اپنے رسول کی اچھی تعریف کے ہیں۔

مگر صلوٰۃ کی عبادت (نماز) میں بہت سی باتیں ضروری ہیں۔ [1] رکوع۔ [2] سجدہ [3] قرآن کے سوائے اور دعائیں پڑھنا [4] طریقہ مقررہ کے موافق بیٹھنا کھڑا ہونا [5] تکبیرۃ الاولیٰ سے شروع کرنا [6] سلام پر ختم کرنا [7] نماز شروع کرنے سے قبل نیت نماز کرنا۔ اور علاوہ انکے جو جو شرائط شریعت اسلامیہ میں مقرر ہیں اُنپر عمل کرنا۔

مفسرین نے یہی لکھا ہے کہ صلوٰۃ کا لفظ اگر باریتعالیٰ کیطرف منسوب ہو تو اُسکے معنے رحمت کے ہیں۔ اور اگر ملائکہ کیطرف منسوب ہو تو اسکے معنے استغفار اور مومنین کیطرف منسوب ہو تو دعا اور کیڑے مکوڑوں کی طرف یا پرندوں وغیرہ کیطرف منسوب ہو تو تسبیح کے معنے ہوتے ہیں۔

زکوٰۃ۔ مال کے نصاب مقررہ سے ہر سال ایک مقدار معین نکال کے کسی مسلمان فقیر کو جو ہاشمی نہ ہو اور نہ اُسکا غلام ہو دیدینے اور اُس سے کسی قسم کا نفع نہ حاصل کرنے کو زکوٰۃ کہتے ہیں۔ زکوٰۃ کو زکوٰۃ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ

جس مال سے بقدر معین شرعی طور پر زکوٰۃ نکالی گئی ہو وہ مال بڑھتا ہے اور آفتوں سے محفوظ رہتا ہے۔ حدیث میں ہے ھاتوا ربع العشر (مال کے دسویں حصے میں سے چوتھائی لاؤ)

زکوٰۃ چاندی اور سونے کے سکے اور غلہ پر ہوتی ہے۔ چاندی کا سکہ جب دو سو درہم کی مقدار پر پہونچ جائے۔ اور سونے کا سکہ جب بیس مثقال تک (بشرطیکہ سال بھر یونہی رکھا رہے اور اسمیں کسی قسم کا تصرف نہ کیا گیا ہو) اور کھانے پینے کی چیزوں اور زمین اور لونڈی غلاموں پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ حدیث میں آیا ہے لیس فی الجبھۃ ولا فی الکسعۃ ولا فی النخۃ صدقۃ (جبھہ اور کسعہ اور نخہ میں زکوٰۃ نہیں ہے) جبھہ سے مراد گھوڑیاں ہیں اور کسعہ سے مراد گدھے ہے اور نخہ سے مراد لونڈی غلام ہیں۔ مگر بعض علمائے اسلام نے نخہ کے معنے کارکن بیل کے لکھے ہیں۔

خضراوات میں بھی زکوٰۃ نہیں ہے۔ (خضراوات سے مراد سبزیاں۔ ترکاریاں اور میوے ہیں)

صوم کھانے پینے اور۔ مجامعت وغیرہ سے صبح صادق سے لیکر مغرب تک بہ نیت پرہیز کرنا۔

ماہ رمضان قمری نویں مہینے کا نام ہے (محرم سے لیکر ماہ صیام تک گن لو) حدیث میں ہے کان علیہ السلام یأمرنا ان نصوم ایام البیض آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہمکو حکم دیتے تھے کہ ایام بیض میں روزے رکھو۔

ایام بیض سے مراد ہر قمری مہینے کی تیرہویں چودھویں پندرہویں تاریخ کو کہتے ہیں۔

صوم وصال۔ دو یا تین دن کے متصل واحد روزے رکھنے کو کہتے ہیں۔ جنکے درمیان میں بالکل افطار نہ کرے۔

حج کا بیان اسی رسالے کی تیسری فصل میں عنقریب آئیگا

الغرض جب اسلام کا دورہ ہوا تو عربوں نے توحید سیکھی اور یہ بھی بتایا گیا کہ جو چیز دنیا میں ظاہر ہوتی ہے وہ سب خدا تعالی کی طرف سے معین اور مقدر ہے۔ جسکا ہونا ضروری ہے۔

اور پھر یہ بھی سکھایا گیا ہے کہ مرنیکے بعد ہر کام کا بدلہ ملیگا۔ اگر برا کیا ہوگا تو برا بدلہ اور اگر بھلا کیا ہوگا تو بھلا بدلہ ملیگا۔

ہر روز پانچ وقت نماز پڑھنے اور مسکینوں کے ساتھ نیکی کرنے اور ماہ صیام کے روزے رکھنے اور شراب سے باز رہنے کی تعلیم دی۔ اُسی وقت سے مردوں کا ختنہ کرنا اور ایک زوجہ سے زیادہ عقد کرنے کی اجازت اور طلاق کا رسم مقرر ہوا۔ اور وہ اُنکے شر و فساد لوٹ مار سب تشریف برد ہو گئے۔ اُسکے بدلے میں راہِ خدا میں جہاد لازم ہوا۔ اور یہ بتایا گیا کہ اگر خدا کی راہ میں جنگ کروگے تو ایسی نعیم ابدی اور جنت کے آرام ملینگے۔ وہاں درختوں کے نیچے نہریں لہراتی ہوئی بہ رہی ہیں۔ اور ایسی ایسی نعمتیں وہاں موجود ہیں کہ نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے۔ غرض اسلام کیا آیا کہ اُن کے دلوں سے تمام عداوتیں اور بغض و حسد جو عرب کا ایک لازمی طریقہ ہو گیا تھا دفع ہو گیا باہم محبت کے سلسلے قائم ہو گئے۔ یہاں تک کہ چند ہی دن میں جزیرۃ العرب کے تمام شہر اور صحرا نشین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع فرمان ہو گئے۔ اور بہت ہی کم کوئی ایسا تھا جو شہادتین کا منکر تھا۔ اگرچہ اتنا ضرور تھا کہ اکثر صحرا نشین عرب شہادتین کے علاوہ اپنے اور معتقدات اسلامیہ سے ناواقف تھے۔

دوسری فصل

عرب کی عبادتگاہیں

جس خانہ کعبہ کا ابھی ذکر آچکا ہے یہ بالفعل مسجد الحرام کے وسط میں ہے اور مسجد الحرام ملک حجاز کے شہر مکہ میں واقع ہے۔

کعبہ کا نام کعبہ اسکی بزرگی کی وجہ سے پڑا ہے۔ کیونکہ یہ لفظ کعب سے مشتق ہے۔ جسکے معنے بزرگی کے ہیں۔

اکثروں نے اسبات کو لکھا ہے کہ اب جس مقام پر خانہ کعبہ واقع ہے ٹھیک اسی مقام پر حضرت صفی اللہ کا خیمہ تھا۔ جسے باریتعالی نے جنت سے آنکے واسطے بھیجا تھا۔ پھر اسی جگہ شیث نے جو آنکے بیٹے تھے ایک مربع صورت کی چار دیواری بنائی۔ اور وہ مکان جو حضرت صفی اللہ نے اپنے ہاتھ سے تیار کیا۔ اور جب اپنی عبادت اس مکان کے متعلق ادا کر چکے تو ملائکہ نازل ہوئے اور عرض کی کہ اے صفی اللہ ہم نے اس مکان کو تم سے دو ہزار برس قبل تیار کیا ہے۔

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ خانہ کعبہ ٹھیک مقابلے میں بیت معمور (جو آسمان پر فرشتوں کا قبلہ ہے) کے واقع ہے۔ مگر طوفان نے اسکو منہدم کر دیا تھا۔

ابن خلدون کہتا ہے کہ خلیل علیہ السلام نے جب ہاجرہ اور اُنکے بیٹے ذبیح اللہ کو چٹیل میدان میں اس مقام پر جہاں اب خانہ کعبہ واقع ہے تنہا چھوڑا تو حضرت ذبیح اللہ نے وہیں ایک مکان بنایا اور اسکے گرداگرد ایک دیوار

کھینچ دی۔ اور اسکو اپنے بھیڑیوں کے رہنے کی جگہ بنایا۔ پھر جب آنکے والد آخری مرتبہ شام سے انکی ملاقات کو آئے تو باری تعالیٰ نے انکو حکم دیا۔ کہ اس احاطہ کے مقام پر کعبہ بناؤ۔ اور حج کے واسطے لوگوں کو آواز دو۔ کہ وہ دوڑتے ہوئے تمام اطراف عالم سے تمہارے پاس جمع ہوجائینگے۔ پس دونوں صاحبوں نے ملکے اُسے تیار کیا جیسا کہ قرآن میں اسکی تصریح موجود ہے۔ اسی مقام پر حضرت ذبیح اور ہاجرہ اور جو لوگ انکے ساتھ قبیلۂ جرہم سے آئے تھے مقیم رہے یہانتک کہ وہیں حضرت ذبیح اور انکی والدہ نے رحلت کی۔ اور قریب حجر اسود کے دفن ہوئے۔

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے پہل جنھنے خانہ کعبہ کی دیوار وغیرہ کو بلند کیا حضرت خلیل اور ذبیح تھے۔ مگر جب خزاعہ کے قبیلہ پر قریش کو غلبہ ملا (جیسا کہ آگے معلوم ہوگا) تو قصی بن کلاب کی اولاد نے اُس مکان کی چھت وغیرہ دوم کی لکڑی اور درخت خرما کی شاخوں سے تیار کی (شاعر کہتا ہے)

خلفت بثوبی راهب الدور والتی بناها قصی والمضاض ابن جرهم

بعد اسکے پھر ایک مرتبہ ایسا سیلاب آیا (ایک قول یہ ہے کہ آگ لگی) کہ تمام عمارت خانہ کعبہ منہدم ہوگئی۔ اونہوں نے دوبارہ اسکو بنالیا۔ پھر ۶۴ھ مطابق ۶۸۳ء میں روغن نفط سے یزید بن معاویہ اور ابن زبیر کی لڑائی میں آگ لگی کیونکہ ابن زبیر نے وہاں پناہ لی تھی۔ اور یزید کے لشکر نے روغن جلا کے اوسپر پھینکے۔ جس سے خانہ کعبہ جل گیا۔ پھر دو معمار ایران اور روم سے بلائے گئے اور انھوں نے پہلے سے کہیں بہتر درست کیا۔ مگر چونکہ صحابہ نے اُسکے مکان کی بابت اختلاف ڈالدیا اس سبب سے پھر گروادیا گیا۔ اور دوبارہ ٹھیک اُسی حد پر جہاں حضرت خلیل نے بنایا تھا تیار کرایا۔

پھر جب دوبارہ عبدالملک بن مروان کے زمانے میں حجاج بن یوسف ثقفی نے ابن زبیر کا محاصرہ کیا اور اسکو گرفتار کیا تو حکم دیا کہ خانہ کعبہ کو گرا دو

اور جس طرح قریش نے بنایا تھا اسی طرح بناؤ۔ چنانچہ اتبک اسی طرح ہے سہ
ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

اصل میں اسکی وسعت بہت کم تھی۔ مگر پہلے پہل اُسکی وسعت میں زیادتی عمر بن خطاب نے کی۔ اُنکے بعد عثمان بن عفان نے۔ پھر ابن زبیر نے۔ پھر ولید بن عبد الملک نے۔ جس نے سنگ سفید کے ستون اُسمیں قائم کیئے۔ بعد اُسکے منصور عباسی اور اُسکے بیٹے مہدی نے اُسمیں بہت سی زیادتی کردی۔

ماشیروان مورخ نے خانہ کعبہ کے متعلق یوں لکھا ہے۔ "جغرافیہ کی کتابوں میں خانہ کعبہ کے حسن وجمال اور بہت سے دروازوں اور مطلا گنبد کی بہت سی تعریفیں کیگئی ہیں۔

معلم نیبوہر (المانیا کا سیاح) نے جب اُسے دیکھا تو کہا تھا کہ یہ ہندوستان کے قدیم مندروں اور سیام کی عبادتگاہوں سے بہت مشابہ ہے۔ اور اسلام کے زمانے کی مسجدوں سے کم مشابہت ہے۔ کیونکہ اسکی عمارت مربع اور کھلی ہوئی چھتوں کی ہے۔ چاروں طرف ستون ہیں اور اہرام اور مسلات کی بدلی ہیں اونچے اونچے مینار ہیں۔

اس دائرے کے اندر نماز کے واسطے چند مسجدیں بنی ہیں اور اُسکے اندر ایک مربع مکان ہے۔ اُسی کو حقیقت میں کعبہ کہتے ہیں۔

پہلے پہل جس نے خانہ کعبہ پر پوشش ڈالی بادشاہ تبع تھا۔ اس نے ریشمی چادر اور وصائل (ایک قسم کا خط دار کپڑا ہوتا ہے) کے کپڑے کی چادر اسپر ڈالی تھی۔ اور اُسکے واسطے قفل کنجی بنوائی۔ بادشاہ تبع عرب میں پہلا شخص تھا جس نے مذہب یہودی اختیار کیا۔ اسکے بعد قبیلہ حمیر نے اس کی موافقت کی۔

ابو الفرج اصفہانی کتاب اغانی میں لکھتے ہیں۔ "قریش خانہ کعبہ کو جاہلیت کے زمانے میں ایک سال پوشش دیتے تھے اور ایک سال بحیر بن ربیعہ

رجبکا نام صاحب شریعت اسلامیہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ رکھا تھا
پوشش دیتا تہا۔ اسیوجہ سے قریش اسکو عدل کہتے ہیں۔ اس سبب سے کہ وہ
ایک تنہا شخص پوشش دینے میں تمام قریش کی برابری کرتا تہا۔
عبداللہ مذکور الصدر تاجر اور بہت مالدار تھا۔ تجارت اسکی یمن میں
ہوتی تہی۔ اسکا باپ ابو ربیعہ ہے۔ اسکے بھائیوں کے نام ہشام۔ ہاشم۔
فاکہ۔ مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم کے بیٹے تہے۔ (یہ تینوں شخص اسکے
حقیقی بھائی نہ تہے بلکہ مادری بھائی تھے۔ اسکی ماں پہلے مغیرہ کے حبالہ نکاح
میں تھی) یہ لوگ اسقدر معزز تھے کہ عرب میں ضرب المثل ہوگئے تہے۔
مقریزی لکہتا ہے کہ کعبہ کا لباس ابتدا نمائٹ اور چمڑے کا بنایا جاتا تہا۔
مگر پہلے پہل جس نے دیباکی پوشش ڈالی ہے عبداللہ بن زبیر تھا۔ (جو خلفای
بنی امیہ میں شمار ہوتا ہے) جاہلیت میں عرب خانہ کعبہ سے جب دور ہوئے تو
ایک پتھر جسکو وہ ارکہتے تہے نصب کر دیتے۔ اور اسکے گرد طواف کرتے۔
جسطرح خانہ کعبہ کے گرد طواف کرتے ہیں۔
زوزنی نے کہا ہے کہ عرب کے بعض قبیلوں کی عبادتگاہیں خاص خاص
بھی تہیں۔ دیکھو کہ غطفان نے ایک مکان بالکل خانہ کعبہ کے مشابہ بنالیا تہا۔
(اور اسکا نام بس رکھا تہا) اسی کا حج کرتے اور بڑی تعظیم و تکریم سے وہاں جاتے
تھے۔ اور جسطرح کعبہ کو حرم کہتے ہیں اسکو بھی حرم کہتے تھے۔ جب زہیر بن جناب
کلبی اور غطفان میں مقابلہ ہوا اور اس نے غطفان کو شکست دی تو اسکے ساتھ
انکی عبادتگاہ کو بھی منہدم کر دیا۔ (اصبہانی)
غطفان کے قبیلے میں ایک درخت طلح تھا اسے عزی کہتے تھے۔
اسکے واسطے ایک مکان بنوا دیا تھا۔ اور مکان کے دروازے پر دربان بیٹھلاے
تھے۔ اور اسکی عبادت کرتے تہے۔ آخر صاحب شریعت اسلامیہ آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کو بہیجکر مکان کو تڑوا دیا اور اس درخت کا

جلوا دیا۔ خالدؓ کا یہ شعر بھی ہے :۔

یا عزکفرانك لاسبحانك	"اے عزّیٰ میں تیری پاکی نہیں بیان کرتا
انی رایت الله قد اهانك	بلکہ تیرے معبود ہونے کا انکار کرتا ہوں

کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے تجھے ذلیل کر دیا۔ لہذا تو معبود نہیں ہو سکتا۔ (محیط المحیط)

ایک اور شخص نے لکھا ہے کہ بنی خثعم نے بھی ایک مکان بنوایا تھا اور اُسے کعبہ کہتے تھے۔ اصلی نام اُسکا ذوالخلصہ تھا۔ یا تو اس وجہ سے ذوالخلصہ کہتے تھے کہ جو بت اسمیں رکھا ہوا تھا اُسکا نام ذوالخلصہ تھا۔ اُسی کے نام سے اس مکان کا بھی وہی نام ہو گیا۔ یا اس سبب سے کہ وہاں خلصہ (خلصہ ایک خوشبو دار درخت کا نام تھا۔) بہت پیدا ہوتا تھا۔

ایک اور بھی معبد تھا اُسے سعیدہ کہتے تھے۔ جبل احد کے قریب واقع تھا عرب اُسکا حج کیا کرتے تھے۔

ذوالکعبات بھی ربیعہ کا معبد تھا۔ یہ لوگ اُسکا طواف کیا کرتے۔

کعبۂ نجران عبد المسیح بن دارس بن عدی کا قبہ دار منارہ تھا تین سو کھالوں سے بنایا گیا تھا۔ عرب اُسکو کعبہ نجران کہتے تھے۔ اور اُسکی زیارت کو اُسی طرح جایا کرتے جیسے کعبہ کی زیارت کو جاتے۔ اگر کوئی شخص وہاں پناہ لیتا۔ تو پناہ دیتے۔ اگر کوئی کسی سے ڈر کے آتا تو اُسے امن دیتے۔ اگر بھوکا ہوتا تو سیر کرتے۔ کوئی حاجت لاتا تو اُسے پورا کرتے۔ اگر روپیہ پیسے مانگتا اُسے دیئے جاتے۔ اعشی اپنے ناقہ کو مخاطب کر کے کہتا ہے۔

فکعبة نجران حتم علیك	"اے میری اونٹنی تجھ کو لازم ہے کہ کعبہ نجران
حتی تناخی بابوابها	کا قصد کر اور اُسکے دروازہ پہ بیٹھ جا تاکہ ہم
نذور یزیدا و عبد المسیح	یزید اور عبد المسیح اور قیس (جو کعبہ نجران کے
وقیسا هم خیر اربابها	بہترین مالک ہیں) کی زیارت کریں۔"

ابو الفرج اصبہانی نے لکھا ہے کہ یہ گرجا گھر تھا۔ بنی عبد المدان نے اسکو کعبہ کیصورت پر بنایا تھا۔ اور اسکی تعظیم بھی ویسی ہی کرتے تھے۔ مگر جب حضرت اسلام کا ظہور ہوا تو یہ تمام کارخانے درہم و برہم ہو گئے۔ اور انکے بدلے میں خانہ کعبہ اور مسجدیں قائم ہو گئیں۔ جنمیں اب اہل اسلام نماز پڑھتے ہیں۔

مساجدِ اسلام

پہلے پہل جس نے مسجد بنائی ہے صاحب شریعت اسلامیہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ مسجد مدینہ میں بنائی گئی تھی۔ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ باریتعالی عزاسمہٗ نے انکو حکم دیا تھا کہ تم مکہ کو چھوڑ کے مدینہ میں جاؤ اور دین اسلام کو وہاں قائم کرو۔ جب آنحضرتؐ وہاں آئے تو ایک مسجد بنائی۔ مدینے ہی میں آنحضرتؐ کا روضۂ اقدس بھی ہے۔

دنیا میں گو بہت سی مسجدیں ہیں مگر مسلمانوں کے نزدیک سب میں معزز تین مسجدیں سمجھی جاتی ہیں ۱۔ خانہ کعبہ ۲۔ مسجد مدینہ ۳۔ بیت المقدس جسے جامع اقصےٰ بھی کہتے ہیں۔ (اس جامع کو عمر بن خطاب نے اورشلیم میں اسی مقام پر بنوایا ہے جہاں پر معبد حضرت سلیمان بادشاہ بنی اسرائیل کا تھا)

ابن خلدون نے ایک اور مسجد کا بھی ذکر کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جزائر ہند میں ایک مقام سراندیپ ہے۔ وہاں بھی ایک مسجد ہے جسے ابو البشر نے تیار کیا تھا۔ مگر اس خبر کی صحت کا یقین نہیں ہے۔

یہ مسجدیں جنکا ابھی ذکر آیا ہے اسلامی جامع مسجدیں تھیں۔ ابتدا میں ان میں منبر وغیرہ نہ تھا۔ مگر خلفا کے زمانے میں منبر بھی بنوایا گیا۔ پہلے پہل جس نے مسجد میں منبر بنوایا عمرو بن عاص ہے جو حضرت عمر بن خطاب کی طرف سے مصر پر حاکم تھا۔

عمرو بن عاص نے مصر میں ایک جامع مسجد بنوائی تھی۔ اسمیں منبر بھی تیار کرایا تھا

مگر یہ بات خلیفہ وقت کو ناگوار گذری اور حکم بھیجا کہ اسکو منہدم کرا دو۔ پھر جب مہدی عباسی خلیفہ ہوئے تو انھوں نے اُسے درست کرایا مگر بہ نسبت اول کے چھوٹا ہے۔

منبروں پر خلفائے وقت کے واسطے دعا کرنے کی رسم ابن عباس سے شروع ہوئی۔ جس زمانے میں یہ امیرالمؤمنین علی ابن ابی طالبؓ کیطرف سے بصرہ کے حاکم تھے۔ تو خطبہ میں انکا ذکر کیا تھا۔ اور اُنکے لئے کوئی دعا کی اُسکے بعد تو پھر ایک طریقہ ہی بنگیا اور ہر خلیفہ کے واسطے خطبہ میں دعا کیجانے لگی۔

جب خوارج کا دورہ ہوا تو اُنھوں نے اپنے بادشاہوں کے علاوہ کسیکا نام خطبے میں لینے سے سخت ممانعت کی۔

پہلے پہل جس نے مسجد میں بادشاہ کی نماز کے واسطے مقصورہ (کوٹھڑی) بنوایا معاویہ بن ابی سفیان ہیں۔ اسکا سبب یہ ہے کہ ایک مرتبہ اُنپر ایک خارجی نے حملہ کیا تھا۔ اور بعض کا بیان ہے کہ مروان بن حکم نے پہلے پہل مقصورہ بنوایا، جبکہ اُنپر ایک یمانی شخص نے حملہ کیا تھا۔ اسکے بعد تو تمام دنیا کے خلفا نے کوٹھڑیاں بنوانی شروع کیں۔

خانہ کعبہ کے دربان

زمانہ جاہلیت میں خانہ کعبہ کے دربان حضرت ذبیح اللہ کی اولاد سے ہوتے تھے۔ یہانتک کہ ثابت (یہ بھی حضرت کی اولاد میں تھے) تک نوبت پہونچی جب اُنکا انتقال ہوگیا تو اُنکے نانا مضاض ابن عمرو جرہمی دربان خانہ کعبہ ہوئے۔ مگر جب خزاعہ اور جرہم کی لڑائی ہوئی اور غلبہ خزاعہ کیطرف رہا۔ تو سدانت کعبہ خزاعہ میں آگئے۔ اور اُنھوں نے جرہم کو مکہ سے بالکل نکال دیا۔ اسی کی بابت مضاض مذکور الصدر کہتے ہیں :۔

کان لم یکن بین الحجون الی الصفا	"اُنکو گویا حجون سے لیکر صفا تک نہ کوئی انیس
انیس ولم یسمر بمکۃ سامر	و غمگسار ہے نہ تھا اور نہ مکے میں کسی داستان گو نے

ولم یتربع واسطا فجنوبہ
الی المنحنی من ذی الاراکۃ حاضر
بلی نحن کنا اھلہا فابادنا
صروف اللیالی والجدود العواثر
وکنا ولاۃ البیت من بعد نابت
نطوف بذاک البیت والامر ظاھر
فاخرجنا منہا الملیک بقدرۃ
کذالک بین الناس تجری المقادر

واسطہ تان کبھی اور نہ کوئی حاضر ہونے والا واسطہ سے لیکر ذی الاراکہ کے سے موڑنے کے مقام تک پہنچا۔ (یعنی ہم گویا ایسے ہوگئے کہ کبھی مکہ میں تھے ہی نہیں اور نہ کبھی ان مقامات میں ہمارا گذر ہوا۔) ایسا نہیں ہے بلکہ ہم ہی اہل مکہ تھے مگر بدبختی اور گردش لیل ونہار نے ہمکو تلف کردیا۔ ہم ہی نابت کے بعد خانہ کعبہ کے متولی تھے۔ ہم ہی اسکا طواف کرتے تھے (اور یہ بات ظاہر ہے) مگر خدا نے ہمکو وہاں سے نکال دیا اور اسی طرح تقدیریں آدمیوں میں جاری ہوتی رہتی ہیں۔

اس سے چند شعروں کے بعد کہتے ہیں:۔

فبطن منی امسی کان لم یکن بہ
مضاض ولابین البطاح عمائر
فہل فرج یاتی بشیٔ نحبہ
وھل جزع ینجیک مما تحاذر

"مقام منیٰ ایسا ہوگیا کہ گویا وہاں بیچارہ مضاض رہتا ہی نہ تھا۔ اور نہ بطحا میں عمارتیں تھیں۔ کیا ہو سکتا ہے کہ وسعت اور کشایش تقدیر ہماری محبوب چیزیں ہمکو دے۔ اور کیا تیری یہ بیقراری اُن باتوں سے تجھے بچادے گی جنسے تو ڈرتا ہے"۔

اسی سلسلے میں خانۂ کعبہ کی دربانی خزاعہ میں رہی یہانتک کہ غبشان ملکانی وصی قلیل بن حبشیہ خزاعی تک نوبت پہونچی۔ ایک دن اسکو قصی بن کلاب قریشی نے خوب شراب پلائی اور خانہ کعبہ کی کنجیاں اس سے ایک مشک شراب پہ مول لے لیں۔ جب ابو غبشان کو ہوش آیا تو سخت نادم ہوا۔ مگر اسکو اس ندامت سے ملنے والا ہی کیا تھا۔ اسی وقت سے یہ مثل ٹھہر گئی۔ "اخسر من ابی غبشان"۔ شاعر کہتا ہے:۔

باعت خزاعۃ بیت اللہ اذ سکرت

خزاعہ جو نشہ میں آیا تو خدا کے گھر کو ایک مشک شراب

بذقا خم قبست صفقۃ البادی | بیچدیا۔ پس کسقدر اسکی بیع بری ہے۔
باعت سدانتہا بالمزر والطرفت | اس اپنے سدانت (دربانی کعبہ) کو تھوڑی سی
عن المقام وظل البیت والنادی | مقدار پر بیچڈالا۔ اور مقام وسایہ خانہ کعبہ اور

مجلس کعبہ سے پلٹ گیا۔ اور محروم ہوگیا"

اسکے بعد سے پھر خانہ کعبہ کی سدانت قریش ہیں رہی کیونکہ قصی نے تو اپنی فطرت سے کنجیوں پر قبضہ کرہی لیا تھا۔ بعد ہیں لیعمر بن عوف بن کعب بن عمرو بن لیث بن بکر بن عبد مناف بن کنانہ نے جو حاکم عرب تھا قصی کو بالکل مختار کردیا۔ اور اُنکے لیئے خانہ کعبہ کی تولیت اور اسکی دربانی قائم ہوگئی۔ اسی وجہ قریش اُسکی رائے کو مبارک سمجہتے تہے۔ اسکے بعد اس نے ایک دار الندوہ خانہ کعبہ کے سامنے ہی بنوایا۔ اور حاجیوں کو کھانا کھلانے اور پانی پلانے کا ذمہ لیا۔ اسی وجہ سے اُس نے قریش پر کچھ خراج مقرر کردیا تھا۔ جیسے وہ ہرسال اداکرتے تہے۔ یہانتک کہ نہایت خوبی کے ساتھ دربانی اور سقایۃ (پانی پلانا) اور مجلس اور ندوہ اور لوا کے امور انجام پاتے۔

تیسری فصل

عرب کی عبادات

حج۔ عرب کی بہت سی عبادتیں ہیں جنہیں آخریں شریعت اسلامیہ نے بھی جائز رکھا منجملہ اُنکے ایک حج ہے۔ عرب کے قبائل بھی خانہ کعبہ کے گرد جمع ہوتے تھے اور سات مرتبہ اسکا طواف کرتے تھے عمرہ[۱]

۱؎ عمرہ کے معنے کسی مکان کا قصد کرنا یا زیارت کرنا گو شرع میں حج اصغر کو عمرہ کہتے ہیں اُسمیں تین چیزیں کرنی پڑتی ہیں۔ احرام۔ طواف۔ صفا و مروہ کے درمیان میں سعی۔

کرتے تھے۔ احرام باندھتے تھے سعی کرتے تھے مشعر الحرام اور منیٰ میں وقوف بھی کرتے تھے۔ رمی جمرات بھی کرتے تھے جیسا کہ اب اسلام میں بھی ہے۔

احرام کے لغوی معنے افعال حج میں داخل ہونیکے ہیں۔ احرام کو احرام اسوجہ سے کہتے ہیں کہ حاجی جب افعال حج شروع کرتا ہے تو اپنے اوپر بالوں کا مونڈانا ناخن ترشوانا شکار کرنا عورتوں سے مقاربت کرنا حرام کرلیتا ہے۔ اسی لفظ کے مقابلے میں احلال ہے جسمیں یہ سب باتیں جائز ہوجاتی ہیں

یا اسوجہ سے احرام کو احرام کہتے ہیں کہ سوائے لنگیوں کے اور قسم کے کپڑے پہننا اپنے لئے حج کے موقع پر حرام سمجھتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے۔

لمارأیت منادیکم هلم بنا	جب میں نے تمہارے منادی کو دیکھا کہ وہ ہمیں
شددت مئزر احرامی ولبیت	حج کے واسطے پکار رہا ہے تو جھٹ میں نے احرام

کی لنگی باندھ لی اور لبیک کہی۔

عرب اپنے تمام کپڑوں کو طواف کے وقت اپنے سامنے اتار کے رکھ لیتے تھے اسکو حریم کہتے تھے۔

ابن خلدون لکھتے ہیں کہ بے سلے ہوئے کپڑے پہننے کو احرام کہتے ہیں۔ کیونکہ بدوی عرب تو عموماً بے سیئے ہوئے کپڑے پہنے رہا کرتے تھے۔ سلے ہوئے کپڑے شہروں میں رہنے والے پہنتے تھے یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ سیئے ہوئے کپڑے حج میں پہننا ناجائز سمجھتے ہیں۔ کیونکہ شرعاً حج کا لازم ہونا ہی ایک گونہ دنیاوی پالیسی پر شامل ہے۔[1]

جمار۔ جمرہ کی جمع ہے یعنے چھوٹے چھوٹے سنگریزے۔ منیٰ کے تین جمرات ہیں۔ ہر دو جمرہ میں ایک تیر کے پلّے کا فاصلہ ہے۔ حجاج ان جمروں کو کنکریوں سے مارتے ہیں۔ اور یہ بھی حج کی عبادت میں سے ہے۔

نساۃ۔ عرب جاہلی حج کو شمسی زمانوں میں ادا کرتے تھے۔ اور وہ ہمیشہ دسویں

[1] ظاہر ہے کہ حج کے فوائد میں سے بہت بڑا فائدہ قوم اسلام میں اتحاد پیدا کرنا اور باہمی ہمدردی کی بنا قائم کرنا

تاریخ ذی حجہ کی پڑتی تھی۔ پھر جب اونہوں نے یہودیوں سے سند کبیسہ کا حساب سیکھا تو سو برس تک اسلام سے پہلے پہلے اسپر عمل کرتے رہے۔ غرض اس سے یہ تھی کہ حج اُسوقت شروع کریں جبکہ کھال وغیرہ کے بنانے اور پھلوں کی تیاری کا وقت آجائے۔ اور نہایت معقول حالت اور اچھے زمانے میں واقع ہو۔ اسی غرض سے ہر تیسرے برس ایک مہینہ قمری سال کو شمسی سال سے مطابق کرنیکی غرض سے بڑھا دیتے تھے۔ مگر مقریزی نے لکھا ہے کہ ہر چوبیس برس میں نو مہینے بڑھاتے تھے تاکہ ہر زمانے کے ساتھ سال پورا باقی رہے۔

اس کام کے انجام دینے والے بنی کنانہ کے لوگ (جنہیں قلامس کہتے ہیں) ہوا کرتے تھے۔ اسمیں البتہ اختلاف ہے کہ جس نے پہلے پہل ایک مہینہ بھول جانے کا طریقہ اختیار کیا وہ کون تھا۔ بعض تو کہتے ہیں پہلا قلمس عدی بن زید تھا۔ اور بعض سریر بن ثعلبہ بن حارث بن مالک بن کنانہ کو بتاتے ہیں۔

مقریزی لکھتا ہے کہ ابو ثمامہ مالکی اس کام پر مقرر تھا اُسکے بعد بنی فقیم میں سے کچھ لوگ اس کام کو پورا کرتے تھے۔

بنی فقیم ہی کو نسأہ کہتے تھے (یعنی پیچھے سے ایک مہینہ ہٹا دینے والے) جو شخص اس کام کو انجام دیتا تھا۔ وہ دروازہ کعبہ پر کھڑا ہوتا اور پکار کے کہتا کہ تمہارے معبود عزّیٰ نے پہلے صفر کے مہینے کو ہٹا دیا کسی سال تو اسکو حرام کر دیتا تھا۔ اور کسی سال حلال۔

انکی موافقت کرنے والے ہوازن غطفان سلیم تمیم کے قبیلے تھے۔
آخری شخص کبیسہ کا حساب کرنے والا جنادہ بن عوف بن امیہ بن قلع بن عباد بن حذیفہ بن عبد اللہ بن فقیم تھا۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ قلمس اول حذیفہ بن عبد بن فقیم بن عدی بن عامر بن ثعلبہ بن حارث بن مالک بن کنانہ تھا۔ اسکے بعد اسکی اولاد میں یہ عہدہ آیا اور ابتدائے اسلام میں اسکا آخری چلانے والا تھا۔ جب چاہتا کہ کسی مہینے کو ہٹا دے تو محرم کو حلال

کہہ دیتا تھا سب اسکو حلال سمجھنے لگتے (یعنے لڑائی فساد اس مہینے میں حرام تھا اگر وہ کہہ دیتا حلال ہے تو سب حلال سمجھنے لگتے) اور اسکی جگہ پر صفر کے مہینے کو حرام کہہ دیتا سب اسکو حرام سمجھنے لگتے تاکہ چار حرام مہینوں کی تعداد پوری ہو جاوے۔ (چار حرام مہینوں سے مراد ذی قعدہ ذی حجہ محرم رجب ہے۔ عربی میں انکو اشہر حرم کہتے ہیں اور حرام کہنے کی وجہ مذکور ہو چکی)

عمیر بن قیس جندل طعان اپنے فخر میں کہتا ہے۔

وانی الناس لم یسبق لوتر	جس شخص کو اپنے کسی عزیز کی دیت لینی ہو
وانی الناس لم یعلاث لجاما	اور وہ لڑنا چاہتا ہو۔ تو ہم سے کیے کیونکہ
الستا الناسئین علی معد	ہم حرام مہینوں کو حلال اور حلال کو حرام
شہور الحل نجعلہا حراما	کر دیتے ہیں"۔

ایک دوسرے نے کہا ہے:-

انذعمانی من فقیدا بن مالک	"تم شاید خیال کرتے ہوگے کہ میں مالک
لعمری لقد غیرت ما کنت اعلم	کا بیٹا فقیم ہوں یہ صحیح۔ مگر میں جو کچھ جانتا
لھم ناسی یمشون تحت لوائہ	تھا سب کو بدل دیا۔ ان لوگوں کے پاس تو
یحل اذا شاء الشہور و یحرم	ایک ناسی ہے جسکے جھنڈے کے پیچھے

وہ لوگ چلتے ہیں۔ وہ جس مہینے کو چاہتا ہے حرام کر دیتا ہے۔ اور جسکو چاہتا ہے حلال کر دیتا ہے"۔

مگر جب صاحب شریعت اسلامیہ کو ہجرت سے دس برس بعد حج کا حکم ہوا تو تحریم نسئی کی آیت بھی نازل ہوئی۔ اسی وقت سے جو کچھ جاہلیت نے اپنے واسطے بنا لیا سب لغو ہو گیا۔ اور سب نے اسپر عمل کرنا چھوڑ دیا۔ اسی وقت سے صوم اور حج قمری مہینے کے حساب سے شروع ہو گیا۔

اجازت جاہلیت کے زمانے میں حج کی اجازت خزاعہ کے ہاتھ میں تھی۔ پہلے ان سے عدوان نے لے لیا۔ انکی اجازت کا طریقہ یہ تھا کہ ایک گدھی پر سوار ہو

آگے جاتا تھا اور مسافروں اور حج کے ارادے سے آنیوالوں کو مخاطب کر کے کہتا تھا:-

یا رب اصلح بین نسائنا و عاد بین اعدائنا واجعل المال فی سمحائنا ایھا الناس اوفوا بعھدکم واکرموا جارکم واقروا ضیفکم	اے خدا ہماری عورتوں میں اصلاح پیدا کر اور ہمارے دشمنوں میں عداوت ڈالدے اور مال و دولت ہمارے سخیوں میں رکھ ایہا الناس تم لوگ اپنے اپنے عہدوں کو پورا کرو اور اپنے ہمسایہ کا اکرام کرو۔ اور مہمان کی مہمان داری کرو"

اسکے بعد کہتا تھا اشراق ثبیر کیما نغیر

بھی اجازت نہی۔ یہ کہکے بھاگتا تھا۔ اور تمام حاجی اسکے پیچھے دوڑتے تھے۔ زمانہ حج کے اونٹ۔ عرب جب حج کرتے تھے تو ایک اونٹ بھی لیجاتے تھے اسکے گلے میں جوتا ڈالتے تھے اور اسے جل پہناتے اور اسکے کوہان کو زخمی کرتے۔ پھر کوئی شخص اس سے تعرض نہیں کرتا تھا۔ مگر بنی خثعم جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا۔

قدابین (قربانیاں) عرب جاہلی بھیڑوں اور اونٹوں کی قربانیاں خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بتوں تک کرتے تھے۔ جو کہ خانہ کعبہ پر رکھے ہوئے تھے۔

بعض عرب کا یہ بھی خیال تھا کہ اسقدر بت تین سو ساٹھ جنوں کی تصویریں ہیں جو سال بھر کے خادم اور کارکن ہیں (سال کے ہر دن کیواسطے ایک جن) اسی قسم کا اعتقاد اہل یونان کا بھی تھا۔

خانہ کعبہ کی چھت پر جو بت رکھا رہتا تھا۔ اسکا نام شمس تھا۔ یہ قربانیاں اور ہدیہ جو انہیں چڑھائے جاتے تھے۔ انکو رتائم کہتے تھے۔ رجب کے مہینے میں بھی بتوں کے ایک قربانی کرتے تھے۔ اسکا نام عتیرہ رکھا تھا۔

عرب جاہلی اپنے بتوں پر فرع کی قربانی بھی کرتے تھے۔ فرع اونٹنی کے پہلے بچے کو کہتے ہیں۔ وہ لوگ نذر کیا کرتے کہ جب میرے پاس اسقدر

اونٹ ہو جائینگے تو پہلا بچہ جو اُس سے پیدا ہوگا اُسے قربانی کرونگا۔ اُسکے
ذبح کرنے کا قصد کرتے تھے تو پہلے اُسکو زینت کرتے اور کپڑے پہناتے

نووی نے لکھا ہے کہ عرب یہ بھی نذر کرتے تھے کہ جب میرے پاس
سو بھیڑیں ہو جائینگی تو ایک کی قربانی کرونگا۔ مگر اکثر بخل کرتے اور اُسکے
عوض میں کوئی ہرن پکڑکے ذبح کر دیتے۔

صدرِ اسلام میں مسلمان بھی ایسا ہی کرتے تھے مگر بعد میں منسوخ کر دیا گیا
حدیث میں ہے:- لا فرع ولا عتیرۃ۔

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ عرب اپنے معبودوں پر سے آدمیوں کی
بھی قربانی کرتے تھے۔ جیسا کہ صاحب شریعت اسلامیہ (آنحضرتؐ) کے
جدِّ امجد ہاشم نے کیا تھا۔ نذر کی تھی کہ اگر دس بیٹے پیدا ہوئے تو ایک تو ضرور
ہی راہِ خدا میں قربانی کرونگا۔ جب دس بچے پورے ہوگئے تو انپر قرعہ ڈالا
چھوٹے بیٹے عبداللہ کے نام پر قرعہ نکلا (جو صاحب شریعت اسلامیہ کے والد تھے)
مگر اُنکی قوم نے عبداللہ کے ذبح کرنے سے منع کیا۔ اس وجہ سے اُنکے عوض
میں سو اونٹ نحر کیے گئے۔ حدیث میں آیا ہے۔ انا ابن الذبیحین میں دو ذبیحون
کا بیٹا ہوں ایک عبداللہ (آپکے والد ماجد) دوسرے حضرت ذبیح جناب خلیل
کے ایک صاحبزادے انکے عوض میں اونٹ ذبح کیے گئے تھے اور انکے
عوض میں دنبہ۔ مگر اسلام میں اختلاف ہے کہ حضرت خلیل کے دو صاحبزادوں
میں کون ذبیح ہے مگر اس اختلاف کا چنداں فائدہ نہیں ہے۔ کیونکہ چچا کو
بھی باپ کہتے ہیں۔

عرب نحر (قربانی) کے پہلے دن کو یوم النحر۔ دوسرے یوم کو یوم القر۔
تیسرے دن کو یوم النفر۔ چوتھے دن کو یوم الصدر کہتے تھے۔

عرب کی باقی عبادتیں

عرب میں چند عبادتیں اور بھی متفرق تھیں۔ کچھ تو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے عہد سے برابر چلی آتی تھیں۔ اور کچھ یہودیوں سے لی تھیں۔ مثلاً یہود کی طرح دو بہنوں کو ایک وقت میں اپنی زوجیت میں نہیں رکھتے تھے۔ اور جب کسی عورت سے عقد کرتے تو پھر اسکی بیٹی سے عقد نہیں کرتے تھے۔ غسل کرتے تھے۔ کلی کرتے ناک میں پانی دینے کا رسم انمیں تھا۔ سر کو بل کے دہوتے تھے۔ مسواک کرتے تھے۔ استنجا کرتے تھے۔ اسی طرح ناخن ترشواتے تھے۔ مونچھیں کٹوانی سر مونڈوانا۔ موئے زہار کٹوانا۔ ختنہ کرنا۔ سور کا گوشت نہ کھانا چور کا داہنا ہاتھ کاٹنا۔ وغیرہ وغیرہ یہودیوں کے امور عبادات و رسوم میں تھے۔ جب اسلام نے ظہور کیا۔ تو ان باتوں کا بھی حکم دیا (چونکہ یہ سب باتیں حکمت سے مملو ہیں لہذا خداوند کریم نے صاحب شریعت کو حکم دیا کہ تم بھی اپنی امت کو یہی طریقہ سکھاؤ نہ یہ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں سے سیکھ کے ایسا حکم دیا تھا) اور ان باتوں کے علاوہ بہت سی بری باتیں جنہیں یہودیوں نے جہالت کے زمانے میں گھڑ لیا تھا۔ صاحب شریعت نے انکو منع کیا۔ اور کچھ سزائیں بھی مقرر کیں۔ اگرچہ اکثر تو توریت ہی سے ملتی جلتی ہیں۔ مثلاً طلاق دینا۔ کوڑے لگانا۔ سنگسار کرنا جس نے کسی کو جسقدر زخمی کیا ہو اسی کے برابر اسکو بھی زخمی کرنا۔ مثلاً ایک نے ایک کا دانت توڑ دیا تو اسکا بھی دانت توڑا جائے گا۔ آنکھ پھوڑی تو آنکھ اسکی بھی پھوڑی جائے گی۔ علیٰ ہذا القیاس۔

قسم و یمین۔ عرب اپنی قسم کھاتے وقت کہا کرتے لعمرک لا اتیک یعنے خدا کی قسم میں تیرے پاس نہ آؤں گا۔ اور کبھی بغیر لام کے بھی استعمال کرتے تھے مثلاً عمرک لا اتیک۔

زمزم اور حطیم کی بھی قسم کھاتے تھے۔ اور یوں بھی کہتے تھے لا ورب ھذا البیت

یعنے اس مکان (خانہ کعبہ) کے مالک کی قسم۔

زمزم۔ ایک کنوئیں کا نام جو مکہ میں واقع ہے۔ بعض انگریزی مورخین نے لکھا ہے کہ مکّے میں اس کنوئیں کے سوا کوئی کنواں نہیں ہے۔ اور خود اس کنوئیں کا پانی بھی پینے کے قابل نہیں ہے۔ اس سبب سے کہ اس کا پانی پینے سے پھوڑے اور پھنسیاں نکلتی ہیں۔

اس کنوئیں کی تعظیم و تکریم کا یہ سبب ہے کہ عرب خیال کرتے ہیں کہ اس کنوئیں کو باری تعالےٰ نے حضرت ہاجرہ مصریہ کے واسطے بنا دیا تھا جبکہ وہ اپنے بیٹے کو لئے ہوئے بیر سبع کے جنگل میں حیران پھر رہی تھیں اور کہیں پانی دستیاب نہ تھا۔ اور جو کچھ اُنکے پاس قربے میں پانی تھا وہ سب صرف ہو چکا تھا (تکملہ ص ۲۱،۱۲،۲۱)

ایک مورخ نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس کنوئیں کو عبد المطلب نے کھدوایا تھا۔ اصل میں یہاں کنواں تھا مگر اُسکا منہ بند تھا۔ اُسمیں سے سونے کی دو ہرنیں نکالی تھیں۔ ایک تو پھر اُسی میں ڈال دی۔ اور دوسری کو لاکے دروازہ خانہ کعبہ پہ پتر جڑے۔

ابن خلدون مورخ کا بیان ہے کہ یہ دونوں ہرنیں اہل فارس نے قربانی میں چڑھائی تھیں کیونکہ یہ لوگ بھی بغرض حج خانہ کعبہ میں آتے تھے۔

حطیم۔ اُس دیوار کا نام ہے جو کعبہ کے حجر اسود کو مغربی جانب سے محیط ہے ابن درید لکھتا ہے کہ عرب جاہلی اس دیوار کی قسم کھایا کرتے تھے۔ جو جھوٹا ہوتا اُسکو یہ دیوار دبا کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی۔ اسی وجہ سے اسکو حطیم کہنے لگے۔

بنیہ سے مراد خود خانہ کعبہ ہے۔

منجملہ اُنکی قسموں کے ایک یہ بھی ہے کہ ذمۃ العرب کی قسم کھاتے تھے جب کوئی کہتا تھا کہ لا و ذمۃ العرب تو بہت ہی سچا سمجھا جاتا تھا۔ اور اگر کسی بات کا معاہدہ کرتے اور اُسکے ساتھ لا و ذمۃ العرب کہتے تو ضرور ہی پورا کرتے اور کبھی خیانت نہ کرتے۔

ابوبکر کے عہد میں خالد بن ولید نے متمم بن نویرہ کے بھائی کو مار ڈالا تھا تو متمم عتاب میں ابوبکر سے کہتا ہے۔

نعم القتیل اذا الریاح تناوحت	"کیا اچھا وہ مقتول تھا جیسے چادر کے نیچے
تحت الازار قتلت یا ابن الازور	اے ابن ازور قتل کیا۔ جبکہ ہوائیں ادھر
ادعوتہ باللہ ثم قتلتہ	اور اُدھر جھونکے لیتی ہیں۔ تو نے اُسکو
لوھو دعاک بذمۃ لم یغدر	خدا کی قسم دیکے بلایا تھا اور پھر بھی مار ڈالا۔

اگر وہ اپنے ذمی کی قسم کھاتا تو کبھی نہ غدر کرتا"۔

ابوبکر نے جواب دیا نہیں میں نے اُسکو بلایا تھا اور نہ قتل کیا۔

عرب رجب کے مہینے کی بھی قسم کھاتے تھے۔ اس مہینے کی بڑی عزت کرتے تھے۔ اور لڑائی جھگڑے سے اس مہینے میں بالکل پرہیز رکھتے تھے اس مہینے کو اصم (چپ مہینہ) اور منصل الال (نیزے کی نوک نکال دینے والا) کہتے تھے۔ ال نیزے کی سنان کو کہتے ہیں۔ جب رجب کا مہینہ آتا تو نیزوں پر سے بوڑیاں نکال لیتے۔ اور تمام مہینے بھر نہ چڑھاتے۔ اس سبب سے اُسکو اصم بھی کہتے تھے۔ کیونکہ اس تمام مہینے میں نیزوں کی جھنکار۔ گھوڑوں کی آوازیں لڑائی کی دوڑ کی آواز نہیں سنی جاتی تھی۔ ایک شخص نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس مہینے میں روزے رکھتے تھے۔

میدانی نے (مصنف امثال میدانی) اذا العجوز رجبت فارجبھا کی شرح میں لکھا ہے کہ رجبتہ کے معنے یہ ہیں کہ میں (یا تو) اُس سے ڈرا اور اُسکی تعظیم کی۔ اسی لفظ سے رجب بھی مشتق ہے اس سبب سے کہ کفار عرب اس مہینے سے بہت ڈرتے تھے اور بڑی تعظیم کرتے تھے کبھی کسی سے نہ لڑتے تھے۔ اور اسی طرح ذوالقعدہ اور ذوالحجہ اور محرم میں بھی۔ ان چاروں مہینوں کو بھی اشہر حرم کہتے تھے۔ مگر بنی خثعم اور بنی طے سے لڑنا جائز جانتے تھے کیونکہ یہ دو قبیلے بھی ان مہینوں میں قتال وجدال جائز سمجھتے تھے۔ اسی

وجہ سے جو لوگ سنہ کبیسہ (نون) کا حساب برتتے تھے تو کہہ دیتے تھے کہ ہم نے ان مہینوں میں لڑائی حرام کر دی مگر نہ ان لوگوں سے جو ان مہینوں میں لڑنا جائز سمجھتے ہیں (یعنے بنی خثعم اور بنی طے)

ایک مورخ نے یہ بھی لکھا ہے کہ غطفان اور قیس آٹھ مہینوں میں لڑنا حرام سمجھتے تھے۔ اور ان مہینوں کو بسل کہتے تھے۔

عرب کی ایک قسم یہ بھی تھی والذی اخرج العذق من الجرامة والنار من الوثیمة (اس شخص کی قسم جس نے خرما کا درخت گٹھلی سے پیدا اور آگ کو پتھر سے)

چوتھی فصل

عرب کی غیب دانی

عبارت ابن خلدون کا لفظیہ ترجمہ:-

جس طرح سے عناصر اربعہ میں چار درجے یکے بعد دیگرے مقرر کئے ہیں۔ سب سے نیچے مٹی ہے۔ اس سے اوپر پانی۔ اس سے اوپر ہوا۔ اس سے اوپر آگ۔ اور ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ اور ہر ایک میں خدا تعالے نے یہ قوت رکھی ہے کہ اپنے قریب والی کی صورت میں آجائے۔ مثلاً پانی ہوا ہو جاتا ہے۔ ہوا آگ ہو جاتا ہے۔

اور ان میں سے جو اوپر ہے وہ بہ نسبت نیچے والے کی لطیف ہے مثلاً پانی بہ نسبت مٹی کے لطیف ہے اور ہوا بہ نسبت پانی کے اور آگ بہ نسبت ہوا کے۔ افلاک ان سب سے زیادہ لطیف ہیں۔

اسی طرح کائنات عالم میں بھی تدریج ہے۔ سب سے پست درجہ معادن کا ہے۔ اس سے بڑا درجہ نباتات کا ہے اس سے بڑا درجہ حیوانات کا ہے۔

معدنیات کا آخری درجہ نباتات کے ادنےٰ درجے سے قریب ہے۔ اور نباتات کا آخری درجہ حیوانات کے ادنےٰ درجے سے قریب ہے۔ یعنے معدنیات میں اگر ایک ذرا اور ترقی ہو جائے تو نباتات کی حد میں داخل ہو جائے۔ اور نباتات میں ایک ذرا ترقی ہو جائے تو حیوانات کی حد میں پہونچ جائے۔

دیکھو درخت خرما اور درخت انگور کو یہ قریب حلزون اور صدف کے ہیں کیونکہ حلزون و صدف میں سوائے قوت لامسہ کے اور کوئی قوت نہیں ہے۔

اب حیوانات کو دیکھو کہ کسقدر ان میں درجات کا فرق ہے کسی میں فقط قوت لامسہ ہے کسی میں کوئی اور قوت بھی زیادہ ہے یونہی بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہونچے کہ اکثر میں پانچوں قوتیں ظاہری بعضوں میں باطنی اور ظاہری دونوں ہیں۔ پھر باطنی قوتوں میں بھی تفاوت ہے کسی میں زیادہ کسی میں کم۔ اور سب سے آخری درجہ حضرت انسان کا ہے اس سے بڑھ کے تمام قوائے باطنیہ و ظاہریہ میں کوئی نہیں ہے اگرچہ انسان میں بھی باہم عقل و ادراک میں فرق ہے۔ کوئی معمولی عقل کا آدمی ہے۔ کوئی اس سے زیادہ کسی میں کہاں تک کی حد تک عقل ہے کسی میں نبوت تک کی عقل ہے۔ مگر اس سے آگے انسانی فطرت کی زیادتی ممکن نہیں ہے۔ یہی وہ حد ہے جس سے زیادہ ترقی انسانی صنف کی محال ہے۔

عقل دعمل

اسکے بعد ابن خلدون نے بڑی تفصیل سے نفس مدرکہ و محرکہ کو انسان میں ثابت کیا ہے۔ پھر لکھتے ہیں کہ اس سے بالاتر بھی ایک ایسا وجود ممکن ہے جو نفس مدرکہ و محرکہ کو قوت ادراک زیادہ دے اور اسکا اولی مرتبہ انسان کے آخری مرتبہ سے قریب قریب ہو۔ اور اس میں اسقدر قوت ادراک

بڑھی ہوئی ہو کہ محض علم و ادراک کیے جانے کا استحقاق رکھتا ہو۔ اسی مرتبہ کو ہم عالم ملائکہ کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ نفس انسانیہ میں اسقدر استعداد ممکن ہے کہ اپنی حد بشریہ سے نکل کے حد ملائکہ تک پہونچ جائے بلکہ جنس ملائکہ میں داخل ہو جائے۔ اگرچہ کسی لمحہ اور کسی وقت میں ہو۔

ابن خلدون نے انسانی نفوس کی تین قسمیں لکھی ہیں ۱۔ جو بالکل روحانی ادراک تک پہونچنے سے عاجز ہے (جیساکہ پیشتر کہا جا چکا ہے) اور اُسکو فقط اپنے خیالی اور حسی مدارک سے کام لینے کی قوت ہے اتنی ہی قوت سے علوم تصوریہ و تصدیقیہ کو حاصل کر سکتا ہے۔ جہانتک اُسکی قوت اور اکیہ وفا کر سکے۔ یہ مرتبہ علما کی عقل و ادراک کا ہے۔

۲۔ وہ ہے جو اپنے فکر کی حرکت سے عقل روحانی تک پہونچ سکے۔ اور اتنی ادراکی قوت اُسکو حاصل ہو جائے کہ بدنی آلات کے استعمال کی ضرورت نہ رہے۔ اس مرتبہ میں اُسکے ادراک کا دائرہ زیادہ وسیع ہو جاتا ہے اور اولیات و بدیہات کے علم سے نظریات تک اُسکی عقل جانے لگتی ہے اور مشاہدات یا طنیہ اُسپر روشن ہونے لگتے ہیں۔ یہی مرتبہ اور درجہ اولیا کا ہے۔ اور نیز اُن لوگوں کا جن پر خدا کیطرف سے فیضان علم ہوتا ہے۔

۳۔ وہ ہے جسمیں بالفعل اتنی قوت حاصل ہو کہ انسانی لباس کو اپنے سے دور کر کے ملائکہ کی حد تک پہونچا سکے بلکہ کسی وقت میں سچ مچ ملک بنجائے اور جو علوم و ادراکات ملاء اعلیٰ کے ملائکہ کو حاصل ہیں وہ اُسے بھی معلوم ہونے لگیں اور کلام نفسانی اور خطاب خدائی کو سننے لگے۔

یہ درجہ انبیا کو وحی کی حالت میں حاصل ہوتا ہے۔ چونکہ انکی فطرت ہی اس مرتبہ بلند پر واقع ہے اس سبب سے تمام مدارج طے کر کے حد بشری سے نکل جاتے ہیں۔ اور ملائکہ کے مرتبے کو پہونچ جاتے ہیں۔

کہانت کا درجہ بھی انسان کے خواص نفس سے ہے یعنی انسان کے

نفس کو یہ استعداد حاصل ہے کہ اپنی بشریت کے پیرایہ سے نکل کر روحانیت کی حد میں آسکے۔ اور چونکہ یہ استعداد انسانی فطرت میں موجود ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسانی اصناف میں ایک قسم ایسی بھی ہے جو انبیاء کے اعلیٰ مرتبہ سی گھٹ کے اور معمولی انسانوں کی عقلوں سے زیادہ ہے۔ اور اُسکو اتنی قوت حاصل ہے کہ جب اسکی قوت فکریہ میں شوق اور ارادے سے حرکت پیدا ہو تو اسکی قوت عقلیہ بھی اُسکا ساتھ دے۔ لیکن اس مرتبے سے کم دسکی قوت عقلیہ ہوگی۔ اسی وجہ سے چونکہ اسکی قوت عقلیہ اعلیٰ درجہ پہ نہیں جاسکتی اور حرکت کے وقت پورے پورے طور سے عاجز ہے تو محض جزئیات محسوسہ اور متخیلہ میں لپیٹ کے رہ جاتے ہیں۔ (کیونکہ قوت عقلیہ کی حرکت کا لازمہ ہے کہ جب کسی طرف متوجہ ہوتی ہے تو ضرور ہی کسی نہ کسی چیز تک اُسکی انتہا ہوتی ہے۔ اگر اُن علوم و کلیات تک پہونچ گئی جو حد ادراک ملائکہ ہے تو پھر کیا کہنا۔ اور اگر وہاں تک نہ پہونچ سکی تو اسکی ماتحت کی جزئیات اور متخیلات تک آ کے رک جاتی ہے) مثلاً شفاف چیزیں جیسے ستارے وغیرہ حیوانات کی ہڈیاں یا کلام کا مقفیٰ ادا کرنا یا چرندوں پرندوں کے آواز وا فعال و حرکات سے کوئی نتیجہ نکالنا۔

اب چونکہ یہ قوت ان چیزوں میں پھنس کے رہگئی ہے اسوجہ سے اُنہی سے نتائج پیدا کرتی ہے کبھی ستاروں کے افعال و حرکات سے بھی کوئی بات پیدا کرتی ہے کبھی مردوں کی ہڈیوں سے کبھی طیور و حیوانات کی آوازوں سے اور اُسکے مطابق حکم نکالتی ہے کہ یہ ہوگا اور یہ نہوگا۔ اسی قوت کو کہانت کہتے ہیں۔ اور کاہن انہی قوتوں والے لوگوں کو کہتے ہیں۔

مگر کاہن کو معقولات اور کلیات عالم بالا کے ادراک سے بالکل حصہ نہیں ملتا۔ کیونکہ اسکے روح کی حد فقط شیطان تک ہے۔ اس قسم کے اعلیٰ قد

یہ ہے کہ کسی کلام موزون و مقفی سے اپنی ترقی میں مدد لے اور اپنے اُن حواس ظاہرہ کی مدد سے علیحدہ ہو کے اتصال عالم بالا پر مخصوص ہی قوت پیدا کرسکے۔ اگر چہ یہ اتصال ناقص ہی ہوگا کیونکہ اتصال کامل تو اسی وقت ممکن ہے جبکہ نفسانی قوتیں انسانی تدارک سے بالکل علیحدہ ہو سکیں۔ اور روحانی بنجائیں)

اسی وجہ سے کبھی تو اسکا کہا ہوا سچ ہوتا ہے اور کبھی بالکل جھوٹ۔ مگر کہانت کی قوت نبوت کے زمانے میں بالکل نہیں رہتی۔ جیسی ستاروں کی روشنی آفتاب کی روشنی میں بالکل مانند ہوئی رہتی ہے۔

اسی کہانت کے مرتبہ سے قریب قریب خواب دیکھنا۔ تکلن۔ ریاضۃ صناعۃ وغیرہ بھی ہیں جنکی بحث آگے آئیگی۔

کھان۔ یہود و نصاری اور سابق امتوں میں کاہن وہی شخص کہا جاتا تھا جو ذبیحوں اور قربانیوں کو خدا تعالے کے سامنے پیش کرتا تھا۔ اس لفظ کے معنے میں غیب پر حکم لگانے کے معنے ملحوظ رکھے گئے ہیں جیسا کہ قوم یہود کے کاہن غیب کے امور بتاتے تھے۔

کاھن کی تعریف۔ کاہن وہ شخص ہے جو آئندہ ہونیوالی چیزوں کی خبر دے۔ اور اسرار کے جاننے اور علم غیب پر اطلاع رکھنے کا دعوی کرے کلیات میں لکھتے ہیں کہ کاہن وہ ہے جو گذشتہ حالات کی خبر دے۔ اور عراف وہ ہے جو آئندہ حالات کی خبر دے۔

اس فرض کے پورا کرنے والے جاہلیت کے زمانے میں بہت سے لوگ تھے منجملہ اُنکے [1] افعی کاہن تھا جس نے نزار بن سعد کی اولاد میں نزار بن عمر مار السمار کے مرنیکے بعد فیصلہ کیا تھا۔

[1] اسی طرح جذیمہ ابرش بھی کاہن تھا۔ اور نبوت کا دعوی کیا تھا۔
[2] اور زبار بھی کاہنہ تھے (اسکا آئندہ ذکر آئیگا)

۴ ابن صیاد ۵ سواد بن قارب (مگر ان دونوں کے پورے حالات نہیں معلوم)
جن کاہنوں کے حالات مفصل معلوم ہیں وہ ذیل میں مذکور ہوتے ہیں۔

۱۔ اسود عنسی مذحج کے قبیلہ کا آدمی تھا۔ اسکا نام عبہلہ بن کعب تھا۔ اسکو ذوالحمار بھی کہتے تھے (اسکو ذوالحمار اسوجہ سے کہتے تھے کہ اسکے پاس ایک کالا گدھا تعلیم یافتہ تھا۔ جب اس گدھے سے کہتا کہ اپنے رب کو سجدہ کر تو سجدہ کرتا تھا۔ اور جب کہتا کہ بیٹھ جا تو بیٹھ جاتا تھا)

اس نے یمن میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ شعبدے بھی کرتا تھا۔ بیابانوں کو عجائبات دکھلاتا اور جو شخص اسکی تقریر سنتا اسکا قیدی بنجاتا۔

ایک شخص مسمی فیروز نے ایک دن قبل وفات صاحب شریعت اسلامیہ (آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم) سے اسکو مار ڈالا۔

۲۔ عامر بن عبداللہ بن سعد بن ابی سرح عثمان بن عفانؓ کا رضاعی بھائی تھا۔ یہ شخص رسولخدا کی وحی کو لکھا کرتا تھا۔ ایک دن ابتدائے خلقت والی آیت لکھ رہا تھا۔ اسوقت اسکے دل میں آیت کا کچھ اثر ہوا۔ اور بڑی تعجب کی فتبارک اللہ احسن الخالقین پڑھ دیا۔ اسیوقت صاحب شریعت اسلامیہ نے فرمایا کہ اسکو لکھ لو خدا کیطرف سے یہی آیت نازل ہوئی۔ بس سنتے ہی مرتد ہو گیا۔ اور کہنے لگا اگر یہ نبی ہیں تو میں بھی نبی ہوں۔ کیونکہ مجھپر بھی تو وحی ہوئی۔ اسی کے بارے میں ابو تمام کہتا ہے۔

واختار من سعد لعين بني ابي
سرح لوحي الله غير خيار
حتى استضاء بشعلة السور التي
رفعت له سجفا من الاستار

"قبیلہ سعد ابی سرح کی اولاد میں سے ایک لعین بے خبر کو وحی خدا کے واسطے منتخب کیا تھا۔ آخر وہ سور قرآنی کے شعلوں سے (جنہوں نے اسکے سامنے سے پردے اٹھا دیئے) روشن ہو گیا۔

جبکہ صاحب شریعت اسلامیہ نے اسکا خون مباح کر دیا تو عثمانؓ اسکو

لیکے آیا اور سفارش کی۔ آخر حضرتؐ نے اُسکو امن دیا۔

۳۔ مسیلمہ کذاب۔ اُسکی کنیت ابو ثمامہ اور بکر بن وائل کے قبیلے سے ہے۔ مقام یمامہ میں اس نے دعویٰ نبوت کیا تھا۔ سحر اپنی سے لوگ اسکو رحمان الیمامہ کہتے تھے۔ کیونکہ لفظ رحمان خدا تعالےٰ شانہ کے پاک ناموں میں سے ہے۔ اور کسی کو جائز نہیں کہ اس نام سے نامزد ہو۔ بعد ازاں بے انتہا جھوٹ بولنے لگا۔ یہانتک کہ جھوٹ بولنے میں ضرب المثل ہو گیا۔ اور مثل اکذب من ابی ثمامہ میں اسی کیطرف اشارہ ہے۔ آخر خالد بن ولیدؓ نے خلافت ابو بکرؓ کے زمانے میں اسکو قتل کر دیا۔

۴۔ سجاح۔ ایک عورت قبیلہ تمیم کے بنی یربوع میں سے تھی۔ اسکا باپ حارث بن سوید بن عقفان تھا۔ کنیت اسکی ام صادر تھی۔ مسیلمہ کذاب کے زمانے میں اس نے بھی دعویٰ نبوت کیا تھا۔ جب مسیلمہ کذاب کا دعویٰ مشہور ہوا تو ایک دن مناظرہ کرنیکے واسطے اُسکے پاس گئی۔ آخر مسیلمہ کو بعد امتحان نبی تسلیم کیا اور اپنی جان مسیلمہ کو بخشدی۔

ایک شخص نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس عورت نے بعد وفات آنحضرتؐ کے جزیرہ بنی تغلب میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ بنی تمیم کے لوگوں نے اسکی نبوت مان بھی لی تھی۔ اور اسقدر اس نے زور پکڑا کہ عرب کو اسکی حرکات سے ڈر لگنے لگا۔ اور اسکی اسبات پر مصالحت کر لی۔ کہ عرب کے ملک سے باہر چلی جائے۔ اسکے جھوٹے کی بھی مثل پڑ گئی ہے۔ اور جب کسی کو جھوٹا کہنا ہوتا تو اکذب من سجاح کہتے۔

۵۔ طلحہ اسدی جاہلیت اور اسلام کے مشہور بہادروں میں تھا۔ پہلے اسنے اسلام قبول کیا تھا۔ پھر مرتد ہو گیا۔ پھر نبوت کا دعویٰ کیا۔ اور ایک بڑی جماعت اپنے ساتھ رہنے کو تیار کر لی۔ کہانت بھی کرتا تھا۔ مگر جب خالد بن ولید نے اسکی جماعت کو بھی تتر بتر کر دیا تو پھر مسلمان ہو گیا۔

۶۔ مختار بن ابی عبید بن مسعود بن عمرو بن عمیر بن عوف بن غیرہ صحابی تھا قادسیہ کی لڑائی میں جسر کی خاص جنگ میں مارا گیا۔

عبداللہ بن زبیر کیطرف سے کوفے میں حاکم تھا۔ پہلے تو عبداللہ بن زبیر ہی سے نقض بیعت کی۔ اور محمد بن حنفیہ کی امامت کا قائل ہوا۔ اسکے بعد خود ہی نبوت کا دعوی کر بیٹھا۔

۷۔ ابوالطیب متنبی۔ مشہور شاعر ہے۔ سیف الدولہ وغیرہ کی بڑی مدح کرتا ہے۔ ہجرت کے چوتھے قرن مطابق دسویں قرن میلادی کے اس نے شام میں نبوت کا دعوی کیا۔ مگر اؤلؤ نے جو کہ حمص کا حاکم تھا۔ اسپر خروج کیا اور پکڑ کے قلعہ میں قید کیا۔ آخر اس نے توبہ کی اور اپنے دعوی سے باز آیا۔

الغرض یہ لوگ تو جنکا ابھی ذکر آیا مدعی نبوت تھے۔ مگر اب ان کاہنوں کی تفصیل سنئے جنہوں نے نبوت کا دعوی نہیں کیا تھا۔

کندہ میں ایک بطن (قبیلہ سے چھوٹا) ہے اسکو سکاسک کہتے ہیں۔ مشرقی یمن میں انکی ترقی گاہ تھی۔ یہ لوگ بھی سحر و کہانت میں اعلی درجہ پر فائق تھے۔ اور انکے علاوہ بھی بہت سے کاہن ہیں جنکے ناموں کی تفصیل کے واسطے ایک دفتر چاہیئے۔ مگر جو ان میں سے زیادہ مشہور اور چوٹی کے کاہن تھے۔ وہ دو ہی تھے۔ ایک کا نام شق تھا دوسرے کا نام سطیح۔ یہ دونوں دو بہنوں کی اولاد سے تھے۔ اور انکا ظہور بھی اسلام سے کچھ ہی قبل ہوا تھا۔

شق کا نام ابوصعب شکر بن رہب بن اموال بن یزید بن قیس عبقر بن انمار تھا۔ اسکے شق کہے جانے کی یہ وجہ تھی کہ فقط آدھے دھڑ سے آدمی تھا یعنی اسکے ایک ہی ہاتھ تھا۔ اور ایک ہی پاؤں۔

سطیح کا نام ربیع بن ربیعہ بن مسعود بن مازن ابن ذئب بن عدی بن مازن بن غسان تھا چونکہ اسکی نسب میں ایک شخص ذئب (ذئب بن عدی نامی

نامی بھی تھا اس سبب سے اسکو ذہبی بھی کہتے تھے۔
شق محض گوشت ہی گوشت تھا۔ ہاتھ پاؤں کچھ بھی نہ تھے۔ منہ اسکا سینہ پر تھا۔ گردن بھی ندارد۔ اور سر بھی غائب۔ بالکل بیٹھ نہ سکتا تھا۔ مگر جب اسکو غصہ آتا تھا تو اسکی حرارت سے پھول جاتا اور بیٹھ جاتا تھا۔

ان دونوں شق اور سطیح کی پیدائش ایک ہی دن کی تھی۔ اسی روز طریفہ بنت الخیر حمیری جو بڑی کاہنہ اور عمرو مزیقیا عمران کاہن بن عامر ماء السماء کا بھائی ہے کی بیوی تھی۔ جب سطیح اور شق پیدا ہوئے تو طریفہ کو یہ خیال گذرا کہ اب یہی بیوی میری خلیفہ بنے گی۔ اسی وجہ سے دونوں کو اپنے پاس منگایا۔ اور دونوں ہی کے منہ میں تھوکا۔ گویا اپنا علم کہانت ان دونوں کو دیدیا۔ اور اسی وقت مر بھی گئی۔

مشہور ہے کہ یہ دونوں چھ سو برس تک زندہ رہے تھے۔ ایک شخص نے تو لکھا ہے کہ سطیح سات سو برس تک زندہ رہا تھا۔ اور زمانہ نوشیروان کسریٰ میں مرا ہے۔

جس طرح عرب جاہلی اپنے نسبی جھگڑوں کی تصحیح کے واسطے اپنے حکماء کے پاس جاتے تھے اسی طرح حادثات زمانہ اور باہمی تنازعات کے فیصلہ کرنے کی غرض سے ان کاہنوں کے پاس حاضر ہوا کرتے تھے۔ کہ یہ لوگ اپنے علم غیب سے ٹھیک فیصلہ کردیں۔ اخباری کتابوں میں ایسی ایسی باتیں بہت سی مذکور ہیں۔ شاعر کہتا ہے:۔

فقلت لعراف الیمامة داونی	"میں نے یمامہ کے عارف کامل سے
فانک ان داویتنی لطبیب	کہا کہ تو میرا علاج کر۔ پس اگر تو میری دوا

کر دے گا تو کیا مضائقہ ہے کیونکہ تو طبیب ہے"۔

دوسرا شاعر کہتا ہے:۔

جعلت لعراف الیمامة حکمه	میں نے یمامہ اور نجد کے عارف کامل (کاہن) کو

وعراف نجد ان هما شفیانی	اُنہی بابت حاکم کر دیا کہ دونوں مجھے شفا دیں
فقالا شفاك الله والله ما لنا	مگر دونوں نے کہا کہ خدا تجھے شفا دے۔ کیونکہ
بما حملت منك الضلوع یدان	بخدا تیری اس آگ (عشق کی آگ) پر جو تیری

پسلیوں کے درمیان میں ہے ہمکو کچھ اختیار نہیں ہے"۔

اس قسم کے لوگ اسلام کے بعد بھی ہوئے ہیں۔ بربر (واقع مغرب) میں کئی ایک کاہن ہوئے ہیں۔ انہیں سب سے زیادہ مشہور بنی یفرن میں سے موسیٰ بن صالح تھا۔ اسکے بنائے ہوئے بہت سے کلمات شعر کی صورت میں ہیں مگر عربی نہیں ہیں۔ ان شعروں میں بہت سخت تاثیر ہے۔ ان اشعار میں اکثر مغرب کے بادشاہوں اور بادشاہتوں کے زوال و عروج کے متعلق باتیں ہیں۔

اسلامی سلطنت میں بھی اس قسم کی اکثر باتیں عموماً بقائے دنیا و مدت دنیا اور خصوصاً سلطنت و احوال سلطنت کے متعلق بیان کیگئی ہیں۔

مگر اس امر میں زیادہ قابل اعتبار بنی اسرائیل کے مسلمان شدہ لوگوں میں سے مثل کعب احبار اور وہب ابن منبہ وغیرہ کے۔ بہت سی حکایتیں نقل کی گئی ہیں۔ اکثر ان کے اقوال مذہب کے بقا اور دنیا کی مدت کے بیان میں احادیث اور حروف مقطعات قرآنیہ سے (جو اکثر قرآن مجید کی سورتوں کے ابتدا میں ہیں) نقل ہوئے ہیں۔ اور اس بارے میں انھوں نے حساب جمل (حساب الجمل) سے کام لیا ہے جسکی تفصیل یہاں ناممکن ہے۔

اسلامی جدید سلطنتوں میں کتاب جفر پر اعتبار کرتے تھے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ اس کتاب میں نجوم و آثار نجوم کے علوم کی باتیں ہیں۔ مگر اس سے زیادہ اور کچھ نہیں سمجھ سکتے تھے۔ ورنہ اسکی اصلیت جانتے تھے۔

اس کتاب کی اصل یوں ہے کہ ہرون بن سعید عجلی (فرقۂ زیدیہ کے رأس رئیس) کے پاس ایک کتاب تھی۔ اسکے مطالب امام صادق (علویین میں سے چھٹے امام جنھوں نے خروج نہیں کیا) سے مروی تھے۔ اس کتاب میں تمام اہلبیت کے حالا

عموماً اور بعض اشخاص کے حالات بالخصوص مذکور تھے۔

یہ بات حضرت صادقؑ اور اُنکے ماقبل اور مابعد کے اماموں میں کشف وکرامات سے حاصل تھی۔

یہ نسخہ حضرت صادقؑ کے پاس بیل کی کھال پر لکھا ہوا تھا۔ اسی سے ہارون عجلی نے نقل لی تھی۔ اور اسکا نام جفر رکھا تھا۔ کیونکہ بکری کی کھال کو جفر کہتے ہیں۔ آخر یہی نام اس کتاب کا پڑگیا۔ اور اب اس علم میں چھوٹی کو جفر کہتے ہیں۔ اس کتاب میں قرآن مجید کے حل اور اسرار و رموز اور عجیب عجیب معنے حضرت صادقؑ سے مروی ہیں۔ (ابن خلدون)

مگر ابن خلکان لکھتا ہے کہ رافضی لوگ جسقدر قرآن کی تفسیر کرتے ہیں اور اُسکے غوامض و مشکلات کو حل کرتے ہیں وہ سب اسی جفر سے ہے جسکو سعید بن ہارون عجلی نے اپنے ان اشعار ذیل میں ذکر کیا ہے۔ اور یہی فرقہ زیدیہ کے راس و رئیس تھے۔

المتران الرافضین تفرقوا
فکلهم فی جعفر قال منکرا
فطائفة قالوا امام ومنهم
طوائف سمته النبی المطهرا
ومن عجب لم اقضه جلد جفرهم
برئت الی الرحمن ممن تجفرا

"کیا تم نہیں جانتے کہ رافضیوں میں کیا اختلاف ہے۔ ہر ایک نے صادقؑ آل محمدؐ کے بارے میں بڑے بڑے قول کہے ہیں۔ کسی نے تو اُنکو امام کہا۔ اور کسی نے اُنکو نبی سمجھ لیا اور سب سے مجھے تو اُنکے جلد جفر سے نہایت ہی تعجب ہوتا ہے۔ میں جفر جاننے سے برأت چاہتا ہوں اور خدا کیطرف پناہ لیتا ہوں۔"

ابن قتیبہ لکھتے ہیں کہ شیعوں کا خیال ہے کہ اُنکے امام نے علم جفر میں تمام ضروریات دین و مذہب کو لکھدیا ہے۔ اور جو کچھ بھی قیامت تک ہونیوالا ہے۔ شیعہ جب امام کہتے ہیں تو اُن سے مراد صادق علیہ السلام ہوتے ہیں۔

اسی مضمون کو ابو العلا معری نے اپنے ان شعروں میں ذکر کیا ہے۔

لقد عجبوا الاهل البیت لما	لوگوں کو بڑا تعجب ہوا جبکہ اہلبیت رسول کو جلد
اتاهم علمهم فی مسک جفر	جفر کے ذریعے سے علم حاصل ہوا۔
ومرآة المنجم وهی صغری	اور مرآۃ المنجم نے اُنکو تمام دنیا کی آبادیاں
ارته کل عامرة وقفر	اور ویرانے دکھا دیئے حالانکہ وہ چھوٹا

ہی سا تھا۔"

علم جفر اُس علم کو کہتے ہیں جسمیں حروف سے بحث کیجاتی ہے۔ مگر اس حیثیت سے کہ ہر حرف ایک معنے مستقل بتاتا ہے اسکو علم الحروف اور علم التکسیر بھی کہتے ہیں۔

سید الشریف نے لکھا ہے کہ علم جفر اور جامعہ کی دو کتابیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی لکھی ہوئی ہیں۔ ان دونوں کتابوں میں علم الحروف کے قاعدے پر تمام حوادث جو قیامت تک ہونے رہینگے بیان کئے ہیں۔ اور جتنے آئمہ اُنکی اولاد میں ہوئے ہیں اُنکو یہ علوم حاصل تھے۔ اور قبول ولیعہدی کا خط امام رضا علیہ السلام نے مامون عباسی کو لکھا ہے (اس سے پہلے مامون نے امام رضا کو ایک خط لکھا تھا جسمیں خلافت دینے کا وعدہ کیا تھا۔) اُسکا مضمون یہ ہے۔

اے مامون! تم نے ہمارے حقوق کو بہ نسبت اگلوں کے زیادہ پہچانا ہیں تمہاری ولیعہدی قبول کرتا ہوں۔ مگر جفر اور جامعہ اس بات کو صاف بتا رہے ہیں کہ یہ ولیعہدی انجام کو نہیں پہونچیگی۔ (ایسا ہی ہوا کہ خود مامون ہی نے ولیعہد بنایا اور اُسی نے زہر بھی اپنے ہاتھ سے کھلایا۔ دیکھو شواہد نبوت ملا جامی کی)۔

مشائخ مغرب کو بھی علم حروف میں دستگاہ ہے اور وہ بھی اس علم کو اہلبیت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

تکھن۔ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ ایسے بھی بہت سے آدمی ملتے ہیں

جو دنیا کی ہونے والی چیزوں کو قبل انکے ظاہر ہونے کے بتا دیتے تھے۔
انکی فطرت ہی کچھ اس قسم کی تھی کہ تمام انسانوں کی طبیعت سے علیحدہ تھی
وہ کسی صنعت کے ذریعے سے نہیں بتاتے تھے۔ نہ علم النجوم سے کام
لیتے تھے۔ بلکہ ان کا ذہن اور انکی قوت فکریہ اس طرح پر پیدا کیگئی تھی۔
کہ غیب کی باتیں انپر منکشف ہوجاتی تھیں۔

انہی لوگوں میں سے عرافوں کی جماعت بھی تھی جو اپنی فکروں کو دوڑاتی
اور کسی بات پر پوری توجہ صرف کرتی اور ظن و تخمین سے کوئی بات نکالتی
اور دعوی کرتے کہ ہم غیب کی باتیں جانتے ہیں۔ حالانکہ وہ حقیقت میں
غیب دان نہ تھے۔

اور انہی لوگوں میں سے ناظروں کا گروہ بھی ہے جو آئینہ وغیرہ کی
طرح صاف و شفاف چیزوں میں اور پانی بھرے طشت میں نظر ڈالتے اور
کسی بات کو بیان کرتے تھے۔ یا حیوانات کے دلوں اور جگروں اور ہڈیوں
کو دیکھ کے حکم لگاتے تھے۔

اور انہی میں سے طارقین حصی (سنگریزہ پھینکنے والے) اگ
دانے اور گٹھلی پھینکنے والے بھی تھے۔ یہ سب لوگ کاہنوں ہی
داخل سمجھے جاتے ہیں۔ مگر کاہن کی بہ نسبت انکا درجہ کم ہے۔
اہل الزجر فی الطیر اور اہل الزجر فی السباع وغیرہ بھی ہیں۔

یہ ساری قوتیں انسان میں موجود ہیں (اگر آدمی اپنی حالت پر
اور ان میں سے کسی بات کی مشق کرے تو اسکو ترقی ہو سکتی ہے۔ لیکن
دماغ صحیح ہو۔)

ان لوگوں میں سے گھٹ کے وہ لوگ ہیں جو بخور اور تعویذوں۔ فتیلوں میں
اپنی قوت حسیہ کو صرف کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہمکو اسکے ذریعے سے
صورتیں دکھائی دیتی ہیں۔ اور جس بات کو دریافت کرنا چاہتے ہیں اسکی حقیقت

اور مثال اور اشارہ معلوم ہو جاتا ہے۔

اُنکے بعد مجنونوں کا درجہ ہے۔ کیونکہ دیوانوں کی باتیں بھی اکثر صحیح ہوتی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ جتنے قسم کے اعمال بیان کیئے گئے انہیں کبھی حق بھی اور کبھی باطل بھی ہوتا ہے۔ ہمیشہ صحیح ہونے کا خیال غلط ہے۔

اور ابتک اسلامی شہروں میں بہت سی ضعیف العقل عورتیں اور مرد ویسے ہیں جو اپنے آیندہ کے حالات کو تاروں سے سمجھوں۔ طارقین حصاۃ۔ طارقین حبوب (جسے حاسب کہتے ہیں) اور آئینہ اور پانی میں نظر کرنیوالوں سے (انکو مندل کہتے ہیں) دریافت کرتے ہیں۔

قیافہ۔ ایک مصنف نے لکھا ہے کہ جاہلی عربوں میں دو طور سے قیافہ دانی تھی۔ ایک قیافۃ البشر۔ دوسری قیافۃ الاثر

قیافۃ البشر یہ ہے کہ شکل چہرے کے خال اور بعض اعضاء بدن کی بناوٹ پر نظر کرکے جو پوچھا جاتا تھا بتا دیتے تھے۔ (ایسے شخص کو حاذی کہتے تھے) ایسے اشخاص عرب کی ایک خاص قوم بنو مدلج میں ہوتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ ایک بچہ بیس آدمیوں کے درمیان میں رکھدیا گیا ہے۔ اور حاذی سے پوچھا ہے کہ یہ کسکا بچہ ہے وہ غور کرکے بتا دیتا تھا کہ فلاں شخص کا ہے۔

قیافۃ الاثر گھوڑوں کے سموں کے نشان اور اونٹوں کے پاؤں اور آدمیوں کے قدموں کے نقش سے پتا لگا دیتے تھے۔

اس قسم کے لوگ بھی عرب کی ایک خاص قوم میں تھے۔ یہ قوم وائل میں رہتی تھی۔ جب ان میں سے کوئی شخص بھاگ جاتا یا کوئی چور انکا مال چرا لیجاتا تو اسکے قدم کے نشان کی تلاش کرتے اور اسی نشان کے ذریعے سے اسکو گرفتار کر لیتے تھے۔

زیادہ تعجب خیز یہ بات تھی کہ بوڑھے کے نقش قدم کو جوانوں کے نقش قدم اور عورت کے نقش قدم سے مردوں کے نقش قدم کو پہچان لیتے تھے

اسی طرح باکرہ اور ثیبہ اور حاضر اور مسافر وغیرہ میں فرق کر لیتے تھے۔
عمر بن خالد مازنی کی حکایت لکھی ہوئی ہے کہ ایک شخص ترک دنیا کئے ہوئے قناعت پر تکیہ کر کے بیٹھا تھا۔ ایک دن کہیں جا رہا تھا کہ راہ میں کہنے لگا
اری اثر رجلین شدیدا کلبھما غدیر سلبھما والقرار بقراب اکیس۔
اُسی وقت سے یہ کلام ضرب المثل ہو گیا۔ جو شخص تھوڑی چیز پر راضی رہے اور آبرو کے سالم رہنے پر قناعت کرے اسکو کہتے ہیں القرار بقراب اکیس
اکثروں نے بیان کیا ہے کہ قراب بضم قاف قرب سے مشتق ہے اسکے معنے یہ ہیں کہ جس شخص کو کسی کے پاس ٹھیرنے کا تحمل نہ ہو اُس سے جلد بھاگنا چاہئے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ قراب عبد اللہ بن صمہ کے گھوڑے کا نام تھا۔
ایک دن اپنے بھائی درید کے ساتھ کسی لڑائی پر گیا ہوا تھا۔ اتفاقاً لڑائی کا رنگ بگڑ گیا۔ تو اسکے بھائی درید نے اس سے کہا القرار بقراب اکیس قراب پر چڑھ کے اسوقت بھاگ جانا ہی بڑی دانائی کی بات ہے۔ عبد اللہ نے اُسکے کہنے کو نہ مانا اور لڑتا ہی رہا۔ یہانتک کہ مارا گیا۔
فراست بھی قیافہ ہی کی ایک شاخ ہے اور قیافہ ہی کی دونوں قسموں سے پیدا ہوتی ہے۔ کبھی تو فراسہ میں یہ ہوتا ہے کہ صورت دیکھ کے اُسکے دل کی بات معلوم کر لیتے ہیں۔ کبھی اُسکی بات سُن کے اُسکی حقیقت پر مطلع ہو جاتے ہیں۔ کبھی ہیئت دیکھ کے اُسکا پیشہ معلوم کر لیتے ہیں۔ کبھی اُسکے بدن کی ساخت دیکھ کے اُسکے اخلاق پہچان لیتے ہیں۔ کبھی کسی پیمانہ اور راب کو دیکھ کے اُسکی مقدار سمجھ جاتے ہیں۔
عراف کے استدلال کے طریقے بہت سے تھے۔ مثلاً کسی کو پہلے مقابل میں آکر دیکھتے کہ کسی بلند مقام پر بیٹھا ہے تو اس سے سمجھ جاتے تھے کہ کوئی بلند مرتبہ شخص ہے۔ یا اگر اُسکے ہاتھ میں پانی دیکھتے تو سمجھ جاتے کہ یہ شخص عرصے تک زندہ رہیگا۔

غرض کہ اسی طرح افعال وحرکات انسانی کو دیکھا کرتے اور اُس پر غور کرتے رہتے اور اُسکو آئندہ حالات کے بتانے کا ذریعہ سمجھتے۔ اور اُسی کے موافق حکم لگا دیا کرتے تھے۔

تفاؤل تشاؤم (نیک فالی بد فالی) اسی قیافہ اور زجر سے تفاؤل و تشاؤم بھی پیدا ہوا ہے۔ فال کی تو یہ صورت ہے کہ مثلاً ایک شخص بیمار ہے اور کسی کو سنا کہ وہ یا سالم کہتا ہے۔ یہ بیمار اس سے یہ نتیجہ نکالتا تھا کہ میں اب صحیح و سالم ہو جاؤں گا۔ یا کوئی صاحب غرض ہے اور کہیں چلا جاتا ہے اور کسی نے کہدیا یا واجد یا یا غانم۔ وہ سمجھ لیتا تھا کہ اب میں ضرور ہی کامیاب ملپٹوں گا۔ غرض یہ کہ فال کسی نیک اور مبارک کلمہ کو کہتے ہیں کہ جس سے کسی موقع پر نیک نتیجہ نکالا جائے۔ اور بعض اعضا کے پھڑکنے سے فال لیتے تھے۔ مثلاً اگر داہنی آنکھ پھڑکتی تھی تو سمجھتے تھے کہ دوست سے ملاقات ہوگی۔ شاعر اسی مطلب کو کہتا ہے:۔

ظللت تبشرني عيني اذا اختلجت	میری آنکھ جب پھڑکی تو اُس نے گویا
بان اراك وقد كنا على حذر	مجھکو خوشخبری سنائی کہ اب میں تجھکو

ضرور ہی دیکھونگا۔ حالانکہ اس سے پہلے ہم دونوں ہی ڈر رہے تھے کہ دیکھئے دیدار نصیب ہوتا ہے یا نہیں"۔

یا اگر داہنا ہاتھ پھڑکتا ہو تو اُس سے سمجھتے تھے کہ یہ شخص پکڑا جائیگا۔ اور اگر بائیاں ہاتھ پھڑکتا ہو تو رہائی کی دلیل ہوگا۔ اور کان کی حرکت کو کسی حادثے کے سننے کی دلیل سمجھتے تھے۔ علی ہذا القیاس بہت سی باتیں تھیں۔

یہ باتیں شریعت میں بھی جائز رکھی گئی ہیں۔ مگر طیرہ (بدفالی) ناجائز ہے حدیث میں آیا ہے۔ الطيرة والعيافة والطرق من الجبت (بدفالی اور طیور کی آواز و حرکات پر حکم لگانا اور طرق (اسکا آگے ذکر آئے گا) کفر ہے۔ طیرہ کسی چیز سے بدفالی لینا۔ مثلاً کوے کو دیکھکے یہ کہنا کہ دلیل غربت

عرب کا یہ خیال تھا کہ جب وہ کسی جگہ سے چلے جاتے ہیں تو وہاں کوا آکے بولتا ہے اور فریاد کرتا ہے۔ اسی وجہ سے اسکو جدائی کی علامت سمجھتے ہیں اور اسی وجہ سے کوے کو غراب البین کہتے ہیں۔ مگر اسی خوف سے اونہوں نے اس لفظ کا بولنا چھوڑ دیا تھا۔ کہ کہیں ایسا نہ ہو باعث فراق ہو جائے۔

عرب کا یہ بھی خیال تھا کہ کوا بہت ہی تیز اور صاف نظر ہے۔ اسی سبب سے مثل میں کہتے ہیں اصفی من عین الغراب۔ جس طرح اصفی من عین الدیک کہتے ہیں۔

جب لفظ غراب البین کا استعمال خوف سے چھوڑ دیا تو بجائے اسکے اسی کوے کو اعور کہنے لگے۔ اس اشارہ اسی طرف ہے کہ یہ باعث فراق ہے۔ کیونکہ اعور ایک آنکھ سے دیکھتا ہے۔ اور چونکہ کوا بھی فراق اور وصل میں سے ایک ہی جانب یعنے فراق کو ملحوظ رکھتا ہے اسوجہ سے اُسکو اعور کہا۔ جیسے اندھے کو بدفالی سے کنا بینۂ یا بصیر کہتے ہیں۔ اور بچھو کے ڈنک مارے ہوئے یا سانپ کے کاٹے ہوئے کو سلیم کہتے ہیں۔ اور مہلکوں کو مفاوز (چٹیل میدان۔ کامیابی کی جگہیں) (جیسے وہ بے آب و گیاہ اور آزار دہ ہے اسی طرح مہلکے بھی ہیں) اسی طرح کی بہت سی باتیں ہیں۔

اور چونکہ عرب کوے کو نہایت ہی منحوس سمجھتے تھے۔ اور عربی میں کوے کو غراب کہتے ہیں۔ اسیوجہ سے مسافرت اور مسافر کو غربت اور اغتراب اور غریب کہنے لگے۔ (یعنے منحوس کوے کے بولنے کا یہ اثر ہے)

اسکے علاوہ اور جتنی چیزیں عرب کے نزدیک بدفالی کی ہیں مثلاً ہرن کا بائیں جانب سے گذر جانا یا سینگ ٹوٹا ہوا کوئی بکرا یا کان کٹا ہوا سینڈھا سامنے آجانا۔ یا کتا بیٹھا ہوا ملنا۔ اگرچہ سب منحوس ہیں مگر کوے کو زیادہ منحوس جانتے ہیں۔ اُنکا خیال ہے کہ کوے کا چیخنا بہت سی باتوں کی خبر دیتا ہے

اور نحوست کا اثر اسمیں غالب ہے۔ انکا یہ بھی خیال ہے کہ جب دو مرتبہ کوا آواز دے تو بڑی (نحوست) کی علامت ہے۔ اور جب تین مرتبہ بولے تو سعادت کی علامت ہے۔

کوئے کو اسکی انتہائے نحوست کیوجہ سے فاسق بھی کہتے ہیں۔ اور سب میں زیادہ منحوس وہ کوا ہے جسکی چونچ اور پنجے سرخ ہوں۔

مگر بعض عربنے کوئے کو چھوڑ کے اونٹ سے بدفالی لینی شروع کی تھی۔ اسکا سبب یہ تھا کہ عرب جب سفر کرتے تو اونٹ ہی پر بار سفر لادکے لیجاتے تھے تو گویا یہی باعث مفارقت ہوتا تھا۔ اسی باعث سے شاعر کہتا ہے:۔

زعموا بان مطیتہم سبب النوی
والموذنات بفرقۃ الاحباب

"عربنے خیال کیا ہے کہ انکی سواری کے اونٹ فراق کے باعث ہیں اور احباب کی جدائی کی خبر دیتے ہیں"۔

میدانی نے اشأم من ورقاء کی شرح میں لکھا ہے کہ ورقا سے مراد اونٹنی ہی ہے۔

عرب جاہلی عطسہ (چھینک) سے بھی بدفالی لیتے تھے۔ اسکا سبب یہ تھا کہ جب گھوڑے کا عاطوس نام ہوتا اسکو بہت کمزور سمجھتے تھے۔ عرب کی اعلیٰ درجے کی نحوستوں میں الو کا بولنا بھی سمجھا جاتا تھا۔ کیونکہ انکا یہ خیال تھا کہ اسکا بولنا ویرانے اور موت کی علامت ہے۔

اخیل ایک طائر کا نام ہے اسے شقراق بھی کہتے ہیں۔ نحوست کی وجہ سے مقطع الظہر بھی اسکا نام رکھ لیا ہے جب یہ پرندہ کسی صحیح و سالم اونٹ پر بھی بیٹھ جاتا تو سمجھ لیتے تھے کہ اب یہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور اگر مسافر کو کہیں راہ میں اخیل ملگیا تو اسکو یقین ہو جاتا تھا کہ کوئی نہ کوئی حادثہ پیش ہو گیا اگرچہ کوئی نہ مرا ہو۔

اسی مضمون میں ایک شخص نے فرزدق کا شعر پیش کیا ہے۔

اذا قطن بلغتنیہ ابن مدرک	"اے میری اونٹنی مسماۃ قطن جب تو مجھے
فلقیت من طیر العراقیب اخیلا	ابن مدرک کے پاس پہونچا دے۔ تو

عراقیب کے پرندوں میں اخیل سے تو ملاقات کرے"۔*

اس شخص نے شعر مذکور الصدر کے ذیل میں لکھا ہے کہ عرب ہر منحوس پرندے کو جس سے اونٹ کو ضرر پہونچتا ہے طیر العراقیب کہتے ہیں۔ اور جب کوئی شخص کسی طیر العراقیب کو دیکھتا تو کہتا انیح لہ ابنا عیان یعنے زخمی ہونا اور قتل ہونا اُسکے لئے مقدر ہو گیا۔

دھوپ کو بھی فال بد سمجھتے تھے اور دوپہروں تک سوئے رہنے کو بھی اس سونے کو نومۃ الخرق کہتے تھے۔ کیونکہ وہ خیال کرتے تھے کہ اس سے کند ذہنی پیدا ہوتی ہے اور غم والم اور خوف پہونچتا ہے۔ اسی طرح تیسرے پہر کے سونے کو بھی باعث جنون سمجھتے تھے۔ جیسا کہ ایک شاعر نے کہا ہے۔

الا ان نومات الضحی تورث الفتی	"دوپہر کا سونا تو باعث غم ہوتا ہے۔ اور
غموما و نومات العصیر جنون	عصر کے وقت کا سونا جنون ہے۔ یعنے

موجب جنون ہے"۔

عرب میں ایک شخص عبود نامی حبشی غلام تھا۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ شخص سات برس تک سویا ہی رہا۔ اب اگر کسی کے زیادہ سونے کی مثل کہنی چاہتے تھے تو انوم من عبود یا نام نومۃ عبود۔ کہتے تھے۔ عرب کے ایک بڑے سونے والے کا شعر ہے۔

رقدت رقاد الفیم حتی لوانی	"میں ہیم کی نیند سویا۔ اگر یہ میری نیند کہیں
یکون رقادی مغنما لغنیت	مال غنیمت ہوتی تو اب تک میں دولتمند

ہو گیا ہوتا"۔

---

* اس مقام پر محیط المحیط میں ایک نہایت فحش عبارت لکھی ہے جسپر خود صاحب کتاب نے بھی اغماض کیا ہے اسواسطے مترجم نے چھوڑ دیا ہے۔ ۱۲

اُنکا یہ بھی خیال تھا کہ جو شخص سفر کے واسطے گھر سے نکلے اور مڑ کے پیچھے دیکھ لے تو اسکا سفر تمام نہ ہوگا۔ اسی وجہ سے اگر اُس نے مڑ کے دیکھ لیا تو اُسکو منحوس سمجھتے تھے۔

ایک لائق مسلمان کا یہ بھی خیال ہے کہ اگر مدینے کے گھروں میں نارنج کے درخت زیادہ لگائے جائیں تو ویران ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے اکثر عوام الناس نارنج لگاتے ہی نہیں۔

ایسی ہی حکایت کنیر کی بابت مشہور ہے۔ اور اُسکا سبب یہ سوچا گیا ہے کہ اس قسم کے درخت آرائش کی غرض سے ہوتے ہیں اور آسائش کے وقت میں لگائے جاتے ہیں۔ اور ظاہری بات ہے کہ آسائش اُسی وقت ہوگی جبکہ سفر وغیرہ کی زحمت سے چھوٹ جائے اور گھر میں بیٹھے اور اپنی زینت کا سامان کرے۔ اور یہ بات ضرور ویرانی اور تباہی کی باعث ہے۔ کیونکہ زیادہ آسائش سے بزدلی اور سستی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور ان دونوں کا لازمہ انقلاب اور ذلت ہے۔

عیافہ۔ پرندے کا اُڑانا۔ یہ بھی ایک قسم کا تکھن ہے۔ اسکی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کسی بیٹھے ہوئے پرندے کو فال لینے کے واسطے اُڑاتا۔ اگر وہ اُسکی داہنی طرف سے ہو کے اُڑا تو مبارک سمجھتا ہے۔ اور اگر بائیں طرف سے ہو کے گیا تو منحوس۔

ایک شخص نے لکھا ہے کہ عرب جب سفر کا ارادہ کرتے تھے تو بڑے سویرے اُٹھ کے باہر جاتے تھے۔ اور گھونسلوں سے کسی پرندے کو اڑاتے تھے۔ اگر وہ اُڑ کے داہنی طرف گیا تو داہنے ہاتھ کو جاتے تھے۔ اور اگر بائیں طرف اُڑ کے گیا تو بائیں ہاتھ کی راہ اختیار کرتے تھے۔ یہی مضمون امرؤالقیس لکھتا ہے

وقد اغتدی والطیر فی وکناتها بمنجرد قید الاوابد هیکل۔	"میں بہت سویرے اُٹھ کے سفر میں چلا جاتا ہوں۔ جبکہ پرندے اپنے اپنے گھونسلوں

ہی میں بیٹھے ہوتے ہیں۔ ایسے تیز رفتار گھوڑے پر جو کہ وحشیوں کو اپنی دوڑ ہی میں بند کر دیتا ہے۔ اور قیدی ہیکل ہے"

یہ طریقہ قاص یعنی قہید ہی کا تھا۔

جوہری نے لکھا ہے کہ عیافہ طیور کبھی تو طیور کے نام سے اور کبھی بیٹھنے سے اور کبھی آوازوں سے ہوتا ہے۔ عرب کی امثال میں سے ہے ابکر من الغراب اسوجہ سے کہ کوا تمام جانوروں کی بہ نسبت سویرے اٹھتا ہے۔ اسکو ابو زاجر اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ عیافہ کے وقت اسکو اڑاتے ہیں۔ اور اسی سے یہ مثل بھی نکلی ہے کہ مرلہ غراب شمال یعنے جو بات ناگوار کہنا تھا وہی سامنے آئی۔

ایک مصنف نے لکھا ہے کہ عرب کے اشعار سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ کوے کے زجر (طیور کا اڑانا وغیرہ) کا طریقہ ایک ہی سا تھا۔ اور اسمیں کسی قسم کی تبدیلی نہیں واقع ہوئی۔ البتہ کوے کے سوا اور جانوروں کے زجر کے واسطے دو طریقے ہیں۔ ایک تو اسی طرح جیسے کوے کے ساتھ تشاؤم۔ (بدفالی) کرتے ہیں۔ اور دوسرے تفاؤل (فال نیک لینا) کے طریقے سے۔

اسی وجہ سے شاعر جب چاہتا ہے عقاب کو عقبیٰ خیر کہہ دیتا ہے۔ اور جب چاہتا ہے عقبیٰ شر کہہ دیتا ہے۔ اور جب چاہتا ہے حمام (موت) کو حمام ہی کہتا ہے۔ اور کبھی حمام کی جگہ حم اللقا یعنے عجل اللقا استعمال کرتا ہے۔ اور ہدہد کو ہدی اور ہدایۃ سے تعبیر کرتا ہے۔ اور حباری (عقاب) کو حبور یعنی خوشی سے اور حبرہ (دانائی) کے معنے میں استعمال کرتا ہے۔ بان (ایک درخت کا نام ہے) کو بیان بلوح (ظاہر کے معنے ہیں) اور اوم (ایک قسم کا درخت ہے) کو دوام العہد (ہمیشہ رہنا) کے معنے ہیں۔ اور صبار (پچھنا) کو صبابۃ (سوزش عشق) کے معنے ہیں۔ اور صرد (فالصر) کو تصرید (بخشش کم کرنا) کے معنے میں استعمال کرتا ہے۔

بہر حال اس طرح سے تفاؤل اور تشاؤم کرتے ہیں۔ مگر کسی نے
کوے سے آجتک نیک فال نہیں لی۔

مگر علم معانی و بیان کے ایک عالم نے لکھا ہے کہ کوے کی دو آوازیں
ہوتی ہیں ایک نعیب دوسری نعیق۔ نعیب تو بد فالی کی علامت ہے اور نعیق
خوش فالی کی۔ (یعنے جب غاق غاق کہے تب تو منحوس ہے اور جب غیق
غیق کہے تو نیک فالی ہے)

اور بعضوں نے نعیق کو بد فالی سمجھا ہے اور کہا ہے نعق ببین بینے
جدائی کی آواز دی۔

بعض اہل اللغتہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ عرب کوے کو مبارک سمجھتے تھے۔
مگر اوروں نے اس قول کی تردید کر دی ہے۔

طیر قارتہ کو عرب نہایت مبارک سمجھتے تھے اور جب اسکو دیکھتے
تھے تو اس سے نیک فال لیتے تھے اس پرندہ کے دو پاؤں چھوٹے
چھوٹے ہیں چونچ لمبی ہے۔ پیٹھ سبز رنگ ہے۔

طرق (سنگریزہ مارنا) بھی تکہن کی ایک قسم ہے۔ جاہلیہ میں ایسا اکثر
ہوتا تھا۔ اسکے عامل کو طراق کہتے تھے۔ طوارق انکہنہ عورتیں۔ لبید ابن ربیعہ
عامری کہتا ہے۔

لعمری ماتدری الطوارق بالحصا	تیری عمر کی قسم طوارق حصا اور زاجرات
ولا زاجرات الطیر ما اللہ صانع	طیر کچھ بھی جان سکتی کہ خدا تعالیٰ کیا کرنیوالا ہے

نفث۔ عقد۔ تکہن کی قسموں میں سے نفث بھی ہے۔ یہ ایک قسم کا جادو ہے
اور عقد ان گرہوں کو کہتے ہیں جیسے ساحرہ عورتیں لگاتی ہیں۔ اور ان پر دم
کرتی ہیں۔ اسی وجہ سے انکو نافثات فی العقد کہتے ہیں۔

دوران القمقم۔ کوئی کاہن جب چاہتا تھا کہ کسی کی چوری کا پتہ لگائے۔
تو ایک لوٹا لیتا تھا تو اسکو اپنے دونوں ہاتھوں کی کلمے کی انگلیوں سے

پلک کے دم کرتا اور پھرا تا جاتا تھا۔ جب آپ کے خیال کے بموجب چور کے نام پر پہونچتا تھا۔ تو لوٹے کو آپ سے آپ حرکت پیدا ہو جاتی تھی۔ اسی وجہ سے مثل مشہور ہے۔ علی ہذا دار القمقم (یہ مثل اس شخص کی نسبت کہی جاتی ہے کہ جب کسی خبر کی انتہا کسی خاص شخص پر ہو۔)

نذار الکہان ۔ کاہن جب اپنی کہانت سے کوئی بات نکالتا ۔ یا زاجر الطیر پرندے کو اڑا تا یا رمال خط کھینچتا۔ اور اسمیں کوئی بات خلاف منشا ظاہر ہوتی تو چلا کے کہتا اینا عیان اظہر البیان اور ایک قول میں اظہر کی جگہ پر اسر عاہے۔ یعنے ان دو خطوں نے جنہیں میں نے کھینچا ہے مضمون نے بیان کو ظاہر کر دیا۔ گویا اسکا منشا یہ ہوتا تھا کہ میں اس امر کو جو ہونے والا ہے دیکھ رہا ہوں اور دوسروں کو باخبر کرتا ہوں ۔

ایک قول میں اینا کی جگہ ابنی ہے یعنے یا ابنی عیان ۔ فقط فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں مبتدا و خبر ہے۔ اور دوسری صورت میں ندا اور جواب ہوتا ہے۔)

ریاضات

ابن خلدون لکھتا ہے کہ اپنی طرح کے مدارک غلیبیہ میں یہ بھی ہے۔ کہ بعض آدمی جب سو جاتے ہیں تو اثنا اسے خواب میں انکی زبان سے کچھ کلمات نکل جاتے ہیں۔ اور آیندہ کی خبر دیتے ہیں۔ اسی طرح مرنے والے کی زبان سے موت کے قریب اور مقتولوں سے سر یا دھڑ جدا ہوتے وقت ایسے کلمات ادا ہوتے ہیں کہ اکثر صحیح ہوتے ہیں۔

اکثر لوگ اس طرح کی غیب دانی کا طریقہ ریاضت سے حاصل کرتے ہیں اور مصنوعی مردے بناتے ہیں۔ یا کسی کو مصنوعی مردہ بنا دیتے ہیں۔ یعنے کوئی ایسی ترکیب کرتے ہیں جس سے تمام بدنی قوتیں باطل ہو جاتی ہیں۔ اور بعد

ہونے کی جو بات حاصل ہوگی اُسکو قبل از موت دریافت کر لیتے ہیں اور اسکے ذریعے سے غائبات کی خبر لے آتے ہیں۔ اسی قسم کے لوگوں میں سے جادوگر بھی ہوتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ اکثر جنوبی اور شمالی اقلیموں میں خصوصاً ہندوستان میں موجود ہیں۔ اُنہیں جوگی کہتے ہیں۔ اور اُنکی کتابیں بھی اس فن کے متعلق بہت سی ہیں۔ انکے قصے بھی عجیب وغریب ہیں۔ مگر صوفیوں کی ریاضتیں دینی طریقے پر اور بڑے مقاصد سے خالی ہوتے ہیں۔ بہ نسبت اُنکا مقصود یہی ہوتا ہے کہ خدائے تعالے کا قرب حاصل کرو۔ اور جو مزے اہل معرفت اور اہل توحید کو خدا تعالے کی قربت میں ملتے ہیں۔ اُسے چکھو۔ اس ریاضت میں اطمینان قلب اور فراغ بالی پہلے کر لیتے ہیں۔ اور اکثر بھوکے رہتے ہیں۔ فقط ذکر خدا کو اپنی غذا بناتے ہیں۔ اسمیں اُنکی ریاضت کمال کو پہونچتی ہے۔ اور اس مشق سے جو بات اُنکے دل میں غیب دانی کے متعلق آتی ہے اُسکا نام کشف وفراست کہتے ہیں اور اس قوت کے ذریعے سے جو کوئی کام کر دکھاتے ہیں اُسکو کرامت کہتے ہیں۔

اس طرح کی باتیں جو اُنہیں حاصل ہوجاتی ہیں وقتاً اُنکی ریاضت کا اثر ہوتا ہے۔ قصداً نہیں ہوتا۔ بلکہ اکثر اہل تصوف تو اس کشف وکرامات سے دور بھاگتے ہیں۔ مگر چند اسلامی علما نے کہ منجملہ اُنکے ابو اسحاق اسفرائنی اور ابو محمد بن ابو زید مالکی بھی ہیں۔ کشف وکرامات کا انکار کردیا ہے۔

ان صوفیوں میں ایک قسم ایسی ہے کہ صورت سے تو دیوانے معلوم ہوتے ہیں۔ مگر باطن کو جو دیکھیے تو اعلیٰ درجہ کے عاقل ہیں۔ تمام صدیقین اور اولیا کے تمام مدارج اور مقامات اُنکو حاصل ہو جاتے ہیں۔ اور غیب کی خبریں بھی اونپر منکشف ہوجاتی ہیں۔ مگر بعض علما کہتے ہیں کہ ولایت کا درجہ تو خاص عبادت گذاروں کو ملا کرتا ہے۔ اور چونکہ اس قسم کے صوفی خدا کی عبادت بالکل نہیں کرتے اس وجہ سے اُنکے لئے یہ کشف وکرامات

خیال سے باہر ہے۔ مگر بعضوں نے اس قول کی رد کی ہے۔ بے آشنائے صوفی کو مجذوب کہتے ہیں۔ یعنے گویا آپ سے آپ غیر و صلاح کیطرف کھینچ گیا ہے۔

عرب خواب اور تعبیر خواب کا بھی بہت اعتبار کرتے تھے اور اس قسم کا اعتبار انکی پشتہا پشت سے برابر چلا آتا ہے۔ بلکہ بہت سے لوگوں نے تو تعبیر خواب کو علم طبعیات میں سے سمجھا ہے۔

ابن خلدون لکھتا ہے۔ جو رویا کہ ضعیف اور غیر روشن ہو یعنی حکایت اور مثال کیطرح سوتے میں محسوس ہوا ہو تو اسکی تعبیر کی ضرورت ہوا کرتی ہے اور جب جلی اور واضح خواب ہو تو اسکی تعبیر کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ اسوجہ سے خواب کی تین قسمیں گنگئی ہیں۔ ایک خدا تعالے کیطرف سے۔ دوسری ملائکہ کیطرف سے جنہیں الفاظ کا بنت ہی حکایت ہوتی ہے۔ اور تعبیر کی ضرورت پڑتی ہے۔ تیسری اضغاث احلام (شوریدہ خواب۔ بے سر و پا) یعنی شیطانی خواب ہے محض لغو ہوتا ہے۔ اسکا نہ کچھ اثر ہے نہ اس سے کچھ غرض۔

اہل روحانیات نے اپنی کتابوں میں کچھ اسما ہستبرکہ کچھ نقش کچھ طلسمات بھی لکھے ہیں۔ جن کو سوتے وقت اگر آدمی پڑھ لے یا سرہانے رکھ کے سورہے تو جو کچھ چاہتا ہو گا اسکا جواب خواب میں ملجائیگا۔ اور ان طلسمات اور اسمار کو حالومیہ کہتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ ابو بکر صدیقؓ کو تعبیر خواب میں بڑی دستگاہ تھی۔ انکے بعد بہت سے لوگوں نے کتابیں بھی تعبیر خواب کے متعلق لکھی ہیں۔ انمیں ایک محمد بن سیرین ہیں جنکی بابت کہا گیا ہے کہ بڑے زاہد متقی بیٹے اُن کا بزازوں کا تھا۔ کان سے بہرے تھے۔ یوں آدمی بڑے لائق تھے۔ انکا انتقال سنہ ۱۱۰ھ ہجری مطابق سنہ ۷۲۸ء میں ہوا۔ انکی کتاب اس زمانے میں تعبیر خواب کی بابت قابل اعتبار سمجھی جاتی ہے۔

صناعت غیب دانی

تنجیم۔ (علم نجوم) ابن خلدون نے لکھا ہے کہ اکثر آدمیوں کا یہ بھی خیال ہے کہ بہت سی غیب دانی کی چیزیں ظاہر میں موجود اور حس کے سامنے حاضر ہیں۔ مثلاً ستارے ہیں کہ اُنکے آثار کا اگر تتبع کیا جائے اور دیکھا جائے آسمان پر طلوع و غروب کے اوقات میں ایک کو دوسرے سے کیا فاصلہ ہے۔ اور عناصر میں اُسکی کیا تاثیر ہے۔ اور ترکیب عناصر کے مزاج سے کیا بات پیدا ہوتی ہے۔ اور اُس مزاج کا اثر ہوا پر کیا پڑتا ہے۔

اس قسم کی تنجیم غیب دانی نہیں ہے۔ بلکہ اسکا مدار فقط تخمینہ اور ظن پر ہے۔ عرب جاہلی انواء منازل (چاند کی اٹھائیس منزلوں میں سے ایک منزل یہ بھی ہے) میں منجموں کی طرح اعتقاد رکھتے تھے۔ اکثروں کا تو یہ عمل تھا کہ جبتک چاند کسی خاص نور میں نہو سفر ہی نہیں کرتے تھے۔ (اسکی تفصیل آگے آئیگی) مگر جب سے کہ یونانی فلسفے کی کتابیں عربی میں ترجمہ ہوئیں اور تمام لوگ علوم اور اصطلاحات پر مطلع ہو گئے۔ انھی منجمین کی کلام پر سراسر اعتماد کرنے لگے ملک یا دولت کے حالات اس سے دریافت کئے جانے لگے۔ انکے علاوہ بھی معمولی باتیں نجوم ہی سے معلوم کیجانے لگیں (مثلاً بچہ کب پیدا ہوگا۔ بیاہ کب ہوگا۔ بچہ اگر ہوگا تو لڑکا ہوگا یا لڑکی وغیرہ)

قرانات پر بڑا اعتماد تھا۔ خصوصاً زحل اور مشتری کے قران پر۔ کیونکہ اسکے تین قران ہیں۔ قران کبیر۔ قران اوسط۔ قران صغیر۔ قران کبیر تو بڑے بڑے امور اور حادثوں کے واقع ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ مثلاً ملک کے تغیرات دولت و حشمت کا ایک سے دوسری قوم میں چلا جانا وغیرہ۔ اور قران اوسط متغلبین (غلبہ پانے والے) اور ملک کے اسکے طلبگار پیدا ہونے کی خبر دیتا ہے۔ اور قران صغیر۔ خوارج کے ظہور پر دلالت کرتا ہے۔ اور آبادی د

بربادی سے شہروں کی خبر دیتا ہے۔

قرانِ النحسین فساد اور لڑائیوں اور خونریزیوں کی خبر دیتا ہے۔ اور خوارج کے خروج اور لشکر کی حرکت اور فوج کی مخالفت اور وبار و قحط کے پھیلنے کو بتاتا ہے۔

بنی امیہ کے زمانہ میں زیادہ مشہور منجملہ ایک رومی منجم تیوفیل نامی تھا۔ اس نے اسلام کے بقا کی مدت بتائی ہے۔

رشید اور مامون عباسی کے زمانے میں یعقوب بن اسحاق کندی منجم تھا۔ اس نے القرانات الکاملہ فی الملۃ الاسلامیہ کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی ہے مگر اب چونکہ اس کتاب کا کہیں پتہ نہیں لگتا تو خیال ہوتا ہے کہ تاتاری بادشاہ ہلاکو نے بغداد پر فتحیاب ہونے کے بعد جن کتابوں کو دجلہ میں پھینکوا دیا تھا شاید انہی میں یہ بھی رہی ہو۔

مغربی ممالک میں اس کتاب کا ایک جزو ہاتھ آیا ہے جسے جفر مغیر کہتے ہیں۔ مگر اسکی بابت یہ کہا جاتا ہے کہ عبدالمومن کی اولاد کے واسطے گذشتہ بادشاہان موحدین کی یادگار میں لکھی گئی ہے۔

جفر اور نجوم کے متعلق بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ منجملہ انکے ابن مرانہ کا ایک قصیدہ مغرب میں ہے۔ اور دوسرا قصیدہ تبعیہ نامی ایک ہزار شعر کا ہے۔ بلحیہ زجلی شعروں کا کسی یہودی کی تصنیف سے ہے اسمیں بھی قرانات کی بابت پانچ سو شعر مندرج ہیں۔ اور موحدین کی سلطنت کی مدت کو بیان کرتے ہیں۔

بحر متقارب میں ایک قصیدہ بابت سلطنت بنی ابی حفص (جو اسوقت ٹیونس ماتحت ممالک عثمانیہ ہے) کے متعلق تھے۔ مشہور ہے کہ یہ قصیدہ ابن ابار ورزی ساکن ٹیونس کی تصنیف سے ہے۔

ایک اور ملحمہ سلطنت بنی ابی حفص کے متعلق ہے۔

ایک ملعبہ ہے جو مشیمنی کیطرف منسوب ہے۔ عامر کی لغت میں یہ قصیدہ ہے اہل مغرب اسکو بحفاظت رکھتے ہیں۔

ایک ملعبہ ابن عربی حاتمی کی تصنیف سے ہے۔ اسمیں بڑی تفصیل ہے۔ مگر کچھ تو معما ہے۔ اور کچھ حیوانات کی شکلیں ہیں۔ کچھ کٹے ہوئے سر ہیں۔ کچھ عجیب وغریب جانوروں کی تصویریں ہیں۔ اسکے آخر میں ایک قصیدہ لامیہ بھی ہے۔

ایک اور ملحمہ شیخ بوعلی بن سینا اور ابن عقب کی تصنیف سے ہے۔

ایک اور ملحمہ سلطنت ترک کے زوال وحدوث میں ایک صوفی آدمی کی تصنیف سے ہے۔ (جسے باجربقی کہا کرتے تھے)

مگر یہ سب کتابیں معمے کی صورت میں ہیں۔ (فی الواقع یہ کتابیں محض من گھڑت ہیں۔ انکا کچھ اعتبار نہیں۔ کیونکہ ان کے ماخذ بالکل صحیح نہیں ہیں۔ اور نہ سمجھ کے لکھے گئے ہیں۔ کہ ان سے کچھ حاصل ہو۔ بلکہ فقط فریب دہی کی غرض سے ہیں) اکثر حیلہ گر اور جعلی لوگ اس طرح کی کتابیں بے معنے بنایا کرتے اور کسی نہ کسی معزز اور وجیہ وقت کے نام سے نامزد کر کے اسکے سامنے پیش کرتے۔ وہ غریب تو کچھ سمجھ سکتا نہ تھا۔ فقط یہ سمجھ کے کہ اس شخص نے ایک عجیب و نادر کتاب تصنیف کی ہے۔ منصب اور دولت دیتا تھا۔ اور انہی تصانیف کے ذریعے سے یہ لوگ صاحب جاہ و منصب بن گئے تھے۔

مگر مشہور کتابوں میں جو آجتک برتی جاتی ہیں۔ اور اکثر اشخاص ان پر زندگی کے نتائج اور بھلائی برائی دریافت کرتے ہیں۔ ابو معشر جعفر بن محمد بن عمر بلخی مشہور منجم کی کتابیں ہیں۔ یہ شخص علم نجوم میں کامل سمجھا جاتا تھا۔ اس باب میں علم نجوم کی حیثیت سے اسکا نام مثل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اسی نام سے انجم من ابی معشر کی مثل نکالی گئی ہے۔ اسکی مشہور

کتابیں حسب ذیل ہیں:-
مدخل۔ زیچ۔ الوقت۔ کتاب القرانات۔ کتاب الدول والملل۔ کتاب الملاحم۔ کتاب الاقالیم۔ کتاب السالح۔ کتاب المسالات فی الموالید۔ کتاب الطبائع۔

اسکے مرنے کا سبب یہ لکھا ہے کہ مستعین عباسی نے فقط اس بات پر کہ ایک امر کو قبل از وقوع بیان کر دیا تھا۔ بہت کوڑے پٹوائے۔ آخر اسی میں بے چارہ مر گیا۔ مرتے وقت بیچارہ کہتا تھا۔ اصبت فعوقبت میں نے ٹھیک بات جو کہی تو اسکے عوض مارا گیا۔ اسکی وفات ۲۷۲ھ مطابق ۸۸۵ء میں ہوئی۔

خط الرمل بھی منجملہ مدارک غیبیہ کے ہے جو صناعت سے تعلق رکھنے میں سمجھا جاتا ہے۔ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ غیب دانوں میں عام لوگوں کا ایک گروہ ہے۔ جنہوں نے غیب کی باتیں دریافت کرنے کے واسطے کچھ قاعدے بنا لیئے ہیں اسکو خط لکھتے ہیں۔ اس علم کا خلاصہ یہ ہے کہ نقطوں سے چند شکلیں چار چار درجوں کی بنائی گئی ہیں۔ مگر زوجیہ فردیہ اور برابری میں

ایک حکایت لکھی ہوئی ہے کہ ایک بادشاہ نے اپنی رعایا میں سے ایک شخص کو سزا کیواسطے پکڑوانا چاہا وہ کسی مکان میں چھپ گیا۔ مگر سمجھتا تھا کہ ابو معشر فلکی اپنے علم کے زور سے ضرور بتا دیگا تو اس نے یہ ترکیب کی کہ ایک طشت لیا۔ اور اس میں خون بھر دیا۔ اور بیچ میں اسکے سونیکا ہاون رکھ کے اسپر بیٹھ گیا۔ بادشاہ نے ہر چند تلاش کرایا۔ مگر کہیں اس کا پتہ نہ چلا۔ جب حیران ہو گیا تو امان کی منادی کرا دی کہ اسکو بھی امان ہے۔ اور جس نے اسکو چھپایا ہے اسکو بھی امان ہے۔ جب یہ خبر مشہور ہوئی تو مجرم حاضر ہوا۔ (مگر اس سے قبل ابو معشر فلکی نے علم نجوم سے پتہ نکالا تھا۔ کہ مجرم خون کے دریا میں سونے کے پہاڑ پر بیٹھا ہے)۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا کہ تو کہاں تھا۔ اس نے صاف کہدیا۔ بادشاہ اس سے بہت خوش ہوا۔ اور ابو معشر فلکی کے علم کی بہت تعریف کی۔

تفاوت ہے۔ کل خانے اُسکے سولہ ہوتے ہیں۔ یہ سولہ خانے بارہ برج اور چار اوتادکے لحاظ سے بنائے گئے ہیں۔ انکی ہر شکل کے واسطے ایک بیت گھر اور چند نتیجے اور موجودات عالم عناصر کے کسی مخصوص صنف پر دلالت مقرر کیگئی ہے۔ رمالوں نے اس فن کے ذریعے سے ایک ایسا فن بنالیا ہے جسکے اندر فن نجوم اور اُسکے کچھ احکام بھی آگئے ہیں۔ مگر ان دونوں فنون میں فرق یہ ہے کہ نجوم کے احکام تو ستاروں کے اوضاع طبعیہ اور نسبت ذاتیہ سے نکالی جاتی ہیں۔ جیسا کہ بطلیموس کا قول ہے۔ اور اسمیں محض اوضاع فرضیہ واتفاقیہ ہیں اور کوئی خاص دلیل انکی صحت پر قائم نہیں کیجاسکتی۔

رمالوں کا یہ بھی خیال ہے کہ یہ علم قدیم انبیائے سے لیا گیا ہے۔ مگر اب تمام ملکوں میں رائج ہے۔ اور بہت سی کتابیں بھی اسمیں لکھی گئی ہیں۔ اور اسکے جاننے والے اکثر قدما و متاخرین مشہور ہیں۔

حساب نیم۔ کچھ لوگوں نے من گھڑت قاعدے بنالئے ہیں جنکو نہ اصول نفس روحانی انبیاء و اولیاء پر مطابق ہوتے ہیں نہ انکو تاثیر کواکب سے کوئی ربط ہے۔ نہ ظن و تخمین پر انکا مدار ہے۔ بلکہ چند مغالطے اسمیں ہیں۔ جو ضعیف العقول لوگوں کے بہکانے کو کافی ہیں۔ اسی کو حساب نیم کہتے ہیں مگر ارسطاطالیس فیلسوف نے جو اپنی کتاب السیاستہ میں ایک قاعدہ لکھا ہے جسے لوگ حساب النیم کہتے ہیں اور خاص و عام اُسپر فریفتہ ہیں۔ طریقہ اُسکا یہ ہے کہ جن دو آدمیوں کے غالب و مغلوب ہونے کا حال معلوم کرنا چاہے تو حساب جمل (ابجد کے قاعدے) سے دونوں کے ناموں کے عدد نکالیں پھر ہر ایک ناموں میں سے نو نو طرح کرتے رہیں۔ ختم طرح پر باقی عددوں کو دیکھیں کہ کیا رہا۔ اگر باقی عدد مقدار میں مختلف ہوں مگر زوج اور فرد ہونے میں مساوی ہوں۔ مثلاً چار۔ چھ۔ یا پانچ۔ سات تو جسکے نام کے عدد کم رہگئے ہیں وہ غالب ہوگا۔ اور اگر ایک زوج ہو دوسرا فرد ہو تو جسکے نام کے عدد زیادہ ہونگے وہ

غالب ہوگا۔ مثلاً ایک کے نام کے عدد آٹھ باقی رہے اور دوسرے کے پانچ تو آٹھ والا غالب سمجھا جائے گا۔ اور اگر دونوں برابر برابر زوج رہے تو مطلوب غالب سمجھا جائے گا۔ اور اگر برابر برابر دونوں فرد رہے تو طالب غالب سمجھا جائے گا۔ اسی مطلب کو شاعر نے ان شعروں میں ادا کیا ہے :۔

ادی الزوج والافراد یسمو اقلها
واکثرها عند التخالف غالب
ویغلب مطلوب اذا الزوج یستوی
وعند استواء الفرد یغلب طالب

"میں زوج اور فرد عددوں کو دیکھتا ہوں کہ ان میں کا کم عدد غالب رہتا ہے اور تخالف کے موقع پر بڑا عدد غالب ہوتا ہے۔ اگر دونوں زوج ہیں تو مطلوب غالب ہوتا ہے۔ اگر دونوں وتر ہیں تو طالب غالب ہوتا ہے"۔

اور باقی حروف (جو علاوہ ان دو ناموں کے ہیں) کے ۹۔ ۹ طرح کرنے کے بعد کے لئے ارسطو نے ایک خاص قاعدہ مقرر کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب نو نو طرح کرنے لگیں تو اس لفظ کے ہر حرف کو دیکھیں کہ آئندہ کے کن کن الفاظ میں ہیں پھر اسکے عدد اسکی جگہ پر لیں۔ وہ الفاظ یہ ہیں۔

الیقش۔ بکر۔ جلس۔ دمت۔ ھنث۔ وضخ۔ زعذ۔ حفظ۔ طضغ

مگر بعض رسالوں نے اسکے الفاظ کی جگہ حسب ذیل الفاظ صحیح بتائے ہیں۔

ارب۔ یسفک۔ جزلط۔ مدوص۔ ھف۔ تخذن۔ عثش۔ ضنغ۔ تعنط۔

غرض کہ یہ سارے رسال شیخ المغرب ابو العباس ابن بنار سے جو فن سیمیا اور اسرار حروف میں کامل تھے نقل کرتے چلے آتے ہیں اور انہی سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ الفاظ ارب کا عمل بہ نسبت الفاظ الیقش کے زیادہ صحیح ہے۔ مگر جس کتاب میں حساب نیم مذکور ہے اور اسکو ارسطو کی تصنیف بتایا گیا ہے۔ محققین اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کیونکہ اس کتاب میں ایسے ایسے لغویات بھی ہیں جو شان ارسطو کے خلاف ہیں۔

زائرجہ۔ (زائچہ) صناعی قاعدوں میں سے غیب کے حالات معلوم کرنے کے واسطے زائرجہ بھی سمجھا گیا ہے۔ اسی کو زائرجۃ العالم بھی کہتے ہیں۔ بنانے والا اسکا ابو العباس احمد السبتی مغربی صوفیوں کا رئیس ہے۔ یہ شخص چھٹی صدی ہجری (مطابق بارھویں قرن میلادی) کے آخر میں مراکش (افریقیہ) میں ابو یعقوب منصور (بادشاہ موحدین) کا ولی عہد تھا۔ اسیوجہ سے یہ قاعدہ بھی غریبۃ العمل ہے۔

اسکی صورت یہ ہے کہ ایک دائرہ بنایا جاتا ہے اور اسکے اندر بہت سے متوازی دائرے افلاک اور عناصر اور کائنات اور روحانیات وغیرہ کے بنائے جاتے ہیں۔ اور ہر دائرے کی تقسیم اسکے فلک کے حصوں کے مطابق بروج و عناصر وغیرہ کے اعتبار سے کیجاتی ہے۔ ہر حصے کا خط مرکز تک ختم ہوتا ہے۔ ان خطوط کو وتار کہتے ہیں۔ اور ہر وتر پر کچھ حروف ایک کے بعد ایک لکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ بعض ان میں سے برشوم الزمام کہے جاتے ہیں یعنی اہل دیوان اور اہل حساب مغربی کے عدد کی شکلیں ہیں اور بعض برشوم الغبار۔ زائرجہ کے اندر اور دائروں کے بیچ میں مختلف علموں کے نام اور کائنات عالم کے مقامات لکھے جاتے ہیں۔ دائروں کی پشت پر ایک جدول ہوتی ہے۔ جسمیں بہت سے خانے بنے ہوتے ہیں مگر طولاً و عرضاً متقاطع ہوتے ہیں۔ مجموعی ۵۵ خانے عرض میں اور ۱۳۱ خانے طول میں ہیں۔ ایک طرف کے خانوں میں تو کہیں عدد لکھے ہوتے ہیں۔ کہیں حروف اور دوسری طرف خالی رکھتے ہیں۔ مگر یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ ان عددوں کے محاذات میں کیا نسبت ہے اور کس طور پر خالی اور پر خانوں کی تقسیم کی گئی ہے۔ اور چند بیتیں لامیہ منصوبہ بحر طویل میں ہیں۔ جس سے مقصود کے نکالنے کی کیفیت اس زائرجہ سے معلوم ہوتی ہے۔ مگر یہ زائرجہ بالکل ہی گول مول ہے کچھ نہیں سمجھ میں آتا کہ یہ کیونکر سے کیا ہوا۔

زائرچہ کے پہلوؤں میں ایک شعر بھی مالک بن وہیب کا ہے (یہ شخص علمائے اشبیلیہ میں سے ہے۔ دولت لمتونیہ کے زمانے میں تھا) اور وہ شعر بعینہ یہ ہے:-

سوال عظیم الخلق حزت فصن اذن
غرائب شك ضبطه الجد مثلا

جس سے وہ لوگ جواب نکالتے ہیں۔

اسکے بعد جن حروف منقطعہ کو انتہائے دورہ عمل میں اسکو یکے بعد دیگرے جمع کرتے رہتے ہیں۔ جس سے ایک شعر موزون نکلتا ہے اسی شعر کے وزن اور روی پر جو پہلے لکھا جا چکا ہے۔

ایک اور بھی زائرچہ جسکو سہل بن عبد اللہ کیطرف منسوب کرتے ہیں مگر عموماً زائرچات کے عمل عجیب و غریب ہیں اور انکے عمل میں سخت زحمت ہے۔ بااینہمہ غیب کے حالات کا ان سے دریافت ہونا بھی نہایت مشکل ہے کیونکہ سمجھنے کی بات ہے کہ ہماری صناعت کو امور غیبیہ کے دریافت کرنے میں جو کہ خدا تعالیٰ کے افعال میں کیا مداخلت ہے۔

معارضہ فی کشف الدفائن (دفینہ نکالنے کی حیلہ گری) بربر کے اکثر طلبہ جو معاش طبیعی اور اسباب تحصیل رزق سے عاجز ہیں یہ حیلہ کرتے ہیں۔ کہ پرانے پرانے ورق ڈھونڈھ لاتے ہیں جنکے حاشیے تک بوسیدہ ہو چکے ہوتے ہیں۔ اور انکے حروف بھی پرانے زمانے کے ایرانی یا عبرانی خط میں لکھے ہوتے ہیں۔ اور اگر ویسے کاغذ نہ ملے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے انہی خطوط سے ترجمہ کرالیا ہے۔ اور اسمیں کچھ علامتیں بنی ہوتی ہیں۔ جنسے معلوم ہوتا ہے کہ فلاں مقام پر خزانہ دفن ہے اور انہی کاغذات کو لیکے امراء رؤسا کے پاس جاتے ہیں۔ اور اس حیلے سے روپے پیدا کرتے ہیں۔ اگر کوئی پوچھے آخر تم دوسروں کو کیوں بتاتے ہو۔ تو کہتے ہیں کہ ہم نکال نہیں سکتے کیونکہ

حکام وقت سے اور انکی سزا سے ڈر معلوم ہوتا ہے۔

اس وہم کے ہیں اکثر بیوقوف آجاتے ہیں اور انکی تصدیق کر لیتے ہیں کیونکہ وہ خود خیال کرتے ہیں کہ اگلے لوگوں کے خزانے سحر یا طلسموں سے مہر کر کے زمینوں میں دفن ہیں۔ اور جب تک کوئی ماہر جاننے والا نہ ہو اور بخور وغیرہ نہ سلگائے دعائیں نہ پڑھے۔ قربانی نہ چڑھائے۔ تب تک نکالا نہیں جاسکتا۔

افریقیہ کے لوگوں کو بھی یہی خبط ہے۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ اسلام سے پہلے جو یہاں انگریز رہتے تھے اُنھوں نے بھی اپنے مالوں کو زیر زمین دفن کردیا ہے۔ اور اپنی کتابوں میں نشان پتے لکھ رکھے ہیں کہ نکالتے ہیں وقت نہ ہو۔

مشرق کے ملک میں بھی اکثروں کو ایسا ہی خیال ہے۔ کہ قبطیوں روم وفرس نے اپنے اپنے خزانوں کو زمین میں دفن کردیا ہے۔ بلکہ اسکے متعلق سینکڑوں لغو حکایتیں بیان کرتے ہیں۔ کہ فلاں شخص نے مال وجواہرات زیر زمین مدفون دیکھے تھے۔ یا پایا تھا۔ اور اسی خیال سے وہاں پہرے بٹھلا رکھے ہیں کہ کوئی کھود نہ لیجائے۔ اور اگر کہیں زلزلے سے زمین وہاں کی شق ہوگئی تو سمجھتے ہیں کہ کل خزانہ تحت الثریٰ میں چلا گیا ہے۔ اور جب کھودنے کے بعد خزانہ نہیں نکلتا تو یہ نہیں کہتے کہ تھا ہی نہیں بلکہ یہ کہتے ہیں کہ یہ طلسم ہماری سمجھ میں ابھی ٹھیک نہیں آیا۔

مصر میں بھی جہاں پانی ذرا خشک ہوگیا۔ یا کسی دریا میں پانی ہٹ گیا۔ تو وہاں خزانہ تلاش کرتے ہیں اور طلسم وجادو سے کام لیتے ہیں اسوجہ سے کہ انکے خیال میں قدما نے اپنے سارے خزانے دریائے نیل میں دفن کردیئے ہیں۔ (ابن خلدون)

طلسم (طلسم لفظا مفرد ہے۔ اسکی جمع طلسمات آتی ہے) کے معنے پہ چیا

کہ آسمانی قوتوں کو ارضی قوتوں سے چند خطوط اور نقوش کے ذریعہ سے
ملا کے اسطرح ترکیب دینا کہ جس سے سانپ بچھو وغیرہ مخصوص مخصوص جانوروں
سے جو تکلیف پہنچتی ہے اُسے دفع کر سکیں۔

سحر۔ سحر دو قسم کا ہوتا ہے۔ حقیقی۔ غیر حقیقی۔ حقیقی تو یہ ہے کہ جس میں کسی
کسی جھوٹی اور مہمل بے اصل چیز کو سچی اور با اصل صورت میں ظاہر کیا جائے
اسکے لغوی معنے ہیں پھیر دینا۔ مگر اصطلاح میں اسکو اس سبب سے سحر کہتے
ہیں کہ ایک چیز کو اُسکی اصلی حالت سے دوسری حالت میں پھیر دیتا ہے
بعض لوگوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ سحر اُن عملیات کو کہتے ہیں جس
سے شیطان دوست بنجاتے۔ اور ہر کام میں اس کرنے والے کی مدد
کرے۔ اُنکا یہ بھی خیال ہے کہ سحر پانچ قسم کا ہوتا ہے۔ اور جتنے اُن
سب کی رو میں۔ سحر ابیض (خدائی سحر) سحر اسود (شیطانی سحر) سحر ابیض کیوجہ
سے شیطان کو آدمی اپنا فرمانبردار بنا سکتا ہے۔ اور سحر اسود کیوجہ سے
خود یہ عامل شیطان کا خادم بنجاتا ہے۔ اس سبب سے کہ سحر اسود میں شیطان
کی عبادت اور تعظیم و تکریم کرنی پڑتی ہے اور خدا اُسکے لئے اور اُسکی کتابوں
سوا اُنکا یہ بھی خیال ہے کہ پہلی قسم تو حلال ہے مگر دوسری قسم حرام
اسی سحر کے ذریعہ سے رصد وغیرہ بناتے ہیں جنکو خزانوں کے ساتھ زمین
میں دفن کر دیتے ہیں کہ کوئی دوسرا شخص اسکو کھود نہ لیجا سکے۔

غیر حقیقی سحر کو سیمیا کہتے ہیں۔ اسمیں خیالی صورتیں خیال ہی کے
سامنے پھر جاتی ہیں۔ اور در اصل کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اور کبھی یہ بھی ہوتا ہے
کہ وہ صورتیں آنکھوں کے سامنے بھی آتی ہیں۔ مثلاً ایک کاغذ کا ٹکڑہ روپیہ
کر دیا بر نظر اثر کے جو کسی کے سامنے پیش کیا تو معلوم ہوتا ہے کہ در اصل
روپیہ ہے۔ اور جب وہ کسی کے ہاتھ سے جب اپنے ہاتھ میں لیا تو پھر وہی
کاغذ کا کاغذ۔

پانچویں فصل

عالم روحانی کے عاملین جن جن اسمائے متبرکہ کو استعمال کرتے ہیں

پروردگار عالم کے اسمائے شریفہ نونوے نام (ننانوے) ۹۹ مانے گئے ہیں۔ ان ناموں کو اسمائے حسنی کہتے ہیں۔

الله رحمن رحیم ملك قدوس سلام مؤمن
مہیمن عزیز جبار متکبر خالق بارئ مصور غفار
قہار وہاب رزاق فتاح علیم قابض باسط خافض
رافع معز مذل سمیع بصیر حکیم عدل لطیف
خبیر حلیم عظیم غفور شکور علیؔ کبیر حفیظ
مغیث حسیب جلیل کریم رقیب مجیب واسع ودود مجید
باعث شہید وکیل قوی متین ولی حمید محصی مبدی
معید محیی ممیت حق قیوم واجد ماجد واحد صمد
قادر مقتدر مقدم موخر اول آخر ظاھر باطن وال
متعال برّ تواب منتقم عفو رؤف مالك الملك ذوالجلال والاکرام
مقسط جامع غنی مغنی مانع ضار نافع نور ھادی بدیع باقی
وارث رشید صبور۔

صاحب شریعت اسلامیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسو ایک ۲۰۱ نام

محمد احمد حامد محمود احید وحید ماحی حاشر
عاقب طٰہٰ یٰسین طاھر مطھر طیب سید رسول نبی

رسول الرحمة قیم جامع مقتفی رسول الملاحم رسول الراحة
کامل اکلیل مدثر مزمل عبداللہ حبیب اللہ صفی اللہ نجی اللہ۔
کلیم اللہ خاتم الانبیاء خاتم الرسل محیی منجی مذکر ناصر منصور
نبی الرحمة نبی التوبة حریص علیم معلوم شہیر شاہد شہید مشہود
بشیر مبشر نذیر منذر نور سراج مصباح ہدی مہدی منیر
داعی مدعو مجیب مجاب حفی عفو ولی حق قوی امین مامون
کریم مکرم مکین متین مبین مؤمل وصول ذو قوة ذو حرمة
ذو مکانة ذو عز ذو فضل مطاع مطیع قدم صدق رحمة بشری
غوث غیث غیاث نعمة اللہ ہدیة اللہ عروة وثقی صراط اللہ صراط مستقیم
ذکر اللہ سیف اللہ حزب اللہ النجم الثاقب مصطفی مجتبی منتقی۔
امی مختار اجیر جبار ابو القاسم ابو الطاہر ابو الطیب ابو ابراہیم
مشفع شفیع صالح مصلح مہیمن صادق مصدق صدق سید المرسلین
امام المتقین قائد الغر المحجلین خلیل الرحمن بر مبر وجیہ نصیح ناصح
وکیل متوکل کفیل شفیق مقیم السنة مقدس روح القدس روح الحق
روح القسط کافی مکتفی بالغ مبلغ شافی واصل موصل سابق سائق
ہادی مہدی مقدم عزیز فاضل مفضل فاتح مفتاح مفتاح الرحمة
مفتاح الجنة علم الایمان علم الیقین دلیل الخیرات مصحح الحسنات مقیل
العثرات صفوح عن الزلات صاحب الشریعة صاحب المقام صاحب القدم۔
مخصوص بالعز مخصوص بالمجد مخصوص بشرف صاحب الوسیلة صاحب
السیف صاحب الفضیلة صاحب الازار صاحب التاج صاحب المغفرة
صاحب الحجة صاحب السلطان صاحب الرداء صاحب الدرجة الرفیعة
صاحب اللواء صاحب المعراج صاحب القضیب صاحب البراق صاحب الخاتم
صاحب العلامة صاحب البرہان صاحب البیان فصیح اللسان مطہر الجنان

رؤف رحیم اذن خیر مجیح الاسلام سید الکونین عین النعیم عین الغر سعد اللہ سعد الخلق خطیب الامم علم الھدی کاشف الکرب رافع الرتب عز العرب صاحب الفرج۔

صحابہ۔ صحابہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے صاحب شریعت اسلامیہ کو دیکھا ہے اور باایمان حضرتؐ کے ساتھ رہے ہیں۔

تابعی وہ لوگ ہیں جنھوں نے آنحضرتؐ کو تو نہیں دیکھا ہے مگر اصحابؓ کے زمانے میں رہتے ہیں۔

مہاجرین۔ وہ لوگ ہیں جو آنحضرتؐ کی ہجرت کے وقت مکہ سے مدینہ میں آئے۔

انصار۔ مدینہ کے وہ اشخاص ہیں جنھوں نے آنحضرتؐ کی نصرت اور مدد کی ہے۔ اور جب آپ مدینہ میں تشریف لائے تو انہوں نے جگہ دی۔

حدیث۔ جو کچھ آنحضرتؐ نے بیان فرمایا۔

خبر۔ جو آنحضرت کے علاوہ کسی اور نے بیان کی۔

اثر۔ جو اصحابؓ سے مروی ہے۔ مگر آنحضرتؐ کے کلام کو بھی اثر کہہ سکتے ہیں

ام المومنین۔ آنحضرتؐ کی بیوی عائشہ کا نام۔

بتول زھرا۔ آنحضرتؐ کی بیٹی فاطمہؓ زوجہ علی ابن ابیطالبؓ کا نام ہے۔

حسنؓ حسینؓ آنحضرتؐ کے نواسے اور فاطمہ زہرا کے بیٹے ہیں۔

حلیمہ بنت ذویب سعدی آنحضرتؐ کی انا ہے۔

بلال۔ آنحضرتؐ کے موذن کا نام ہے۔

ابوطیبہ۔ آپکا دربان ہے۔

نعیمان بن عمرو آپکا ظریف تھا۔

عبداللہ ذوالبجادین۔ آپکا ہم سفر اور راہبر ہے۔

عقاب آپکے علم کا نام ہے۔

عیدان اُس پیالہ کا نام تھا جسمیں آنحضرتؐ بول فرماتے تھے۔

دلدل سرخ رنگ کا ایک خچر تھا۔ مقوقس حاکم اسکندریہ نے ایک لونڈی سمیت جسکا نام ماریہ قبطیہ تھا آنحضرتؐ کو ہدیہ میں دیا تھا۔

قصواء (یا) عضباء (یا) جدعاء آپکے ناقہ کا نام ہے۔

یعفور (یا) عفیر آپکے گدھے کا نام ہے۔

طرب۔ (یا) ظرب (یا) لحیف آپکے دو گھوڑوں کا نام ہے۔

براق۔ ایک گھوڑے نما جانور تھا۔ گدھے سے قد میں بڑا اور خچر سے چھوٹا۔ جسپر شب معراج آپ سوار ہوئے تھے۔

لیلۃ المعراج وہ شب تھی جسمیں آپ پہلے مکہ سے بیت المقدس تک گئے اور وہاں سے آسمان تک۔

لیلۃ القدر۔ (اس رات کو جہنی بھی کہتے ہیں) وہ رات ہے جسمیں قران مجید نازل ہوا ہے۔ یہ رات مخصوص طور سے نہیں معلوم مگر ماہ رمضان کے آخری دس دنوں کی طاق راتوں میں سے کوئی رات ہے اور قول قوی ستائیسویں شب ہے اور اہل تشیع کے نزدیک تیئسویں شب۔

سبع طول۔ قران مجید کی سات بڑی سورتیں۔ سورۂ بقر۔ سورۂ آل عمران سورۂ نساء۔ سورۂ مائدہ۔ سورۂ انعام۔ سورۂ اعراف۔ سورۂ یونس سورۂ انفال سورۂ براۃ کا مجموعہ۔

اولو العزم۔ مشہور قول کے مطابق نوحؑ۔ ابراہیم۔ موسیٰ۔ عیسیٰ ہیں۔

حواری۔ انبیاء کے مددگاروں کو کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے حضرت عیسیٰ کے انصار یا شاگردوں کو حواری کہتے ہیں۔

صاحب الحوت۔ یونان (یونس) نبی کا نام ہے۔

قطب۔ ہر زمانے میں ایک ایسا شخص ہوتا ہے جسپر خدا تعالےٰ نظر رحمت رکھتے ہیں اُسی کو غوث بھی کہتے ہیں۔

ابدال۔ نیک اور پاک لوگوں کا وہ گروہ ہے جسکا رہنا دنیا میں لازم ہے

اور جب اُن میں سے کوئی مرے دوسرا اُسکا قائم مقام ہوجاتا ہے۔ بغیر اس گروہ کے دنیا قائم نہیں رہسکتی۔ انکی تعداد مشہور ہے۔ ۴۰ شام میں ہیں ۳۰ علاوہ شام کے اور اور مقامات ہیں۔

خضرؑ۔ حضرت موسیٰ کے رفیق کا نام ہے کنیت انکی ابو العباس ہے ایک قول یہ بھی ہے کہ نام انکا الیا تھا خضر مشہور نبی ہیں۔ مگر نصاریٰ کے نزدیک انکا نام مار کی جرجس ہے۔

مختصرین۔ وہ لوگ ہیں جو راتوں کو خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ اور جب کبھی تھک گئے تو خصر (کمر) پر ہاتھ رکھ لیتے ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے۔ کہ مختصرین ان لوگوں کو کہا گیا ہے جنکو اپنے اعمال پر قیامت کا بھروسا ہوگا۔

ذوالکفل۔ ایلیاس۔ یا یوشع یا زکریا نبی کا نام ہے۔

یحییٰ حصور معروف یوحنا المعمدان مشہور نبی۔ زکریا نبی کے بیٹے ہیں۔

شعیب نبی ہیں۔ نام انکا رعویل ہے۔ مدین کے کاہن تھے۔ اور جناب موسیٰ کے خسر۔

ھود۔ نبی ہیں۔ نام انکا عابر بن شالخ ہے۔ قوم عاد کی ہدایت کے واسطے خدا کیطرف سے بھیجے گئے تھے۔ کیونکہ وہ لوگ دین صابیہ اختیار کئے ہوئے تھے۔ کچھ لوگوں نے تو ہود نبی کی ہدایت کو مانا اور دین حق اور توحید خدا کے قائل ہوئے۔ منجملہ انکے لقمان بن عاد بھی ہیں۔

صالح نبی ہیں۔ قوم ثمود کی ہدایت کے واسطے بھیجے گئے تھے مگر دشمنوں نے نبی ہونے کی دلیل مانگی۔ آپ ایک بلندی پر چڑھ گئے اوس دیا پہاڑ ری) سے ایک اونٹنی مع بچے کے پیدا ہوئی۔ آپ نے سب سے منع کر دیا تھا کہ اسکو نہ چھیڑنا اور نہ مارنا مگر اونہوں نے نہ مانا آخر ایک شخص نے تیر اوسکے پیٹ میں مارا اور وہ مر گئی۔ اوس کا بچہ چلدیا۔ اوس کے بعد

یک بیک بہت سخت آواز آسمان سے آئی جس سے اونٹ سب کے دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور سب مر گئے اسی وجہ سے مثل مشہور ہو گئی۔ اخبث من الذین عقر الناقۃ شریر لوگوں پر یہ مثل کہی جاتی ہے۔

حنظلہ بن صفوان اہل رس کے نبی تھے۔ اہل رس ثمود ہی کی قوم میں سے تھے یا بنی فلیح بن عابر سے۔

ادریس۔ اخنوخ نبی کا نام ہے۔

عزیز نبی تھے نام انکا عذرا ہے۔

طالوت شاول ملک اسرائیل کا نام ہے۔

جالوت جلیات جبار فلسطینی کا نام ہے۔

اہل الکہف سات جوان تھے جو ایک غار میں اپنے دین کی حفاظت کی غرض سے پوشیدہ ہو گئے تھے۔ قطمیر انکے کتے کا نام ہے۔

معروف کرخی ابو محفوظ ابن فیروز یا ابو محفوظ بن فیروزان کا لقب ہے اسکے ماں باپ دونوں نصرانی تھے مگر اس نے امام علی بن موسیٰ الرضا کے خدمت میں اسلام قبول کیا۔ یہ شخص قبولیت دعا میں بہت مشہور تھا۔ سنہ ۲۰۰ ہجری مطابق سنہ ۸۱۵ء میں انتقال کیا۔

الرجال الاربعون سے مراد وہ چالیس آدمی ہیں جنہیں عیسائی لوگ شہید جانتے ہیں۔

زہاد اسلام کے نام

فضیل بن عیاض زاہد خلیفہ ہارون رشید عباسی کے زمانے میں خراسان اور بقول بعض سمرقند میں تھے۔

ابراہیم بن ادہم انکی کنیت ابو اسحاق عجلی ہے خراسان کے رہنے والے تھے انہی کی صحبت میں سفیان ثوری نے زہد سیکھا تھا۔

اویس قرنی زہد میں ضرب المثل ہیں۔ جب کسی کے زہد کی تعریف کرنا چاہتے ہیں تو ازہد من القرنی اویس کہتے ہیں۔ انکی کنیت ابن عامر تھی۔

ذوالنون مصری ابو الفیاض ثوبان بن ابراہیم یا فیاض بن ابراہیم مصری زہد میں ضرب المثل تھے۔ انکی وفات ۲۴۵ھ ہجری مطابق ۸۵۹ء میں ہوئی۔

رابعۂ عدویہ بنت اسماعیل قیسی بصری آل عتیک کی لونڈی تھی کنیت اسکی ام الخیر ہے۔ اسکی عبادت بھی ضرب المثل ہے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی نے اپنی کتاب عوارف المعارف میں اسکی تصنیف سے یہ دو شعر نقل کیے ہیں۔

انی جعلتک فی الفواد محدثی	"میں نے تجکو اپنے دل میں اپنا ہم سخن
وابحت جسمی من اراد جلوسی	بنایا ہے اور اپنے جسم کو مباح کر دیا ہے
فالجسم منی للجلیس موانس	کہ جو چاہے اوسپر بیٹھے۔ جسم میرا تو میرے
وحبیب قلبی فی الفواد انیسی	ہمنشین کا مونس ہے۔ اور میرا دلی دوست

میرے دل کے برابر انیس ہے"۔

خدا کے فرشتے

ملائکہ کو بررہ (نیک۔ ابرار) کہتے ہیں۔ انکی بہت سی قسمیں ہیں۔ کچھ تو کروبیوں یا کروبیہ کہے جاتے ہیں۔ یہ تمام فرشتوں کے سردار ہیں۔ اور کچھ مقربین ہیں۔

ناموس اکبر۔ روح القدس۔ جبرئیل۔ اُس فرشتے کا نام جسے عیسائی لوگ جبرئیل کہتے ہیں۔ اُنکے گھوڑے کا نام حیزوم ہے۔ اور کچھ ملائکہ حفظہ ہیں جو بندوں کے اعمال کو لکہتے اور یاد رکھتے ہیں۔

کیونکہ حفیظ اسکو کہتے ہیں جو بندوں کی نیکیاں بدیاں لکھے۔
اصحاب اعراف۔ ایک قول یہ ہے کہ اصحاب اعراف انبیا ہونگے۔
دوسرا قول یہ ہے کہ وہ ملائکہ ہونگے جو جنتیوں اور دوزخیوں کو پہچانینگے۔
معقبات۔ رات دن کے فرشتے۔
قزح۔ جو فرشتہ کہ ابر پر موکل ہے۔ قوس قزح اسی کے نام کیطرف منسوب ہے۔
رعد۔ ایک فرشتے کا نام ہے جو ابر کو ہنکاتا چلتا ہے جسطرح حدی خوان اونٹ کو ہنکاتا چلتا ہے۔
صاعقۃ۔ اُس آلے کا نام جسے وہ فرشتہ اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے ہے جو چیز اُسکے سامنے آجاتی ہے اُسکو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے۔ اور جلا دیتا ہے۔ اسی سے سیف الصاعقہ کا لفظ بنایا گیا ہے (یعنے بجلی کی تلوار) یہ تلوار ایک معدنی دھات سے بنائی جاتی ہے جسکی نسبت یہ کہا گیا ہے کہ یہ لوہا بجلی کے ساتھہ آسمان سے گرتا ہے۔
رابضۃ۔ وہ فرشتے ہیں جو حضرت ابو البشر کے ساتھہ زمین پر بھیجے گئے تھے۔ اور اسی طرح اور انبیاء کے ساتھہ رہے۔ کسی زمانے میں بھی اُن سے زمین نہیں خالی رہ سکتی۔
عزرائیل ملک الموت کا نام ہے اُنکا کام انسانوں کے ارواح قبض کرنا ہے
منکر نکیر دو فرشتے ہیں قبر میں مُردوں کے دفن ہونیکے بعد آتے ہیں اور اُنکے دین و مذہب اور حالات زندگی سے سوال کرتے ہیں۔ اُنھیں اسبات کا اختیار حاصل ہے کہ مستحق عذاب پر قبر ہی میں عذاب کریں۔
بلادح ایک فرشتے کا نام ہے جو امانتوں کی حفاظت پر موکل ہے،

اسی وجہ سے اس فرشتہ کا نام لفافے پر عنوان خط کے نیچے لکھ دیتے ہیں (خواہ لفظوں میں یا ہندسوں میں ۲۴۴۹۸) جسطرح معروف کرخی اور قطمیر (اصحاب کہف کا کتا) کا نام لفافے پر حفاظت کیواسطے لکھدیتے ہیں

ھاروت ماروت۔ دو فرشتے تھے مگر خدا کی معصیت کی اور زمین پر اتار دیئے گئے۔ آخر شہر بابل پر اپنا تسلط جمایا پروردگار عالم نے انکو انسانی صورت اور جسم دیا اور فرمایا کہ تم لوگوں کے درمیان میں فیصلہ کیا کرو۔ اور بہکانے سے لوگوں کو روکو۔ لیکن شامت قسمت سے انہی کو ایک عورت کی محبت نے بہکا کے رضامندی خدا سے دور کر دیا۔ اب چونکہ عنصر اصلی انکا تو ملکی ہے اور اجسام علویہ وسفلیہ پر انکو پوری دستگاہ ہے۔ اس سبب سے انہوں نے سحر بھی بڑی خوبی سے درست کیا۔ اور حکمائے بابل کو سکھا دیا۔ اسی وجہ سے یہہ اب تک مثل ہے کہ فلان اسحر من ھاروت وماروت (یعنے فلاں آدمی تو ہاروت ماروت سے بھی بڑھکے جادوگر ہے) انہی کی وجہ سے بابل کی ایسی شہرت ہوگئی کہ بابل السحرا اور بابل السحر کہنے لگے۔

الجلد الرقیع آسمان کو یا کرۂ ہوا یا منجمد پانی کو کہتے ہیں جو کہ آسمانوں پر ہے۔

رقیع پہلے آسمان کو کہتے ہیں۔ **صافورہ** تیسرے آسمان کو۔ **حاقورہ** چوتھے آسمان کو برقع بھی چوتھے آسمان کو کہتے ہیں (مگر بعضوں نے پہلے کو بھی لکھا ہے) اور ساتویں کی بابت بھی ایک قول ہے)۔

عروبا۔ عزقہ ساتواں آسمان **سدرۃ المنتہیٰ** ساتویں آسمان پر بیر کا ایک درخت عرش کی داہنی طرف ہے کوئی فرشتہ اس سے آگے نہیں جا سکتا۔

ضراح بیت معمور کا نام ہے جو کہ چوتھے آسمان پر بنا ہوا ہے مسلمانوں کا

قول ہے کہ یہ مکان خانہ کعبہ کے مقابل میں آسمان پر بنا ہے۔
مجیل پہلی کتاب خدائی
لوح محفوظ ساتویں آسمان پر ایک چیز ہے جس پر تمام عالم میں جو کچھ قیامت تک ہونیوالا ہے لکھ دیا گیا ہے۔
الساعۃ۔ یوم الدین۔ یوم الآخر۔ یوم الحساب۔ یوم الحشر الآزفۃ۔ یوم البعث۔ یوم المعاد۔ الحاقۃ۔ الخروج۔ وغیرہ روز قیامت کے نام ہیں۔ دار السلام۔ دار الجزاء۔ حظیرۃ القدس جنت کے نام ہیں۔ رضوان نگہبان جنت کا نام ہے۔ تسنیم جنت میں ایک نہر ہے غرفوں اور عمارتوں کے اوپر اوپر جاری ہے۔ مسلمانوں کا قول ہے کہ جنت کے تمام پانیوں سے یہ عمدہ اور لطیف ہے۔
فحفاح بھی جنت کی ایک نہر کا نام ہے۔ کوثر شہد سے زیادہ میٹھی اور دودھ سے زیادہ صاف اور برف سے زیادہ سرد اور مکھن سے زیادہ لطیف جنت میں ایک نہر ہے جسکے کنارے زبرجد کے ہیں اور اسکے کناروں پر جو ظروف رکھے ہوئے ہیں چاندی کے بنے ہوئے ہیں۔ جو کوئی اسمیں سے پی لیوے پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا۔
طوبی یا طیبی جنت میں ایک عظیم الشان درخت ہے۔ علیون علیؔ کی جمع ہے۔ جنت کے اوپر کے حصے کا نام ہے۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ساتویں آسمان پر ایک مقام کا نام ہے جسمیں مومنین کی روحیں جاتی ہیں بعض کہتے ہیں کہ خود ساتویں آسمان اور جنت اور عرش کے داہنے قائمے کو علیون کہتے ہیں۔ بعضوں نے کہا ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کو علیون کہتے ہیں۔
اعراف جنت اور دوزخ کے درمیان میں ایک حد فاصل ہے۔
دار البوار۔ ہلاکت کا گھر (جہنم) لظی۔ سعیر۔ حطمۃ۔ ہاویہ۔ جہنم

ھاویۃ۔ سقر دوزخ کی آگ کے سات طبقے ہیں۔ درک کسی انتہائی عمق کو کہتے ہیں اور جہنم کے سب سے نچلے حصے کو بھی۔ مدرکہ مرتبہ اور منزلت (نیچے کا حصہ) درجہ اوپر کا حصہ۔

مالک دوزخ کے کلید بردار کا نام ہے۔ زبانیہ کچھ ملائکہ ہیں جو اہل جہنم کو جہنم میں لیجائیں گے۔ صراط لمبا سا ایک پل جہنم پر بنا ہوا ہے جسکی باریکی بال سے زیادہ ہے اور تیزی تلوار سے بھی تیز۔ اثام۔ دوزخ میں ایک میدان ہے۔ سجین جہنم کی ایک وادی کا نام ہے یا اُس کتاب کا نام جسمیں کافروں اور شیطانوں کے اعمال لکھے ہوئے ہیں۔ یا اُسکو کہتے ہیں جسمیں جن وانسان کے بدکاروں کے برے بھلے کام لکھے ہوئے ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ سجیل اور سجین ایک ہی چیز ہے۔ منہ اُن پتھروں کا نام ہے کہ جو دوزخ کی آگ میں گرم کئے گئے اور انہیں پھر اصحاب فیل کے نام ایک ایک کرکے لکھے گئے تھے۔ انہی شہروں سے ابابیلوں نے اصحاب فیل کو مارا تھا صعود دوزخ کے ایک پہاڑ کا نام ہے جسپر گنہگار آدمی ستر خریف تک چڑھایا جائے گا۔ پھر وہاں سے گرا دیا جائے گا۔ اور یہی سلسلہ ہمیشہ قائم رہے گا۔ غسلین خون اور پیپ جو اہل جہنم کے بدنوں سے جاری ہوگی۔ اور یہ ایک دوزخی درخت کا نام بھی ہے۔

خبال دوزخ والوں کی پیپ۔ زقوم دوزخ کی جڑ میں ایک درخت ہے جسکے خوشے شیطانوں کے سروں کے برابر ہیں اسی کے پھل دوزخیوں کو کھلائے جائینگے۔ اور اسی درخت کو قرآن میں شجرۃ ملعونۃ کہا گیا ہے۔

راھون۔ ہندوستان کے کسی پہاڑ کا نام ہے۔ جسپر حضرت ابوالبشر اُترے تھے۔ حیل حوّد یا حیل عوّر یا حیل قوّ یمن میں ایک

پہاڑ ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اُس پہاڑ میں ایک غار ہے اُسمیں جا کے عوام الناس جادو سیکھتے ہیں۔

برھوت حضرموت میں ایک کنواں ہے جسمیں کافروں کی روحیں جمع ہوتی ہیں۔

مؤتفکات اُن شہروں کو کہتے ہیں جنہیں خدا تعالےٰ نے قوم لوط پہ الٹ دیا تھا۔

ھرشی مکہ کی راہ میں ایک چڑھائی ہے جسپر سے دریا دکھائی دیتا ہے اُس چڑھائی کی دو راہیں ہیں۔ جو شخص اُن دو راہوں پر سے ہو کے جائے ٹھیک مکہ میں پہونچ جائے گا۔

کاخیہ اُس چیونٹی کا نام تھا جس نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے باتیں کی تھیں۔

بنت طبق ایک کچھوالی کا نام ہے۔ عرب کا گمان ہے کہ یہ ننانوے انڈے دیتی ہے جس سے کل کچھوے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ اور ایک ایسا انڈا دیتی ہے کہ اُس سے سانپ پیدا ہوتا ہے۔

جساسہ الجزائر میں ایک دابّہ (چوپایہ جانور) ہوتا ہے جو خبروں کو دریافت کرلیتا ہے اُسکو لوگ اپنے گھر پکڑ لاتے ہیں۔

دابۃ الارض ایک جیوان جو قریب قیامت کے ضرور نکلیگا۔ اسلام میں یہ بات مشہور ہے کہ قیامت کے آنے کی پہلی علامت یہی دابۃ الارض ہے۔ شہر مکہ میں کوہ صفا سے نکلیگا اُسکے نکلنے کے واسطے کوہ صفا پھٹ جائے گا۔ اور سب لوگ اُسوقت منیٰ کیطرف جاتے ہونگے۔ یا شہر طائف سے نکلیگا یا تین مرتبہ تین مقام سے ظاہر ہوگا۔ اُسکے پاس حضرت موسیٰ کا عصا اور حضرت سلیمانؑ کی انگوٹھی ہوگی۔ مومن کو تو عصا سے اڑتا جائیگا اور کافر کی پیشانی پر انگوٹھی سے مہر کردے گا جس سے لکھا جائیگا ھذا کافر

جنوں کا بیان

جن بھی انسان ہی کی طرح کی مخلوق ہیں۔ انہیں بھی طائفہ۔ قبیلہ۔ عمارہ بطون۔ افخاذ۔ فصائل۔ عشائر ہوتے ہیں۔ اور ان میں بھی بادشاہ اور حکام ہیں جسطرح انسانوں کے مختلف دین و مذاہب ہیں اسی طرح اُنکے بھی مختلف دین و مذہب ہیں۔ انہیں بھی نکاح بیاہ ہوتا ہے بچے پیدا ہوتے ہیں۔ بعضے کالے ہوتے ہیں بعضے گورے۔ بعضے سرخ بعضے زرد اور نیلے بھی ہوتے ہیں۔

ابوالسری سہل بن ابی غالب خزرجی شاعر ہارون رشید خلیفۂ عباسی کی بابت یہ حکایت مشہور ہے کہ وہ سجستان میں پیدا ہوا تھا اُسکو جنیہ نے دودھ پلا کے پالا تھا۔ پھر اُنھی جنوں میں چلا گیا۔ اُس نے ایک کتاب بھی جنوں کی نسب اور حکمت اور اشعار وغیرہ کے بیان میں لکھی ہے۔ وہ بھی کہتا تھا کہ میں نے جنوں سے امین بن رشید عباسی کے واسطے بیعت لی ہے اسی وجہ سے رشید اور امین اور زبیدہ (امین کی ماں) اسکی بڑی عزت کرتے تھے۔ وہ یہ بھی کہتا تھا کہ میں جنوں کے ساتھ گیا ہوں اور اُن سے پڑھا بھی ہے۔ اس شخص نے بہت اچھے اچھے شعر جنوں اور شیطانوں اور غول صحرائی کے متعلق کہے ہیں۔

ایک دن رشید نے ابوالسری سے ایک بات کہی (فی الحقیقت سچ ہے) کہ اگر سچ مچ تو نے جنوں کو دیکھا ہے اور جو کچھ تو اُنکے متعلق لکھتا ہے اسکا مشاہدہ کر چکا ہے تو بڑی چیز تو نے دیکھی۔ اور اگر دیکھا نہیں ہے بلکہ محض من گھڑت ہے تب بھی کچھ مضائقہ نہیں۔ کیونکہ تیرے اشعار سے خاصہ ادب تیار ہو گیا ہے۔

شیخ شرف الدین جاحظ کا قول ہے کہ جن جسوقت ظالم یا کافر ہو جاتے

یا فتنہ و فساد کرنے لگے تو اُسے شیطان کہیں گے۔ اور اگر مکانوں کے اٹھالیجانے اور بڑی بڑی چیزیں اٹھا لینے پر قادر ہو یا آہستہ کی بات بھی سن لے تو وہ مارد کہا جائے گا۔ اور اگر اس سے بڑھ کے ہو تو اُسے عفریت کہتے ہیں۔ اور اگر ان سب عیبوں سے پاک ہو وے تو وہی ملک ہے

لغت میں جن خلاف انسان کو کہتے ہیں (یعنے سب قوا انسان کے ہوں اور پھر انسان نہ ہو) یا جو چیز حواس خمسہ سے معلوم نہ ہو سکے خواہ ملائکہ ہوں یا شیاطین ہوں سب کو جن ہی کہیں گے۔

جن کو جن اس وجہ سے کہتے ہیں کہ آنکھوں سے دکھلائی نہیں دیتا۔ کیونکہ جن کے معنے پوشیدگی کے ہیں۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ ملک اور جن میں عموم خصوص کی نسبت ہے اس سبب سے کہ ہر ملک کو جن کہہ سکتے ہیں اور ہر جن کو ملک نہیں کہہ سکتے

شیخ بو علی سینا نے جن کی تعریف میں لکھا ہے انه حیوان هوائي يتشكل باشكال مختلفة یعنے جن ایک ہوائی جاندار چیز ہے جو مختلف قسم کی شکلوں میں ظاہر ہو سکتا ہے۔ مگر اس تعریف کے بعد اُس نے لکھدیا ہے کہ یہ تعریف فقط لفظ جن کی تشریح ہے۔ مگر میں یہ نہیں کہتا کہ حقیقت میں بھی جن کوئی چیز ہے یا نہیں۔

شیخ ابو البقار نے لکھا ہے کہ فلاسفہ کی رائے میں جن اور شیطان انسانی روحیں ہیں جو بدن سے جدا ہو چکی ہیں۔ اگر اُنکے اعمال دنیاوی زندگی میں اچھے تھے تو اُنکو جن کہا جائے گا۔ اور اگر برے اعمال تھے تو شیطان۔

ابو وہب نے لکھا ہے کہ بعض جنوں کی اولاد ہوتی ہے اور بعضے محض ہوائی جسم ہیں۔ اُنکی نسل نہیں ہوتی۔

جانّ تمام جنوں کا باپ تھا۔ جیسے انسانوں کے باپ حضرت ابو البشر اُسکی اولاد میں سے جو جو ابو القبائل ہوئے ہیں اُنمیں سے ایک جن کا نام دحرش

وحشی ہے۔
انکے قبیلوں کے ناموں میں سے ایک شیصبان ہے دوسرے
مردہ غزوان ہے تیسرے عسل۔
حن بھی جنوں کا ایک چھوٹا قبیلہ ہے۔ انہی میں سے نہایت سیاہ کتے
اور اراذل و ضعفائے جنات ہیں بعض کہتے ہیں کہ حن انکے کتوں کو کہتے ہیں
یا جن و انسان کے درمیان میں ایک قسم ہے نہ تو خالص جن ہی ہیں۔ نہ
خالص انسان۔
مشق بھی جنوں کی قسم میں سے ہے۔ اسکی صورت نصف آدمی کی ہے
(دیکھو اسی مقالے کی چوتھی فصل)
عمار۔ وہ جن ہیں جو گھروں میں رہا کرتے ہیں۔
احقب۔ وہ جن ہے جس نے قرآن کو بڑی غور سے سنا تھا۔
عکب۔ بہت بڑا سرکش جن تھا۔

جنوں کی سکونت کے مقامات

عرب نے جن جن مقاموں کو منتخب کیا ہے کہ وہاں جنوں کی قومیں رہتی
ہیں منجملہ انکے سیاحس۔ جیہم۔ وبار۔ لقار (رمل عالج میں ایک موضع ہے)
بلوقہ (بحرین میں ایک مقام ہے) حوش (رمل یبرین کی پشت پر ایک مقام ہے
وہاں کوئی آدمی نہیں قیام کرسکتا۔ ایک قسم کے اونٹ بھی اس موضع سے
منسوب کیے جاتے ہیں۔ جنکو حوشیہ کہتے ہیں) ہوب وابر (اسکو ہوت وابر
بھی کہتے ہیں۔ عرب میں مثل کے طور سے کہتے ہیں تذکتہ فی ہوت دابر
جسکا مطلب یہ ہوا کہ میں نے فلاں شخص کو ایسے مقام پر چھوڑا ہے کہ اب
اسکی خبر ہی نہیں آسکتی۔ گویا جنوں نے اسکو کھا لیا۔) عبقر۔ یہ بھی ایک ایسا
مقام ہے جسکی مثل دیجاتی ہے جب کسی شخص کو یہ بتانا منظور ہوتا ہے کہ

بے مثل ہے تو کہتے ہیں ھذا عبقری القوم یعنے یہ شخص عبقری ہے
اسکا سبب یہ ہے کہ موضع عبقر کی عمارتیں ایسی اچھی اور خوبصورت ہیں کہ
عرب کے خیال میں انسانی کوششوں کا نمونہ نہیں سمجھی جا سکتیں۔ بلکہ وہ کہتے
ہیں کہان عمارتوں کو جنوں نے ہی بنایا ہے۔ اسی وجہ سے ہر عجیب چیز کو
عبقری کہتے ہیں۔ مثلاً ظالم کو بھی عبقری (یعنے عجیب و غریب طرح کا ظالم)
کہتے ہیں۔

بعض لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ عبقر اور حبقر منقش چادر کو کہتے ہیں
اور اُن چیزوں کو بھی کہتے ہیں جنپر جنوں کا سایہ پڑجاتا ہے۔ اور وہ
اُنپر عاشق ہو جاتے ہیں۔ مثلاً دودھ ہے کہ یہ بھی عرب کے خیال میں جنوں کو
بہت پسند ہے اسی وجہ سے کہتے ہیں اللبن محتضر فغط انا رک
بھائی دودھ پر جنوں کا سایہ ہوجاتا ہے اپنے برتن پر کپڑا ڈال لو۔ اسی طرح
کنفث محصنورہ (جنوں کے بنائے ہوئے مکانات) اُس مقام کو کہتے ہیں
جہاں جن آیا کرتے ہیں۔

جنوں کے بنائے ہوئے مکانات میں سے ایک صرواح ہے جس میں
بلقیس شاہزادی حاکم شہر سبا رہتی تھی۔ دوسرے تدمر ہے (یہ قلعہ شام میں بنا
ہوا ہے) علیٰ ہذا القیاس ہر قدیم عمارتوں کو جو نہایت استحکام کے ساتھ
یا نہایت خوبصورت اور خوشنما بنی ہیں اُنکو عرب جاہلی یہی سمجھتے تھے کہ بس
جنوں نے ہی بنایا ہے۔ آدمیوں کی قوت اسکے بنانے میں صرف نہیں
کر سکتی۔

جنوں کی آواز۔ عرب کا خیال ہے کہ جنوں کی آواز چٹیل میدانوں
میں سنائی دیتی ہے۔ اُسکو عزف کہتے ہیں۔
زہی زہی۔ ہیم۔ اُسی آواز کی نقل ہے۔
بڑے سے بڑا خوف جو لوگوں کو جنوں سے ہے وہ یہ ہے کہ اکثر بیابانوں

انسانی مردوں پر عاشق ہو جاتی ہیں۔ اور ان سے بدفعلی چاہتی ہیں۔ اور
اسی طرح جن بھی انسانی عورتوں پر عاشق ہو جاتے ہیں۔ اور کبھی ایسا بھی
ہوتا ہے کہ دونوں سے مل کے بچے بھی پیدا ہوتے ہیں۔ بلکہ حیوانات
اور نباتات سے ملکے بھی اولاد ہو سکتی ہے۔

عرب کی قوم نے جن جن آدمیوں کی بابت یہ دعویٰ کیا ہے کہ انکی
ولادت آدمی اور جن یا ملائکہ سے ملکے ہوئے انہیں سے ایک جرہم ہے
عرب کا یہ بھی خیال ہے کہ جرہم انسان اور فرشتے کے تناسل سے پیدا ہوا ہے
اور یہی خیال بلقیس (شہر سبا کی شاہزادی) اور سکندر ذوالقرنین کی نسبت
بھی ہے۔ (بعضوں کا خیال ہے کہ سکندر ذوالقرنین اور سکندر بن فیلبس
مکدونی دو شخص تھے۔ اور اسی سکندر بن فیلبس کو یونانی لوگوں نے ہرقول
کہا ہے)

عمر بن یربوع کی بابت بھی عرب کا خیال ہے کہ آدمی اور سعلاۃ
یا بائی کے تناسل سے پیدا ہوا ہے۔

غرض اسطرح کے بہت سے خیالات تو اُنکے دماغ میں تھے۔
لیکن اسلام نے آکے سب کو مٹایا۔

جنّ اور شیطان کے متعلّق لغات

جمع شیطان۔ خبث ذکور شیطان خبائث مادہ شیطان ابو مرہ
ابو قترہ ابلیس کی کنیت ہے۔

زلنبور۔ ثبر۔ اعور۔ مسوط۔ داسم۔ ابلیس کے پانچ بیٹوں کے
نام ہیں۔ یہی پانچوں اسکی ذریت میں داخل ہیں۔ اور ہر ایک کے متعلق
ایک ایک کام ہے۔

لبنی اسکی بیٹی کا نام ہے۔ قلابا۔ قلوبا شیطانوں کی اولادوں کے

نام ہیں۔ ھیاہ۔ دکالی۔ تفداد اور انہی شیطانوں کے نام ہیں۔ ولھان
مذھب یہ دو شیطان ہیں جو وضو میں بہت سا پانی صرف کراتے ہیں۔
خنزب یہ اس شیطان کا نام ہے جو نماز میں بہکاتا ہے۔
ازب پہاڑوں کی سخت چڑھائیوں اور راہوں کا شیطان ہے۔
ایک شخص نے یہ بھی لکھا ہے کہ اسکو ابن زبیر نے دیکھا تھا۔ اسکے
سر پر ایک کوڑا مارا بس فوراً ہی مرگیا۔
زوبعہ ایک شیطان کا نام یا جنوں کے رئیس کا نام ہے۔ اسی
کے نام سے گرم ہواؤں (گرمی کی لوئیں) کو زوبعہ کہتے ہیں۔ اسوجہ سے
کہ یہ غبار اڑاتی ہے اور آسمان تک لیجاتی ہے۔ اور ایک عمود کی
صورت میں سے آسمان تک غبار قائم ہو جاتا ہے۔ اس شیطان کو ام زوبعہ
بھی کہتے ہیں۔ اس خیال سے کہ یہی غبار اڑاتا ہے۔

چھٹی فصل

عرب کی عادات اور وحشیانہ خیالات جو اسلام کے آنے سے برطرف ہوئے

عرب جاہلین کے بہت سے وحشیانہ خیالات تھے اور بہت سی
لغو عادتیں تھیں جنکو وہ اپنی رائے میں بہت بہتر سمجھتے تھے۔ لیکن
اسلام نے ان سب کو مٹا دیا۔
منجملہ انکے بحیرہ۔ سائبہ۔ حام۔ خمر۔ میسر۔ انصاب۔ ازلام
وادالبنات۔ رفادۃ فی الحج تھے۔ لیکن جس دن سے کہ یہ آیت نازل

ہوتی۔ جسکا ماحصل یہ ہے کہ "خدا تعالےٰ نے ہرگز بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ اور حام کو نہیں قرار دیا ہے۔ اور خمر (شراب) اور میسر اور انصاب اور ازلام نجس چیزیں ہیں۔ اور شیطانوں کے فعل ہیں۔ ان سے پرہیز کرو۔" بس اُسی دن سے یہ سب فضول باتیں ترک ہوگئیں۔

بحیرہ اُس اونٹنی کو کہتے تھے جسکے پانچ بچے ہو چکے ہوں اور آخری بچہ نر ہو۔ تو اُس اونٹنی کا کان شق کرکے چھوڑ دیتے تھے۔ اسکی زکات بھی نہیں دیتے تھے۔ اور یہ بھی حکم تھا کہ چاہے کہیں چرے چاہے کسی گھاٹ پر پانی پیئے۔ کوئی شخص اُسکو نہ روکے (جیسے ہندوؤں میں سانڈ بیل کی قدر ہوتی ہے)

سائبہ (غلام آزاد) جب کوئی شخص اپنے غلام کو آزاد کرتا تھا تو کہدیتا تھا ھو سائبہ۔ اس کہدینے کے بعد کوئی صیغہ اور کوئی میراث اُن دونوں میں نہیں رہجاتی تھی۔

وصیلہ بھیڑوں میں ہوتا تھا۔ یعنے جب کسی بھیڑ کے بچہ پیدا ہوتا اور وہ مادہ ہوتا تو اُسکو اپنے واسطے رکھتے اور اگر نر پیدا ہوتا تو اپنے بتوں پر چڑھاتے۔ اور اگر نر اور مادہ دونوں پیدا ہوتے تو کہتے تھے۔ وصلت اخاھا (یہ مادہ بچہ اپنے بھائی سے لگیا) پھر اُس نر کو قربانی نہیں کرتے تھے۔

حام۔ نر اونٹ کو کہتے تھے۔ جس نر اونٹ کی جفتی سے دس بچے پیدا ہو چکتے تھے تو پھر اُسکی اتنی عزت کرتے کہ کبھی اُسپر بوجھ نہ لادتے۔ نہ سوار ہوتے۔ اور کسی مقام پر چرنے اور پانی پینے سے نہ روکتے۔ اسی کو حام کہتے تھے۔

خمر۔ جو چیز کہ عقل کو خراب کرے۔ جاہلی عرب کا قاعدہ تھا کہ جو کوئی شراب بیچا کرتا۔ اپنے مکان پر ایک جھنڈا بھی کھڑا کر دیتا تھا جس سے شرابیوں کو معلوم ہوتا تھا کہ یہاں شراب بکتی ہے (اُن جھنڈوں کو غایت کہتے تھے

جاہلی عربوں کو اسقدر شراب خوری سے شوق تھا اور اسقدر اس فعل کو معزز سمجھتے تھے کہ مقام فخر میں اپنی کثرت شراب نوشی اور جوا کھیلنے پر ناز کیا کرتے تھے۔ اُنکا یہ خیال تھا کہ کثرت سے جوا کھیلنا اور شراب پینی جود و بخشش کی علامت ہے۔ اُنکے شوق کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ ابو غبشان نے ایک مشک شراب پر خانہ کعبہ کی کنجیاں بیچ ڈالیں گو اُسکے بعد پشیمان ضرور ہوا۔

اسی کثرت شوق کی وجہ سے اُنہوں نے اپنے شعروں میں سینکڑوں ناموں اور صفتوں سے شراب کو یاد کیا ہے۔ اور وہی اثر باقی رہا کہ اسلامی شعرا نے بھی اس مذاق کے شعر بہت سے کہے ہیں۔ عرب کو اس بنت العنب کی مدح سرائی میں بہت کچھ کمال حاصل تھا۔ ہر شخص نے کچھ نہ کچھ ضرور اپنی طبیعت آزمائی اسکی توصیف میں کی ہے۔ مگر نفیس و لطیف وہی شعر ہیں جنمیں اوصاف خمر و بادہ بیان کیے گئے ہوں اور دورِ جام و کاس کی کیفیت میں کسی قسم کا تفنن بھی ہو۔ لیکن صوفی شعرا نے (مثل امام فارض وغیرہ کے) جو اسکی تعریفیں بہت سی کی ہیں (حالانکہ وہ لوگ شراب کو حرام سمجھتے تھے) تو اُسمیں روحانیت کی تعریف مراد لی ہے۔ جیساکہ فارض نے کہا ہے۔

قالوا شربت الاثم کلا وانما
شربت التی فی ترکھا عندی الاثم

"لوگوں نے مجھے کہا کہ کیا تو نے گناہ (شراب) واقعی پی لیا۔ میں نے کہا جی ہرگز بھی نہیں بلکہ میں نے ایسی چیز پی ہے کہ جسکے نہ پینے میں گناہ تھا۔"

اور اس تاویل کی وجہ یہ ہے کہ ایسے صوفیان صافیہ شراب کو خیر حرام سمجھتے ہی تھے نہیں بلکہ اُسکے علاوہ دودھ تک کو حرام سمجھتے تھے جہاں اُسمیں فی الجملہ نشئی آ گئی۔ کیونکہ وہ خیال کرتے تھے کہ ترش دودھ دل و دماغ کو خدر اور سست کر دینی کی قوت ہے اسیوجہ سے اُسکی نازل

میں داخل کر لیا تھا۔

اس بارے میں عرب کے ادیبوں کی بہت سی کتابیں موجود ہیں۔ مثلاً ایک کتاب امام نواجی کی تصنیف سے حلبۃ الکمیت ہے۔ اسکی بابت بیان کیا گیا ہے کہ جو کوئی ایک مرتبہ اس کتاب کو پڑھ لے کیا ممکن کہ اپنے آپ کو شراب پینے سے روک سکے۔ مصنف نے اپنی اس تالیف کو اپنی کتاب کے باب اول میں درج کیا ہے جسمیں شراب کے بہت سے نام عرب جاہلین اور اسلامیین کے اشعار سے منتخب کر کے درج کئے ہیں۔

شراب کے نام

خمر۔ راح۔ راحۃ۔ مدام۔ قرقف۔ قفار۔ خندریس۔ صہبا۔ قہوہ۔ شراب۔ طلا۔ رحیق۔ شمول۔ حمیّا۔ کمیت۔ مروقۃ۔ معتقہ۔ مشعشعہ۔ صافیہ۔ شمولہ۔ صرف۔ عتق۔ عاتق۔ بکر۔ عذرا۔ عروس۔ ام الدھر۔ اخت المسرۃ۔ ابنۃ العنب۔ سلسال۔ سلسبیل۔ سکر۔ نبین۔ فضوح۔ عجوز۔ شمطاء۔ کلیسا۔ دم جریال۔ اسفنط۔ عقور۔ مزہ۔ معرقۃ۔ معرق۔ درباق۔ زنجبیل۔ ناموز۔ ماریہ۔ سبا۔ سبیہ۔ حطیہ۔ مصطار۔ مصطلق۔ مصفق۔ مصفقہ۔ خرطوم۔ قطب۔ سخامد۔ عانیہ۔ حانیہ۔ مخیلہ۔ مطیبہ۔ مازی۔ مجیبہ۔ نشائۃ۔ منشیہ۔ ھنیۃ۔ بابلیہ۔ بلسانیہ۔ مزنیہ۔ زبیبیہ۔ ثملیہ۔ خفیہ۔ سامریہ۔ ساھریہ۔ مریۃ۔ معذی۔ مسلیہ۔ ساریۃ۔ معینہ۔ اسرہ۔ قاھرہ۔ خلہ۔ نمامہ۔ ذبابۃ۔ ممویۃ۔ مصعہ۔ طاردہ۔ مبیمہ۔ مقدمہ۔ موخرہ۔ فیہج۔ صرخد۔ قندیل۔ کسیس۔ زرجون۔ شموس۔ معزی۔ غرب۔ رساطون۔ فارض۔ ماقع۔ ناقع۔ مبہم۔ نبید۔ شرابونیا۔ صومع۔ مفاح۔ حجلۃ۔ عسجد۔ فوادالدن۔ ام عنا۔ ام زنیق۔

ام لیلی۔ ام الخبائث۔ حرام۔ اثم۔ مثلثہ۔ (یہ وہ شراب ہے کہ آگ رکھ کے تین حصہ جلالی گئی ہو یا محذرمہ۔ بتع (شہد کی شراب) مجعہ (جو کی شراب)، مزر (گیہوں کی شراب)، سکرکہ چینے کی شراب یہ شراب حبشہ کی ہے)

ایک شخص نے یہ بھی لکھا ہے کہ شراب کے ایک ہزار نام ہیں۔

اوقات استعمال کے لحاظ سے بھی اسکے مختلف نام ہے۔ مثلاً صبح کی شراب کی صبوح۔ شام کی شراب کو غبوق۔ دوپہر دن کی شراب کو قیل۔ اول شب کی شراب کو فحمہ۔ منھ اندھیری صبح کی شراب کو جاشریہ۔ ایک شاعر صاحب فرماتے ہیں۔

وافضل ما یهدی الی الشئ جنسه
وللروح اهدی الراح فهی لها جنس

"بہتر سے بہتر جو چیز کسی کو ہدیہ دیجاتی ہے وہی ہوتی ہے جو اسکی جنس میں داخل ہو۔ اور روح کا عمدہ ہدیہ شراب ہے کیونکہ یہی اسکی جنس سے ہے"

ابو نواس صاحب فرماتے ہیں اور گویا اس مطلب کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ فقط زبان ہی کو اگر مزہ حاصل ہوا تو کیا بلکہ کان آنکھ۔ ناک کو اس مزے میں شریک ہونا چاہیئے۔

الا فاسقنی خمرا وقل لی هی الخمر
ولا تسقنی سرا اذا امکن الجهر

"اے ساقی مجھے شراب پلا اور یہ بھی کہہ یہ شراب ہے (کہ کانوں کو مزا آئے) اور پھر چھپا کے نہ پلا بلکہ ظاہر بظاہر پلا کہ آنکھیں بھی اسکو دیکھیں"۔

دوسرا شعر اسی ابو نواس کا ہے جسمیں پینے کی مقدار کو ظاہر کرتا ہے۔

رایت طبائع الانسان اربعة هی الاصل
فاربعة لاربعة لکل طبیعة رطل

"میں نے دیکھا کہ انسان کی اصل طبائع چار ہیں (یعنی عناصر) لہذا چار کو چار ہی جام دینا چاہیئے۔ ہر ایک کو ایک ایک رطل"۔

اعشی شراب کے دو اموسنے کو بیان کرتا ہے۔

وکاس شربت علی لذۃ	"ایک جام شراب تو میں نے لذت کے
واخری تداویت منہا بہا	واسطے پیا اور دوسرا اسواسطے کہ شراب

پینے کا علاج شراب ہی سے کروں (کیونکہ ضروری بات ہے کہ شراب کا نشہ بغیر شراب کے نہیں اُترتا۔ (جیساکہ اکثر شرابی کہتے ہیں)

ایک اور صاحب عجیب رنگ کا شعر فرماتے ہیں جس سے بناتے ہیں اُنکی تمام زندگی وقف شراب وغیرہ ہے۔

للبرش یوم ویوم للحشیش ولل	"ایک دن تو میں نے برش (ایک
افیون یوم وللصہباء یومان	قسم کی گھاس معلوم ہوتی ہے) کیواسطے

رکھا ہے اور دوسرا بنگ کے واسطے اور تیسرا دن افیون کے واسطے اور دو دن متواتر شراب کے واسطے"۔

میسر - ازلام

میسر تو جوا ہے اور ازلام تیر ہیں جنمیں ابھی پر نہ لگائے گئے ہوں ازلام المیسر عرب کا ایک قسم کا جوا ہے۔ جو انہی تیروں سے کھیلا جاتا تھا اُن تیروں کو مغالق بھی کہتے تھے۔ سبب یہ تھا کہ یہ تیر گویا خطرے کو بند کردیتے تھے۔ یعنے چونکہ انہی تیروں پر فیصلہ ہوجاتا تھا اسوجہ سے کوئی فساد نہیں ہوسکتا تھا۔ جسطرح کہتے ہیں غلق الرھن یعنے جائداد مرہونہ بند اور مقید ہوگئی۔ اب نہیں چھوٹ سکتی۔

اہل تواریخ لکھتے ہیں کہ جاہلیت کے زمانے میں مالدار لوگ موٹی موٹی بکریاں مول لیتے اور اُنکو ذبح کرکے اٹھائیس حصوں پر تقسیم کرتے۔ اور دس تیروں سے حصہ بانٹ لگاتے۔ انہی تیروں کو ازلام کہتے تھے۔ ہر ایک کے علیحدہ علیحدہ نام یہ ہیں۔ فذ۔ توام۔ رقیب۔ نافس۔ حلس۔ مسبل۔ معلی۔ فسیح۔ منیح۔ وغد۔ انہیں سے ہر ایک تیر کا

ایک خاص حصہ ہے۔ مثلاً فذ کا ایک حصہ ہے اور توآم کا دو۔ اور رقیب کا تین۔ اسی طرح معلیٰ تک ایک ایک بڑھتا گیا ہے۔ یہانتک کہ معلے کے سات حصے قرار پائے۔ اب رہا اختلاف ترتیب۔ بعض تو کہتے ہیں کہ نافس چوتھا تیر ہے۔ بعضے کہتے ہیں کہ پانچواں ہے۔ باقی تین اخیر والے تیروں کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

حصہ لگانے کا طریقہ یہ تہا کہ ہر تیر پر اسکا نام لکھ کے اور ایک تھیلے میں اُن سب کو رکھ کے کسی معتبر اور موثق آدمی کے ہاتھ میں وہ تھیلی دیدیتے (اوس شخص کو مجیل اور مفیض کہتے تھے) وہ شخص اپنا ہاتھ تھیلی میں ڈالتا اور کوئی سا تیر نکال کے کسی ایک شخص کے ہاتھ میں دیدیتا۔ اور جو کچھ اُس تیر پر لکھا ہوتا اُسکے موافق اُسکو حصہ ملجاتا۔ اور اگر پچھلے تین تیروں میں کوئی اُسکے ہاتھ میں دیتا تو وہ محروم سمجھا جاتا۔ اور اُسکو بکری کی قیمت کا بالکل گھاٹا اُٹھانا پڑتا۔

یہ کھیل اکثر جاڑے کے دنوں میں کھیلا کرتے تھے۔ کیونکہ وہی زمانہ زیادہ اُن کے اطمینان کا ہوتا تھا۔

اس کھیل کا موقع خاص کعبہ کے اندر ہبل (عرب کا ایک بہت بڑا بت تہا) کے سامنے اُس کنوئیں پر ہوتا تھا جہاں وہ اپنے معبودوں پر قربانیاں چڑہاتے تھے۔ اس کام میں لقمان بن عادیت کامل سمجھا جاتا تہا۔ یہانتک کہ ضرب المثل ہوگیا تہا۔ اُسکے ساتھ آٹھ آدمی اور بھی تھے۔ جو اس جوے کے مشاق سمجھے جاتے تہے۔ اُنکے نام حسب ذیل ہیں:۔

بنا مض۔ حممہ۔ طفیل۔ ذفافہ۔ مالک۔ فرعہ۔ قتیل۔ عمار۔ یہ اشخاص بھی ضرب المثل تھے۔ جب جواریوں کی زیادہ تعریف کرتے تو کہتے تھے ھمر ایسار لقمان یعنے یہ لوگ لقمان کے ساتھ کے جواریئے ہیں۔ جیساکہ طرفہ بن عبد کہتا ہے:۔

ھم ابیار لقمان اذا - اعلقت الشتوۃ ابدا الجھد	"یہ لوگ تو لقمان کے ساتھی ہیں جبکہ سرما کا زمانہ جزر (موٹی بکری) پر جوا کھیلنے کو بندکر

منجملہ امثال عرب کے مجیل القداح فالجزور نترتع بھی ہے۔ یہ مثل اس شخص پر کہی جاتی ہے جو کسی کام میں جلدی کرے حالانکہ ابھی اسکا وقت نہ آیا ہو۔ اس سبب سے تیر اندازی جوئے کی اسوقت ہوتی ہے کہ جبکہ اونٹ کو ذبح کر چکیں۔ اور جبکہ وہ اپنی چراگاہوں میں چر رہی ہوں۔ تو کونسا موقع تیر اندازی کا ہے۔

دوسری مثل اسکے متعلق حن قدح ہے۔ (یعنی تیر سے آواز آئی) یہ مثل اس شخص پر کہی جاتی ہے کہ جو کسی کام کو نہ جانتا ہو مگر جاننے والوں میں داخل ہوکے ویسا ہی اپنے آپ کو ظاہر کرنا چاہے۔ اس مثل کا منشاء یہ ہے کہ جب کوئی انجان قرعہ اندازی کرتا ہے تو اسکی ہتھیلی سے تیر نکالنے کے وقت کھنکھناہٹ محسوس ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ شخص تیر اندازی میں دخل نہیں رکھتا۔

اُنکے ہاں قدح (تیر) ابن مقبل کی بہی مثل دیجاتی تھی۔ کیونکہ یہ تیر کبھی خطا نہیں کرتا تھا۔ مالک تیر قبل اُسکے نکلنے کے اپنے ہاں آگ جلا لیا کرتا تھا۔ اُسکو یقین ہوتا تھا کہ میرا تیر کبھی خطا تو کرنے کا نہیں (مجھکو حصہ ضرور ملیگا۔ تو خواہ مخواہ دیر کرنے سے کیا فائدہ پہلے ہی کیوں نہ آگ جلا لوں کہ حصہ ملنے پر فوراً بھون بھان کھا لیا جائے)۔

ایک شخص نے لکھا ہے کہ ابن مقبل نے اپنے تیر سے ستر مرتبہ تیر اندازی کی۔ ایک مرتبہ بھی خطا نہیں کی۔

ایک یہ بھی اُنکی مثل ہے کل امرءٍ اعرف بوسم قدحہ (ہر شخص اپنے تیر کی علامت کو پہچانتا ہے) یہ مثل اس شخص پر کہی جاتی ہے کہ جو شخص اپنی قدر پہچانتا ہو۔ یہ قول اس کلام سے مشتق ہے الصق وسم قدحہ لینے

تیر کی علامت کو دیکھ لے) کیونکہ ہر شخص اپنے اپنے تیر پر ایک ایک علامت بنا دیا کرتا تھا۔ جس سے اپنے اور غیر کے تیر میں تمیز کر لیتا تھا۔ اور اسی کے مطابق اپنے حصّے کا گوشت لیتا تھا۔

جوے کے اقسام بھی عرب میں بہت سے تھے۔ ایک قسم انہیں سے فیال تھے۔ اُنکا طریقہ یہ تھا کہ تھوڑی خاک جمع کر کے کوئی چیز اسمیں چھپا دیا کرتے اُسکے بعد کل خاک کے دو حصّے کر لیتے اور مخاطب سے پوچھتے بتاؤ وہ چیز ان دو ڈھیریوں میں سے کس میں ہے۔ جو شخص ٹھیک بتا دیتا وہ جیت جاتا۔ اور جو نہ بتاتا وہ ہارتا۔ اس سے یہ جملہ بھی مشتق ہے کہ فائل الرجل یعنے فلاں شخص نے اس قسم کا جوا کھیلا۔ اسکے شاہد میں طرفہ بن عبد بکری کا قول موجود ہے۔

یشق حباب الماء حیزومها بها
کما قسم الترب المفائل بالید

"کشتی کا اگلا حصہ پانی کو اسطرح کاٹتا جاتا ہے جسطرح اس قسم کا جواری خاک کے دو حصّے کر دیتا ہے"۔

دوسری قسم مخارجہ ہے۔ یہ جوا انگلیوں پر ہوا کرتا ہے۔ ایک شخص اپنی انگلیوں سے کچھ حساب نکالتا تھا۔ اور دوسرا اپنی انگلیوں سے اور اسکا طریقہ بھی قریب قریب تیر اندازی ہی کے ہے

تیسری قسم مخزق۔ یہ ایک چھوٹی سی لکڑی ہے۔ اُسکی ایک طرف کو تیز کیل لگی ہوتی ہے۔ یہ لکڑی اُن لوگوں کے پاس ہوتی ہے جو تمع بیچ کے خرمے مبادلہ کے طور پر بیچتے ہیں۔ اُنکے پاس اسطرح کی بہت سی لکڑیاں بنی ہوئی رکھی ہوتی ہیں۔ بچے اُنکے پاس خرمے کی بیج لاتے ہیں۔ اور اُس سے شرط ہوتی ہے کہ اس لکڑی کو اتنی مرتبہ ہم خرما پر مارینگے۔ اُتنی مرتبہ جتنے خرمے گریں وہ تو بچے کے ہوئے اور اگر اُس لکڑی نے خطا کی اور نشانہ پر نہ لگی تو بچے کے بیج مفت گئے۔ اور اسکو کچھ نہ ملیگا۔

انصاب - پتھر کی بنی ہوئی مورتوں کو کہتے ہیں۔

ازلام - بھی اسی اگلے طریقے سے نکلا ہوا ہے۔ ان تیروں کو ازلام استخارہ کہتے ہیں۔ اسکی صورت یہ ہوتی ہے کہ تین تیر لیتے ہیں۔ ایک پر لکھتے ہیں امرنی ربی دوسرے پر نہانی ربی۔ تیسرے کو یونہی بے کچھ لکھے ہو چھوڑ دیتے تھے۔ جب کوئی کام کرنے کا ارادہ کرتے تھے تو انہی تیروں کو ایک تھیلی میں رکھ لیتے اور ایک ایک کر کے نکالتے۔ اگر پہلا تیر نکلتا (جس پر امرنی ربی لکھا ہے) تو سمجھتے کہ اب ہمیں کام کرنے کی اجازت نہیں بلکہ حکم ملگیا ہے۔ اور اگر دوسرا نکلتا تو اس کام سے باز آتے۔ اور اگر تیسرا نکلتا (جسکو غفل کہتے تھے) تو دوبارہ قرعہ اندازی کرتے۔ یہانتک کہ اگلے دو نو تیروں میں سے کوئی نکلتا۔ یہ تیر بھی انہی مورتوں کے چوکھٹوں پر رکھے جاتے تھے۔ اور وہیں استخارہ کیا جاتا تھا۔ اور ان تیروں کو قداح الاستقسام والاستخارہ کہتے تھے۔

واد البنات - منجملہ انکی واہی عادات کے ایک واد البنات بھی تھا یعنے جب عرب کے گھر میں کوئی لڑکی پیدا ہوتی تو اسکو زندہ ہی دفن کر دیتے مگر اسکے سبب بیان کرنے میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ کوئی تو کہتا ہے کہ قحط کے زمانے میں عرب ایسا کرتے تھے۔ اور کوئی کہتا ہے کہ قید کی بے حرمتی کے خوف سے زندہ ہی دفن کر دیتے تھے۔ کوئی کہتا ہے شادی کرنیکے شرم سے (یعنے ہم تو دوسروں کی بیٹیاں لاتے ہیں اپنی بیٹیاں کیوں کر کسی کو دیں بڑے شرم کی بات ہے) پہلے پہل جس نے واد البنات (لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینا) کیا ہے قیس بن عاصم تمیمی نامی ایک شخص تھا۔ اسکے بعد تو دوسروں نے بھی یہ طریقہ سیکھ لیا مگر اسلام نے اس رسم کو مٹا دیا۔

اصبہانی کہتا ہے کہ اس قیس نے زمانہ اسلام میں اسلام قبول کیا تھا

اور میدانی نے اپنی امثال میں۔ حمزہ نے ہیثم بن عدی سے نقل کیا ہے
کہ وأد کا رسم تمام عرب کے قبیلوں میں مروّج تھا۔ مگر اس طور سے کہ ایک
کرتا تھا اور دس چھوڑ دیتے تھے۔ جب اسلام آیا تو یہ رسم کم ہو گئی۔ مگر بنی
تمیم میں اسلام سے قبل بہت زیادتی تھی۔ کیونکہ نعمان کے بھائی ریّان
نے بنی تمیم پر بڑے ظلم کئے تھے۔ اُنکے مال و متاع لوٹ لے گئے تھے۔ انکی
عورتوں کو قید کر لیا تھا۔ (اس سبب سے کہ بنی تمیم نے خراج دینے سے
انکار کیا تھا) جب بنی تمیم کے قبیلے کے لوگ بطور مہمان کے نعمان بن
منذر کے پاس آئے اور اپنی قیدی عورتوں کی بابت گفتگو کی تو نعمان نے
کہا کہ اچھا ان عورتوں کو اختیار ہے چاہیں یہاں رہیں چاہیں تمہارے
ساتھ جائیں۔ غرض اُن عورتوں میں ایک لڑکی قیس بن عاصم مذکور کی بھی
تھی۔ اُس نے کہا میں اُسی شخص کے پاس رہونگی جو مجھے لایا ہے۔ اور
اصلی شوہر کے پاس نہ جاؤں گی۔ جب یہ سنا تو قیس نے نذر کر لی کہ اُسکے
گھر میں جتنی لڑکیاں پیدا ہونگی اُنکو زندہ زمین میں دفن کر دوں گا۔ اسی نذر
کے سبب سے تقریباً دس لڑکیاں اُس نے زندہ دفن کر دیں۔ اسی کے اس
فعل کے سبب سے قرآن میں لڑکیوں کے زندہ دفن کرنیکی سخت ممانعت وارد ہوئی۔
ایک شخص نے یوں لکھا ہے کہ قریش بھی اپنی لڑکیوں کو کوہ ابودلامہ
پر جو مکہ میں واقع ہے دفن کر دیتے تھے۔

آخر میں بنی تمیم ایک شخص پر بہت فخر کرنے لگے تھے جس نے
اُنکی لڑکیوں کو خرید کر کے پرورش کی تھی۔ اور اسکے سبب سے بہت سی
لڑکیاں زندہ بچ گئیں۔ اس شخص کو محی الوئیدات کہتے تھے۔ نام اسکا صعصعہ
بن ناجیہ تمیمی تھا۔ اور مشہور شاعر فرزدق کا دادا تھا۔ یہ شخص اس بارے میں
ضرب المثل بھی ہو گیا تھا۔

رفادۃ فی الحج۔ ایک قسم کا محصول تھا۔ تو تمام قریش ہر موسم حج میں

اپنے مالوں میں سے قصی بن کلاب قریشی کو دیا کرتے تھے۔ وہ ان پیسوں سے کھانا پکواتے تاکہ جو بے چارے مفلس حج کو آتے ہیں انکو کھلایا جائے قصی (مذکور الصدر) نے یہ محصول تمام قریش پر لازم کر دیا تھا۔ (دیکھو چوتھے مقالہ کی دوسری فصل)

رتم۔ یہ ایک قسم کا مشہور درخت ہے۔ عرب کے خیالات میں سے یہ بات تھی کہ جب کوئی انمیں سے سفر کو جاتا تو اس درخت کی کسی باریک شاخ کو لیکے گرہ لگا دیتا۔ جب سفر سے واپس آتا تو دیکھتا کہ وہ گرہ کھل گئی ہے یا اسی طرح بند ہی ہوئی ہے۔ اگر کھلی ہوتی تو سمجھتا کہ اسکی عورت کسی دوسرے سے ضرور اسکی غیبت میں پھنس گئی تھی۔ اور اگر بند ہی ہوتی تو اسکی پاکدامنی کا یقین کر لیتا۔ اسی کے متعلق یہ حکایت لکھی ہوئی ہے کہ کوئی عرب کہیں سفر کو جانے لگا تو اپنی بیوی سے چلتے وقت کہا کہ دیکھنا خبردار میری غیبت میں کسی دوسرے کے پاس نہ جانا۔ کیونکہ میں درخت رتم میں گرہ دیئے جاتا ہوں۔ جہاں تو نے کوئی بدکاری کی اور وہ گرہ کھل گئی بس میں سمجھ جاؤں گا کہ تو نے بدکاری کی۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

هل ینفعك الیوم ان همت بهم	"کیا اگر تیری بیوی دوسروں پر
كثرة ما توصي وتعقاد الرتم	جا عاشق ہو جائے گی اور بدکاری

کرے گی تو تجکو بہت سی وصیتیں کرنے اور رتم کی شاخ میں گرہ لگانی فائدہ دے گی"۔ ہرگز نہیں۔

اسی شعر کی بنا پر ایک مثل بھی بنی ہے۔ اعجل من تعقاد الرتم (یعنے فلاں شخص رتم میں گرہ لگانے سے بھی زیادہ بے فائدہ اور بے خیر ہے کہ جسطرح رتم میں گرہ لگانے کا کوئی نتیجہ اور فائدہ نہیں اسی طرح اس شخص سے بھی کوئی فائدہ نہیں۔)

رِتیمہ۔ رتم ہی کے طور سے ہے۔ عرب میں سے جب کوئی مرتا تو اسکی اونٹنی کو اُسکی قبر کے پاس باندھ دیتے اور آنکھیں اسکی بند کر دیتے۔ یہانتک کہ وہ مرجاتی۔ اسکی غرض یہ تھی کہ اپنے خیال میں وہ سمجھتے تھے کہ جب یہ شخص اپنی قبر سے اُٹھیگا تو اسی اونٹنی پر سوار ہو کے میدان حشر میں جائے گا۔ اس اونٹنی کو بلیہ کہتے تھے۔

اور ایک اونٹنی عکس البلیہ ہے۔ اسکی صورت یہ تھی کہ اُسکے سر کو سر جھکا کے سینے کے قریب لا کے باندھتے تھے۔ اُسکو پھیر کے پیٹھ کیطرف اور اسی حالت پر چھوڑ دیتے تھے۔ یہانتک کہ مرجاتی تھی۔ اس فعل کی بھی وہی وجہ تھی۔

تعمیتہ تفقیتہ۔ جب کسی عرب کے پاس ایک ہزار اونٹ ہو جاتا تو انہیں جو سانڈ ہوتا اُسکی ایک آنکھ اس خیال سے نکال لیتے تھے کہ اب ان ہزار اونٹوں پر نظر بد اثر نہ کرے گی۔ اور جب ایک ہزار سے زیادہ مقدار ہو جاتی تو دوسری آنکھ بھی بیکار کر دیتے اسی وجہ سے مثل میں عندنا مال عاقر عین یعنے فلاں شخص کے پاس ایسا مال ہے جسکی آنکھیں نکال لیگئی ہیں۔ یعنے کسی طرح نہ تو تلف ہوتا ہے نہ نظر بد کا اثر اُسپر ہوتا ہے۔

داء العر۔ جب کسی اونٹ کو مرض عرّ (یہ ایک مرض ہے کھجلی کیطرح سے اونٹ کو ہوتا ہے) ہوتا تو صحیح سالم کو داغ دیتے تھے کہ اسکے اثر سے بیمار اونٹ بھی اچھا ہو جائے گا۔ اسکی سند میں نابغہ کا شعر ہے۔

حملت علی ذنبہ وترکتہ	’’دوسرے کا گناہ سب تونے میرے اوپر
کذی العر یکوی غیرہ وھو راتع	لادیا۔ اور اُسے چھوڑ دیا جیسے کہ عرّ

والے اونٹ کے عوض میں صحیح سالم اونٹ کو جو آرام سے چر رہا ہے۔ داغ دیا جاتا ہے حالانکہ وہ بالکل بیماری سے پاک ہے‘‘۔

اس بیت کا دوسرا مصرعہ بطور مثل کے اُس شخص پر کہا جاتا ہے جو کہ خود تو

بے چارہ بے قصور اور دوسرے کے قصور میں پکڑا گیا ہو۔

تسکین النوق النافرہ (بھاگنے والے اونٹوں کو ٹھہرانا) عرب کا خیال تھا کہ جب کوئی اونٹ بھاگنے لگے اور اُسکی ماں کا نام لے لیا جاوے تو فوراً ٹھہر جاتا ہے۔

سقی البقر جب کوئی گائے پانی نہ پیتی ہو تو بیلوں کو مارنے لگتے تھے۔ اور خیال یہ تھا کہ بیلوں پر جن سوار ہو جاتا ہے۔ اور اُنکو پانی نہیں پینے دیتا۔ ابن مدرک کہتا ہے۔

انی وقتلی سلیکا ثم اعقله	"میرا سلیک کو قتل کرنا اور پھر اُسکی دیت دینی ایسی ہے کہ جیسی گائے جب پانی نہ پئے تو بیل کو مارتے ہیں"۔
کالثور یضرب لما عافت البقر	

(اس شعر کا دوسرا مصرعہ بھی غیر مجرم کو مجرم قرار دیکے سزا دینے کے مقام میں استعمال کیا جاتا ہے۔)

مگر اور اہل لغت نے یہ لکھا ہے کہ ثور ایک گھانس ہوتی ہے۔ جو پانی پر پھیلی ہوئی ہوتی ہے اور اُسکے سبب سے گائے پانی نہیں پینی۔ جب اُس گھانس کو لکڑی سے پیٹتے ہیں اور وہ پانی پر سے ہٹ جاتی ہے تو پھر گائے پانی پیتی ہے۔

محیط المحیط میں لکھتے ہیں کہ عرب اپنی گائیوں کو اسوجہ سے نہیں مارتے تھے کہ وہ دودھ دیتی ہیں تو ڈرانے کے واسطے بیلوں کو مارتے تھے تاکہ اس ڈر سے گائیں بھی پانی پئیں۔

ہامہ۔ عرب کا خیال تھا کہ جب کوئی مار ڈالا جائے اور اُسکے خون کا بدلا نہ لیا جائے تو اُسکی کھوپڑی میں سے ایک طائر (ہامہ) نکلتا ہے۔ اور چیخا کرتا ہے کہ مجھے پانی پلاؤ۔ پانی پلاؤ۔ اور جبتک عوض نہ لیا جائے تب تک یونہی چیخا کرتا ہے۔

اور ایک گروہ عرب کا یہ خیال تھا کہ خود اُس آدمی کی روح پرندہ بنکر آتی ہے اور اپنے جسم کی قبر پر چیخا کرتی ہے۔ شاعر کہتا ہے۔

سلط الموت والمنون علیھم	"اُن لوگوں پر موت نے قبضہ کرلیا ہے
فلھم فی صدی المقابر ھام	اسی وجہ سے مقبرے کی صدی (ایک

پرندے کا نام ہے) میں ہام بھی چیختا ہے"۔

مگر اصبہانی نے لکھا ہے کہ اس پرندے کو ہام کہتے ہیں۔

اور اُنکا یہ بھی خیال تھا کہ یہ پرندہ بڑھتا رہتا ہے۔ اور برابر متوحش رہتا ہے۔ اور اکثر غیر آباد شہروں اور تجدسیوں کے قبرستانوں اور مقتولوں کی قتلگاہوں میں رہا کرتا ہے۔ ایک یہ بھی خیال ہے کہ ہامہ ہمیشہ میت کی اولاد کے پاس آیا جایا کرتا ہے کہ اپنے بچوں کے حالات معلوم کرتا رہے اور میت کو خبر دے۔ اسی وجہ سے عرب کی عورتیں کسی مقتول پر روتی نہیں جبتک اسکے خون کا عوض نہ لے لیا جائے۔ کیونکہ وہ سمجھتی تھیں کہ اُسوقت تک وہ شخص زندہ ہی رہتا ہے۔

یہ رسم عرب میں اسلام کے آنے تک برابر رہی۔ مگر جب اُس نے یہ کہدیا کہ لا عدوی ولا طیرۃ ولا صفر ولا ھام یعنے اسلام میں یہ چار چیزیں نہیں ہیں۔ اُسوقت سے یہ رسم بھی اُٹھ گئی۔ (طیرہ اور ہام تو معلوم ہو چکا مگر عدوی ایک مریض سے دوسرے صحیح وسالم شخص میں مرض کے سرایت کرنے کو کہتے ہیں اور صفر آگے آتا ہے)

صفر ایک سانپ ہے جو انسان کے پیٹ میں رہتا ہے۔ یہ بھی اُنہی خیالات میں سے ہے۔ وہ کہتے تھے کہ جب وہ سانپ بھوکا ہوتا ہے تو اسکی پسلی کی ہڈیوں کے غضروف کو کاٹ کے کھاتا ہے۔

جان ایک سفید سانپ ہے جسکی آنکھیں سرمگیں ہیں۔ گھروں میں بہت رہتا ہے۔ ان سانپوں کی بابت عرب کا یہ خیال تھا کہ جب کوئی

شخص اُنھیں مار ڈالے تو جنات آ کے اُسکا بدلہ لیتے ہیں۔ اسی وجہ سے اُنکی امثال میں یہ بات مشہور ہے کہ الارقم ان یقتل ینقم وان یترک یلقم۔ ارقم (سانپ ہے) کو اگر مار ڈالو تو بدلہ لیتا ہے اور اگر چھوڑ دو تو کھا لیتا ہے (سخت مصیبت ہے)

عرب کا یہ بھی خیال تھا کہ سانپ ایک ہی چوٹ میں مر جاتا ہے اگر دوبارہ اُسکو مارا جائے تو پھر زندہ ہو جاتا ہے۔

حفظ الاسنان (دانتوں کی حفاظت) عرب کا یہ خیال تھا کہ بچے کا جب دانت لوٹتا ہے۔ اگر اپنے دانت کو آفتاب کیطرف پھینکدے اور یہ کہے کہ اے آفتاب مجھکو اس سے بہتر دانت دینا تو اُسکے نہایت خوبصورت دانت نکلتے تھے۔

التحفظ من الوباء (وبا سے حفاظت) عرب کا خیال تھا کہ جب کوئی شخص کسی قصبہ میں آئے اور وہاں کی وبا سے اُسکو خوف ہو تو اُس قصبہ کے دروازے پر کھڑے ہوکے گدھے کیطرح آواز بنا کے چیخے۔ پھر اُسکو وبا نہ ہوگی۔

اهتداء (بھولی ہوئی راہ پا جانی) جب کوئی شخص راہ بھول جائے اور اپنے کپڑوں کو اُلٹ لے تو اُسے راہ ملجائے گی۔

دوام النقلات کسی عورت کے بچے مر جایا کرتے ہوں اور وہ کسی شریف مقتول آدمی کی لاش کو خوب اپنے پاؤں سے کچلے تو پھر اُسکے بچے نہیں مرتے۔

استسقاء کسی سال جب قحط پڑتا اور زمینیں بالکل خشک ہو جاتیں زراعت نہ پیدا ہوتی۔ تو چند شاخیں درخت سلع اور عشر کی لے آتے تھے۔ اور اُنکو جنگلی بیلوں کے دموں میں باندھ کے پہاڑ سے نیچے گرا دیتے اور اُن لکڑیوں میں آگ لگا دیتے۔ غرض یہ تھی جب یہ جانور بے چین ہونگے تو

خدا تعالےٰ اُسکی آگ بجھانے کو پانی ضرور برسائے گا۔ ہم بھی اُس سے فائدہ اُٹھائینگے۔ ایک شاعر کہتا ہے

"ان آدمیوں کی نیکیاں کچھ بھی نہیں ہیں جنکی کوششیں رائگاں گئیں یہ تو چاہتے ہیں کہ قحط کے وقت عشر کی لکڑی سے کام نکالیں اور	لادرّ درّ اناسٍ خاب سعیهم یستمطرون لدی الازمات بالعشر اجاعلٌ انت بیقورا مسلّعة ذریعةً لك بین الرب والمطر

پانی برسائیں۔ اے شخص کیا تو چاہتا ہے کہ ان بیلوں کے ذریعے سے جنکے دموں میں سلع کی لکڑی بندھی ہوئی پانی برسائے اور اُنکو پانی اور خدا کے درمیان واسطہ قرار دے"۔

صدحة المطر۔ یہ ایک قسم کا منتر ہے جس سے ایک مقام پر پانی برستا ہے۔ اور دوسری جگہ نہیں برستا مثلاً ایک شخص کو منظور ہو کہ میرے مکان پر نہ پانی برسے تو وہ اسی منتر کو استعمال کرتا تھا۔ اسکے اثر سے اور اور مقامات پر پانی پڑتا اور اُسکے مکان پر نہ پڑتا کبھی تو اپنے محلے بھر سے پانی کو روک دیتے تھے کبھی فقط اپنے مویشیوں پر سے غرض کہ یہ رسم بھی عرب کے تمام شہروں میں رائج تھی۔

توابع۔ اُنکے خیال میں ہر انسان کے ساتھ ایک جنّ بھی ضرور ہوتا تھا۔ اسی وجہ سے کہتے تھے معہ تابعۃ اُسکے ساتھ ایک جنیہ ہے۔ وہ یہ بھی خیال کرتے تھے کہ خرگوش سے جن بھاگتا ہے۔ اسیوجہ سے اسکے پاؤں کی ہڈی کو بجائے تعویذ کے استعمال کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ جس گلے میں یہ ہڈی لٹکائی جائے تو نظر بد اور جادو سے محفوظ رہیگا۔

تمائم۔ تمیمہ کی جمع ہے۔ تمیمہ خرز کو کہتے ہیں۔ خرز کی جمع اخراز استعمال ہوتی ہے۔ عام لوگ اسکو خرزہ بھی کہدیتے ہیں۔ مگر اصل میں یہ کالی یا مختلف اللون کوڑی ہوتی ہے جسکو چمڑے کی ڈوری سے باندھکے

گلے میں لٹکا دیتے ہیں۔

اسکو تمیمہ اسو جہ سے کہتے ہیں کہ اسکی وجہ سے بچے صحیح وسالم رہتے ہیں اور انکا کام پورا ہوتا ہے۔ اسی سبب سے بدوی لوگ اسکو اپنے بچوں کے گلے میں نظر بد سے حفاظت کے واسطے لٹکاتے تھے۔ انکا یہ بھی گمان تھا کہ ام الصبیان کا مرض بھی اس سے دفع ہوتا ہے کیونکہ انکے خیال میں یہ مرض بھی جن کے سبب سے پیدا ہوتا ہے۔ اس بیماری کو قرینۃ الجیط بھی کہتے ہیں۔ متنبی کہتا ہے۔

نظمت مواھبہ علیہ تمائما	"ممدوح کی بخششوں نے اسکے گلے میں
فاعتادھا فاذا سقطن تفزعا	تعویذ لٹکا دیئے ہیں اور وہ اُسکا عادی

ہو گیا ہے اور جسوقت وہ بخشش (یا تعویذ) اُس سے گر گئے فوراً اُسکو صدمہ ہونے لگتا ہے۔"

اماطۃ التمائم (تعویذ اُتار دینا) یہ لفظ کبر سن کے لفظ کا مرادف ہے یعنے جب کسی کی بابت کہتے ہیں کہ امیطت عنہ التمائم تو اسکے معنے بھی سمجھے جاتے ہیں کہ وہ شخص جوان ہو گیا۔ اسواسطے کہ تمائم بچوں کے گلے میں لٹکائے جاتے تھے۔ اور جبتک جوان نہ ہولیتے نہ کھولتے۔ اور جہاں بچہ سن بلوغ کو پہونچا بس تعویذ کھول کے عمامہ اور چادر اسکے سر پر باندھتے اور عبا اُڑھاتے تھے۔ اور تلوار اسکی کمر میں لٹکا دیتے تھے۔ یہ تینوں باتیں عرب میں لوازم بلوغ سے سمجھی جاتی تھیں۔ کیونکہ قبل از بلوغ بچوں کو کپڑا پہنانا انکی رائے میں ضروری بات نہ تھی۔ برہنہ بھی اگر پھرا کرے تو کوئی پرواہ نہیں۔ جب بالغ ہو لیتا تھا اُسوقت سے چادر وغیرہ کا انتظام کیا جاتا تھا۔ مگر جب اسلام آیا تو ان تمائم کے باندھنے کو منع کر دیا۔ حدیث میں ہے من علق التمائم لا اتم اللہ اور جو کوئی تمیمہ گلے میں لٹکائے گا خدا تعالے اسکو اتمام کو نہ پہونچائیگا۔)

یہ بھی حدیث ہے من علق التمیمۃ فقد اشرک (جس نے تمیمہ لٹکایا مشرک ہوا)

التولۃ - یہ بھی ایک قسم کا جادو ہے (اسکی جمع تولات آتی ہے) اس تعویذ کو عورتیں باندھتی تھیں - انکی رائے میں اس تعویذ کی وجہ سے میاں بیوی میں محبت بڑھتی تھی -

تبخر بالخزمی (یہ لفظ خزمی اور خزاء دونوں طرح استعمال ہوا ہے) خزمی ایک قسم کی گھانس ہے کرفس کے مشابہ - واحد اسکا خزاۃ (اور خزازۃ) ان گھانس کو اپنے گھروں میں اس سبب جلاتے اور دھونی دیتے تھے کہ جن اسکی بو سے قریب نہیں آئیگا اور اسکی ایذارسانی سے بچ جائینگے -

سعلاۃ - ایک شیطانی قسم کا حیوان ہے - دن کو بھی لوگوں کو دکھائی دیتا ہے اور رات کے وقت آدمیوں کو ستاتا ہے - اکثر یہ جانور جھاڑیوں اور نیستانوں میں رہتا ہے - جب کبھی اکیلا کسی کو پالیتا ہے اسکو نچانے کودانے لگتا ہے جیسطرح بلا چوہے کو حیران کرتا اور دوڑاتا کوداتا ہے مگر اسکو کبھی بھیڑیا شکار بھی کرلیتا ہے - اسوقت یہ چیختا ہے کہ مجھے بچاؤ بھیڑیے نے پکڑا لیکن کوئی کیوں بچانے لگا - پھر کہتا ہے جو کوئی مجھے بچائیگا اسکو ایک ہزار اشرفی دوں گا - مگر چونکہ لوگ اسکی شرارت سے واقف ہوتے ہیں اسکے بکنے کی کچھ پروا نہیں کرتے -

قطرب - ایک مورخ نے لکھا ہے کہ قطرب سعلاۃ کا نر ہوتا ہے اور اکثر یمن اور مصر میں رہتا ہے -

غول جادہ گر جن کو کہتے ہیں - اکثر اکیلے میں آدمیوں کے سامنے رنگ رنگ کی صورتیں بنا کے آتا ہے تاکہ لوگوں کو راہ بھولا دے اور ہلاک کرڈالے کبھی کبھی آدمیوں سے باتیں بھی کرتا ہے - اور وہ بھی اسکا جواب دیتے ہیں - بہت سے لوگوں نے غولوں کی عجیب عجیب

حکایتیں اور کہانیاں اور معمے اور اشعار بیان کئے ہیں۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ کوئی غول تو انسان کے مشابہ ہوتا ہے اور کوئی چوپایے کے ایسے نر مادہ بھی ہوتے ہیں۔ کعب بن زہیر کہتا ہے۔

فما تدوم على حال تكون بها
كما تلوّن في اثوابها الغول

"میری معشوقہ کبھی ایک بات پر قائم نہیں رہتی جسطرح سے کہ غول نئے نئے رنگ کے لباس میں ظاہر ہوتا ہے"

اسی سے انکی مثل مشہور ہے يتلوّن كتلوّن الغول۔ یہ مثل اس شخص کی بابت کہتے ہیں جو ایک حال پر قائم نہ رہے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں تغولت المرأة (غول بنگئی عورت) جبکہ ایک حال پر باقی نہ رہتی ہو۔

ایک کتاب میں یہ بھی دیکھا ہے کہ غول جنوں میں سے ایک درندہ ہے۔ بعضے یہ بھی کہتے ہیں کہ غول اور سعلاۃ ایک ہی چیز ہے۔ جیسا کہ ایک ادیب نے نظم کیا ہے

لما رأيت بني الزمان وما بهم
خل وفي للشدائد اصطفي
ايقنت ان المستحيل ثلاثة
الغول والعنقاء والخل الوفي

"جبکہ میں نے ابنائے زمانہ کے حالات کا تفحص کیا تو کوئی بھی وفادار دوست نہ پایا جسکو مصائب کیواسطے منتخب کرتا۔ تب میں نے یقین کر لیا کہ محال چیزیں تین ہی ہیں۔ ایک غول دوسرے عنقا، تیسرے وفادار دوست"

عنقاء: اسکو عنقائے مغرب بھی کہتے ہیں۔ یہ بہت بڑا ایک پرند ہے نام تو مشہور ہے۔ مگر صورت کسی نے بھی نہیں دیکھی۔ اسکو عنقا اسوجہ سے کہتے ہیں کہ گلے میں اسکے سفید سی طوق کیطرح کی ہوتی ہے۔

جاحظ نے لکھا ہے کہ تمام دنیا کے لوگ عنقا کی مثل اُن چیزوں کے کہا کرتے ہیں جسکا نام سنتے ہوں اور صورت نہ دیکھتے ہوں۔

عرب کی ایک مثل اسکے متعلق یہ بھی ہے کہ حلقت به في الجو عنقاء

مغرب (یعنے فلاں چیز کو آسمان پر عنقا اڑا لیگیا) شاعر کہتا ہے۔

اذا ما ابن عبد الله خلی مکانہ وقد حلقت فی الجو عنقاء مغرب	"جبکہ ابن عبد اللہ نے اپنا مکان چھوڑ دیا اور اسکو عنقائے مغرب

آسمان پہ اڑا لیگیا"

خیلان - عنقا ہی کیطرح ایک اور جانور ہے۔ دریا میں رہتا ہے عرب کا خیال ہے کہ یہ جانور نصف تو انسان ہے اور نصف بدن سے مچھلی ہے۔ ایک شاعر لکھتا ہے۔

فلا الببغاء بالنطق یعتد عاقلا ولا الخیلان بالجسم یعد انسانا	"نہ تو طوطا گویائی کیوجہ سے عاقل کہا جائیگا۔ اور نہ خیلان جسم کیوجہ سے

آدمی سمجھا جائیگا"

حرقوص - چھوٹا سا جانور ہے کسی قدر پسو سے بڑا باکرہ عورتوں کے مقام مخصوص میں گھس جاتا ہے اور انکی بکارت زائل کر دیتا ہے۔

ہواتف - معلوم نہیں یہ کیا بلا ہے۔ آواز تو اسکی سنائی دیتی ہے مگر صورت نہیں دکھائی دیتی۔ جو شخص رات کو اپنے آپ بیٹھا دل سے باتیں کرتا رہتا ہے اسکو ہاتف کی آواز آتی ہے۔

اکلۃ الشیطان - ایک قسم کا سانپ تھا۔ جاہلیت کے زمانے میں خانہ کعبہ میں آتا اور اپنے آپ کو زمین پہ پٹکتا۔ جو کوئی اس طرف سے گذرتا اس کو کاٹ کھاتا۔ اسی وجہ سے جو شخص کہیں چلا جائے اور اس کا پتہ نہ ملے تو اسپر اسی کی مثل کہتے ہیں۔

پانچواں باب

عرب کے مکانات۔ عمارتیں۔ پوشاک۔ خوراک۔ آداب گفتگو۔ طریقہ سلام۔ اسمیں چار فصلیں ہیں

فصل اول

عرب کی عمارتیں اور مکانات

جاہلیت میں عرب کے مکانات دو قسم کے تھے۔ حضریہ و بدویہ۔

حضریہ کی تفصیل

شہری باشندے عربوں کے مکانات انکے شہروں میں بہت بلند اور عالیشان ہوا کرتے تھے۔ اکثر نفیس نفیس اور قیمتی جواہرات سے (جو بابل میں روم اور عجم سے لیتے تھے) اپنے مکانوں کی زینت کرتے تھے منجملہ ان شہروں کے جنمیں ایسی ایسی عالیشان عمارتیں تھیں ایک مدینہ مآرب ہے مورخین نے لکھا ہے کہ اس شہر کا نام تو یہی تھا۔ مگر مدینہ سبا کے نام مشہور تھا۔ اس شہر کو عبد شمس ملقب بسبا نے آباد کیا تھا اور یمن کے بادشاہوں کا پایۂ تخت یہیں تھا منجملہ وہاں کے بادشاہوں

ملکہ بلقیس بھی تھی۔ جسکا ذکر قرآن اور علاوہ اسکے آسمانی کتابوں میں آیا ہے (ال ص ۱۱۰ - ۱۳)۔

بیان کرتے ہیں کہ اسی شہزادی نے اس شہر میں ایک سد قائم کی تھی۔ جسکو سد مارب کہتے ہیں۔ یہ سد (دیوار) بہت موٹی اور مضبوط تھی۔ اور دو پہاڑوں کے درمیان میں واقع تھی۔ اسکی چوڑائی پانچ یا چھ منٹ کی راہ تھی۔ اسکے بنانے کی غرض یہ تھی کہ بارش اور چشموں کے پانی اسی طرف رکی رہیں۔ اور ضرورت کے وقت اس سے زراعت اور باغوں کو سیراب کیا جائے۔

ایک شخص نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ سد عبد شمس نے ہی بنائی تھی لقمان بن عاد کیطرف بعض لوگوں نے منسوب کیا ہے۔

عرب اس سد کو بھی دنیا کی عجائبات میں سے جانتے تھے۔ اور اکثر مصنفین نے اس سد کی انہدام کی خرابیوں پر گفتگو کی ہے کہ کیا کیا بلائیں اسکے منہدم ہونے سے نازل ہوئیں۔ اسکی بابت تاریخیں بھی لکھی ہیں۔ مگر محققین کی رائے میں کسیقدر یہ واقعات مشکوک ہیں۔

قصر جوزنق۔ کو روم کے ایک شخص مسمی سنمار نے پشت کو نعمان اکبر (بادشاہ) ابن امرؤ القیس لخمی (ملقب بہ محرق) کے واسطے بنوایا تھا۔ بیان کرتے ہیں کہ یہ شخص جب مکان کی تعمیر سے فارغ ہوا تو بادشاہ مذکور الصدر نے اس معمار کو اسی مکان کی چھت پر سے گروا کے مار ڈالا تاکہ کسی دوسرے کے واسطے ایسا مکان نہ بنا سکے۔ اسی سے ایک مثل بھی مشہور ہے جسکو اپنی محنت کا عوض ایسا خراب ملے اسکو کہتے ہیں جوزی جزا سنمار جیسا کہ شاعر کہتا ہے۔

جزی بنوہ ابا الغیلان عن کبر	ابو غیلان کے بیٹوں نے اسکو بڑھاپے
وحسن فعل کما یجزی سنمار	اور اچھے اچھے کاموں کا ایسا ہی بدلہ دیا

جیسا کہ سنمار کو ملا تھا۔

یہاں پر قابل ذکر اور عبرت خیز یہ بات ہے کہ جب اس بادشاہ (نعمان اکبر) نے تیس برس تک بادشاہی کر لی تو ایک دن بیٹھا بیٹھا اپنی تمام سلطنت اور قبضہ و اقتدار و دولت و مال و حشم و خدم پر غور کرنے لگا۔ یکایک اُسکے دل میں یہ بات آئی کہ جسقدر بھی میرے قبضہ میں ہے سب فنا (فی) ل ہے کیونکہ ایک نہ ایک دن میرے ہاتھ سے دوسرے کے ہاتھ میں چلا جائیگا پھر مجھے ان چیزوں کا مالک بننے سے کیا فائدہ ہوا۔ یہ سوچنا تھا کہ اسکے دل میں زہد نے اثر کیا۔ اپنے دربانوں کو کہلا دیا کہ دروازے پر سے چلے جاؤ۔ جب رات ہوئی تو ایک چادر سر پر اوڑھ لی اور چلدیا۔ آجتک نہ معلوم ہوا کہاں گیا۔ اور کیا ہوا۔

سدیر بھی ایک عظیم الشان عمارت عراق میں اسی نعمان کی ہے۔

حصن الصنبر (قلعہ صنبر) امرالقیس بن نعمان اعور کا نتیجہ ہے۔ بعض مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ سنمار مذکور الصدر کا واقعہ اسی بادشاہ کے ساتھ اور اسی قلعہ بنانے کے بعد ہوا ہے۔

قصر غمدان۔ صنعا یمن کے مغربی طرف کو واقع ہے۔ اسمیں چند مشہور غرفے ہیں جنہیں محاریب (محراب کی جمع ہے) کہتے ہیں۔ یہ عمارت نہایت ہی مستحکم اور ضرورت سے زیادہ بلند ہے۔ اسکے سات درجے ہیں۔ اور بہت بلند بلند اور وسیع ہیں جسقدر اسمیں صنعتیں اور کاریگریاں صرف کیگئی ہیں اُسکا کیا کہنا۔ گلکاریاں جتنی ہیں وہ عجیب ہیں۔ قابل دید عمارت ہے۔ اس عظیم الشان مکان کو شرحبیل بن عمرو بن غالب بن منذر بن زید بن یعفر بن سکسک بن وائل بن حمیر نے بنوایا تھا۔ اور اپنی سلطنت کے زمانے بھر یہیں رہا۔ اسکے بعد بادشاہان تبعیین کا دارالسلطنت بنگیا تھا۔ محیط المحیط میں لکھتے ہیں کہ قصر غمدان یمن میں ہے۔ اسکو یشرح نے

چار رنگ کا بنایا تھا۔ ایک رخ سُرخ۔ دوسرا زرد۔ تیسرا سبز۔ چوتھا سفید۔
اُسکے اندر ایک اور قصر بنوایا تھا جسکی سات چھتیں تھیں۔ ہر دو چھتونکے
درمیان چالیس ہاتھ کا فاصلہ تھا۔ یہ وہی مکان ہے جسکو سیف بن
ذی یزن حمیری نے حبشیوں سے چھین لیا تھا (دیکھو باب چوتھا فصل اول)

مارد۔ ابلق۔ سموأل بن عادیا یہودی غسانی کے دو قلعہ ہیں۔ مارد
دومۃ الجندل میں ہے۔ اسکی ساخت سنگ سیاہ سے ہے۔ اور ابلق
مقام تیما میں سنگ سیاہ و سفید سے بنایا گیا ہے۔ ان دونوں قلعوں پر
شہزادی زبا نے چڑھائی کی تھی۔ مگر ناکامیاب رہی۔ بس یہ کہکے پلٹ
آئی کہ تمرد مارد و عز الابلق (مارد تو سرکش ہوگیا اور ابلق دشوار ہوگیا)
جب ہی سے یہ جملہ مثل بنگیا۔

صرح الغدیر۔ بادشاہان غسان کی عمارتوں میں سے ہے۔
جو یان کے اطراف میں قریب بلقار کے ہے اس عمارت کی عمر بن جفنہ
غسانی نے بنا کی تھی۔

قناطر۔ اذرح۔ قسطل جبلہ بن حرث بن ثعلبہ کے مکانات ہیں۔
حفیر۔ مصنعہ۔ قصر ابیر۔ معان۔ یہ بھی جبلہ بن حرث کی عمارتیں ہیں۔
مگر خود بلقار میں رہتا تھا۔

قصر الغضا۔ صفات العجلات۔ قصر منار۔ عمرو بن حرث نے بنوائے
تھے۔ اس نے دمشق اور اطراف دمشق میں بہت سی عمارتیں بنوائی تھیں
منجملہ اُن کے یہ تین مکانات بھی ہیں۔

قصر سویداء۔ قصر حارب۔ نعمان بن عمرو کی عمارتیں ہیں۔
قصر برقع۔ عمرو مذکور الصدر کے بھائی جبلہ بن حرث نے جنگل میں
یہ عمارت تیار کرائی تھی۔ اسی کے ملک سے۔ تدمر۔ قصر برکہ۔ ذات انمار
بھی تھے۔ ان عمارتوں کو جبلہ کے عامل مسمی قین نے تیار کرایا تھا۔

جبلہ ادھمیہ۔ چھوٹا سا ایک شہر ہے۔ غسان کے بادشاہوں میں سے آخری بادشاہ جبلہ بن ایہم نے آباد کیا تھا۔ خلیفہ عمر بن خطاب کے زمانے میں مسلمان بھی ہو گیا تھا۔ پھر قیصر روم سے جا ملا۔ اور نصرانی ہوگیا۔ اور آخر عمر تک وہیں رہا۔ اس بادشاہ کی سلطنت نہایت قوی تھی۔ یہاں تک کہ عرب میں ضرب المثل تھا۔ عرب کہتے تھے۔ فلان اعز ملکاً من جبلۃ ابن ایہم مگر اب یہ جبلہ سلطان ابراہیم ادہم کے نام سے مشہور ہے جو نہایت زاہد شخص تھے۔ وہیں مرے تھے اور وہیں دفن ہوئے
اسقدر تو زمانہ جاہلیت کی عمارتیں ہیں اور ممکن ہے کہ اس سے زیادہ بھی ہوں مگر ہمکو یہیں تک معلوم ہیں۔ اور اسلام کے زمانے میں جو جو عمارتیں مشہور تھیں انہیں سے اکثر کا ذکر باب اول کی تیسری فصل میں آچکا ہے۔ مگر میں مکرر ان کو چند فائدوں کے لحاظ سے بیان کرتا ہوں۔ جس سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ کیوں یہ عمارتیں اور شہر بنوائے گئے تھے۔ اور انجام انکا کیا ہوا۔

بصرہ۔ یہ پہلا شہر ہے جسے اسلام کے زمانے میں اسلامیوں نے آباد کیا ہے۔ عمر بن خطاب جب ابوبکر صدیق کے بعد ۱۳ھ میں متولی خلافت ہوئے تو اس شہر کے آباد کرنے کی کوشش کی۔ اسی وجہ سے انکو اس نئے زمانے کے اعتبار سے پہلا شخص مانتے ہیں جس نے عمارتیں بنوائیں۔ اور شہر کے آباد کرنے کا قصد کیا۔ یہ شہر ۱۴ھ مطابق ۶۳۵ء میں عراق کی سرزمین پر جہاں کہ دجلہ اور فرات ملگئے ہیں نہر العرب کے کنارے بنایا گیا۔ اسکے آباد کرنے کی یہ وجہ تھی کہ ہندوستان اور ایران سے باہم اختلاط تھا۔ مقصود ہوا کہ اس مواصلت اور اختلاط کو قطع کردیا جائے۔ یہ شہر نہایت فرحت خیز تھا۔ اسمیں ایک مشہور بازار تھا۔ جسے مربد بصرہ کہتے تھے۔ شعراء عرب وہاں جمع ہوتے اور اپنے اپنے اشعار پڑھ پڑھ کے

سناتے۔ اسی وجہ سے وہاں ادیب وفصیح اور علماء کا بڑا مجمع تھا۔ اکثر وہاں کے علماء علم نحو میں کامل تھے۔ مگر کوفہ والوں میں اور ان میں اس علم کے متعلق بڑے بڑے اختلاف تھے۔ کوئی کسی مسئلہ میں کچھ رائے دیتا کوئی کچھ۔ مگر کوفے والوں کو اس پر ترجیح نہیں ہوئی۔ کیونکہ بصرہ والوں کی مہارت اس علم میں بڑی بڑی تھی۔ اگر کسیقدر کوفہ کو ترجیح تھی تو فقط اسوجہ سے کہ بغداد سے پہلے وہی سلطنت اسلامیہ کا پائے تخت تھا۔ اور بصرہ کو یہ بات نصیب نہ ہوئی۔ البتہ اسمیں عمال رہا کرتے تھے۔ اکثر اس شہر میں بہت سخت اور ظالم حکام بھیجے جاتے تھے جیسے زیاد بن امیہ۔ حجاج بن یوسف وغیرہ۔

سنہ ۱۲ ہجری کے بارھویں قرن مطابق میلادی قرن میں بصرہ کی آبادی تقریباً ۴ لاکھ کی ہو گئی تھی۔ مگر ابتو سارا شہر برباد ہو گیا ہے۔ اس زمانے میں ساٹھ ہزار سے زیادہ آدمی وہاں آباد نہ ہوں گے۔

کوفہ۔ اس شہر کو بھی خلیفہ عمر بن خطاب نے ۱۷ھ ہجری مطابق سنہ ۶۳۸ء میں بنایا تھا۔ اور اسی کو پائے تخت قرار دیا تھا۔ اس سے پہلے انبار میں تھا۔ کوفے کا لقب اسکے حسن و خوبی کیوجہ سے خد العذراء (باکرہ عورت کا رخسار) پڑ گیا تھا۔ اور یہ بھی وجہ تھی کہ وہاں کی زمین سرخ ریتلی تھی۔ اس شہر کے پائے تخت ہونے کیوجہ سے عراق کا بہت بڑا شہر اسکو سمجھتے تھے اور اسکو قبۃ الاسلام اور دار الہجرۃ جانتے تھے۔ خط کوفی جو مشہور ہے وہ اسی شہر کے نام سے ہے۔ عثمان بن عفان کے زمانے میں عرب کا فرودگاہ اور تجارت گاہ یہی شہر تھا۔

انہی دونوں شہروں میں علماء و کملا بہت ہوئے ہیں۔ ان دونو شہروں کو عراقین بھی کہتے ہیں۔ یہاں کے علماء کی عربیت اعلیٰ درجے کی تھی۔ انہی پر تمام لوگ اعتماد کرتے تھے۔ اور انہی کے کلام سے موقع بہ

استشہاد پیش کرتے تھے۔

ایک فاضل کا کلام ہے کہ جہاں کہیں کسی مسئلے میں اختلاف پڑا ہے تو لفظ کے اعتبار سے بصریوں کا قول ٹھیک ہوتا ہے اور معنے کے اعتبار سے کوفیوں کا۔ (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوفیوں کو ہمیشہ مطلب سے مطلب تھا۔ اور بصریوں کو ظاہرداری اور ظاہر پرستی سے)

جامع اقصیٰ (ایک مسجد جامع ہے) اس مسجد کو بھی عمر بن خطاب ہی نے بنایا ہے۔ شہر اورشلم (قدس شریف) میں اس مقام پر جہاں حضرت سلیمان کی عالیشان عمارت تھی بنوایا ہے۔ یہ مسجد بھی اُن تین مشہور مسجدوں میں سے ہے جنکا ذکر باب چہارم کے دوسری فصل میں آچکا ہے۔

واسط کو حجاج بن یوسف ثقفی نے خلافت عبدالملک بن مروان کے زمانے میں ۸۳ھ ہجری مطابق ۷۰۲ء آباد کیا تھا۔ اور نام اسکا واسط اسوجہ سے رکھا تھا کہ یہ شہر کوفہ اور بصرہ کے وسط (درمیان) میں واقع ہے۔

جامع اموی۔ جب معاویہ بن ابو سفیان نے بعد امیر المومنین علی ابن ابی طالبؓ کے تخت خلافت لیا اور شام کو اپنا پائے تخت بنایا۔ اُس وقت سے جبتک بنی امیہ کی سلطنت باقی رہی یہیں پائے تخت رہا۔ یہ شہر ہمیشہ سے تلواروں کے حق میں مشہور تھا۔ یعنے یہاں لوہے اور فولاد کے پتروں سے بنائی جاتی تھیں۔ یہاں کی تلواروں میں یہ وصف تھا کہ پہلے سے قبضے تک جھک آتی تھیں۔ اور سخت سے سخت چیز کو کاٹ دیتی تھیں۔ مگر اس زمانے میں تو یہ فن وہاں سے بالکل ہی مفقود ہو گیا ہے۔

مشہور ہے کہ تیمور لنگ بادشاہ نے جب اس شہر پر ۸۰۳ھ ہجری کے آٹھویں قرن مطابق چودھویں قرن میلادی میں قبضہ کیا تو یہاں کے کامل تلوار بنانے والوں کو ایران کے ملک میں لے گیا۔ وہاں اُن لوگوں

تلواریں بناہیں مگر دمشق کی تلواروں کو نہ پہونچیں۔
شام میں اب تک آبنوس کا کام بہت اچھا بنتا ہے۔ اُس پر ہاتھی دانت اور سیپ وغیرہ چمکدار چیزیں جڑتے ہیں۔ اس صنعت کا نام اُنکے ہاں قطعیم ہے۔ ریشمی کپڑے اور گھوڑے کے ساز۔ اور سونے کی چیزیں ایسی بنتی ہیں کہ دوسری جگہ نہیں بن سکتیں۔

پھر جب ولید بن عبد الملک کو تخت سلطنت ملا تو ایک جامع اموی بنوائی۔ مشہور ہے کہ یہ جامع مسجد عرب کی تمام عمارتوں سے عظیم الشان ہے اور اسلامی جامع مسجدوں میں کوئی اسکی نظیر نہیں ہے۔ طول اسکا ساڑھے پانچ سو قدم ہے اور عرض ڈیڑھ سو قدم۔ ستون اسکے بہت بڑے بڑے سنگ سماق اور سنگ رخام مختلف الالوان کے ہیں۔ اُسکے قبہ میں چھ سو قندیلیں سونے اور چاندی کی زنجیروں میں لٹکی ہوئی ہیں۔ ماہ صیام میں بارہ ہزار قندیلیں اُسمیں جلائی جاتی ہیں۔ چار مصلوں (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) کے چار محراب علیحدہ علیحدہ بنے ہوئے ہیں۔ اُسمیں پچھتر موذن مقرر ہیں جو اُسکے تین مینار و منبر اذان کہتے ہیں۔
ایک شخص نے بیان کیا ہے کہ ولید نے اس مسجد کے بنوانے میں تین کروڑ اشرفیاں صرف کی ہیں۔
ولید ہی نے قدس میں جامع اقصیٰ اور مدینے کی مسجد تعمیر کرائی۔ مہمان خانے وغیرہ بھی اس نے بنوائے تھے۔ یہی اسلام میں پہلا شخص ہے جس نے مہمان خانہ ۸۸ھ ہجری مطابق ۷۰۶ء میں بنوایا تھا۔

رملہ۔ خلافت سلیمان بن عبد الملک کے زمانے میں آباد ہوا ہے اسکو قدس سے ایک دن کی راہ کا فاصلہ ہے۔

رصافۂ ہشام۔ شام کی سرزمین میں مشہور مقام ہے ہشام بن عبد الملک کے زمانے میں آباد ہوا۔

ہاشمیہ انبار کے پاس ایک شہر ہے۔ عبد اللہ سفاح عباسی نے دولت بنی امیہ کے تمام ہونے اور اپنے بادشاہ بننے کے بعد آباد کیا ہے۔ خود تو پہلے حیرۃ میں رہتا تھا۔ مگر جب یہ شہر آباد کرایا تو تخت خلافت یہیں لایا۔

بغداد۔ اسکو بغداذ اور بغذاذ اور بغدین۔ بغدان۔ مغدان بھی کہتے ہیں۔ عراق عرب میں نہر دجلہ کے مشرقی کنارے پر آباد ہے۔ اسکو مدینہ اسلام بھی کہتے تھے۔ اس سبب سے کہ دجلہ کو وادی اسلام کہا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے اس نہر کا نام بھی نہر اسلام تھا۔ اس شہر کو ابو جعفر منصور (سفاح کا بھائی ہے) نے ۱۴۵ھ ہجری مطابق ۷۶۲ء میں آباد کیا تھا۔

ایک شخص نے یہ بھی لکھا ہے کہ دجلہ کو زوراء بھی کہتے تھے کیونکہ اسکی رفتار کج تھی۔ فارض کہتا ہے۔

ارج النسیم سریٰ من الزوراء	نسیم صبح کی خوشبو چلی جو زوراء سے
سحرا فاحیی میت الاحیاء	اُٹھی مری ہوئی انسان کوہ صحرا سے

تشریح بغداد۔ بغداد کے معنے عطیہ صنم کے ہیں۔ اس سبب سے کہ کسریٰ نے ایک خواجہ سرا کو یہ شہر دیدیا تھا۔ وہاں ایک بت تھا۔ اسکا نام بغ تھا۔ جب کسریٰ نے خواجہ سرا کو یہ شہر دیدیا تو اس نے کہا بغ داد یعنے بغ کا عطیہ ہے۔ اسی وجہ سے فقہائے اسلام اسکا نام نہیں لیتے اور مدینۃ السلام کہتے تھے۔

ابن المبارک کہتا تھا کہ اس شہر کا نام بغداذ نہیں ہے۔ بلکہ بغداد اور بغدان ہے۔

ایک اور شخص کا قول ہے کہ بغ باغ کا مخفف ہے۔ اور داذ ایک شخص کا نام ہے۔ یعنے باغ داذ۔

منصور نے اپنا تخت سلطنت ہاشمیہ سے بغداد ہی میں منگا لیا تھا۔

اور اپنے بیٹے مہدی کو شہر رصافہ آباد کرنے کا حکم دیا تھا۔ اسی وقت سے بغداد سلطنت مشرقیہ کا مرکز بنگیا۔ علوم و فنون کی بھی کثرت ہوئی یا یوں علوم مشرقیہ جسقدر بھی تھے سب نقل اور ترجمہ ہو کے یہاں آگئے اور بڑی رونق ہوگئی۔

بغداد کے مغربی جانب میں ایک مقام مسمی کرخ ہے۔ اسی جگہ ابو جعفر مذکور الصدر کا قیامگاہ تھا۔ ابن زریق بغدادی کہتا ہے۔

استودع الله فی بغداد لی قمرا بالکرخ من فلك الازرار مطلعه	"خدا تعالے نے بغداد کے کرخ میں ہمارے واسطے ایک چاند

امانت کے طور سے رکھا ہے کہ جسکا مطلع ستاروں والے آسمان سے ہے۔

رصافہ بغداد کے مشرقی جانب میں تھا۔ جب ہارون رشید (پانچواں بادشاہ عباسی) کو سلطنت ملی۔ تو وہاں ایک عالیشان عمارت بنوائی اسوقت رصافہ پر ایک عجیب جوبن تھا جسے دیکھنے ہی سے تعلق تھا علی بن جہم کہتا ہے۔

عیون المھی بین الرصافة والجسر جلبن الھوی من حیث ادری ولا ادری	"گاوان دشتی کی آنکھوں نے (یعنی معشوقوں کی آنکھوں نے)

جو رصافہ اور جسر کے درمیان رہتی ہیں عشق میرے دل میں پیدا کر دیا ہے جسے کچھ تو میں سمجھ سکا اور کچھ بالکل نہ سمجھا"۔

اسوقت سے رصافہ کی رونق سلطنت عباسیہ کے آخر زمانے تک باقی رہی۔ مگر جب سلطنت عباسیہ کا آفتاب بالکل غروب ہو گیا۔ تو رصافہ کی چمک دمک بھی اسکے ساتھ چلتی بنی۔

خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ مامون کے زمانے تک پانچسو ساٹھ حمام بغداد میں بن چکے تھے۔ (معلوم نہیں اسکے بعد کے ہزار ہونگے)

بغداد سے ملے ہوئے تقریباً چالیس سے اوپر بڑے اور چھوٹے شہر آباد تھے۔ علاوہ خطیب مذکور کے اوروں نے بھی لکھا ہے کہ اپنے عروج کے وقت میں بغداد جیسا کوئی شہر بھی رونق پر نہ تھا۔ یہاں قریب پانچسو برس کے بادشاہان بنی عباس کا پائے تخت رہا ہے۔ مگر ہلاکو خان تاتاری کے ہاتھ سے تباہ و برباد ہو گیا۔

اس شہر میں ہر قسم کے عالم ہر قسم کے مشہور و معروف ہر فن میں کامل لوگ موجود تھے۔ ایک یہ زمانہ ہے کہ ساٹھ ہزار سے کسی طرح زیادہ آدمی وہاں نہ ہوں گے۔

گرمیوں کے زمانے میں وہاں تمام آدمی تہ خانوں میں رہتے ہیں۔ اور رات کو چھتوں پر سوتے ہیں کیونکہ گرمی یہاں کی بہت سخت ہوتی ہے۔ عمارتیں اس شہر کی قدیمی رنگ کی بنی ہوئی ہیں۔ اگرچہ اب تو بالکل منہدم ہیں مگر چند عمارتیں۔ زبیدہ بنت جعفر عباسی زوجہ ہارون رشید کی بنوائی ہوئی اور اور چند جامع مسجدیں اور مکانات اور حمام باقی ہیں۔ قافلے یہاں آکے ٹھیرتے ہیں۔

چھری چاقو بنانے والے۔ اور چمڑے کا کام کرنے والے اب بھی اعلےٰ درجے کے وہاں موجود ہیں۔ اور سوتی۔ ریشمی کپڑے بھی عمدہ سے عمدہ بنے جاتے ہیں۔

دوا ایک باقی شہر۔ جبکہ ہارون رشید کو تخت سلطنت ملا تو شہر اور بند اور طرسوس کے از سر نو آباد کرنے کا حکم دیا۔ اور تھوڑے ہی زمانے میں انکی اصلاح کر دیگئی۔ جو جو عمارتیں گر گئی تھیں سب از سر نو بنوا دیگئیں۔ اسی سلسلہ میں شہر فاطون کے آباد کرنے کا بھی حکم دیا۔ مگر تمامی کو نہ پہونچنے پایا تھا کہ پھر برباد ہو گیا۔ جب معتصم کو تخت ملا تو اسکی تجدید شروع کی۔ اور ۲۲۰ھ ہجری مطابق ۸۳۵ء میں بنوا کے تیار کرا دیا۔ اور اُسکا نام سر من رائی رکھا۔ استداد زمانہ سے تخفیف

اور نیز جیم کے مخبنے میں مجنس کے سامرا ہو گیا ہی کو معتصم نے اپنا پائے تخت بھی بنایا تھا۔ اور بغداد میں ایک شخص کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ جب اُنکے صاحبزادے واثق مالک تخت ہوئے تو پھر تخت اپنا بغداد میں واپس لائے۔ اسی وجہ سے سامرا اُجڑ گیا۔ اب تھوڑی سی آبادی رہگئی ہے۔

اب مشرقی شہروں اور تخت گاہوں کے ذکر کے بعد ہم مغربی اسلامی سلطنتوں کو اور اُسکے اسباب قیام کو بیان کرتے ہیں۔

اندلس میں سلطنت امویہ

جس وقت بنی امیہ کی سلطنت کا زمانہ مشرقی بلاد سے تمام ہوا۔ اور دورہ فلک نے جام سلطنت سفاح کے ہاتھ پر (جو عباسیوں میں پہلا بادشاہ ہے) ۱۳۲ھ ہجری مطابق ۷۴۹ء میں رکھا تو پہلا کام جو اس بادشاہ کے ہاتھ سے ہوا یہ تھا کہ جہانتک ہو سکے بنی امیہ کا نیست و نابود کیا جائے۔ غرض کچھ تو قتل کئے گئے اور کچھ بھاگ نکلے۔ اور اسمیں اظہار یہ تھا کہ چونکہ بنی امیہ نے اہلبیت رسالت پر بڑے بڑے ظلم و ستم کئے ہیں یہ اُسکا معاوضہ ہے۔ بھاگے ہوؤں کی تعداد میں ایک صاحب عبدالرحمن نامی جنکا لقب داخل تھا بلاد اندلس میں پہونچے۔ اور اُسپر قبضہ جمایا۔ (عبدالرحمن معاویہ اموی کے بیٹے ہیں) اور نئے سرے سے دوسری خلافت ۱۳۹ھ ہجری مطابق ۷۵۶ء میں قائم کی مگر اپنے آپ کو امیرالمؤمنین نہیں کہلوایا۔ اس سبب سے کہ اُنھوں نے بیعت خلافت ایک ایسے مقام پر لی تھی کہ جو اسلام کا گھر اور عرب کی ابتدا کا مقام تھا۔ بلکہ فقط امیر کے نام سے اپنے آپ کو مخاطب کراتے تھے۔ اور یہی طریقہ اُنکی اولاد میں بھی اُنکے بعد رہا۔ مگر جب آٹھویں امیر عبدالرحمن ناصر تخت خلافت پر جلوہ افروز ہوئے تو اُنھوں نے امیرالمؤمنین کا خطاب لینے واسطے پسند کیا بعض انگریزی تاریخوں کا بیان ہے کہ عربنے تمام ہسپانیہ کے شہروں کا

نام اندلس رکھ لیا تھا۔ حالانکہ اندلس اسکی کئی اقلیموں میں سے ایک حصہ کا نام ہے۔ اسکا سبب فقط یہ ہے کہ پہلے پہل جو ہسپانیہ کے شہروں میں سے اسلام نے فتح کیا ہے اندلس ہی تھا۔ اسکے بعد جسقدر فتح کرتے رہے سب کو اندلس ہی کہتے رہے۔ اس ملک کو جزیرہ اندلس بھی کہتے تھے حالانکہ یہ جزیرہ بھی نہیں ہے۔ بلکہ شبہ جزیرہ ہے۔ اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اسکو بحیثیت جزیرہ بھی کہتے ہیں اور خشکی سے جداگانہ جزیرہ دشکو نہیں سمجھتے۔ یہ لوگ ان تمام بلاد کو مغربی سمجھتے رہے ہیں۔ اسی وجہ سے اندلس کے رہنے والوں کو مغربی کہتے تھے۔ جیسے افریقیہ کے رہنے والوں کو مغربی کہتے تھے۔

جس وقت سے کہ عبدالرحمٰن مذکور الصدر نے اندلس کے شہروں پر قبضہ کیا اسی وقت سے اس ملک کے باشندوں اور اصلی عربوں میں جو مشرقی ملک (حجاز و عراق وغیرہ) میں رہتے تھے بالکل تعلقات باقی نہ رہے۔ بلکہ یہاں تک نوبت پہونچی تھی کہ اندلس کے بادشاہان بنی امیہ نے مسلمانوں کو حج کے لئے آنے سے بھی بلاد مشرقیہ میں ممانعت کر دی تھی۔ حالانکہ حج اسلامی شریعت کا ایک رکن اعظم ہے جسطرح سے اسرائیلی بادشاہوں نے بیت المقدس کی زیارت سے اپنی رعایا کو روک دیا تھا۔ دیکھو ۱ سل ص ۱۲ ۲۲ ۲۶ اسی وجہ سے انکی سلطنت کے زمانے میں کسی نے بھی حج نہیں کیا۔ یہاں تک کہ طوائف الملوکی نے انکی خلافت کو سنہ ۴۲۲ھ ہجری مطابق سنہ ۱۰۳۱ء میں تباہ کیا۔

مدینہ قرطبہ۔ عبدالرحمٰن مذکور الصدر نے شہر قرطبہ ہی میں اپنی خلافت کے واسطے مسلمانوں سے بیعت لی۔ اور اسی کو پایۂ تخت قرار دیا۔ اور ایک عظیم الشان قصر اور ایک مسجد بھی بنوائی۔ تقریباً اسی ہزار اشرفیاں تعمیر میں صرف ہوئیں۔ مگر عمارت کامل نہ ہونے پائی تھی کہ انتقال کر گئے۔

انکے بعد عجوزہ خلافت کے تحمل جناب ملک ناصر ہوئے۔ انکے زمانے میں شہر قرطبہ میں علوم و فنون کا چرچا پھیلا۔ جسطرح سے کہ بغداد دور العلوم ہو رہا تھا۔ اور آنحضور نے اپنی ہمت تعمیر مکانات و عمارات و قصور میں صرف کی۔ اور انکے دادا امیر محمد اور انکے باپ عبدالرحمن نے بھی اپنی اپنی عمارتیں بہت عظیم الشان اور بڑی تیار کرائی تھیں۔ منجملہ انکے ایک مجلس زاہر تھی۔ دوسری بحو۔ تیسری کامل۔ چوتھی قصر منیف۔

مگر ملک ناصر نے بھی مجلس زاہر کے پہلو میں ایک قصر عظیم الشان بنوایا اور اسکا نام روضہ رکھا۔ اور پانی کی نہریں جبل قرطبہ سے بڑے بڑے مہندسوں اور معماروں کے ذریعے سے (جنہیں قسطنطنیہ اور بغداد وغیرہ سے بلوایا تھا) جاری کرائیں۔ اسکے بعد اپنی سیرگاہیں بنوانا شروع کیں۔ اور بنا زاعورہ قصر عالی مذکور الصدر سے باہر تیار کرایا۔ اور باوجود بعد مسافت کے پہاڑ کی چوٹی سے نہایت عجیب و خوشنما نہروں کے ذریعے سے اسمیں پانی جاری کرایا جنہیں ابن خلدون مغربی نے عظیم الشان عمارتوں اور آثار عجیبہ میں داخل کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ ایسی چیزیں بغیر بے انتہا مال اور کامل کاریگروں کی معاونت کے نہیں بن سکتیں۔

مقری نے کتاب نفح الطیب میں لکھا ہے کہ ناصر نے اس کاریز کو عجیب غریب صنعتوں سے بنوایا ہے۔ اور اسکے ذریعے سے نہایت شیریں پانی قابل قدر تدبیروں سے جبل قرطبہ سے لیکر قصر نے عورہ تک (جو قرطبہ کے مغربی جانب میں بنایا گیا ہے) جاری کرایا ہے۔ یہ پانی پہلے بہت بڑے ایک حوض میں جمع ہوتا ہے اور حوض پر ایک عظیم الجثہ شیر کی تصویر بنوائی ہے جو قابل دید ہے اور شاید آجتک اس خوبی سے کسی اگلے بادشاہ نے شیر کی تصویر نہیں بنوائی ہے۔ سونے سے تو مطلا ہے اور آنکھوں کی جگہ وہ جواہر جڑے ہیں۔ جو نہایت چمکدار اور روشن ہیں۔ اسی شہر کے پچھلے حصے

کے سوراخ سے پانی آتا ہے۔ اور منہ کیطرف سے اُس حوض میں اس خوبی سے گرتا ہے کہ دیکھنے والوں کو چکا چوند ہوتی ہے۔ اور آئینہ حیرت بنجاتا ہے۔ اور وہاں سے اس قصر کے خانہ باغوں میں باوجود اسقدر روپیہ ہونے کے پانی جاری ہوتا ہے۔ اور جو کچھ اس سے بچ رہتا ہے اُس سے بہت بڑی ایک نہر جاری ہوگئی ہے۔

یہ کاریز اور حوض اور نقش بریشیر عجائب روزگار میں شمار کیے جانے کے قابل ہیں۔ اور منجملہ اُن صنعتوں کے ہیں جو اگلے بادشاہوں نے اپنی اپنی حکومت کے زمانے میں جابجا بنوائی ہیں۔ دیکھنے کے قابل تو یہ بات ہے کہ پہاڑ سے اتنا فاصلہ اور راہیں کیسی پیچدار اُسپر ایسی کاریز جسکی عمارت بھی عظیم الشان ہے اور قبے بھی کیسے کیسے بلند ہیں۔ کس خوبی سے تیار کرائی ہے۔

ناصر کی یادگاریں سے جامع قرطبہ کے صحن پر ایک چھت بھی ہے جو نمازیوں کے حرارت آفتاب سے بچنے کے واسطے بنائی گئی تھی۔

جغرافیہ کی بعض کتابوں میں کہ اس جامع مسجدوں کی تعداد ۱۶۰۰ ہے اور حماموں کی تعداد ۹۰۰۔ اور شراب خانے ۵۵۴۰۰۔ اور مکانات ۲۶۲۳۰۰۔ اور اہل ملک ۱۰۰۰۰۰۰ آباد تھے۔ اور ابتک بھی ان خلفا کے مکانات کچھ کچھ باقی ہیں۔ ایک عالم کے دو شعر ان مکانات کی تعریف میں لکھتے ہیں۔

بار بع فاقت الامصار قرطبة منهن قنطرة الوادی وجامعها هذان ثنتان والزهراء ثالثة والعلم اعظم شئ وهو رابعها	چار عمارتوں کے سبب سے قرطبہ کو اور شہروں پر فضیلت حاصل ہے۔ ایک قنطرہ وادی (کسی وادی پر پل بنتا ہے) اور دوسری جامع مسجد۔ تیسرے زہرا۔ چوتھے علم کو یہ سب سے عظیم الشان ہے۔

رصافہ۔ اسی بادشاہ مذکور الصدر نے اس سے قبل قرطبہ کے قریب

ایک مقام کو منتخب کر کے آباد کیا تھا۔ اور اُسکا نام رصافہ رکھا تھا (اپنے دادا ہشام کے آباد ہوئے رصافہ کے نام پر) اسی رصافہ کے بہت سے فاضلین مشہور ہیں۔ منجملہ انکے یوسف بن مسعود رصافی بھی ہیں۔

بعض جغرافیہ والوں کا بیان ہے کہ اسلام کے بعد دس شہر اسی (رصافہ) نام سے آباد ہوئے ہیں۔

حمص۔ مروانیوں کی سلطنت گو کہ شام سے جاتی رہی تھی مگر انکو اس مقام سے الفت بہت تھی۔ اب چونکہ سلطنت انکی اندلس میں قائم ہو گئی اور یہاں سے انکے تعلقات قطع ہو گئے۔ مگر محبت وہی باقی تھی۔ تو اکثر شام کے شہروں کے نام اندلس کے شہروں کے رکھ لئے تھے۔ منجملہ انکے ایک شہر اشبیلیہ کے نام سے تھا۔ (جسے انگریز لوگ اسپنیل) کہتے ہیں۔ اُس کا نام حمص رکھ لیا۔ (حالانکہ حمص شام کے شہروں میں سے ہے) اسی حمص کی نہر کی تعریف میں ایک اندلسی شاعر صاحب فرماتے ہیں۔

خليلي بادرا بي الى النهر بكرة	اے میرے دوستو مجھے صبح سویرے
وقفا بي حيث المد يثني عنانه	نہر حمص پر لے چلو (کہ وہاں میری دلبستگی
ولا تجزالا رحالان وراءها	کی صورت ہوگی) اور وہاں ٹھیراؤ جہاں
يباباوعيني لا تذيل عيانه	سے کہ اُس نہر کی لمبائی اپنی باگ

موڑتی ہے۔ اور ارجاسے آگے نہ لیجانا۔ کیونکہ اُسکے پیچھے غیر آباد اور ویران مقام ہے۔ جسے میری آنکھیں دیکھنا نہیں چاہتیں۔

قصر الشراحیب۔ یہ قصر شہر شلب میں بنایا گیا تھا (اور یہ شہر بھی قرطبہ ہی کے اضلاع میں داخل ہے) قصر شراحیب وہاں کی مشہور عمارتوں میں سے ہے جسکی بابت معتمد بن عباد اندلسی لکھتا ہے۔

وسلم على قصر الشراحيب عن فتى	قصر شراحیب پر ایک ایسے جوان کی طرف سے
له ابدا شوق الى ذالك القصر	سلام کہ جسے ہمیشہ اس مکان کے زیارت کا شوق ہے

قصر السرور و مجلس الذہب۔ ان دو عمارتوں کو بھی شہر سرقسطہ میں انہی بادشاہوں میں سے کسی نے بنوایا ہے۔ اسمیں سیرگاہ بہت نفیس ہے۔ ان دونوں عمارتوں کی بابت ابن ہود کہتا ہے۔

قصر السرور و مجلس الذہب	"اے قصر سرور اور مجلس ذہب تمہیں
بکما بلغت نہایۃ الطرب	دونوں کی رونق سے میں انتہائے

سرور کو پہونچا"۔

قصر طلیطلہ۔ یہ ایک مشہور مکان ہے۔ مامون بن ذی النون نے شہر طلیطلہ میں بنوایا تھا جسکی بابت ایک شاعر کا قول ہے۔

زادت طلیطلۃ علی ما حدثوا	"طلیطلہ کی بابت جیسا کہ لوگ بیان کرتے
بلد علیہ نضارۃ و نعیم	ہیں بڑی ترقی ہوگئی۔ اس شہر میں حد
اللہ زینہ فوشح خصرہ	کی شادابی اور نعمت ہے۔ خدا تعالیٰ
بمجرۃ و الغصون نجوم	نے اسکو زینت دی ہے۔ پس اسکے

وسط کو تو کہکشان سے مزین کیا ہے اور اسکی چوٹیوں کو ستاروں سے"
مامون مذکور الصدر نے اس عمارت کی تعمیر میں بڑی کوشش صرف کی تھی۔ دور دور سے اہل صناعت اور مہندسوں اور مصور بلوائے تھے اور نہایت استحکام کے ساتھ اسے بنوایا تھا۔ روپئے بھی بہت کچھ صرف ہوئے تھے جنکی تعداد نہیں معلوم ہوسکتی۔ اس عمارت کے وسط میں ایک نہر بنوائی تھی۔ اور وسط نہر میں رنگین شیشے کا ایک برج سونے سے نقش و نگار کیا ہوا تھا۔ اور مہندسوں کی رائے زرین کا کرشمہ یہ ہے کہ پانی کو اس برج کے سر سے پہنچایا۔ اور وہاں سے چاروں طرف بہتا ہے۔ اور ہر طرف کی دیواروں پر ہوکر چلتی ہے۔ گر برج کے شیشے کو ایک باریک کپڑے سے چھپادیا تھا جسکے سبب شیشہ پانی کی چوٹ سے محفوظ رہتا تھا۔ اکثر مامون اس برج کے اندر جاکر بیٹھتا۔ مگر اس پر بالکل پانی پڑتا جسوقت

اُسمیں شعیں روشن ہوتی نہیں۔ اُسوقت کا سماں البتہ قابل دید ہوتا تھا۔ ابو محمد بصری کہتا ہے۔

شمسیة الانساب بدریة	"یہ برج نسب میں تو آفتاب اور ماہتاب
یحار فی تشبیهها الخاطر	سے ملتا ہے۔ بھلا اسکی پوری تشبیہ
کانما الناموت بدر الدجی	کیونکر ہو سکتی ہے۔ مگر ہیں یہ تشبیہ دیتا
وهی علیه الفلك الدائر	ہوں کہ ناسوت تو اندھیری رات کا چاند

ہے اور یہ برج اُسکے سر پر جیسے آسمان"۔

چند باقی مشہور شہر۔ اور بھی کئی ایسے مشہور شہر ہیں جنکے حسن منظر اور لطافت ہیر پر عرب لوٹ رہا کرتے تھے۔ اور اپنی جان نثار کرتے تھے منجملہ اُنکے ایک شہر بطلیوس ہے جسکی بابت ابن فاس کہتا ہے۔

بطلیوس لا انساك ما اتصل البعد	"اے بطلیوس میں تجھکو کبھی نہ بھولونگا
فلله غور من جنابك او نجد	چاہے کسقدر تجھے دیکھے ہوئے کو
ولله دوحات تخلل بینها	مدت گذر چکی ہو۔ تیری بلندی اور
تغرد اديها كما تنفق البرد	پستی عجیب خوشنما ہے۔ اور جو

درخت اس بطلیوس کے اندر لگے ہوئے۔ اُنکے حسن کا کیا ذکر ہے۔ اور اُسکی وادی میں اسطرح پانی جاری ہے جیسطرح کہ چادر شق ہوگئی ہو"۔

انھی مقامات مشہورہ میں ایک عین الدبب بھی ہے۔ جسکی بابت مصطفیٰ افندی کہتا ہے۔

بابی وبامی وبامی	"میرا باپ فدا ہو میرا باپ فدا ہو میرا باپ فدا ہو
جرعة من ماء عین الدبب	عین الدبب کے ایک گھونٹ پانی پر"۔

اور ایک مرج الفضہ ہے۔ یہ وہی مقام ہے جسکے چشمے کو معتضد بن عباد نے دیکھا تھا۔ کہ پانی اُسکا صبیان پری پیکر کے گھونگھرو والے بالوں کیطرح بل کھاتا ہوا اُسکے جھنکول سے پڑ رہا ہے تو اس سے رہا نہ گیا

اور یہ مصرعہ نظم کیا۔ ؎ سنج الربیع علی الماء ذرد۔ اور اپنے وزیر ابو بکر بن عمار سے کہا کہ اس مصرع پر مصرعہ لگاؤ مگر وہ تو چپ ہو رہا۔ اسوقت رمیکیہ (ایک عورت تھی) نے یہ مصرعہ کہا ؎ یا لہ درعا منیعا لو جمد

وہاں کے مشہور پہاڑوں میں سے ایک جبل شلیر ہے جسکی نسبت ایک شخص نے یہ شعر کہے ہیں (یہ بیچارہ اسطرف سے ہو کے جو گذرا تو برفباری کی وجہ سے اور سردی سے بہت تکلیف اُٹھائی۔ اسوقت یہ شعر پڑھے تھے)

یحل لنا ترک الصلوٰۃ بارضھم	"جہنم کیطرف بہاگنے کے واسطے ان
وشرب الحمیا وھی شئ محرم	لوگوں کی سرحد میں ہمکو نماز کا ترک کرنا
فرارا الی نار الجحیم لانھا	اور شراب کا پی لینا (حالانکہ حرام ہے)
اخف علینا من شلیر وارحم	حلال ہو گیا ہے کیونکہ جہنم کی تکلیف

اس شلیر کی سردی سے تو بہت ہلکی ہے کہ وہاں آگ تاپنے کو تو ملیگی اور مرینگے تو نہیں۔ یہاں تو مرنے کا سامان ہے"۔

مدینۃ زہرا۔ ناصر بادشاہ نے جب شہر غرناطہ کی عمارتیں تیار کر لینے سے فراغت پائی تو اس شہر (مدینہ زہرا) کو اپنا پائے تخت بنایا۔ اور باغ وغیرہ بھی اپنی آسایش کے لئے تیار کرائے جو آباؤ اجداد کی عمارتوں اور باغوں سے بھی وہ چند حسن وخوبی میں بالاتر تھیں۔ ہرن وغیرہ وحشی جانوروں کے لئے جولانگاہیں بہت لمبی چوڑی۔ اور پرندوں کے لئے اوپر سے جالی ڈالی۔ رہنے سہنے کے واسطے احاطہ بنوایا۔ اور کئی کارخانے صنعت اور آلات حرب اور الواب وغیرہ کی تیاری کے واسطے بنوا دیئے۔ اسکے علاوہ عجیب عجیب چیزیں دلچسپ تیار کرائی تھیں۔

ایک مصنف لکھتا ہے کہ ناصر کو تعمیرات کا بڑا شوق تھا۔ اکثر اس نے شہر آباد کئے اور منہدم شدہ شہروں اور عمارتوں کو از سر نو درست کرایا۔ اور غیر مشہور مقامات کو آباد کیا۔ غرض کہ جو جو چیزیں قوت سلطنت کو ظاہر کرنیوالی

تھیں سب مرتب کرلیں۔ عدل و انصاف اور صلح بھی اسکے زمانے میں بہت بلند پیمانے پر رہا۔ آبادی کی مقدار بہت بڑھ گئی تھی۔ زراعت و تجارت کا بازار گرم تھا۔ اسکی وجہ سے اندلس میں دولت و حشمت و مال و منال کے چشمے پھوٹ پڑے تھے۔ خراج وہاں کا چھ کروڑ سالانہ تھا۔

اندلس میں آٹھ شہر تو بہت بڑے تھے اور تین سو شہر چھوٹے تھے۔ اور دیہات اور مزروعات کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ جو کہ نہر اکبر کے دونوں کناروں پر واقع تھے۔

ابن سعید نے شقندی کا بیان لکھا ہے کہ قرطبہ اور زہرا اور زاہرہ کی آبادی اسطرح سے ملی ہوئی تھی کہ انہی مقامات کے لیمپ کی روشنی کے ذریعے سے بارہ میل تک آدمی چلا جا سکتا۔ (یعنے بارہ میل تک متصل واحد آبادی تھی۔ اور سڑکوں کی روشنی تمام اسطرح ہوتی تھی کہ اتنی مسافت میں علیحدہ روشنی کرکے چلنے کی ضرورت نہ تھی۔)

مگر ان سب شہروں میں جنہیں ناصر نے آباد کیا تھا مدینۂ زہرا اپنے زمانہ میں ایک عجوبہ سمجھا جاتا تھا بلکہ در نایاب (کاش اب تک باقی رہتا اور ہم بھی دیکھتے) اس شہر کے آباد ہونے کا سبب ناصر کی ایک زر خرید لونڈی زہرا نامی تھی۔ چونکہ ناصر اسکو بہت پیار کرتا تھا اور اسکی کسی درخواست کو رد کرنا پسند نہ کرتا تھا۔ اسلئے اسکی اس درخواست کو قبول کیا کہ ایک شہر اسکے نام سے بھی آباد کرے۔ لہذا پہلے تو اس نے قصر زہرا (جسکا ذکر آگے آئیگا) بنوایا۔ پھر اسکے گرد اگرد چار یا پانچ میل تک قرطبہ سے اور شمالی جانب میں جبل عروس تک شہر آباد کیا۔ اور جبل عروس پر انجیر اور لوز کے درخت لگا دیئے اسوقت کوئی منظر شہر زہرا کے منظر سے خوشنما نہ تھا۔ خصوصاً جس زمانے میں کہ پھولوں کی فصل آتی تھی اور درخت ہرے ہوتے تھے۔

ابن خاقان کی تحریر کے بموجب اسکا طول دو ہزار سات سو گز شرقاً اور غرباً

اور عرض ایک ہزار پانچسو گز شمالاً اور جنوباً تھا۔ چھوٹی سی اسمیں کی ایک بات یہ ہے کہ فقط تین سو سنگ سفید کے ستون تھے۔ اور پندرہ ہزار سے زیادہ دروازے تھے۔ جنپر لوہا اور تانبا چڑھا ہوا تھا۔

ابن حیان نے ابن وجون فقیہ سے اور اُس نے مسلمہ بن عبداللہ مہندس ماہر سے نقل کیا ہے کہ شہر زہرا کی آبادی میں ہر روز ایک ہزار چار سو خچر اور چار سو خاص اونٹ صرف ہوتے تھے۔ اور کرایہ کے ایک ہزار خچر آتے تھے اور ہر تیسرے دن گیارہ سو اونٹ یا خچر پر بار کرکے اینٹیں اور چونا آتا تھا۔ ایک شخص نے کل مصارف کا تخمینہ ایک سال کی بابت تین لاکھ اشرفیاں لکھی ہیں۔ اور اسی طرح برابر پچیس برس تک بنتا ہی رہا۔ اگرچہ کچھ کچھ تعمیر تو اسکی چالیس برس تک باقی رہی۔

سنگ رخام اور ستونوں کے واسطے پتھر منگانے کو ناصر نے بڑے بڑے کامل انجینیر اطراف عالم میں بھیجدیئے تھے۔ سفید اور جزع تمام پتھر تو اندلس اور دوردست سے لائے گئے تھے۔ اور زرد پتھر افریقہ کے اسفاقس اور قرطاجنہ سے۔

اس شہر کے اندر ایک حوض بہت ہی بیش قیمت اور عجیب وغریب حسن کا جسپر نقش ونگار بھی بہت ہی دلفریب تھے اور تمام اسپر سونے کا ملمع کیا ہوا تھا۔ احمد یونانی کی کوشش سے قسطنطنیہ سے لایا گیا تھا۔ نصب کیا۔ اسکے علاوہ ایک اور چھوٹا سا حوض زرد پتھر کا جسپر انسان کی تصویریں منقوش ہیں شام سے منگایا گیا تھا۔ اکثر لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ ان حوضوں کی کوئی قیمت ہی نہیں ہو سکتی۔ اس سبب سے کہ جس چیز کی قیمت کا اندازہ عقل انسانی سے باہر ہو وہ گویا بے قیمت ہی ہے۔

مقری لکھتا ہے کہ اس زرد حوض کو ناصر نے اپنی استراحت کے مکان میں (جسکا نام مونس رکھا تھا) نصب کیا تھا۔ اور اسکے اردگرد بارہ مورتیں

سونے کی جنہیں بہت ہی بیش قیمت موتی جڑے ہوئے تھے۔ اور دار الصناعۃ
قرطبہ میں بنا کر لگی تھیں نصب تہیں۔ ایک طرف شیر کی مورت اور اُسکے
پہلو میں ہرن۔ ہرن کے پہلو میں مگرمچھ۔ اور اُنکے مقابل میں اژدہا عقاب
ہاتھی۔ اور دونوں پہلوؤں میں کبوتر۔ باز۔ سرغ۔ مرغی۔ چیل۔ گدہ۔ اور یہ سب
سونے کی بنی ہوئی تہیں جنہیں جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ اور ہر ایک
کے منہ میں سے پانی جاری رہتا تھا۔

شہر زہرا میں ایک نہر بنوائی گئی تھی جسمیں مختلف قسم کی مچھلیاں پڑی
تھیں۔ اور اُنکے واسطے ہر روز آٹھ سو روٹیاں اور ایک شخص کے بیان
کے موافق بارہ ہزار روٹیاں پکوائی جاتی تہیں۔ اور چھ قفیز سیاہ چنا نہر
میں ڈالا جاتا تھا۔

شہر کی جب یہ کیفیت ہے تو خاص قصر زہرا کے حسن وجمال کا کیا کہنا۔
اکثر لوگ کہتے ہیں کہ جب کوئی سیاح اسطرف ہو نکلا اور اس مکان کی عظمت
وشان اور حسن وجمال کے دیکھنے کو اندر گیا تو کوئی ہی ایسا نہ تھا جو یہ کہتا
کہ میں نے فلاں مقام اسکا مثال دیکھا ہے۔ بلکہ یہی کہہ دیتا تہا کہ دیکھنا کیسا
کبہی سنا بھی نہیں۔ بلکہ کبہی وہم میں نہیں گذرا۔ کہ ایسا مکان کہیں بھی ہو سکتا
ہے۔ یہاں تک نوبت پہونچی تہی کہ جو لوگ اندلس کا سفر کرتے تھے اُنکے
عمدہ سفر کے کارناموں اور دلچسپ کہانیوں میں بس ایک یہی مکان تھا جسکے
دیکھنے کا فخر اور اُسکے عجائب کا ذکر تھا۔

اس مکان کے کمرے کی زمین تو سنگ سفید کی تھی۔ اور چھتیں خالص
سونے کی پتروں سے جڑی ہوئی۔ دروازے ارز کی لکڑی کے اور اُنپر
ایسے ایسے نقش ونگار کہ آدمی کی عقل اُسکو دیکھکر حیران رہجائے ستون
اسکے ایسی خوبی سے بنائے گئے تھے کہ گویا کسی نے اُنکو ایک ہی قالب
میں ڈہالا ہے۔ صحن میں قصر کے ایک لمبا چوڑا حوض تھا۔ اور اُس میں

بہت سی مورتیں بنائی گئی تھیں۔ حوض کا تمام پانی انہی عجیب و غریب مورتوں کے بدن میں ایک طرف سے جاتا اور دوسری طرف سے فوارہ نما بہتا تھا۔

اس قصر کے تمام ہال اور کمروں میں اعلیٰ درجے کا ہال قصر الخلافۃ تھا جسکی بابت مقریزی لکھتا ہے کہ چھت تو اُسکی خالص سونے اور سنگ رخام براق مختلف اللون کی تھی۔ اور دیواریں بھی سنگ رخام ہی کی بنی ہوئی تھیں اُسکے وسط میں ایک گوہر یتیم لٹکتا تھا۔ (جسے آخر میں ناصر نے دامن نامی بادشاہ قسطنطنیہ کو تحفہ میں دیدیا تھا) اینٹوں کی جگہ پر سونے اور چاندی کی اینٹیں بنوا کے صرف کیگئی تھیں۔

وسط ہال میں ایک حوض پارے سے بھرا ہوا تھا۔ اس ہال کی چاروں طرف آٹھ دروازے تھے۔ جنکی چوکھٹ بازو سونے اور جواہرات سے جڑی ہوئے ہاتھی دانت اور آبنوس کے تھے۔ جو رنگین سنگ رخام اور صاف وشفاف بے عیب بلور کے ستون پر قائم تھے۔ جب آفتاب ان دروازوں سے اپنی شعاعیں صدر مجلس کیطرف ڈالتا۔ یا یوں کہیئے کہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے حیرت سے اس عمارت کے حسن وجمال کا نظارہ کرتا تو اُسوقت اُن جواہرات اور شیشوں کی چمک ودمک اسقدر دوبالا ہوجاتی کہ کسیطرح آنکھیں نہ ٹھیر سکتیں۔ اور ناصر جب کسی کو ڈرانے کا ارادہ کرتا تو کسی اپنے ملازم کو حکم دیتا کہ اس پارے کو جو حوض میں بھرا ہوا ہے ہلا دو۔ جہاں پارہ ہلا ایک ایسی روشنی پھیل جاتی تھی جیسے بجلی کوندگئی اور جتنے آدمی بیٹھے ہوتے سب کے دل دھڑک جاتے بلکہ یہ حالت ہوتی کہ جبتک پارہ ہلتا رہتا تمام حاضرین دم بخود اور ششدر رہتے۔ جیسے کسی میں جان ہی نہیں باقی ہے۔

اب ہم اسقدر پر اکتفا کرتے ہیں۔ اسواسطے کہ اندلس کے تمام عجائبات اور صنائع اور نقش ونگار مساجد وقصور عالیشان اور صور وتماثیل وحوض

و ناعورہ و فوارہ وغیرہ کا کہاں تک ذکر کیا جائے کسی شخص سے اُن سب کو بہ تفصیل بیان کرنا نہایت ہی دشوار ہے۔ بلکہ عقل حیران ہے۔ قلم سے کیونکر ادا ہو سکے۔

جس طرح سے علما و ادبا و شرفی بلاد مثلاً بغداد و کوفہ و بصرہ وغیرہ میں گذرے ہیں اسی طرح اندلس میں بھی بڑے بڑے مصنفین بڑے بڑے ادیب اور شاعر ہوئے ہیں۔

منجملہ انکے شہر قرطبہ کے رہنے والے ابوالحسن قرطبی ہیں۔ اور غرناطہ میں یوسف بن غرناطی۔ (جنکی تصنیف سے ایجاز الطب ہے) دوسری عبدالمنعم بن محمد بن عرس غرناطی۔ (جنکی تصنیف سے احکام القران ہے) اشبیلیہ کے رہنے والے احمد بن عمر اشبیلی (جنکی تصنیف سے استیعاب فی فقہ مالک ہے) وفات انکی ۲۰۷ ہجری مطابق ۸۲۲ء میں واقع ہوا۔ ابن فرج۔ ابن زیدون (جنکا رسالہ زیدونیہ ہے) شیخ علی اشبیلی (جنکا ایک دیوان غزلوں کا مشہور ہے)

بلنسیہ میں۔ ابوحفص عمر بلنسی (جنکی شرح اربعین ہے) ابن جوزی (جنکی طبقات الحدیث ہے) اسماعیل بن ابراہیم بلنسی (جنکی شرح کتاب اقتباس الانوار ہے) وغیرہ۔ اور بھی بہت سے جو اندلسی کہے جاتے ہیں۔ مثلاً شیخ محمد بن مالک جیانی مصنف الفیہ (علم صرف و نحو میں) شیخ ابو حیان اندلسی مصنف لمعہ بدریہ علم نحو میں۔ ابن ہانی اندلسی معروف متنبی مغربی (اس شخص کو محض تشبیہ کی وجہ سے متنبی کہتے تھے۔ ورنہ متنبی شاعر جنکا نام ابوالطیب تھا وہ اور ہے)

اسی ابن ہانی کی بابت ایک شاعر کہتا ہے۔

ان تکن زاھدا فکن کاُویس	"اے مخاطب اگر تو زاہد بننا چاہتا ہے
او تکن شاعراً فکن کابن ھانی	تو اُویس جیسا ہوجا۔ اور اگر شاعر بننا

ان من یدعی بما لیس فیہ | چاہتا ہے تو ابن ہانی کی مانند ہوجا۔
کذبتہ شواھد الامتحان | جو شخص خواہ مخواہ دعوی کرے۔

اور کوئی تصدیق کی خبر اسکے پاس نہ ہو۔ تو ضرور امتحان کے شواہد اسکی تکذیب کردینگے"۔

انہیں اندلسیوں کے اختراعات جدیدہ میں سے نظم موشح کے سبع شہیرات ہیں (جیسے سبع معلقات) ان سات قصیدوں (سبع شہیرات) کے مصنفین۔ ابن مخلوف (شاعر معروف) سلطان ابوالعباس منصور۔ ابن لسان الدین خطیب۔ ابراہیم بن سہل اشبیلی۔ ابوالحسن بن جودی اندلسی۔ ابوالقاسم اشبیلی (ایک گم ہے)

(آیندہ ان شہروں کی تجارت اور آمدنیوں کے متعلق گفتگو کیجائیگی)

افریقہ میں فاطمیین کی خلافت

یہ شیعوں کی سلطنت تھی۔ جو آل ابوطالب کے واسطے بلاد مغرب اور صحرا میں جہاں پہ صوریوں نے قدیم زمانے میں شہر قرطاجنہ آباد کیا تھا۔ جسکے قریب شہر ٹونس آباد ہے۔ قائم ہوئی تھی جغرافیہ والوں نے اس ملک کے سات حصے کئے ہیں۔

۱۔ برقہ۔ جسے یونانی نطابولیس کہتے تھے (یعنے پانچ شہر کا مجموعہ) مگر جب اسلام نے اسکو فتح کیا تو اسکے یہاں کنکر پتھر بالو کے ساتھ مخلط کثرت سے تھے۔ اس وجہ سے اسکو برقہ کہنے لگے۔

۲۔ فزان ۳۔ طرابلس ۴۔ تونس ۵۔ وہ جزائر جنپر سلطنت فرانس نے اب قبضہ کرلیا ہے ۶۔ مراکش ۷۔ فاس۔

فاطمیین کی سلطنت کے قیام کا سبب ابن خلدون وغیرہ نے یہ لکھا کہ بنی عباس کا گروہ شیعہ کے ساتھ تھا۔ یعنے محمد بن حنفیہ کو دوسرا امام مانتے تھے

اور اُنکے بعد انکے بیٹے ابوہشام عبداصمد کو امام ماننے لگے۔ جب سفاح نے بنی امیہ سے لڑائی شروع کی اور اُن کا ملک لے لینے کا ارادہ کیا تو اُسوقت اُسکے ظاہر حال سے یہی معلوم ہوتا تھا کہ اہلبیت پر جو ظلم بنی امیہ نے کئے ہیں اُنکا بدلہ لینا چاہتا ہے۔ اور پھر سلطنت علویین کو دلوانے کا قصد رکھتا ہے۔ لیکن جب اپنے مقصود پر کامیاب ہوگیا اور مروان بن محمد بن مروان کو قتل کرچکا تو مجمع عام میں کھڑے ہو کے ایک اسپیچ دی جسکا آخری حصہ یہ تھا کہ اب سلطنت اسلامیہ میرے ہی ہاتھ میں رہیگی۔ اور آئندہ میری ہی اولاد میں منتقل ہوتی رہیگی۔ یہانتک کہ مہدی موعود تک نوبت پہونچے اور اسکی طرف سے شہر بشہر لوگ پھرا کرتے اور اُسکے قول کی تائید کرتے تھے۔ اور وہ احادیث جو امام مہدی[1] موعود کی بابت وارد ہیں اُنہیں عوام کے کانوں تک پہونچاتے تھے۔ اگرچہ وہ احادیث تاویل طلب ہیں منجملہ اُنکے حدیث لامہدی الا عیسیٰ[2] بھی ہے۔

[1] فاضل علامہ خیر الدین آفندی مورخ عثمانی نے اُن احادیث قابل تاویل کا ذکر کیا ہے۔

[2] قابل ذکر کرنے کے اس مقام پر یہ ہے کہ اکثر لوگوں نے اس حدیث کے معنے یہ سمجھے ہیں کہ مہدی اور عیسیٰ ایک ہی شخص ہونگے۔ حالانکہ یہ اُنکی غلطی ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی جس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں ہی مہدی اور عیسیٰ ہوں اور اسی حدیث کو اپنے شواہد میں پیش کرتا ہے، حالانکہ اُسکے پاس کوئی شاہد اسبات کا نہیں ہے کہ وہ مہدی ہوسکے کیونکہ امام یا نبی کے واسطے معجزات کا ہونا بھی ضرور ہے۔ عیب ظاہری اور باطنی سے پاک ہونا بھی لازمی ہے۔ حالانکہ اُسکے پاس نہ کوئی معجزہ ہے نہ عیب ظاہری اور باطنی سے پاک ہے۔ بلکہ مبروص ہے۔ عیسیٰ تو اندھے اور مبروصوں کو اچھا کرتے تھے مگر یہ اپنے ہی برص کو اچھا نہیں کرسکتا غرض اس حدیث کے یہ معنے ہیں کہ لا یظہر المہدی الا ظہر عیسیٰ۔ یعنے جسوقت مہدی موعود کا ظہور ہوگا اُسی وقت عیسیٰ کا بھی ظہور ہوگا۔ کیونکہ اس حدیث کی تفسیر میں اور حدیثیں موجود ہیں جو ہماری تقریر کو صحیح بتاتی ہیں (دیکھو کتب حدیث۔ م)

خراسانی بنی عباس کے شیعہ کا گروہ راوندیہ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ ان لوگوں کا اعتقاد یہ بھی تھا کہ بعد رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے امامت کا استحقاق سب سے زیادہ اُنکے چچا عباس کو تھا۔ کیونکہ وارث بھی وہی تھے اور اُنکی وفات کے وقت زندہ بھی تھے۔ اور اپنی سند میں آیت پیش کرتے ہیں جسکے معنے یہ ہیں کہ بعض قرابت دار بعض قرابت داروں سے زیادہ استحقاق رکھتے ہیں۔ مگر لوگوں نے اُن کو امام نہ ہونے دیا۔ اور اُنکا حق غصب کیا۔ یہانتک کہ خدا تعالےٰ نے وہی حق اُنکی اولاد تک پہونچا دیا۔ یہ لوگ ابو بکرؓ عمرؓ عثمانؓ کو خلیفہ نہیں مانتے اور بالکل اُن سے بری ہوتے ہیں۔ مگر امیر المؤمنین علیؓ کی بیعت کو جائز سمجھتے ہیں۔ اس سببسے کہ عباس نے اُن سے کہا تھا کہ اے میرے بھتیجے آؤ میں تم سے بیعت کروں تاکہ کوئی شخص تمہاری امامت میں اختلاف نہ کرے۔

ابن خلدون مغربی لکھتا ہے کہ بنی عباس کا یہ دعوےٰ تھا کہ ابی ہشام بن محمد مذکور الصدر سے خلافت حنفیہ محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کو بذریعہ وصیت پہونچی۔ اُنکے بعد اُن کے بیٹے ابراہیم امام بن محمد کو اُنکے بعد اُنکے بھائی ابو العباس سفاح کو۔ نام انکا عبداللہ بن حارثیہ تھا۔

اس فرقے کے علاوہ جتنے علوی فرقے تھے وہ اسبات کا انکار ہی کرتے رہے کہ خلافت کا حق کسی طرح بنی عباس یا کسی اور کو نہیں پہونچ سکتا اُنکا یہ قول تھا کہ ہرگز ابو ہشام تک خلافت نہیں پہونچی۔ نہ تو وصیت کے ذریعے سے نہ کسی اور طریقہ سے۔ اور برابر اپنی اپنی دلیلیں قائم کرتے رہے یہانتک کہ مامون (عباسیوں کا ساتواں بادشاہ) نے علویین میں سے امام رضا کو اپنا ولیعہد بنا دیا تھا۔ (دیکھو باب چہارم فصل چہارم) اور اپنی بیٹی ام الفضل کا نکاح امام تقی (امام رضا کے بیٹے تھے) سے کر دیا تھا۔ اور اگر امام رضا کی وفات مامون کے جیتے جی نہ ہوئی ہوتی تو ضرور امر خلافت علویین کو ملجاتا اور بنی عباس کے

گروہ کا اجتہاد مامون کے مقابلے میں اور اُن کا یہ ارادہ کہ مامون کو تخت سے اتار کے اُسکے چچا ابراہیم بن مہدی کی بیعت کرنی چاہیئے ۔ کچھ پسندیدہ نہ جا سکتا۔ مگر امام رضا کی وفات قبل موت مامون کے ہوئی اور عباسیوں کا مطلب برآیا۔ اور مامون نے جو اپنے لئے سبز لباس تجویز کیا تھا اُسکو چھوڑ کے سیاہ لباس پہننا اختیار کیا۔ حالانکہ سیاہ پوشی پہلے ترک کر دی تھی۔

اور پھر خلافت بنی عباس میں یہی (ہم آیندہ اس بات کو بیان کرینگے کہ عباسیوں نے سیاہ لباس کیوں پہننا اختیار کیا تھا۔ اور علم تک کے پھریرے سیاہ رکھے تھے۔ اور یہ رسم (ابو جعفر منصور عباسیوں کے دوسرے خلیفہ کے وقت سے جاری ہوا تھا (دیکھو آٹھویں باب کا پہلا فصل)

مگر جس زمانے میں کہ سفاح عباسی نے اپنے خلیفہ ہونے پر عوام الناس سے بیعت لی اُسوقت تک اسلامی لشکر کو یہی خیال تھا کہ یہ مسند عظیم علویوں ہی کا حق ہے ۔ اور وہ مرتبہ غلو جو نصیریوں کو ہے اُس سے اجتناب کرتے تھے۔

اس سبب سے جہاں سفاح نے یہ ارادہ کیا کہ اپنی سلطنت کی چولوں کو مضبوط کروں اور اپنی شوکت شاہانہ کو قوی کروں تاکہ کسی طرح میرے بعد امام مہدی تک یہ حق سلطنت میری اولاد کے سوا کسی اور کو نہ ملے ۔ وہاں اُنکے بھائی ابو جعفر منصور نے خلیفہ بننے ہی یہ ارادہ کر لیا کہ جہانتک ہوسکے علویوں کو ذلیل کروں اور جو کوئی جاندار اور جیالا نظر آئے اُسکو مار ہی ڈالو۔ ایسا نہ ہو کہ میری سلطنت میں مزاحمت کرے۔

اور یہ بات اُسوقت سے شروع ہوئی جس وقت سے کہ محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسین بن علی بن ابیطالب اور اُنکے بھائی کیطرف سے بیعت لینے کے واسطے مصر میں محمد کے صاحبزادے علی گئے اور اپنے باپ کی بیعت لینے کی دعوت کی ۔ اسی عداوت کی بنیاد پہ ابو منصور کے بعد جتنے خلفا ہوئے اُن سب نے یہی رسم جاری رکھا کہ جہانتک ہوسکے سیدوں کو قتل کرو جیسا

محمد منتصر کی خلافت کا زمانہ آیا تو اس نے اپنے عامل کو جو مصر پر حاکم تھا لکھ بھیجا کہ خبردار کوئی سید علوی کسی کا ہبہ نہ قبول کرنے پائے۔ نہ کبھی گھوڑے پر سوار ہو۔ نہ اپنے خیمے سے کسی طرف سفر کرنے نکلے۔ ایک غلام کے سوا اور بہت سے غلام نہ خریدے۔ اگر کسی قسم کا جھگڑا سید اور غیر سید میں پڑے تو غیر سید کو سچ سچا سمجھے۔ اور جو کوئی رسول کے نواسوں کا نام لیکے فریاد کرے اسکو سخت سزا دو۔ اور بہت بُری طرح اسکو مارو۔

اسکے بعد خلیفہ معتضد کا زمانہ آیا تو سلجماسہ کے عامل ابن مدرار کو لکھ بھیجا کہ حسین بن علی ابن ابی طالب کی اولاد سے ایک شخص عبید اللہ نامی ہے اسکو پکڑ کے قید کر لو۔ عامل نے فوراً تعمیل کی۔ مگر ابو عبد اللہ شیعی نے انکو قید سے نکالا اور انکی ابتدا یہ دعویٰ کیا کہ یہی مہدی موعود ہیں۔ اسی وجہ انہوں نے اپنی کنیت تو ابو محمد رکھی اور لقب اپنا مہدی قرار دیا۔ اور مغرب افریقہ کے جسقدر بھی مسلمان تھے سب نے انکی موافقت کی۔ اور ایک نئی سلطنت بلاد افریقیہ میں انکی بھی قائم ہوگئی۔ علویین کا پہلا بادشاہ یہی ہے۔ اور یہ واقعہ سنہ ۲۹۶ ہجری مطابق سنہ ۹۰۸ء میں ہوا۔

ابو محمد مہدی نے پہلے تو اپنی اقامت گاہ شہر رقادہ میں بنائی (رقادہ شہر قیروان کے قریب ہے جو صدر اسلام کے زمانے میں آباد کیا گیا تھا) اس زمانے میں شہر رقادہ ہی باقی افریقی شہروں کا قاعدہ تھا۔ اور چونکہ یہ شخص اپنے خدا ہونے کا بھی دعویٰ کرتا تھا اسوجہ سے اسکے ایک مرید نے یہ شعر نظم کیے ہیں۔

حل برقادة المسیح | حل بها آدم و نوح
حل بها اللہ ذو العلیٰ | وما سوی ذاك فهو ریح

غرض یہ سلطنت افریقیہ میں قائم ہوگئی۔ اور ان لوگوں نے اسماعیلیہ مذہب کو شہرت دی۔ مصر میں اپنی طرف سے بیعت لینے والوں کو بھیجا

آخر اسپر بھی ۳۵۸ھ ہجری مطابق ۹۶۹ء میں قبضہ کرلیا۔ جب عباسیوں سے کسی طرح انکا مقابلہ نہوسکا کیونکہ سامان حرب انکے پاس بہت زیادہ تھا۔ تو یہ ترکیب نکالی کہ عبید اللہ مذکور المصدر کی نسب میں جھگڑا ڈال دیا۔ کوئی کہتا تھا کہ اسکا دادا یہودی ہے کوئی کہتا مجوسی ہے۔ اسپر بعض بعض عالموں نے بھی موافقت کرلی۔ مگر کیا ہوسکتا تھا اور سیکڑوں عالموں نے انکی سیادت کے اثبات میں دلیلیں پیش کردیں۔ اس فرقہ میں بھی بہت عرصے تک سلطنت قائم رہی۔ انہی میں سے حاکم بامر اللہ بھی گذرے ہیں۔ دین دروز کو مصر وشام میں پھیلا رکھا تھا۔ انجام کار ایوبیہ کردیہ سلطنت کے مصر میں قائم ہونے سے انکی سلطنت تباہ ہوگئی۔

سلطنت کردیہ ایوبیہ مصر میں نوّے برس پیشتر عباسی سلطنت کے تباہ ہونے سے سلطان صلاح الدین بن یوسف بن ایوب ملقب ناصر کی ذات سے قائم ہوئی تھی۔

..مہدیہ۔ یہ پہلا شہر ہے جسے اپنی سلطنت کے زمانے میں مہدی مذکور نے قیروان میں بنایا تھا۔ اور اپنے نام پر اسکا بھی نام رکھا تھا۔ اور عبد اللہ شیعی اور اسکے بھائی کو قتل کردیا جنہوں نے انکی حمایت کی تھی جسطرح سفاح عباسی نے ابومسلم خراسانی کو قتل کردیا تھا حالانکہ وہ اسکا بڑا معاون تھا

اس شہر کے متصل ایک جزیرہ اس طور پر واقع تھا جیسے ہتھیلی سے ملی ہوئی کلائی ہوتی ہے۔ اسی کو انھوں نے اپنا پائے تخت بنالیا۔ اور گرداگرد اسکے ایک شہر پناہ کھچوا لی تھی۔ اور اسمیں لوہے کے دروازے بنوائے تھے۔ جسکے ہر پھاٹک کا وزن ایک سو قنطار تھا۔ اسی شہر سے قریب ایک پہاڑ پر کشتیاں بنوانے کے واسطے ایک مکان تیار کرایا تھا۔ جسمیں نوسو کشتیاں تیار ہوئی تھیں۔ اس شہر میں زراعت کے واسطے کھیت بھی بنوائے اور نہریں بھی جاری کرائی تھیں۔ بڑی بڑی عالیشان عمارتیں اور مکانات

بنوائے تھے۔ بہت سی کچہریاں بنوائی تھیں۔ اپنے عمال شہروں شہروں بھیجدیئے تھے۔ اور مال بہت کچھ جمع کیا تھا۔

مسیلہ یا محمدیہ۔ اسی خلیفہ کا آباد کیا ہوا ارض ہنی کملان میں یہ شہر ہے۔ پہلے اسکا نام مسیلہ تھا۔ مگر اُنھوں نے اُسکا نام محمدیہ رکھا اور وہاں قلعہ بنوا کے رسد وہیں جمع کی تھی۔

قاہرہ۔ جس وقت اُنکے پوتے معزالدین مصر کے شہروں پر کافور اخشیدی کے مرنیکے بعد قابض ہوئے تو انکے وزیر (جوہر) نے جوکہ انکے لشکر کا سپہ سالار تھا قاہرہ مصر کی بنیاد ڈالی۔ اور ایک مدرسہ بھی بنوایا جسے جامع ازہر کہتے ہیں۔ اسکے بعد معزالدین نے جو کچھ قصر مہدیہ میں مال و متاع وغیرہ تھا ۳۶۲ھ ہجری مطابق ۹۷۲ء میں چار برس کے بعد اُس شہر کی آبادی شروع ہونے کے لئے آیا۔ اور اپنا پائے تخت بنایا۔ اُس وقت سے انتہائے سلطنت علویین تک یہیں پائے تخت رہا۔

جس وقت فائز بنصر اللہ عیسیٰ خلیفہ ہوئے تو اُسکے وزیر صالح بن رزیک نے ایک مسجد حسینی بنوایا۔ جب اسکے بعد بادشاہ ناصر صلاح الدین یوسف بن ایوب عباسیہ سلطنت کے باجگذاری میں متولی سلطنت ہوا۔ تو مصر میں ایک قلعۃ الجبل اور بیر یوسف بنوایا۔ اس کنوئیں کی گہرائی تین سو قدم کی ہے اور باوجود اسکے بھی بآسانی اُسمیں اُترجانا ممکن ہے۔ اگرچہ کسی سواری پر سوار ہوکے اُترنا چاہے۔ اس سبب سے کہ اسمیں چکردار زینے بنے ہوئے ہیں جن سے بآسانی تہ تک آدمی پہونچ سکتا ہے۔

سلطنت مراکش

فاطمیین کی سلطنت کا آفتاب جس وقت لب بام ہوا اور ایک دم کے دم میں دیکھتے ہی دیکھتے غروب بھی ہوگیا تو ہر طرف صوبہ داروں نے

سے اپنے اپنے صوبے میں قبضہ جما لیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے بھی مصر کو اپنے پنجے میں لے لیا۔

سلطان صلاح الدین سنّی المذہب تھا۔ اُسکا قبضہ مصر پر عباسی سلطنت کی ماتحتی میں تھا۔ اسی طرح افریقیہ کے صوبوں میں جو جو حاکم بن بیٹھے تھے وہ بھی عباسیہ سلطنت کے ماتحت تھے۔ اور اب وہ مقامات دولت عثمانیہ کے قبضے میں ہیں۔ (اُن مقامات کو وجاقات کہتے ہیں) سوائے اُن چند جزیروں کے جنپر سلطنت فرانس نے قبضہ کر لیا ہے (مثلاً ٹونس وغیرہ)

بلاد مراکش۔ منجملہ چند حصہ افریقہ کے ایک حصہ یہ بھی ہے۔ انگریز اسکو (امپراطوریہ) کہتے ہیں۔ یعنے جو شخص اس حصہ پر قابض ہوا تمام بادشاہوں کا بادشاہ تھا لیکن عرب اسکو سلطنت مغرب ہی کہتے ہیں۔

اس حصہ ملک کے رہنے والوں کا نسب ویسا ہے جیسا کہ باقی افریقیہ کے حصوں میں رہنے والوں کا ہے۔ یہ لوگ اصل میں بربری ہیں۔ صحرائے ریال کی پشت پر چٹیل میدانوں میں رہا کرتے تھے۔ جب عرب نے اندلس پر قبضہ کر لیا تو ان بربریوں نے بھی دین اسلام قبول کیا۔ اور عربوں میں اسطرح خلط ملط ہو گئے کہ باہم شناخت دشوار تھی۔

پیشتر ان میں سے ایک قبیلہ لمتونہ کو ریاست حاصل تھی۔ اس قبیلے والے جس وقت سے عبدالرحمن داخل اموی نے اندلس پر قبضہ کیا تھا سوڈان کے شہروں میں لوٹ مار کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ سوڈان کے اکثر شہروں پر قابض بھی ہو گئے۔ رفتہ رفتہ ان بربریوں کی سلطنت عبدالرحمن ناصر اور عبید اللہ مہدی کے ہی زمانے میں بہت بلند پایہ پر قائم ہو گئی تھی۔

اسی لوٹ مار کے زمانے میں قبیلہ لمتونہ نے اپنے ایک دشمن پر چڑھ

کیا تھا۔ مگر چونکہ حریف بہت قوی تھا اسوجہ سے انکو بھگا کے ان کے گھروں تک لے گیا۔ اب دیکھئے۔ چونکہ گھروں میں تو سوائے بوڑھوں اور بچوں اور عورتوں کے کوئی تھا ہی نہیں۔ انہوں نے جھٹ اپنی عورتوں سے کہا کہ تم لوگ مردوں کے لباس پہن لو۔ اور منہ پر نقاب ڈال کے حریف کے مقابلے کو نکلو۔ فوراً عورتوں نے تعمیل کی۔ بدن پر ہتھیار سجے اور لڑنے کو نکلیں۔ تھوڑی ہی دیر میں دشمنوں کو مار بھگایا اسوقت سے ان میں یہ رسم ہو گئی کہ مرد منہ پر نقاب ڈال کے نکلتے ہیں۔ اسی وجہ سے کوئی شخص یہ نہیں پہچان سکتا کہ جوان کون ہے اور بچہ کون ہے۔ بوڑھا کون ہے۔

غرض جب انکے ملک کی بنیاد پختہ ہو گئی تو انکے امیروں اور سرداروں میں سے ایک شخص یوسف بن تاشفین لمتونی نامی بادشاہ ہوا۔ اور اپنے آپکو امیر المسلمین کے لقب سے نامزد کیا۔

مراکش۔ یوسف نے جب اپنے تسلط پر اپنے مقبوضہ شہروں میں قبضے پھیلا دیئے تو افریقہ کے شہروں میں سے ایک مقام پر سنہ [illegible] ہجری میں شہر ایک کی بنیاد ڈالی۔ پہلے سے اس مقام پر چھوٹا سا ایک گاؤں تھا۔ اور وہیں ایک مسجد تھی۔ اسی کے گرد اگرد شہر پناہ قائم کر کے اپنے آلات جنگ اور مال و متاع کا خزانہ بنا لیا۔

پہلے تو یہ گاؤں پہاڑیوں اور درختوں کے بیچ میں تھا۔ اکثر قزاق اور چور اسمیں چھپے رہتے تھے۔ جب لوگ اس طرف سے گذرتے تھے تو لوٹے جاتے تھے خوف سے کہتے تھے مراکش مراکش۔ جسکے معنے انکی لغت میں یہ تھے کہ جلدی چلو جلدی چلو۔ اس وقت سے اس مقام کا نام مراکش ہو گیا تھا۔ جب یہاں شہر آباد ہوا تب بھی اسی نام سے نامزد رہا۔ یوسف کے بعد اسکا بیٹا علی بادشاہ ہوا۔ اس نے سنہ [illegible] ہجری میں اس شہر پناہ کی بڑی

مضبوطی کرائی۔ اور عمارتوں کو مستحکم ہوا یا۔ اُسو قت سے انتہائے سلطنت تک یہیں تلمسان کا پائے تخت رہا۔ اُنکے بعد اور اور لوگ حاکم ہوتے رہے آخر میں بڑے بڑے بادشاہوں کے قبضہ میں رہا۔ اور اب بھی سلطان کے قبضے میں ہے۔

ایک مورخ نے لکھا ہے کہ یہ بلاد پہلے عباسیوں کے قبضے میں تھی پھر فاطمیین کے تصرف میں آئے۔ بعد چندے یہیں کے لوگ خود مختار بنگئے۔ اب تقریباً تین سو برس سے وہیں کے ایک سردار کے قبضے میں ہے۔ اور یکے بعد دیگرے اُسی کی اولاد بادشاہ ہوتی آتی ہے۔ اور شہر مراکش ہی اُنکا پائے تخت ہے۔ آبادی وہاں کی دو لاکھ ستر ہزار آدمیوں کی ہے۔ اور دین اُنکا دین اسلام ہے۔ مگر اکثر یہودی بھی اُنمیں ہیں۔

معادور۔ سنہ ہجری میں ان لوگوں نے ایک شہر آباد کیا تھا اور اُسکا نام معادور رکھا۔ یہ شہر بہت بڑا رودگاہ ہے۔

مکناسہ۔ یہی مراکش کے قریب ایک شہر ہے۔ اسکو مکناسۃ الزیتون بھی کہتے ہیں۔ یہ شہر نہر فلفل کے کنارے پر آباد ہے۔ اکثر اوقات مراکش کے سلاطین یہیں قیام کرتے ہیں۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

انظر الی مکناسۃ الزیتون	"ذرا مکناسۃ الزیتون تو دیکھو جو کہ کنکریلی
بین الاباطح والجبال الجون	زمین اور کالے کالے پہاڑوں کے
وکان فلفل بینہن مہند	بیچ میں واقع ہے۔ فلفل کے درخت
یہتز بین تعطف وسکون	اُن کے درمیان میں گویا کہ سنہری تلواریں

ہیں جو بار بار لچکتی اور ٹھہر جاتی ہیں"۔

کہتے ہیں، شہر سبتہ کے پاس جبل طارق کے محاذی اچھے اچھے سیرگاہیں تھیں۔ اور ان سب میں مشہور مقام بلیونش تھا۔

اور سبتہ میں ایک پہاڑ ہے مگر بہت ہی دشوار گذار اُسکی راہیں ہیں

جسکی بابت ایک شاعر کہتا ہے۔

بلیونس جنة و لکن طریقها یقطع الینا طا کجنة الخلد لا یراها الا الذی جاوز الصراطا	"بلیونس جنت تو ضرور ہے۔ مگر اُسکے راہ میں بڑے بڑے جنگل اور خوفناک مقامات ہیں کہ اُن تک پہونچنا دشوار ہے جیسے بہشت کہ اُس تک وہی شخص پہونچ

سکتا ہے جو صراط سے گذر جائے"۔

قیروان اور ریٹونس میں جبکہ خلفائے فاطمیین کا دورہ تھا۔ اُسوقت کے اکثر ان بلاد کے علمار و کملا مشہور ہیں منجملہ اُنکے ابوالحسن علی ورّانی شاعر ہے اور اُسیکا یہ شعر ہے۔

من لیشتری منی النھار بلیلة لا فرق بین نجومها و صحابی	"کون شخص مجھسے دن کو ایسی رات کے عوض میں خریدے گا جسکے تاروں

میں اور میرے اس مضمون میں کوئی فرق نہیں ہے"۔

شیخ صفاقسی بہی اسی ملک کے شہر صفاقس کے رہنے والا تھا۔ اسکی بہت سی کتابیں علم عروض میں مشہور ہیں۔

شیخ عفیف الدین تلسمانی شہر تلسمان کا رہنے والا تھا۔ اس کا ایک مشہور دیوان نظم میں ہے۔

(ان شہروں کی آمدنی کا ذکر آئندہ آئیگا)

بادیہ نشینوں کے مکانات

صحرانشین عرب جو ہمیشہ ایک مقام سے دوسرے مقام پر چلے جاتے تھے آج کسی جنگل میں کل کسی جنگل میں۔ یہ لوگ ہمیشہ سبزہ زار زمینوں میں اپنے خیمے ڈیرے ڈالا کرتے تھے۔ تاکہ اُنکے مویشیوں کو کھانے پینے کی تکلیف نہ ہو۔ اسی وجہ سے جب کبھی ایک مقام سے دوسرے مقام پر جانا چاہتے

تو کوئی نہ کوئی شخص اپنی روانگی سے پہلے سبزہ زار اور نہر وغیرہ کی
تلاش کے واسطے بھیج دیتے تھے۔ جب وہ پتہ دیتا کہ فلاں مقام پر
قیام کرنا مناسب ہے، وہیں جا اُترتے تھے۔ اور کبھی اُس شخص کے کہنے کو غلط
نہیں سمجھتے تھے۔ اور حقیقت میں بھی وہ شخص بالکل جھوٹ نہیں بولتا تھا
کیونکہ اُنکے نفع میں اسکا نفع بھی شریک تھا۔ اسیوجہ سے مثال میں
کہا کرتے تھے۔ لا یکذب الرائد اھلہ۔

یہ صحرانشین عرب جن خیموں میں رہتے تھے اُنکے تین حصے کر لیتے
تھے اور تینوں پر پردے ڈالے رہتے تھے۔ اگلا حصہ تو مردوں کے واسطے
تھا۔ اور اُسمیں ایک حصہ مسافروں کے ٹھیرنے کے واسطے بنایا جاتا تھا۔
اور پچھلا حصہ عورتوں کے واسطے۔ یہ عادت اُنکی بہت پرانی ہے۔
چنانچہ ایک شخص نے لکھا ہے کہ عرب کی غیرت اس بات کو نہیں چاہتی
تھی کہ عورتوں کے خیمے مردوں کے خیموں کے ساتھ ہوں۔ اسواسطے
اپنے خیمہ کی پشت پر عورتوں کے رہنے کے واسطے ایک درجہ قرار دیتے
تھے جس حصے میں مسافر آکے ٹھیرتے تھے اسکا نام بہو تھا۔ اور جسمیں
عورتیں رہتی تھیں اُسکا نام خدر تھا۔

معمر بن مثنی بصری نے لکھا ہے کہ خدر کو خدر اُسی وقت کہہ سکتے
ہیں جبکہ اُسمیں عورتیں رہتی ہوں۔ اور اگر عورتیں نہوں تو اُسے ستر
کہینگے۔ خدر نہیں کہینگے۔ اِن خانہ بدوشوں کے گھروں کے نام مختلف
ہیں۔ ایک سرادق ہے۔ یعنے کپڑے کا خیمہ۔

فسطاط۔ کمبلوں کا خیمہ۔

خباء۔ صوف کے کپڑوں کا خیمہ۔ اصبہانی نے لکھا ہے کہ خباء کبھی
دو ستونوں کا ہوتا ہے کبھی تین عمودوں کا۔

بجاد باریک بالوں کے کپڑے کا ہوتا ہے۔

قشع کھال کا خیمہ ۔ سدّ خشک مٹی کا (بظاہر اس سے کچے مکانات مراد ہیں)
خیمہ ۔ سہ چوبہ یا چار چوبہ گول مکان جسکے اوپر گھاس وغیرہ ڈال کے اُس کے
سائے میں رہتے ہیں ۔ قبۃ اینٹوں کا بنا ہوا مکان حظیرہ ۔ چند درختوں
کے بیچ میں کپڑے وغیرہ گھیر کے بنایا جاتا ہے ۔ طراف صاف کی ہوئی کھال کا
بنا یا ہوا خیمہ ۔

ابن خلدون مغربی لکھتا ہے کہ بنی امیہ کے ابتدائی خلفا کے زمانے
تک عرب اپنے انہی گھروں میں رہتے تھے جنہیں پیشتر ذکر کرتے تھے ۔ یعنے
اون اور صوف کے کپڑوں کے خیموں میں ۔ اور جب کسی مہم یا جنگ پر پہنچے
جاتے تو مع اپنے گھر بار اہل و عیال مال و اسباب زیور و ظروف قبیلہ و محلہ
کے جاتے تھے ۔ مگر جب انہیں شہروں میں رہنے کا اتفاق ہوا اور چھوٹے چھوٹے
کے عمارتوں میں رہنے لگے ۔ اور اونٹوں کی سواری چھوڑ کے گھوڑوں پر
سوار ہونے لگے تو اب جب کبھی سفر کی نوبت آتی تو خیام اور فسطاط اور فازہ
کتان اور صوف اور سوت کے کپڑوں سے بنے ہوئے جنکی ڈوریاں
کتان کی چھال یا سوت کی بنی ہوئی ہوتیں لیکے چلتے ۔ اور جسکا خیمہ اچھا ہوتا
اور ذرا قیمتی کپڑے اور ڈوریاں لگی ہوتیں وہ دوسروں پر فخر کرتا ۔

ان خیموں کی چھوٹائی بڑائی دولت اور مال کی کمی اور زیادتی کی وجہ سے
ہوتی تھی ۔ مثلاً قناتیں جو خیمے کے گرد گھیری جاتی ہیں ۔ اور اہل عرب اسکو
افراک کہتے تھے ۔ وہ خاص اُس طرف کے بادشوں کی ہے ۔ پاس ہوتے
تھے اور کسی بچہ کے پاس نہ ہوتے تھے ۔ اور نہایت احتیاط اور زینت
کے ساتھ اسمیں ارکین جمع ہوتے تھے ۔ اور پہلے پہل سرور جمع کئے جاتے تھے
ایک چھت کے مکان کو جسمیں ایک دہلیز ہو اسکو بیت کہتے تھے
اصل اسکی بیت الشعر یا بیت الصوف ہے کیونکہ پیشتر انکے رہنے کے
مکانات بالوں کے کپڑوں کے بنے ہوئے ہوتے تھے جنہیں یہ شب کو سونے کو

مگر اصبہانی نے لکھا ہے کہ بیت اسکو کہتے ہیں کہ جسمیں کم از کم چھ
ستون اور زیادہ سے زیادہ نو ستون ہوں۔

ایک شخص نے یوں تقسیم کی ہے کہ اگر مٹی کا بنا ہوا مکان ہو تو بیت
ہے اور سوتی کپڑے کا ہو تو سرادق ہے۔ صوف یا اون کا ہو تو خباء
لکڑیوں کا ہو تو خیمہ ہے۔ چمڑے کا ہو تو طراف ہے۔ پتھروں سے جوڑ
کے بنایا ہو تو اقبیہ ہے۔

جرموز۔ چھوٹے بیت اور چھوٹے حوض کو کہتے ہیں۔

خبز۔ کچے مٹی کے بنے ہوئے چھوٹے مکان کو کہتے ہیں۔

حجرہ۔ غرفہ۔ کوٹھڑی۔

حجلہ۔ قبہ کے وزن پر۔ اس مقام کو کہتے ہیں جسے دولہن کے
کے واسطے رنگین کپڑوں اور نفیس پردوں سے سج کے تیار کریں۔ یا مکان
کے اندر پردہ ڈال کے جو دولھن کے واسطے ایک حصہ علیحدہ کر دیا جائے۔
وہ حجلہ ہے۔

منزل۔ تمام اس مجموعے کا نام جسمیں کئی تو بیت ہوں اور چھت ہو
پٹا ہوا سایبان بھی ہو۔ باورچیخانہ بھی ہو۔ کوئی شخص اپنی جورو بچے سمیت
اسمیں رہ بھی سکے۔

دار۔ اس مجموعے احاطے کا نام ہے جسمیں کوٹھڑیاں ہوں۔ اور
بے چھت کا سایبان ہو۔ منزلیں بھی اسمیں ہوں۔

بیت کی جمع ابیات اور بیوت آئی ہے اور جمع الجمع اباییت اور بیوتات
مگر بیوتات کا لفظ شریفوں کے مکانوں کے واسطے خاص ہے جسکو اہل
البیوتات کہتے ہیں اس سے مراد شریف آدمی اور صاحب حسب و نسب
ہوا کرتے ہیں۔ مجدل۔ اطم۔ قصر اور عالیشان عمارت کو کہتے ہیں۔

اجم۔ قلعہ۔

ہر بلند اور عالیشان مکان کو صرح کہتے ہیں۔
کعبۃ۔ ہر مربع مکان کو کہتے ہیں۔
اجْم۔ مربع اور مسطح مکان کو کہتے ہیں۔
اُطُم۔ اُطْم۔ جو قلعہ کہ پتھروں کا بنایا گیا ہو۔ اور جو مکان کہ مربع مسطح ہو۔
اصیصیہ۔ ملے ملے ہوئے مکانات۔
اُفُن۔ جمع اُفُن۔ پتھر کا مکان۔
ازج۔ جو مکان لمبا بنایا گیا ہو۔
خِش بالکل چھوٹا سا مکان۔
خزانہ مخدع۔ چھوٹی سی کوٹھری جسمیں مال اسباب چھپا رکھتے ہیں
رتاج بہت بلند اور عظیم الشان دروازے۔
رحبۃ المکان صحن مکان۔
دار خاویۃ جسمیں کوئی نہ رہتا ہو بالکل خالی پڑا ہو۔
بیر نزح جس کنوئیں میں بالکل پانی نہ ہو
وطن محض آدمیوں کے واسطے استعمال ہوتا ہے۔
مالف۔ مراح۔ اونٹ کے واسطے استعمال ہوتا ہے۔
اصطبل۔ گھوڑے خچر وغیرہ کے واسطے۔
زریبہ بھیڑ بکریوں کے واسطے۔
عرین شیر کے واسطے۔
وجار بھیڑیئے کے واسطے۔ ضبع۔ ختل خرگوش کبھو واسطے۔
محیط المحیط میں لکھتے ہیں کہ خرگوش کے واسطے مخزہ استعمال ہوتا ہے
اسی سے لفظ خز (ایک قسم کا اونی کپڑا) نرم ہونے کے سبب سے کہا جاتا ہے
جیسے خرگوش کے بال نرم ہوتے ہیں۔

مکو۔ خرگوش اور لومڑی دونوں کے رہنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔
جز۔ کنفار۔ لومڑی کے بھٹوں کو کہتے ہیں۔ کناس وحشیوں کے رہنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ ادجی شتر مرغ کی بود و باش کی جگہ کو۔
افحوص۔ قطا کے رہنے کی جگہ کو۔ وکن۔ باقی پرندوں کے گھونسلے کو
قریۃ چونٹی کے سوراخ کو۔ نافقا بیولے کے سرنگ کو
خلیۃ شہد کی مکھی کے چھتے کو۔ جحر۔ سوسمار اور سانپ کے سوراخ کو۔ ایک قول کے بموجب جحر کا لفظ ہر قسم کے درندے اور حشرات الارض کے سرنگوں اور سوراخوں کو کہتے ہیں جسے اُنھوں نے اپنے واسطے بنایا ہو۔ اسکی جمع جحرہ۔ احجار۔ احجرۃ آتی ہے۔
بلدۃ۔ اس شہر کو کہتے ہیں جسمیں شہر پناہ نہ بنی ہوئی ہو۔
مدینۃ۔ جس شہر کی شہر پناہ ہو۔ جس مدینہ میں کہ ضطاط بہت ہو۔ اور نیز بڑے بڑے مدینوں کو۔ قصبہ۔ قاعدہ۔ عاصمہ کہتے ہیں۔
ثغر۔ اُن حدود کو کہتے ہیں جدہر سے دشمن کے شہر میں چلے آنے کا خوف ہو۔ یا جو دارالحرب سے قریب ہو۔ جس سے خیال ہو کہ کفار شہر میں چلے آئینگے۔
کفر۔ چھوٹا گاؤں۔ سور۔ شہر پناہ کی دیوار۔ عرصہ خالی زمین جسپر کوئی مکان نہ ہو۔ رحب۔ چوڑا صحن یا چوڑا مکان۔ شارع شاہراہ۔ منقب شاہراہ۔ خَیدب کھلی راہ۔ مرصاد کھلی راہ۔ منہج۔ محجۃ جادہ بڑی راہ اور وسط راہ مہیع۔ چوڑی سڑک۔ نسیب سیدہی راہ۔ شعب پہاڑ کے اندر سے ہو کے جو راہ جاتی ہو۔ مخرق دو رختوں اور پہاڑیوں میں سے جو راہ جاتی ہو۔ فج۔ دو پہاڑوں کے درمیان کی راہ۔ ددب۔ جس راہ میں آمد و رفت نہ ہو۔ ضحج جس راہ میں نیچ اونچ بہت ہو۔ محجوج محجۃ جو راہ کہ شاہراہی سیدہی ہو۔ یعنے کہیں توکج ہو کہیں سیدہی۔

حرث۔ گھوڑوں کی ٹاپوں سے کھدی ہوئی راہ۔

حارہ۔ جس محلے کے مکانات نزدیک نزدیک ہوں۔

عدیلہ۔ جس محلے میں مسلمان نہ رہتے ہوں۔ اور اسکو خراب بھی کہتے ہیں۔

مجمہا۔ مدینہ کے گرد واگرد جو مقام ہو۔ باعۃ الدار۔ صحن دار۔ حیل صحن بیت۔

اطلال دار۔ خیمے کے ستون۔ اور خیمے کے گرد وگرد جو نہر سی بنا دیجاتی ہے کہ پانی خیمے میں نہ آنے پائے۔ اسکے نہروں اور چولھوں کے ڈھیلے۔ مٹی اور سینگھی کے انبار کو کہتے ہیں۔

رسوم دار۔ دار کے نشانات۔ خواہ اس چھوٹی سی خندق کے ہوں۔ جو گرد واگرد خیمے کے کھودی جاتی ہے۔ یا میخ وغیرہ کے گڑھے ہوں۔ جنسے میخ اور ستون نکال لیے گئے ہوں۔ یا راکھ۔ مینگنیاں۔ اونٹ گھوڑوں کے پیشاب۔ بچوں کے کھیلنے کے نشانات۔

اگر اطلال دار تو باقی ہوں مگر رسوم دار کہنہ ہو گئے ہوں اُسے مائل کہتے ہیں۔ مجاج جو آثار کہ مٹ گئے ہوں۔ اور کچھ باقی نہ رہگیا ہو

عذرہ۔ فناء دار۔ مکان کے آگے کا صحن۔ اسکو عذرہ کہنے کی یہ وجہ تھی کہ مکان کے سامنے بول و براز پھینکدیتے تھے۔ تو اس جگہ کو بھی عذرہ کہنے لگے۔

سعوف دار۔ اقر۔ وہ ظروف جنہیں پانی پیا جاتا ہے۔

قصعہ۔ قدر۔ لکڑی کا بڑا پیالہ۔ اور دیگچی یا ہانڈی۔ یہ مکان کی حقیر چیزوں میں سے ہیں۔ اسی طرح خاش ماش ایسے اثاث البیت جنہیں معتدبہ فائدہ نہ ہو۔

جبا۔ جوا۔ جباۃ۔ جواۃ۔ ہانڈی ڈھکنے کا ظرف یا ہانڈی کے اوپر

ڈھانکنے کا چھڑہ یا زنبیل وغیرہ۔

جعال۔ صافی جس کپڑے سے پکڑ کے دیگچی چولھے پر سے اتاری جاتی ہے۔ خرش۔ نقاف۔ گھر میں کی ذلیل اور بیکار چیزیں۔ حبّ جرّہ۔ مٹکہ۔ یا بڑی سٹھور۔ یا گھڑونجی جس پر دو ڈوریوں والا مٹکہ رکھا جاتا ہے۔ کرامہ مٹکے پر ڈھانکنے کا چھڑہ یا پیالہ وغیرہ۔ مجش۔ مجشہ دست پناہ۔ محضج۔ محضاء محضا۔ وہ لکڑی جس سے آگ کریدتے ہیں۔ جبھل۔ جبھلہ جس لکڑی سے چنگاری اور دہکتی انگاری ہٹاتے ہیں ثِفال بدہنی۔ اور جس چمڑے پر چکی رکھ کے آٹا وغیرہ پیستے ہیں۔ ثفال چکی کے نیچے کا پاٹ۔

منقلہ۔ سیر فرش۔ جل فرش اور چادریں۔ اریکہ حجلے میں جو چار پایا تخت بچھایا جاتا ہے۔ اور فقط تخت اور مسند اور فرش اور تکیہ دار تخت جو کہ قبہ یا بیت میں رکھا جائے۔ الاکیمیر۔ جس ڈوری سے خیمے کو میخوں میں باندھتے ہیں۔ یا وہ چادر جس سے خیمے کے در بند کئے جائیں ارامن۔ اونی قالین۔ اھرہ اثاث البیت۔ بلفظ۔ فُتزہ گھر کے کپڑے لتے۔ فتزد۔ بہت سے کپڑے گھر کے۔ اور وہ چیزیں جو سفر میں لیجانے کے قابل نہ ہوں۔ وزنی ہونے یا زیادہ ہونے کی وجہ سے۔ نسی۔ مسافروں کی منزلوں کی جو کم قیمت اور بے قدر چیزیں گر گئی ہوں۔

احفاش بیت۔ کپڑے وغیرہ اور کم قیمت چیزیں۔

ماعون۔ ایسی معمولی چیزیں جو عاریت کے طور پر دوسروں کو دی جا سکتی ہیں۔

دوسری فصل

عرب کے لباس اور زیور

کہتے ہیں کہ عرب کے لباس جو قدیم زمانے میں استعمال ہوتے تھے اُنکے نمونے ابتک باقی ہیں۔ جیسے ترکوں کے لباس عجمیوں کے لباس وغیرہ۔ اکثر یہ لوگ بڑی چوڑی شلواریں پہنتے ہیں۔ اور چمڑے کے ڈورے سے باندہتے ہیں۔ اُسمیں خنجر وغیرہ بھی رکھ لیتے ہیں۔ اور اپنے سروں کو کوافی سے چھپاتے ہیں جسے عام لوگ کفانی کہتے ہیں۔ اسکی شکل سندیل جیسی ہوتی ہے۔ صوف سے بنا ہوتا ہے۔ اُسکے اوپر اُون کے بنے ہوئے عقبا سے لپیٹ لیتے ہیں۔ اُسکو عقالات کہتے ہیں۔ اسکا واحد عقال ہے (آجکل کے استعمال میں چنبہ اُگال کہتے ہیں۔ م)

اکثر لوگ طاقیہ بھی سر پر لپیٹتے تھے۔ اور اُسکے اوپر سے طرابیش اُسکے اوپر سے کوافی اور عقالات یا عمامہ باندہتے تھے۔ عقالات کو عصب بھی کہتے ہیں (یہ ایک قسم کی ریشم یا سوت کی ڈوری ہوتی ہے جسکو سر پر سندیل رکھ کے اوپر سے لپیٹ لیتے ہیں۔)

عمائم جمع عمامہ۔ عرب کے تاج سمجھے جاتے تھے۔ جب کہتے تھے عمم فلاں تو اسکے معنے یہ سمجھے جاتے تھے۔ فلاں شخص سردار بنا دیا گیا۔ (اور عمامہ جوان ہونے کی بھی علامت تھی یعنے لڑکا جوان ہوجاتا تھا تو اُسکے سر پر عمامہ باندہا جاتا تھا۔ جیسا کہ ابری کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے من مسقلت عنی التمائم و نیطت بی العمائم۔ م) عمامہ ویسا ہی سمجھا جاتا تھا جیسے عجم میں تاج

عمامہ باندھنے کی بہت سی قسمیں ہیں۔ ایک قسم اُسکی جو تکیہ ہے۔ ایک شخص جوتک نامی تھا اُسکے نام سے مشہور ہے۔ دوسری قسم اعتمام المیلاء ہے۔ ایک طرف ذرا جھکا ہوا عمامہ باندھنے کو (جیسے پنجاب کے سکھ باندھتے ہیں) تیسری قسم فقداء ہے۔ یہ وہ عمامہ ہے جسمیں شملہ نہ لٹکایا جاوے۔

چوتھی قسم طابقیہ ہے یعنے تحت الحنک بغیر عمامہ۔ ایسے عمامہ باندھنے کو اقتعاط کہتے تھے۔ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ عرب اپنے عماموں کے شملے لٹکا دیتے تھے۔ عرب مشرق تو فاضل مقدار سے ڈھاٹا باندھ لیتے تھے۔ اور عرب مغربی پہلے اُس سے گردن کو لپیٹتے تھے۔ اُسکے بعد سر پر باندھتے تھے۔ اور جو بیچ رہتا اُس سے ڈاڑھی کے نیچے سے لاکے اس طور پر لپیٹ لیتے کہ تحت الحنک نہ معلوم ہوتا۔

اصبہانی نے لکھا ہے کہ صدر اسلام میں خلفا کے سامنے عمامہ باندھ تعزیت کے واسطے کوئی نہیں آسکتا تھا۔ اور اگر کوئی شخص اُنکے پاس اسطرح سے تعزیت کو آتا تو اُسکا عمامہ اُسکے سر سے اُچھال دیا جاتا۔ اور یہ بھی لوگوں سے بیان کیا گیا ہے کہ ہمارے زمانے کے مسلمان۔ اور غیر مسلمان کی پہچان عمامے کے رنگ اور اُسکی طریق بندش سے ہوتی ہے شریف آدمی تو سبز عمامہ باندھتے ہیں اور رفاعی لوگ سیاہ۔

صحرانشین عرب بکریوں اور اونٹوں کے بال کی بنی ہوئی عبا اور چادر اوڑھتے تھے۔ عبائت عبارۃ کی جمع ہے۔ عبارۃ بے آستین کی چادر کو کہتے ہیں۔ یا مربع کپڑے کو جو بیچ سے شق ہو۔ اور گردن کے پاس تقویر بنی ہو۔ اور دونوں طرف سے کھلا ہو جسمیں سے ہاتھ نکال سکیں۔

ملطبرون نے اسکے عمدہ اور خراب ہونے کی شناخت میں کہا ہے کہ جب کوئی شخص خریدتا ہے تو اسپر ایک ڈول پانی گرا دیتا ہے۔ اگر نفیس اور عمدہ ہے تو پانی نیچے تک بہیگا۔ اور اگر خراب ہے تو پانی چھن جائیگا۔

ایسی ایسی عبائیں بھی دیکھی ہیں کہ یون یون گھنٹے تک پانی اسمیں ٹھیرا رہا ہے اور ایک قطرہ بھی نیچے نہیں گرا۔

عربکے لباس میں سے ایک لباس اشتمال الصما بھی ہے۔ یہ لفظ چادر کے اوڑھنے کا طریقہ ہے اسکا طریقہ یہ ہے کہ چادر کو پہلے گردن پر رکھکے اسکے ایک سرے کو داہنے ہاتھ سے لیکر بائیں کندھے پر ڈال لیتے ہیں۔ اور اسی کو پشت کیطرف سے پھر اسکے داہنے کندھے اور داہنے ہاتھ پر ڈال لیتے ہیں۔ اس سے دونوں ہاتھ چھپ جاتے ہیں۔

اکثر عرب جوتے نہیں پہنتے تھے۔ اسوجہ سے انکے تلووں کی کھال بہت ہی سخت ہوجاتی تھی۔ اور ایسی موٹی ہوجاتی تھی کہ اگر جلتی ہوئی ریتلی زمین پر چلتے تو کچھ محسوس نہ ہوتا تھا۔ مگر جب پہاڑوں پر چلتے تھے تو بھیڑ وغیرہ کی کھال پاؤں میں لپیٹ لیتے تھے۔

عرب کی غریب عورتیں فقط ایک قمیص پہنتی تھیں۔ اور اوپر سے ایک اوڑھنی اوڑھ لیتی تھیں۔ اور کمسن لڑکیاں شوذر۔ (چادر کا معرب) اوڑھتی تھیں شوذر ایک قسم کی دولائی ہے۔ یا اس طرح کی چادر جسمیں جیب اور آستینیں نہیں ہوتی تھیں۔

اب بترتیب حروف تہجی عرب کے چند کپڑوں کے نام لکھے جاتے ہیں

ا۔ اتب چادر ہوتی ہے جسکو بیچ سے پھاڑ کے عورتیں اپنی گردن میں ڈال لیتی تھیں۔ اسمیں جیب اور آستینیں نہیں ہوتی تھیں۔

اتحمی۔ اتحمیہ متحمہ۔ ایک خاص قسم کی چادر ہے جو عرب ہی کے شہروں میں بنائی جاتی ہے۔ اخضاب عرب کا ایک مشہور لباس ہے۔ اخنی۔ تار دار اور خط دار کپڑے۔ استبرق دیبا کا موٹا کپڑا یا سنہری تار سے جو دیبا بنا جاتا ہے۔ یا ریشم کے چکنے کپڑے۔ اصن۔ چھوٹا سا کرتا ہے

جو اور کپڑوں کے نیچے پہنا جاتا ہے۔ ابوقلمون۔ رومی کپڑا ابریشم کا بنا ہوا ہے۔ دھوپ چھاؤں کیطرح آنکھوں کے سامنے مختلف رنگ میں جھلکتا ہے۔ اندارود۔ ایک قسم کا پاجامہ ہے تنبان کے اوپر سے پہنا ہوا ہوتا ہے۔ یا تنبان کو اندرود کہتے ہیں۔ انماط (نمط کی جمع ہے) جسطرح کا کپڑا فرش کی جگہ پر بچھایا جاتا ہے۔ استبرق۔ ایک قسم کا کپڑا ہے۔

ب ۔ باغزیہ۔ خز کا یا حریر کی طرح کا کوئی کپڑا ہے۔ بت اون یا صوف کی موٹی چادر ہوتی ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ خز کی طیلسان ہے۔ بجاد۔ خط دار کپڑا ہے۔ بخنق۔ بخنک۔ بخنق لڑکیاں جسکا سفنج بناتی ہیں۔ اسکے دونوں کونوں کو ٹھوڑی کے نیچے باندھ لیتی ہیں جس سے خمار (چادر سے) سر کا تیل محفوظ رہتا ہے۔ برجد۔ ایک قسم کی خط دار چادر ہے۔ برد۔ صوف کی موٹی اور کالی چادر اور خط دار کپڑا۔ جمع برود۔ برود سدیہ۔ یمن کے ایک قصبہ سدیر کی بنی ہوئی چادر۔ برود سعیدیہ۔ یمن کی چادر سعید بن عاص کی ایجاد کی ہوئی ہے۔ برود مسہمہ یہ بھی خط دار چادر ہے۔ یمن میں بنتی ہے۔ برنس لمبی ٹوپی ہوتی ہے۔ جسے صدر اسلام میں عباد پہنا کرتے تھے۔ اسکے علاوہ اور جو کوئی کپڑا ایسا ہو کہ اسکا سر اسی میں سے بنا ہوا ہو خواہ دراعہ ہو یا جبہ ہو یا بارانی ہو۔ برقع۔ چھوٹا سا جالی دار کپڑا ہے جو آنکھوں پر لگایا جاتا ہے۔ اعرابی عورتیں اسکو چہرہ پر ڈال لیتی تھیں جس سے منھ چھپا رہتا ہے۔ مگر انکو راہ چلنے اور کسی چیز کے دیکھنے میں دقت نہیں ہوتی۔ بریم وہ مختلف رنگ کے یعنے سرخ وسفید ڈوری ہوتے ہیں جنہیں لڑکیاں اپنی کمر میں اور بازو پر باندھتی ہیں۔ عورتیں بھی اس قسم کے ڈورے بناتی ہیں جنہیں موتی وغیرہ لٹکاتی ہیں۔ بز کتان اور سوت کا کپڑا ہے۔ برکان برنکان کالی چادر ہے۔ بطاح ایک کپڑا ہے جسکا ایک رخ تو مخمل کا ہوتا ہے

اور وسط بھی مخمل ہے اور دونوں طرف اُسکے جھالر ہوتی ہے بقیرہ
تنل انتب سکے ہے۔ یعنے ایک قسم کا کرتہ ہے جیسے عورتیں پہنتی ہیں
مگر آستینیں نہیں ہوتیں۔ بنادک قمیص کا گلو۔

ث۔ تختہ زرد دھاری دار چادریں۔ ثیاب تخمہ وہ کپڑے ہیں جو
طلاق دی ہوئی عورتوں کو پہنائے جاتے ہیں۔ جبکہ طلاق دینے والا پھر
اُسکو اپنے نکاح میں لائے۔ تبان۔ پاجامے کا بند یا خاص کمر بند۔ یا وہ جالی
جسمیں پیسے روپے رکھکے کمر میں باندھ لیتے ہیں۔

ث۔ تبان۔ مرقع کا بند اور چمڑے کی ڈوری جس سے اسباب باندھتے
ہیں۔ ثوب (جمع اسکی اثواب ہے) ثوب معرج۔ دھاریدار کپڑا۔ ثوب فاقع
سرخ رنگ کا کپڑا۔ ثیاب موثوجہ جسکی بناوٹ بہت ہی نرم ہو۔ ثوب
بدود۔ جس میں کھڑکھڑاہٹ نہ ہو۔

ج۔ جبہ بے آستین کا لمبا لباس ہے جو تمام کپڑوں پاندہ کے
اوپر پہنا جاتا ہے۔ جدیلہ۔ حائض عورتیں زمانۂ حیض میں اُسکو اپنی
کمر میں باندھتی ہیں۔ لنگوٹ کی طرح کا ہوتا ہے۔ بچوں کو بھی بند ہوتے ہیں۔
جرذ۔ اونی اور بکرے کی کھال کا کپڑا ہے اسکو عورتیں پہنتی ہیں۔ جرتی
ایک قسم کی چادر ہے۔ جرموق موزے کے اوپر کیچڑ سے بچنے کے
واسطے پہن لیتے ہیں۔ جلباب۔ قمیص عورتوں کے پہننے کا ایک لباس
ہے دولائی سے کم۔ یا جس سے وہ اپنے کپڑوں کو چھپا لیتی ہیں اور اوپر
سے اوڑھ لیتی ہیں۔ یا خود خمار کو جلباب کہتے ہیں۔ جماد۔ ایک قسم کا کپڑا
ہے۔ جنۃ ایک قسم کا چھوٹا سا رومال ہے۔ جس سے عورتیں اپنے
سر کے اگلے اور پچھلے حصے کو چھپاتی ہیں۔ مگر بیچ کا حصہ اُس سے نہیں
چھپایا جاتا۔ مگر منہ تک اُس سے چھپ جاتا ہے اور پستان بھی ڈھک
جاتے ہیں۔ اور آنکھوں کے پاس جالی بنا دیجاتی ہے۔ جرھیۃ فرش کا

کام کا ایک کپڑا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ کتان بنا ہوتا ہے۔ جہرم فارس میں ایک شہر ہے اُسی کے نام سے مشہور ہے۔ جوذی چادر کا نام ہے جو دریا ملاحوں کے استعمال کا صوف کا بنا ہوا ایک لباس ہے۔ جیل چھوٹا دُرعہ ہے جمانہ صوف کا بنا ہوا دراعہ ایک کپڑے کا نام ہے جسکی آستینیں چھوٹی ہوتی ہیں۔

ح۔ حبر۔ نقش و نگار کی ہوئی چادر۔ بنا اور ریشم کپڑا۔ حبر کپڑے پر نقش و نگار کرنا۔ حبیر بنا اور ریشم کپڑا۔ اور رنگین چادر۔ جمع اسکی حبر ہے حبرہ یمنی ایک چادر ہے۔ حبس ہودج پر کا پردہ اور فرش پر جو کپڑا بچھا کے سوتے ہیں۔ حجزہ ازار بند باندھنے کی جگہ یعنی پاجامے کے جس سوراخ سے کمر بند نکال کے باندھتے ہیں۔ حذاء پاؤں میں جو جوتے وغیرہ کی قسم سے پہنتے ہیں۔ حرج۔ طنابوں پر سوکھنے کے لئے جو کپڑے ڈالے جاتے ہیں جمع حراج۔ حرض کپڑے کے حاشیے اور حاشیے اور جھالریں۔ حشیب گاڑھا کپڑا۔ حقاء۔ چادر اور اسکے باندھنے کی جگہ۔ حقو۔ حقوۃ۔ پہلو۔ چادر۔ چادر باندھنے کی جگہ۔ حیقۃ۔ کرتے کے پچھلے دامن میں جس کپڑے کا پیوند لگایا جاتا ہے۔ حلۃ تمام بدن کا چھپا لینے والا ایک بات کپڑا۔ حوف۔ ایک قسم کی کھال ہے جسکو بیچ سے شق کرکے حائض عورتیں اور بچے پہنتے ہیں۔ سرخ چمڑا جسکی ڈوریاں تراش کے لڑکیاں اپنے کپڑوں کے اوپر سے باندھ لیتی ہیں۔ حقب۔ کا دار کمر بند جسمیں عورتیں اپنے زیور لٹکا کے کمر میں باندھ لیتی ہیں۔

خ۔ خبیہ خز کی چادر۔ خذ افز پھٹے پرانے کپڑے۔ خذ افل پھٹے پرانے کپڑے۔ خذ عل چمڑے کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے جسے عورتیں اپنے مقام مخصوص کی حفاظت کے واسطے حیض کے زمانے میں کمر سے باندھتی ہیں۔ خذ فرہ کسی کپڑے کا ایک ٹکڑا۔ خذ رانق ایک یا کئی

سفید کپڑے ۔ خسروانی خسرو بن نوشیروان بادشاہ عجم کے نام سے
مشہور ایک قسم کا کپڑا ہے ۔ خصاص چھوٹا کپڑا ۔ خصاف ۔ چادر ۔ خفت
پیوند دار جوتا ۔ اور ہر پیوند کو خصفہ کہتے ہیں ۔ خلیع بے آستین کا کرتہ ۔
خمس ایک قسم کی لمبی چادر ہے ۔ مورخین کا بیان ہے کہ پہلے پہل جس
بادشاہ نے اس چادر کو بنایا ہے اسکا نام بھی خمس تھا ۔ مگر ایک شخص نے
یہ بھی لکھا ہے برد اخماس وہ چادریں ہیں جو پانچ پشت کی ہوتی ہیں
اسی لفظ کی ایک مثل بھی مشہور ہے ۔ وہ دو دوستوں کی بابت کہتے ہیں
ھیاخی برد ۃ اخماس یعنے دونوں نے بڑی محبت پیدا کرلی ہے ۔
اور دونوں ایک ہی سے کام کرتے ہیں اور لباس میں بھی ایک دوسرے
سے مشابہ ہیں ۔ خیعل بے آستین کے قمیص ۔ پوستین ۔ بن سلا ہوا کپڑا ۔
یا وہ درع جسے عورتیں قمیص کی جگہ پر پہنتی ہیں ۔ ایک طرف اسکا سی
لیتی ہیں اور دوسری طرف بن سلا ہوتا ہے ۔ خزدی ۔ خز کا عمامہ ۔

د ۔ دخدار ۔ لفظ فارسی معرب ہے ۔ اصل اسکی تخت دار ہے ۔
رکھے ہوئے کپڑوں کو کہتے ہیں ۔ درع عورتوں کے پہننے کا کرتہ ۔ دفنی
دھاری دار کپڑا ۔ دمقس ریشم ۔ خز ۔ دیبا ۔ کتان ۔ حریر سفید ۔

ر ۔ رداء اوڑھنے کا کپڑا ۔ ردن آستین کی جڑ جسمیں عرب درہم
و دینار رکھ لیتے تھے ۔ رازقیہ کتان کے سفید کپڑے ۔ رفوف دیبا کے
باریک کپڑے ۔ چوڑا کپڑا ۔ فرش ۔ بچھونوں کے نیچے کی گوٹ ۔ ریطہ ۔
رانوں پر باندھنے کا کپڑا ۔

ز ۔ زیقا ۔ لمبی پردوں کی ایک قسم یہی ہے ۔

س ۔ سابریہ ۔ ایک قسم کا بیش قیمت کپڑا ہے ۔ سابور کے نام
کی طرف منسوب ہے ۔ سابور فارس کا کوئی گاؤں ہے ۔ سحل بایک
کپڑا ہے جسکی بناوٹ مضبوط نہیں ہوتی ۔ سفید کپڑا یا محض سوتی کپڑا

سحل سفید کپڑا۔ سندوس سبز طیلسان سندس باریک دیبا۔
یا ایک قسم کا کتانی کپڑا ہے۔
ش۔ شملہ۔ ایک قسم کا کپڑا ہے۔
ط۔ طمر۔ پرانی پھٹی ہوئی چادر بشرطیکہ صوف کی نہ ہو۔ جمع اسکی اطمار ہے۔ طیلسان۔ ایک کپڑا ہے جسکا الٹا سیدھا نہیں ہوتا۔ یا سوتی کپڑا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ طیلسان عمامہ کے گوشہ کو کہتے ہیں جو کہ کندھے پر لٹکایا جاتا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ طیلسان گول اور سبز رنگ کی چادر ہے جسکے اوپر اور نیچے کیطرف کچھ فرق نہیں ہوتا۔ اور تانا یا بانا اسکا صوف کا ہوتا ہے۔ خاص علماء اور مشائخ اسکو پہنتے ہیں۔
ع۔ عصب۔ ایک یمنی چادر ہے۔ عقب عورتوں کے اوڑھنے کی چادر ہے عقل ایک قسم کی یمنی چادر ہے یا سرخ کپڑا جس سے ہودج پر پردہ ڈالتے ہیں عمقہ سرخ کپڑا۔ عیاب گٹھری
غ۔ غلطان ایک قسم کا کپڑا ہے جو سب کپڑوں کے اوپر سے پہنا جاتا ہے
ف۔ فدفد ایک قسم کا لباس ہے۔ فضلہ الکہر اکیلا کام ہوا ساتی کے واسطے پہن لیا جاتا ہے۔ فوط سندی کپڑا ہے۔ یا دھاریدار چادریں۔ فوف یمنی چادروں کی ایک قسم ہے۔
ق۔ قبا۔ قبناز۔ قباطی کتان کے سفید اور باریک کپڑے ہیں مصر میں بنے جاتے ہیں۔ قدام سرخ کپڑا ہے۔ قرط ایک قسم کی چادر ہے۔ یا سرخ کپڑا جس سے ہودج کا پردہ بنایا جاتا ہے۔ گلکاری کی ایک قسم ہے یعنے جسمیں لمبے لمبے پھول بنے ہوں۔ اور اگر گول پھول ہوں تو اسکو رقم کہتے ہیں۔ قسطلانیہ قسطلہ اندلس میں ایک شہر ہے۔ وہاں کا یہ کپڑا مشہور ہے۔ قطن بجاد کی طرحکا دھاریدار کپڑا ہے۔ قفار۔ دستانہ ہوتا ہے جسمیں گھنڈیاں لگائی جاتی ہیں اور بازو سے باندھی جاتی ہیں۔

یہ وہ قفاز ہوتے ہیں جنہیں عورتیں سردی کے زمانے میں پہنتی ہیں۔
قفاز ایک قسم کا زیور بھی ہوتا ہے جو ہاتھ پاؤں میں پہنا جاتا ہے۔
قن۔ قنان قمیص کی آستین۔ قنبعہ۔ برنس (کلاہ) کی طرح کا ہوتا ہے
بچوں کو پہنایا جاتا ہے۔

ک۔ کرباس سفید سوت کا کپڑا بنایا جاتا ہے۔ بعضوں نے لکھا ہے
نہیں بلکہ گہر گہری کپڑے کو کرباس کہتے ہیں۔ کساء پہلے معلوم ہو چکا
(چادر) اسکو جوذی بھی کہتے ہیں۔ کیفہ۔ پیوند جو کرتے کے اگلے
دامن میں لگایا جائے۔ اور اگر پچھلے دامن میں لگایا جائے تو وہ جیفہ ہے۔

ل۔ لاذہ۔ چین کا سرخ ریشمی کپڑا ہے۔ لحاف۔ جس کپڑے کو
سب کپڑوں کے اوپر سے اوڑھ لیں۔

م۔ ماذی۔ چھوٹی سی چادر ہے جسمیں دھاریاں اور گھنڈیاں ہوتی
ہیں۔ اور دھاریدار صوف کا بنا ہوا ہوتا ہے۔ ملحفہ۔ ایک قسم کی چادر ہے
جو خاص عرب ہی میں بنی جاتی ہے۔ مثانید کپڑوں کی تہ مفرد اسکا
مشنفہ ہے۔ محشأ۔ محشاء موٹی چادر۔ یا سفید مگر چھوٹی جسکو اوپر سے
لپیٹ لیتے ہیں۔ جمع اسکی محاشی ہے۔ مجشد جس چادر میں کئی رنگ
کی دھاریاں ہوں۔ مجسد زعفرانی رنگ کا کپڑا۔ مجنۃ حمائل۔ ہار۔
مثل میں ہے "قلب فلان مجنۃ" فلاں شخص نے اپنا ہار الٹ دیا۔ یعنے
بے حیا ہو گیا۔ اب جو جی چاہتا ہے کرتا ہے۔ مجول ایک کپڑا جسے چھوٹی
لڑکیاں پہنتی ہیں مرحل۔ جس کپڑے پر ایسے نقش و نگار بنے ہوں جیسے
اونٹ کے پالان پر بنے ہوتے ہیں۔ مرط خز کی چادر یا صوف کی۔
ملاء کو بھی مرط کہتے ہیں۔ (یعنے چادر) مطرف ایک قسم کی چادر ہے۔
مقرمۃ بچھونے کے اوپر بچھایا جاتا ہے۔ ملاد ریطہ کیطرح راتوں
میں پہنا جاتا ہے بظاہر اس سے جانگیا مراد ہے۔ مقدیۃ

مقطعہ۔ مقطعات۔ چادریں جنپر پھول پتیاں بنی ہوں۔ یا ایک قسم کا جبہ نما کپڑا ہے۔ جو خز کا بنا ہوا ہوتا ہے۔ اور چھوٹے کپڑے۔ مکعب۔ چادر خواہ اور کوئی کپڑا جسمیں پھول پتیاں بنی ہوں اور خوب مضبوط تہ کیا اور لپیٹا ہوا کپڑا۔ معوز۔ معوزۃ پرانا سڑیل کپڑا معاوزی یعنی چادر۔

ن۔ نزیدیہ۔ سرخ دھاریدار چادریں۔ نزید عرب کا ایک قبیلہ تھا۔ یہ چادریں اُسی قبیلے کے نام سے مشہور ہیں۔ نفاض۔ بچوں کی چادریں۔ نمرۃ۔ شملہ جسمیں سیاہ و سفید دھاریاں ہوں۔ یا اونی چادر۔ نوفلیہ۔ صوف کے ٹکڑے جنپر سے عورتیں خمار اوڑھا لیتی ہیں۔ نیر کپڑے پر کے نشانات اور خطوط۔

ہ۔ ہلدم جس چادر پر بہت جلد سے پیوند لگے ہوں۔ ہدم صوف کی پھٹی پرانی پیوندار چادر۔ ہدمل۔ موٹا اور پھٹا ہوا کپڑا۔ ہمیان جالی دار ازار بند۔ کمر بند۔ اور نیز جسکے اندر روپیہ پیسہ رکھ لیتے ہیں (ہندوستان میں اُسکو ہمیانی کہتے ہیں۔ اکثر پرانی وضع کے لوگوں کے پاس ایک جالی سی ہوتی ہے جسمیں پیسے وغیرہ رکھ لیتے ہیں)۔

و۔ وثر کھال کی لنگی۔ یا اوڑھنی جسمیں چار چار انگل یا ایک ایک بالشت کی پٹیاں کٹی ہوتی ہیں۔ لڑکیاں اسے استعمال کرتی ہیں۔ یا پاجامہ کی قطع کا ہوتا ہے۔ مگر ساقین نہیں ہوتیں۔ وثر سب کپڑوں کے اوپر اوڑھا جاتا ہے۔ وصائل کتان کی چادریں۔ ولیخ۔ کتان کا کپڑا۔

منجملہ اخلاق عرب کے یہ بات بھی تھی۔ کہ ہمیشہ یہی چاہتے تھے کہ جو چیز میں استعمال کرتا ہوں دوسرا کوئی استعمال نہ کرے۔ اسی وجہ سے سعید جو کہ مکہ میں رہتا تھا اور لوگ اُسکو ذوالعمامہ کہتے تھے جس طرح کا عمامہ باندھتا کسی

مجال نہ ہوتی کہ ویسا عمامہ باندھ سکے جبتک اس قسم کا عمامہ وہ باندھتا رہے۔ ہاں جب وہ اپنے عمامہ کی قطع بدل دے تو دوسروں کو اختیار ہے کہ ویسا باندھ سکیں۔ اسی طرح حجاج بن یوسف کی بات بھی مورخین نے لکھا ہے کہ جب وہ کسی دہیج کا عمامہ باندھتا تو کسی کی بھی مجال نہ تھی کہ اس طرح کا عمامہ باندھ کے اسکے سامنے جا سکتا۔

عبدالملک جبتک زرد موزے پہنتا رہا کسی کو بھی جرأت نہ ہوئی کہ ویسا موزہ پہن سکے۔ عباسیوں کے زمانے میں سیاہ رنگ انکی خصوصیات میں سے ہو گیا تھا۔ اسی وجہ سے عباسیوں کو سود کہتے تھے۔ اور سفید رنگ شیعوں کے خصوصیات میں سے تھا۔ ان سب کے لئے ایک سبب بھی ہے جسے ہم آئندہ لکھیں گے۔ اب اس زمانے میں سبز رنگ سیدوں کی علامت ہے جنکا نسب اہلبیت رسالت تک پہونچتا ہے۔ اور سیاہ رنگ صوفیوں کا پہناوا ہے۔ اور سفید عام لوگوں کا ہے۔

ایک عرب سے کپڑے کے رنگوں کی بابت دریافت کیا گیا تھا اس نے جواب دیا الصفر اشکل والحمر اجمل والخضر اقبل والسود اھول والبیض افضل یعنے زرد رنگ تو شکل میں اچھا ہوتا ہے اور سرخ میں جمال ہے۔ اور سبز دل میں کھبتا ہے۔ اور سیاہ ہیبتناک ہے اور سفید افضل ہے۔

ابو عبیدہ نے لکھا ہے کہ عرب سبز اور سیاہ میں چنداں فرق نہیں کرتے تھے سبز کو سیاہ اور سیاہ کو سبز کہدیتے تھے۔ چنانچہ ذوالرمہ کا قول شاہد ہے۔

قد اطلع النائح المحمود معسفه	اس شعر میں اخضر سے مراد شب کی تاریکی
فی ظل اخضر یدعو ھامة البوم	اور انتہائی ظلمت ہے۔

ایک اور محقق نے کہا ہے:-

ما ابصرت عینای احسن منظرا	شاعر کہتا ہے میں نے کوئی چیز ایسی نہیں دیکھی جو
مما اری من سائد الاشیاء	اور سیاہ ہونا ہے اسکو حضرت سبز

كالتامة الخضراء فوق الوجنة الحمراء تحت المقلة السوداء	سبز کہا ہے"

اسی طرح سفید کو سرخ کہدیتے ہیں۔ اسیوجہ سے ایرانی اور رومی لوگوں کو حمر کہتے ہیں کیونکہ اُن کے رنگوں میں سفیدی غالب ہوتی ہے۔ عائشہ اُم المؤمنین کو حمیرا کہتے تھے۔ اس سبب سے کہ وہ بہت گورے چٹے تھیں۔ عرب کی مثلوں میں سے ہے الحسن احمر یعنے خوبصورتی گورے ہی رنگ میں ہے۔

جب کسی رنگ کی شوخی اور تیزی بیان کرنا چاہتے تو ہر ایک رنگ کے واسطے ایک صفت بنائی ہے اُسی کو بیان کرتے ہیں۔ مثلاً اخضر (سبز) کو ناضر۔ اصفر (زرد) کو بھی ناضر۔ ناصع کا لفظ خالص کے معنے میں ہے۔ چاہے خالص سرخ ہو یا خالص زرد ہو۔ مگر ایک قول ہے کہ لفظ خالص سفید کو بھی ناصع کہہ سکتے ہیں۔ جیسے خالص سفید کو یقق کہتے ہیں۔ یعنے ابیض یقق۔ اور سرخ کے واسطے قانی۔ اصفر (زرد) کیواسطے فاقع۔ اسود (سیاہ) کیواسطے حالک۔

محیط المحیط میں لکھتے ہیں کہ احمر یا اصفر کو جو فاقع کہتے ہیں تو معنے اسکے یہ ہوتے ہیں کہ نہایت گہرا سرخ یا زرد۔ اور ہر ناصع (خالص) رنگ کو فاقع کہتے ہیں خواہ سفید ہو یا کوئی ہو۔ مگر مشہور یہ ہے کہ فاقع فقط اصفر کی صفت پڑ سکتا ہے۔ یعنے اصفر فاقع کہتے ہیں جسطرح احمر قرامی۔ اور اخضر ... اور ابیض یقق۔ اور اسود حالک کہتے ہیں"

دشمن سخت کو بھی ازرق کہتے تھے۔ (یعنے رنگ کا استعمال دشمن کے ساتھ کرتے تھے) کہتے تھے ھو عدو ازرق اور موت کو احمر کہتے تھے۔ یعنے موت احمر۔ مگر خصوص لڑائی کی موت کو موت احمر کہتے ہیں۔ خوش عیشی اور آرام کی زندگی بسر ہونے کو عیش اخضر کہتے تھے۔ اور اخضر کو ارزانی کے

زمانے اور وسیع دربار کی بھی صفت ڈالتے تھے۔ اسکے برخلاف اغبر کا لفظ کہ بہ قحط کے زمانے اور تنگ دربار کی صفت میں استعمال ہوتا تھا۔

احمر قانی۔ اصفر فاقع۔ اخضر ناضر۔ اسود حالک۔ ابیض یقق۔ احمر ناصع۔ ابیض ناصع بھی کہہ سکتے ہیں۔ وبنا بر (اشرنی) کو جعفر نحس دن کو اسود۔ مبارک دن کو ابیض۔ جس شخص کو ازرق العین کہتے تھے اُس سے مراد یہ ہوتی تھی۔ کہ یہ شخص بغض اور کینہ رکھتا ہے۔

بغض رکھنے والے کو اسود الکبد۔ سود الاکباد۔ اصہب السبال بھی کہتے تھے۔

عرب کے زیور

قدیم الایام سے مردان عرب کی عادت تھی کہ وہ اپنے داہنے ہاتھ کی انگلیوں میں انگوٹھی پہنتے تھے مگر کتابوں کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان انگوٹھیوں پہ مہر نہیں کندہ ہوتی تھی۔ پہلے پہل صاحب شریعت اسلامیہ نے اپنی انگوٹھی پہ اُس موقع پہ مہر بنوائی تھی کہ جب شاہ فارس کے پاس پیغام بھیجنے کا ارادہ کیا۔ تو لوگوں نے کہا عجم کے لوگ کوئی خط صحیح نہیں سمجھتے جب تک اُس پہ مہر نہ لگی ہو۔ اُسوقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی اور اُسکے نشیب سے پر اپنا نام کندہ کرایا۔ بعد اسکے رسم ہوگئی کہ مہر کی انگوٹھی بادشاہ کی پہچان ہوگئی۔ اور مغرب کی دول عربیہ کی علامات میں سے تھی۔

ابن خلدون لکھتا ہے کہ "بادشاہان اندلس سونے کی انگوٹھیاں بنواتے اور یاقوت وغیرہ کے نگینے جڑواتے اور یہ خاص انکی علامات میں سے تھی جس طرح چھڑی اور بردیمانی مشرقی بادشاہان عباسیہ میں اور چتر مغربی بادشاہان عبیدیہ میں علامت سلطنت سے سمجھے جاتے تھے۔ پہلے خلفاء کے زمانے میں انگوٹھی داہنے ہاتھ میں پہنی جاتی تھی۔ مگر معاویہ

بن ابی سفیان نے بائیں ہاتھ میں پہننا شروع کی۔ اسکے بعد تمام بادشاہان بنی امیہ میں یہی رسم رہی۔ مگر جب دورہ عباسیین کا ہوا تو سفاح نے داہنے ہاتھ میں پہنی۔ پھر یہ رسم ہارون رشید کے زمانے تک رہی۔ مگر رشید نے بنی امیہ کے طریقہ پر بائیں ہاتھ میں پہن لی۔ اور عوام الناس نے بھی یہی طریقہ اختیار کرلیا۔

اسلامی عرب کی یہ رائے ہے کہ انگوٹھیاں چار ہی ہیں۔ یاقوت تو پیاس کے واسطے (یعنے پہننے والے کو پیاس سے تکلیف نہیں پہنچے گی) فیروزہ مال و دولت کی غرض سے۔ عقیق سنت ہے۔ حدید چینی حفاظت کیواسطے۔ متاخرین میں سے کسی کا کلام ہے کہ جو شخص عقیق کی انگوٹھی پہنے۔ اور ابی عمر بن علا کے جیسی قرأت کرے۔ اور شافعی کا جیسا تفقہ حاصل کرے اور قصیدہ ابن زریق کا یاد کرے تو گویا اس نے اپنی ظرف کو کامل کرلیا۔ (ابن زریق سے مراد ابو الحسن علی بن زریق بغدادی ہے اور اسکے قصیدہ کا مطلع یہ ہے۔

لا تعذلیہ فان العذل یولعہ۔

قد قلت حقا و لکن لیس یسمعہ

بعض اہل تاریخ لکھتے ہیں کہ جاہلیت کے زمانہ میں بادشاہان عرب تاج پہنتے تھے۔ جس نے پہلے پہل تاج سنہرا سر پر رکھا ہے حمیر بن سبا تھا۔ اور بعد حمیر کے جتنے بادشاہ ہوئے انھوں نے یہ طریقہ رکھا کہ اپنے تاج میں کوڑی لگاتے تھے۔ اور ہر سال ایک ایک کوڑی بڑھاتے جاتے تھے۔ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اتنے سال انکی تخت نشینی کو ہوگئے۔ ان خرمہروں کو خرزات الملک کہتے تھے۔

خلفائے بنی امیہ اور بنی عباس تو خاص دربار کے موقعوں پر تاج کے قبہ میں بیٹھتے تھے۔ اور کندھے پر صاحب شریعت اسلامیہ کی ردا اور سر پہ عمامہ ہاتھ میں چھڑی ہوتی تھی۔ اور عمامہ بجائے تاج کے سمجھا جاتا تھا۔ جو شخص پہلے پہل تخت ملک پر بیٹھا معاویہ بن ابی سفیان تھا۔ اسکے بعد اور بادشاہوں نے بھی تخت پر بیٹھنا اختیار کرلیا۔

پیشتر تو عرب کے بادشاہوں میں سواری کے وقت بہت ہی ہلکے ساز و سامان چاندی کے ہوتے تھے۔ کمر بند اور تلوار کا قبضہ اور لگام اور زین چاندی کے ہوتے تھے۔ مگر معتز عباسی نے سونے کے ساز رکھے۔ آخر یہانتک نوبت پہونچی کہ گھوڑوں کے نعل تک چاندی سونے کے ہونے لگے۔ اور اس سے قبل اپنے کپڑوں پر اپنے نام اور اپنے اپنے مارک اور علامات لکھواتے تھے۔ بلکہ اسی طور پر کپڑا بنایا جاتا تھا جنمیں یہ سب چیزیں آسکیں اور وہ الفاظ سونے کے تار سے بنے جاتے تھے۔ یا کسی اور رنگ کے ریشم یا سوت سے جو کپڑے کے اصلی رنگ کے علاوہ ہوتا تاکہ اچھی طرح پڑھا جاسکے۔ اور جب بادشاہ کسی کو خلعت دیتا تب بھی اسکے کپڑوں پر ریشم یا سونے کے تار سے اسکا نام اور علامت تمغہ وغیرہ لکھا جاتا تھا۔ عرب کے بادشاہوں نے یہ طریقہ عجم کے بادشاہوں سے لیا تھا۔ اُن میں بھی یہ دستور تھا کہ اپنی تصویریں اپنے لباس پر بنواتے تھے۔ اور اسکے گرداگرد بیل بوٹے ہوتے تھے۔ جسے وہ طراز کہتے تھے۔

عرب کے بادشاہوں کا ایک یہ بھی رسم تھا کہ جب کسیکو خلعت دینا چاہتے تھے تو سات پارچوں کا خلعت دیتے تھے۔ اور سونے کا طوق اور سر پہ تاج اور ہاتھوں میں کنگن اور ایک علم اور دو تلواریں بھی اسکے ساتھ ہوتی تھیں۔ اور اُن کا نام بھی خطبے میں لیا جاتا تھا۔

(تحقیق لفظی) خلعت واحد ہے اسکی جمع خلع ہے۔ خلعت اس کپڑے کو کہتے ہیں جسے بادشاہ اپنے جسم سے خلع کرکے (اُتار کے) کسی ایسے شخص کو عنایت کرے جسکی عزت بڑھانی مقصود ہو۔ مگر اب تو اس لفظ میں اسقدر وسعت ہو گئی ہے کہ عام لوگ بھی جب کسی کو کپڑے بطور ہدیے کے دیتے ہیں تو اُسکا نام بھی خلعت رکھا جاتا ہے۔

۱ مبشری بقدوم من احبہ | لے میرے معشوق کی تشریف آوری

وتلك البشارة بالمسرة والهنا
ماكان اسمعني عليك بخلعة
لو كان عندي حلة غير الضنا

کی خوشخبری دینے والو تمکو بھی خوشی اور مبارکبادی کی بشارت ہو۔ کیا کروں میرے پاس سوائے لاغری اور دبلاپن کے کوئی کپڑا نہیں ہے ورنہ میں ضرور تمکو خلعت دیتا۔

عرب کی عورتیں بھی مردوں کیطرح انگوٹھی پہنتی تھیں۔ اور ایسا بھی ہوتا تھا کہ دسوں انگلیوں میں برابر انگوٹھیاں اور کلائیوں میں کنگن پہنتی تھیں۔ ایک جملہ مثل کے طور سے مشہور ہے۔ جبکہ حاتم طائی غزہ میں قید تھا تو کسی لونڈی نے اسکو ایک طمانچہ مارا تھا تو اس موقع پر حاتم نے کہا لو ذات سوار لطمتنی (کاش مجھے کوئی کنگن والی مارتی)

میدانی نے لکھا ہے کہ ذات سوار سے مراد حرہ اور شریف عورت ہے یعنے کاش! مجھے کوئی شریف عورت مارتی۔ حاتم نے اپنے اس جملے میں حرہ ہونے کی علامت کنگن والی ہونا بتایا ہے کیونکہ عرب میں بہت کم ایسا اتفاق ہوتا تھا کہ لونڈیوں کو کنگن پہننے کی اجازت دیجاتی تھی۔ تو گویا حاتم کا مقصود یہ تھا کہ اگر کوئی شریف عورت مجھے مارتی تو ضرور اپنی شرافت کی وجہ سے ایسا سخت طمانچہ نہ لگاتی۔ جیسا اس کمینی عورت نے مارا ہے

مگر ایک شخص نے لکھا ہے کہ ذات سوار سے بجز ذات سوار مراد ہے۔ یعنے کاش اس وقت مجھے کوئی مرد مارتے ہوتا تو میں اسے مزا چکھاتا عورت نے مارا ہے میں اس سے کیا بدلہ لوں کیونکہ عورت کو مارنا ننگ کی بات ہے۔

عرب کی عورتیں حجول بھی پہنتی تھیں حجول کو احجال بھی کہتے ہیں اسکا واحد حجل ہے۔ اسکے معنے خلخال (پازیب) کے ہیں۔ یہ زیور چاندی کا بنایا جاتا ہے۔ حلقہ اسکا بڑا ہوتا ہے۔ عورتیں اسکو پاؤں میں پہنتی ہیں۔ کہ چلنے میں چھم چھم کی آواز آئے۔

دملج۔ دمالج (بازوبند) یہ بھی کنگن کا سا زیور ہوتا ہے مگر بازو پر باندھا

جاتا ہے۔ اور بعض عورتیں کلائی پر بھی باندھتی ہیں۔

عربوں کے زیوروں میں عقد (مالا) گلے میں پہنا جاتا ہے۔ اور قرط (بندے) کانوں میں۔ خزام (نتھ) ناک میں۔ برۃ (واحد اسکا برے ہے) پاؤں میں پہنا جاتا ہے۔ حاق گردن بند یا کنگن کو کہتے ہیں۔ جلبہ ایک قسم کا زیور ہے جو گردن بند میں لٹکایا جاتا ہے۔ مخبس چھلا جو انگلیوں میں پہنا جاتا ہے۔ خوق۔ بالا کان میں پہننے کا جسمیں بندے لٹکاتی ہیں۔ شنفت دملج ہی کی طرح کا ہوتا ہے۔ کلائی میں پہنا جاتا ہے۔ حقاب (کردھنی) کڑیوں دار زنجیر ہوتی ہے جسمیں کچھ بجنے والے گھونگرو وغیرہ ڈال کے کمر پر باندھتی ہیں۔ عورتوں کے گراں قیمت پتھروں کے زیور کو بیاذق کہتے ہیں۔ جو بعبصہ تھوڑا سا زیور ہے۔

ما علیہم خصاص یعنی ان لوگوں کے پاس کچھ زیور نہیں ہے۔ شاعر کہتا ہے۔

ولو اشرقت من کفة الستر عاطل	یعنے میری معشوقہ اگر پردہ اٹھا کے
لقلت غزال ما علیہ خصاص	میری طرف دیکھے اور اسکے جسم پر

زیور نہ ہو تو میں کہوں گا کہ یہ آہو ہے یا ہرن ہے اسکے جسم پر زیور نہیں ہے۔

حوجل سیاہ اور سرخ پتھر کے نگینے ہوتے ہیں انہیں عورتیں گوندھ کر یا اور چاندی کے چاند لٹکا کے کمر پر باندھتی ہیں اور غرض ان سے یہ ہوتی ہے کہ نظر بد کا اثر نہ ہوگا۔ اور اسی غرض سے بچوں کی کمر میں باندھ دیتی ہیں۔ اور شنا پیرا سکو خرزہ التنفیہ (؟) بھی کہتے ہیں۔

تعاویذا عوذہ کی یا تعویذ کی جمع ہے۔ چاندی کا چاند کی شکل کا بنایا جاتا ہے اور اسپر کسی قسم کی کتابت (انتش کندہ) کرکے بچوں کے گلے میں لٹکا دیتے ہیں۔ عکاشہ بن عبد الصمد کہتا ہے۔

وجاءوا الیہ بالتعاویذ والرقی	لائے ۔ عاشق کے پاس ۔

وصبّوا عليه انا له من شدة النكس	اپنے عشق میں دیوانہ سا ہو رہا تھا کوئی
وقالوا به من اعين الجن نظرة	تعویذ لایا کوئی منتر لایا اور لوگ
ولو صدقوا قالوا من اعين الانس	کہنے لگے کہ اسپر تو جن کی نظر لگ گئی

حالانکہ اگر وہ سچ کہتے۔ تو یوں کہنا چاہیئے تھا کہ آدمی (معشوق) کی نظر لگی ہے۔"

تعویذ بنانے میں مشہور و معروف ابو محمد مبارک بن مبارک بن سراج العاوندی بغدادی زاہد مشہور تھا۔ انتقال اسکا ۵۹۳ھ ہجری مطابق ۱۱۹۶ء میں ہوا۔

بچوں کے گلے میں ہی زینت کے واسطے طوق پہناتے تھے۔ اور اکثر نذر کے طور پر بھی طوق پہناتے تھے۔ کہ جب میرا بچہ جوان ہو جائے گا تو فلاں کام کروں گا۔

مورخین کا قول ہے کہ پہلے پہل جس بچے کے گلے میں طوق ڈالا گیا عمرو بن عدی بن نصر تھا۔ اسکے ماموں جذیمہ ابرش نے اسکو پیار سے طوق پہنایا تھا۔ جبکہ جذیمہ کی بہن رقاش عمرو کی ماں اپنے بیٹے کو لیکے جذیمہ کے پاس آئی تھی مگر اتفاق سے اس لڑکے کو جن اٹھا لیگیا تھا۔ ایک مدت کے بعد جب جوان ہو گیا اور جن سے چھوٹ کے اپنے ماموں جذیمہ کے پاس آیا تو وہ اسے دیکھ کے بہت ہی خوش ہوا اور کہا شبّ عمرو عن الطوق اسی وقت یہ مثل مشہور ہو گئی۔

لڑکوں کے پہنانے کے زیوروں سے ایک زیور سخاب بھی ہے یہ ایک قسم کا گلوبند ہوتا ہے جسمیں سک زیہ ایک قسم کا قرص ہوتا ہے جب اسکو خشک کرکے سوراخ کر لیتے ہیں اسمیں سے مشک کی سی خوشبو آتی ہے اور لونگ اور محلب لٹکائے جاتے ہیں۔ مگر موتی یا اور کوئی جواہر نہیں ہوتے۔ متنبی کہتا ہے۔

عفا عنہم و اطلقہم صغاراً وفی اعناق اکثرہم سخاب	اُن کو معاف کر دیا اور ذلیل کر کے انہیں چھوڑ دیا۔ حالانکہ اُن میں سے اکثروں

کے گلے میں سخاب تھا۔"

عرب کی عورتوں کا یہ بھی دستور تھا کہ اپنے ہاتھوں کے ناخنوں کو مہندی سے رنگین کرتی تھیں ہاتھ کی ہتھیلی اور پاؤں کے تلووں کو گندم گون اور زردی مائل کسی رنگ سے رنگتی تھیں۔ اور اثمد (سنگ سرمہ) کا سرمہ لگاتی تھیں۔ کہتے ہیں کہ عرب کی عورتوں میں سے پہلے پہل جس نے سرمہ لگایا زرقا یمامہ تھی۔ یہ عورت جدیس کے قبیلے سے تھی۔ اکثر لوگ بیان کرتے ہیں کہ اس عورت کی قوت نظر اسقدر قوی تھی کہ تین دن کی راہ سے جس چیز کو چاہتی دیکھ لیتی۔ نام اس عورت کا عنز تھا۔ متنبی نے اسکا پتہ اس شعر میں دیا ہے۔

والصبر من زرقاء جو لأنني متی نظرت عینای ساواہا علمی	"میں زرقاء سے بھی زیادہ تیز نظر ہوں کیونکہ میری آنکھیں جس چیز کو دیکھتی ہیں

وہ میرے علم کے مطابق ہوتی ہے۔"

عرب میں تین عورتوں کا نام زرقا تھا۔ ایک تو یہی عورت جسکا ذکر ابھی کیا گیا کہ اسکی نظر کی تیزی آفت کی تھی یہاں تک کہ مثل میں اسکا نام لیا جاتا ہے جہاں تیزی نظر میں عقاب اور غراب (کوا) اور وطواط اللیل (چمگادڑ) اور کلب (کتا) کی مثال دیجاتی ہے۔ مثلاً کہتے ہیں ابصر من عقاب ملاع۔ ابصر من غراب۔ ابصر من وطواط باللیل۔ ابصر من کلب وہاں اس عورت کا بھی نام لیا جاتا ہے۔ ابصر من زرقاء۔

دوسری عورت زرقا نامی زبا، جزیرۃ العرب کی شاہزادی تھی۔ نام اسکا ہند تھا۔

تیسری بسوس منقذ تیمی کی لڑکی تھی اسی کی وجہ سے حرب بسوس ہوئی تھی جو چالیس برس تک ایک طرح سے باقی رہی۔ اور لاکھوں جانیں عرب کی تلف ہوئیں

اسی وجہ سے عرب اسکے نام کو منحوس سمجھتے ہیں اور مثل میں کہتے ہیں اشأم من ناقۃ البسوس

عرب کی عورتوں کی ایک یہ بھی عادت تھی کہ سرمہ کو اپنے ہونٹوں اور مسوڑوں پر بھی لگاتی تھیں (جیسے ہندوستانی عورتیں دانتوں میں مسّی ملتی ہیں) اسلئے کہ دانت کی چمک زیادہ معلوم ہو۔

اور اسی اثمد (سرمہ) کو وشم (گودنا) میں صرف کرتی تھیں۔ عرب کی عورتوں کا وشم ویسا ہی ہوتا تھا جیسے ہندوستان کی راجپوتنوں کا ہوتا ہے پہلے سوئی سے ہاتھوں اور چہرے کے جلد کو زخمی کرکے اسپر سرمہ چھڑک دیتی ہیں بعد زخم اچھے ہونے کے ویسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ جیسا جیسا نقش سوئی سے جلد پر بنواتے تھے۔ کوئی درخت کیصورت کوئی جانوروں کیصورت ہوا النبی ہے

عرب کی عورتوں کی رسوم میں سے یہ بھی تھا کہ بالوں میں کنگھی کرتیں اور چوٹی پٹیا بناتیں اور جوڑا باندھتی تھیں۔

ترجیل۔ اجمار۔ بالوں میں کنگھی کرنا۔ اور جوڑا پیچھے باندھ دینا۔ مرجل۔ مسح۔ مشط۔ کنگھی۔ بال سنوارنے کا آلہ۔

غدائر (غدیرہ کی جمع ہے) بالوں کا جٹہ۔ عقیصہ۔ بالوں کو لپیٹ کے پیچھے باندھ دیا جاتا ہے۔

ذوائب۔ لٹکتے ہوئے بال۔ تقضیب الشعر۔ بالوں کو گھونگھر والے بنانا۔ سعفات شعر۔ بیچ سر میں بالوں کو لپیٹ کے باندھ دینا۔ غصن ناصیہ کے بال۔ مسربہ سینے کے بال۔ عانۃ شرمگاہ کے بال عفریۃ گدی پر کے بال۔ لمۃ کندھوں پر لٹکے ہوئے بال۔ مساحۃ الشعر کان سے ابرو تک کی جگہ۔ وفرہ پٹے کے بال جو کان سے لووں تک رہتے ہیں۔ طرۃ جو بال پیشانی کو چھپالیں۔ جمہ اتنے اتنے بڑے بال جو سر کو اور ابرو تک چھپالیں۔ ھدب پلکوں کے بال۔ عنفقۃ ہونٹ کے نیچے کے بال۔ شارب مونچھوں کے بال۔

حاز ناک کے بال۔ عقیقہ ننھے بچوں کے بال جو ولادت کے ساتھ ہوتے ہیں۔ حدیث میں ہے۔ قولوا نسیکۃ ولا تقولوا عقیقۃ۔ کیونکہ عرب لفظ عقیقہ کو بدفالی سمجھتے تھے۔

شعر آدمی کے بالوں کو کہتے ہیں۔ مرعزاء بکری کے بالوں کو۔ وبر اونٹ کے بالوں کو۔ صوف بھیڑ کے بالوں کو۔ عفاء گدھے کے بالوں کو۔ ریش پرندوں کے پر کو۔ زغب پرندوں کے بچوں کی رونگٹی کو۔ زف شترمرغ کے پر کو۔ هلب سور کے بالوں کو۔ حراشف مچھلی کے پر کو کہتے ہیں۔

بال کے اوصاف

سر پر بال اگر کثرت سے ہوں تو اس کو جفال کہتے ہیں اور اگر کالے ملے ہوئے بال ہوں تو وحف۔ اور کالے بال اگر کثرت سے ہوں تو کث۔ تمام بدن میں اگر کثرت سے ہوں تو زبب۔ رجل ازبب جس مرد کے تمام بدن میں بال ہوں۔ امراۃ زباء جس عورت کے تمام بدن میں بال ہوں۔ اور اگر پھیلے اور چھترے ہوں تو سبط اور اگر گھنے اور گنتے ہوں تو جعد۔ اور اگر بین بین ہوں تو رجل اور اگر نرم نرم اور لمبے ہوں تو مثلا ودن۔

سر میں اگر بال ہی نہ ہوں تو اس سر کو اصلع کہتے ہیں۔ اگر ابرو میں بال نہ ہو تو اسکو امرط کہتے ہیں۔ اگر پلکوں کے بال نہ ہوں تو امعط۔ اگر رخسار پر بال نہ ہوں تو امرد۔ اگر بدن پر بال نہ ہوں تو املط

چہرے کی زینت

عرب کی شہری عورتیں اپنے چہرے کی زینت کیجانب بڑے بڑے تکلف صرف کرتی تھیں۔ منجملہ ان زینتوں کے حف اور حفاف ہے۔ یعنی چہرے کا ایک ایک رونگٹا چن لینا۔ گالوں کے چمکنا کرنے کے واسطے تمام رونگٹے تک

چن لیتی تھیں تنتیجیج ابرو کے بالوں کو باریک کرنا اور آنکھوں کے گوشوں تک بڑھا کے لانا۔ یہ بھی ایک زینت تھی۔

صبغ پوڈر ملنا۔ سفید اور سرخ پوڈر اپنے چہروں پر ملتی تھیں۔ علاوہ انکے اور بھی طریقۂ تزئین شہری عورتوں میں تھا جو بدوی بیچاریوں کو نصیب نہیں تھا۔ متنبی کہتا ہے۔

حسن الحضارة مجلوب بتطرية
وفی البداوة حسن غیر مجلوب

"شہر کا حسن تو رالمنوں کے سنوارنے سے پیدا کیا جاتا ہے مگر بادیہ نشین عورتوں کا حسن قدرتی اور نیچرل ہوتا ہے کسی تزئین سے نہیں حاصل ہوتا بلکہ آپ سے آپ آنکھوں میں کھبتا ہے۔

عرب میں عطریات اور خوشبو کا استعمال

عرب کی بدوی عورتیں مختلف طرح کی خوشبوئیں استعمال کرتی تھیں جو حضریات کو کمیاب نہیں۔ ہر ایک عورت کے پاس ایک ڈبیہ ہوتی تھی جسمیں عطریات رکھتی تھیں۔ بعضوں نے کہا ہے کہ ڈبیہ نہیں بلکہ پیٹیاں ہوتی تھیں اور ہر وقت اپنے پاس رکھتی تھیں۔ جب کہیں سفر کرتیں تو اپنے اسباب میں اسکو بھی اپنی آنکھوں کے سامنے رکھتیں۔

عرب کی مثلوں میں ہے لا عطر بعد عروس یہ مثل کسی چیز کو قبل از وقت تیار کر رکھنے کے موقع پر استعمال کیجاتی ہے۔ اس مثل کو بنی عذرہ کی ایک عورت نے کہا تھا۔ اسکا نام اسماء بنت عبداللہ تھا۔ اسکا شوہر جو اسکا حقیقی چچازاد بھائی تھا اور نام اسکا عروس تھا مر گیا۔ اسکے بعد ایک اور شخص نے اس سے شادی کر لی مگر نہایت گندہ دہن اور بخیل اور بخس طبیعت تھا۔ اتفاق سے کہیں سفر کو جانے لگا تو اپنی بیوی سے کہا کہ تو بھی چل اور اپنا عطر بھی ساتھ لے لے۔ اس عورت نے جواب میں کہا لا عطر بعد عروس

اسی وقت سے یہ مثل مشہور ہو گئی۔

شہری عورت اور مرد بھی اسکا استعمال کرتے تھے۔ خصوصاً اسلام کے بعد اسکا رواج زیادہ ہو گیا۔ اکثر تو مشک خالص استعمال کرتے تھے اور بعض مشک و عنبر کے مجموعہ سے ایک خوشبو بناتے تھے۔ اور اس سے اپنے کپڑوں اور بدنوں کو معطر کرتے تھے۔

ابن عباسؓ کی حکایت ایک شخص نے لکھی ہے کہ وہ غالیہ اسقدر اپنے صدغ (کن پٹی) پر لگاتے تھے کہ لوگ سمجھتے تھے گوند چپکا ہوا ہے۔ عام لوگ اپنی ڈاڑھیوں اور بدنوں کو مختلف قسم کی عطریات سے معطر کرتے تھے یہ حالت ہو جاتی تھی کہ مدینہ کے بازار اور گلیاں دن رات خوشبو سے بسی رہتی تھیں۔ اسی وجہ سے مدینہ کو طیبہ کہتے تھے۔

غالیہ۔ کئی قسم کی خوشبودار چیزوں سے ملا کر بنایا جاتا تھا۔ سلیمان بن عبدالملک نے اس مرکب کا نام غالیہ رکھا تھا۔

ندّ۔ عود اور عنبر اور لبان کی ترکیب سے بنایا جاتا ہے۔ اس کو مثلث بھی کہتے ہیں۔ درۃ الخواص میں لکھا ہے کہ بجائے مثلث کے مثلوث کہنا صحیح ہے۔

کافور ایک مشہور چیز ہے جس سے مردوں کے جسم اور لباس کو بساتے ہیں۔

افاویۃ۔ جن مسالحوں سے خراب شدہ عطریات کو پھر درست کر لیتے ہیں

ناردین ایک درخت کا عرق ہے اس درخت کو بھی ناردین ہی کہتے ہیں۔ محیط المحیط میں لکھا ہے کہ ندین اور ناردین سے سنبل رومی مراد ہے۔ یونانی میں اسے نردوس کہتے ہیں۔ اسی سے معرب کر لیا ہے۔

-:-

تیسری فصل

عرب کے کھانے کی قسمیں طعام خوری کے آداب

ایک مورخ نے لکھا ہے کہ بلادِ عرب میں عادت جاری ہوگئی تھی کہ خراب اور بے مزہ کھانوں پر قناعت کرلیا کرتے تھے۔ محتاج اور چھوٹی حیثیت کے لوگ تو شب و روز میں ایک ہی مرتبہ چنے کی روٹی دودھ میں تر کرکے کھالیا کرتے اور گوشت کم کھاتے تھے۔

ابن خلدون مغربی نے لکھا ہے کہ کوئی گروہ کھانے کے حق میں تباہ حال مضر سے زیادہ نہ رہا ہوگا کیونکہ یہ بے چارے بچھو اور گبریلا اکثر کھاتے تھے۔ اور اگر اونٹ کی پشم خون میں جوش دیکے کھاتے تو بڑا فخر کرتے تھے۔ یہی حالت قریش کی بھی تھی۔ بالجملہ عام عرب کی غذا کی جڑھ تین چیزیں تھیں۔ دودھ۔ گوشت۔ چند قسم کے آٹے مثلاً چینا وغیرہ۔

دودھ کی بہت سی قسمیں کی تھیں۔ صریف اُس دودھ کو کہتے تھے جو ابھی دوہا گیا ہو۔ زبد (مکھن) گائے اور بھیڑ کے دودھ سے نکالتے تھے۔ جباب اونٹ کے دودھ سے نکالتے تھے۔ اور چونکہ عام غذا میں دودھ پر زیادہ مدار زندگی تھا اسلئے اُسکو احد اللحمین کہتے تھے۔ یعنے دودھ بھی بجائے گوشت ہی کے ہے۔ اور اسی لحاظ سے دودھ کے ہر ہر موقع اور ہر ہر حیثیت سے ایک ایک نام علیحدہ رکھے ہیں (کیونکہ جو چیز زیادہ معتنی بہ ہوتی ہے اُسکی عزت بھی زیادہ کیجاتی اور سیکڑے ناموں سے اُسے پکارا جاتا ہے)

دودھ کے نام

قیل وہ دودھ جو دوپہر کے وقت پیا جائے۔ فیقہ دو دفعہ کے دوہنے کے درمیان میں جو دودھ اونٹنی کے پستان میں جمع ہو جاتا ہے۔ مظلوم۔ ظلیم دوہنے کے بعد جو دودھ مشک میں بھر کے رکھا جائے اور تازہ اور باسی دودھ ملا کے قبل ترشی پیدا ہونیکے پیا جائے۔ جرعکوک۔ جرعکیک سجلعبیط۔ جلعطوط دہی۔ ھدید گھٹا دہی جما ہوا۔ ضیح۔ ضیاح۔ لسی بنایا ہوا دہی۔ جسکے پینے سے پیاس بجھ جاتی ہے۔ احلابہ جس دودھ کو مرد چراگاہ سے دوہ کے اپنے گھر بھیجے (کیونکہ عورتیں چراگاہ میں بیٹھ کے دودھ دوہنا عار سمجھتی تھیں) خبیط۔ جما ہوا دودھ (دہی) مخیض جس دہی میں تازہ دودھ ملا دیا گیا ہو۔ دخیس بھیڑ کا دودھ جسپر بکری کا دودھ بھی دوہ لیا گیا ہو۔ نفنش تھوڑا دودھ۔ مذقہ جس دودھ میں پانی ملا دیا گیا ہو۔ اُسے سمار بھی کہتے ہیں۔ دشیہ کھٹا دودھ جسمیں میٹھا دودھ ملا دیا گیا ہو۔ جلام ایک دفعہ دوہنے کے بعد جو دودھ دوھا جائے۔ مشیحب دودھ دوہنے کی لمبی نال ارتجان مکھن اور دودھ کا ملجانا۔ والج۔ اونٹنی کے تھن میں جو دودھ چڑھا یا جائے۔ اسکا طریقہ یہ ہے کہ تھن پر پانی چھڑکتے ہیں جس سے دودھ اوپر کو چڑھ جاتا ہے اور اونٹنی موٹی ہو تی ہے۔ غبر تھن میں جو دودھ بچ رہے رمث تھوڑا سا دودھ جو تھن میں رہجائے تجبیجہ دودھ کا مکھن جو نا تھ اور مشک میں چپک جاتا ہے۔ قارص نہایت کھٹا دودھ جس سے زبان اینٹھ جائے پھر اسپر اسقدر تازہ دودھ دوھا گیا ہو کہ اُسکی کھٹاس زائل ہو گئی ہو۔ جاذر۔ بجید کھٹا دودھ۔ سوایۃ الرضف۔ کھوبا جو دودھ جلا کے بناتے ہیں۔

گوشت کے اقسام

بھنے ہوئے گوشت کو حنیذ کہتے ہیں جیسا کہ متنبی نے اپنے مقامہ صنعانیہ میں لکھا ہے۔ فوجدته محاذیا لتلبید علی خبز سمید وجدیا حنیذ۔ لوٹ کا اونٹ جو قبل حصہ بانٹ کرنے کے نحر کر دیا جائے اُس کو نقیعہ کہتے ہیں۔ سب سے خراب گوشت قدید سمجھا جاتا ہے قدید سوکھا کے رکھے ہوئے گوشت کو کہتے تھے۔ یہ گوشت اسقدر بے قدر ہے کہ اگر اونٹ کیواسطے چارہ نہ ملتا تو اسی گوشت کو ریزہ ریزہ کر کے اُسکو کھلا دیتے۔ نمر بن تولب نے صاحب شریعت اسلامیہ کو مخاطب کر کے کہا تھا

انا اتیناك وقد طال السفر ۔ نقود خیلا رجعا فیها ضرر

اطعمها اللحم اذا عز الشجر

عمدہ سے عمدہ گوشت پہلو کا سمجھتے تھے اور اُسکے استعمال کے طریقہ پر اُنکو بڑا ناز تھا۔ جو کوئی اُسکا پکانا اور کھانا اچھا جانتا تھا وہ دوسروں پر فخر کرتا تھا یہاں تک کہ مثل میں استعمال کرنے لگے تھے۔ جب ہوشیار آدمی کہ کام کو خوب سلجھا کے کرتے اُسکی بابت کہا کرتے انه لیعلم من این تؤکل الکتف (یہ شخص جانتا ہے کہ پہلو کا گوشت کیونکر کھایا جاتا ہے) کیونکہ اُن کا خیال تھا کہ اس گوشت کا پکانا اور کھانا بہ نسبت اور گوشتوں کے زیادہ دشوار ہے۔ اُنکی رائے یہ بھی تھی کہ اُسکے نیچے کا حصہ پہلے کھانا چاہیئے کہ وہ جلد ہضم ہوتا ہے اُسکے بعد اوپر کا حصہ۔ کوئی کوئی یہ بھی کہتا تھا کہ شوربا کتف کے گوشت اور ہڈی میں سما جاتا ہے۔ جب نیچے کا حصہ اُسکا لیا جائیگا تو شوربا اپنی جگہ پر باقی رہتا ہے۔ اور کم عقل آدمی کی مثل لا یحسن اکل الکتف ہے۔ جیسا کہ اصمعی نے کہا ہے۔

انی علی ما تزین من کبری ۔ اعلم من حیث تؤکل الکتف

"میں ایسی عزت اور بزرگی کی حالت میں ہوں جیسے تو دیکھتی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ کیونکر کتف کو کھانا چاہیئے۔"

قضاعہ کے قبیلوں میں سے ایک قبیلہ جسے بلی اہلھا کہتے ہیں وہ دنبہ کا الیۃ (چکتی) نہیں کھاتے تھے۔ اور کہتے تھے یہ نجس چیز ہے۔ اور مقام مخصوص کا ڈھکنا ہے۔

عرب کی مثلوں میں سے ہے لا تطعم العبد الکراع فیطمع فی الذراع ہم غلام کو پاؤں کا گوشت تو کھلاتے ہی نہیں کہ ہاتھ کے گوشت کی طمع کرے اس مثل سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب اپنے غلاموں کو نفیس گوشت کے کھانے میں شریک نہیں کرتے تھے۔ جیسا کہ کتف کے کھانے کے طریقہ پر فخر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسے کاٹ کاٹ کے کھاتے تھے۔

انضاج طعام (کھانا پکانا) کا لفظ گوشت کے پکانے اور اس کے بھوننے دونوں میں استعمال ہوتا تھا۔ گوشت کے نضج کرنے کے کئی طریقے ہیں۔ حنیذ۔ اسکی ترکیب یہ تھی کہ گوشت کو پتھر پر بچھا کے نیچے آگ روشن کر دیتے تھے تاکہ بھن جائے۔

قدیر دیگچی اور دیگ میں گوشت ڈال کے تین پائے کے چولہے پر رکھ کے پکاتے تھے۔ ایسے چولہے کو اثافی کہتے تھے۔ اور لوہے کے چولہے کو منصب اور اگر ہانڈی یا دیگچی گوشت پکانے کے واسطے دستیاب نہ ہوتی تو چمڑے کا ایک ظرف ہانڈی کی صورت کا بنا کے پانی اور دودھ اور چربی دار گوشت وغیرہ ڈال کے گرم گرم پتھر کے ٹکڑے اسمیں چھوڑ دیتے تھے جس سے گوشت پک جاتا تھا۔

توابل۔ مصالح جن سے کھانا خوش مزہ ہو جاتا ہے۔ بذر بھی مصالح کو کہتے ہیں۔ اسکی جمع ابزار اور ابازیر ہے۔ مگر بعض لوگوں نے یہ فرق کیا ہے کہ ابزار گیلے مصالح کو کہتے ہیں اور توابل خشک مصالح کو۔

گوشت اور دودھ اور روٹی کو ایک جا ملا کے جو کھانا پکاتے تھے اسکو ثرید کہتے تھے۔ کہتے ہیں کہ پہلے پہل ہاشم (صاحب منتہی الارب لغات اسلامیہ والے) نے ثرید تیار کیا۔ اور حاجیوں کو کھلایا۔ انکو ہاشم اسی وجہ سے کہنے لگے کہ انہی نے پہلے ثرید کو ہشم کیا۔ (توڑ کے کھایا)

منجملہ کھانے کی قسموں کے رغیدہ بھی ہے۔ بیٹھا نے دودھ کا پکایا جاتا ہے۔ پہلے دودھ کو آگ پر چڑھا دیتے ہیں جب جوش کھانے اور گرم ہونے لگتا ہے تو اوپر سے آٹا چھڑکتے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ لپٹی کی طرح ہو جاتا ہے۔

رھیدۃ۔ گیہوں کا آٹا دودھ میں پکایا جاتا ہے۔

لصیدۃ۔ نرم عصیدہ۔

نفیدہ۔ حنظل کے بیج کو آٹے کے ساتھ پکاتے ہیں۔

بکیلہ۔ پنیر کو گھی میں گوندھ کے یا پانی میں گھول کے بنایا جاتا ہے۔

بکالہ۔ آٹے یا ستو کو ستو یا گھی یا چربی کے ساتھ خوب گھول کے کھاتے تھے۔ اور کبھی آٹا اور ستو ایک میں ملا کے پانی یا گھی یا زیتون کے تیل یا خشک پنیر سے گیلے پنیر کو ملا کے بناتے۔ یا آٹا اور پکی کھجور کو زیتون میں ملا کے تیار کرتے تھے۔

ربیکہ۔ حسا یا پنیر کو کہتے ہیں (حسا پانی یا گھی میں آٹے کو پکا کے بناتے ہیں)

وطیعۃ۔ ستو اور شہد ملا کے بناتے ہیں۔

حریقہ۔ حریقہ حسا کی بہ نسبت ذرا گاڑھا بنایا جاتا ہے۔

سمیکۃ۔ خراب سا ایک کھانا ہے جو بہت ہی بھوک میں کھاتے ہیں۔

ودیکہ۔ آٹا اور چربی ملا کے بناتے ہیں۔

وذیمہ۔ سوسمار کا گوشت پکا ہوا۔

حریرۃ۔ دودھ میں آٹا پکا کے بناتے ہیں۔

خزیرۃ۔ خزرفۃ۔ گوشت میں آٹا ڈال کے پکاتے ہیں۔

مضیرہ ۔ ترش دودھ سے پکایا جاتا ہے۔

عبیثہ ۔ ٹڈیوں کا سالن۔

ثمیغلہ ۔ رقیق سالن جسمیں چربی دار گوشت پڑا ہو۔

ثوبیاء ۔ خمیر کئے ہوئے آٹے کے نیچے سوکھا آٹا بچھا کے روٹی پکائی جاتی ہے۔

جبیز ۔ باسی اور خشک روٹی۔

جوذابہ ۔ ایک قسم کی روٹی ہے جسپر کسی پرند ذبح کئے ہوئے یا اور کسی چیز کا گوشت رکھکے پکاتے ہیں اور اُسکی چربی روٹی میں نفوذ کر جاتی ہے جس سے سالن کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

وجیئہ ۔ پکی کھجوریں یا ہڈیاں خوب باریک کر کے گھی یا زیتون کے تیل میں ملا کے پکاتے ہیں۔

وہیدہ ۔ ہڈیاں پکا کر خشک کرتے ہیں اُسکے بعد باریک کر کے چربی میں ملا کے کھاتے ہیں۔

بدیغلہ ۔ دودھ میں چربی یا گھی ڈال کے پیتے ہیں۔

بدیک ۔ پکے چھوارے کو مکھن سے ملا کے کھاتے ہیں۔

بدولک ۔ خبیص کو کہتے ہیں جسے چھوارے اور گھی سے پکاتے ہیں۔

بسیسہ ۔ آٹا یا ستو ۔ یا پنیر اور گھی یا زیتون کے تیل میں ملا کے کھاتے ہیں۔

ہجیبہ ۔ اونٹ کا ہوانا جسمیں آٹا وغیرہ بھر کے پکاتے ہیں۔

جشیش ۔ ستو یا گیہوں کا آٹا ۔ دیگچہ میں رکھ کے اوپر سے گوشت یا چھوارہ ڈال کے پکاتے ہیں۔

خبیص ۔ ایک قسم کا حلوا ہے جسے عرب گھی اور چھوارہ سے ملا کے بناتے ہیں۔

جھجرہ ۔ آٹا گوندھ کے کسی قسم کا پتلا بناتے ہیں ۔ اور پکاتے وقت اُسکو رُب میں ڈال دیتے ہیں۔

حلیبہ ۔ تازہ دودھ اور گھی کو مخلوط کر کے پکاتے ہیں۔

جس چھوارے کو گھی یا پنیر میں ملا کے خوب گوندھتے ہیں۔ جب اچھی طرح آمیز ہو جاتا ہے تو چھوارے کے بیج نکال لیتے ہیں۔ اور کبھی اس میں ستو بھی ملا دیتے ہیں۔
دوایہ۔ بالائی جو رسیلا اور دودھ پر ہوا لگنے سے جم جاتی ہے۔ ہریسہ گیہوں کو مہراس میں بار یک کوٹ کر پکاتے ہیں۔
زریقا۔ دودھ اور زیتون کا تیل شہد میں ملا کے بنایا جاتا ہے۔
تاجہ۔ زمانہ جاہلیت کا کھانا ہے۔ دودھ میں اونٹ کے بال ملا کے خوب کھاتے تھے۔
رصیعہ گیہوں کو پتھر سے کچل کے اور پانی میں تر کر کے گھی کے ساتھ پکایا جاتا ہے۔
فیجا۔ حسا میں مصالح ڈال کے پکایا جاتا ہے۔
مجیع۔ دودھ میں چھوارہ ڈال کے پکایا جاتا ہے
خبیرہ آٹے کا حسا بنا کے گھی ڈال کے کھاتے ہیں۔
ولیفہ آٹا اور دودھ، اور گھی ملا کے بنایا جاتا ہے
سخینہ عصیدہ سے زیادہ یا وہ رقیق ہوتا ہے۔ قریش کو اسی کے کھانے پر اور لوگ عیب لگایا کرتے تھے۔ کیونکہ قریش میں اسکا بڑا رواج تھا۔ جسطرح کہ تمیم کو کھانے کے لالچی کہا کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ تمیم اسقدر لالچی کھانے کے تھے کہ دودھ کی مشک کو بجاد میں جو عرب کے اعلیٰ درجے کے کپڑوں میں شمار کیا جاتا ہے لپیٹ کے رکھتے تھے۔ (ٹاٹ پر مخمل کا بخیہ)
معاویہ ابن ابی سفیان (یہ بھی قریش تھا) کی حکایت لکھی ہوئی ہے کہ اس نے ایک دن احنف بن قیس سے مزاح کیا اور وہ تمیمی تھا۔ اور مزاح میں یہ کہا ما الشئی الملفف فی البجاد (بھائی بجاد میں لپٹی ہوئی کیا چیز ہے) گویا اسکا اشارہ اس شعر کی طرف تھا۔

اذا مامات میت فی تمیم	"جب کہ کوئی شخص بنی تمیم میں سے مرجائے
وسرّك ان یعیش فجیٔ بزاد	اور تجھے منظور ہو کہ وہ زندہ رہے۔ تو
بلحم او بخبز او بتمر	اسکے واسطے کچھ توشہ مہیا کر۔ گوشت
او الشیٔ الملفف فی البجاد	ہو یا روٹی ہو یا چھوارے ہوں۔ یا

وہ چیز جو بجاد میں لپٹی ہوئی ہوتی ہے"۔

فوراً احنف نے اُسکے جواب میں کہا ھو السخینة یعنے سخینہ ہے بس فوراً ہی معاویہ چپ ہو رہا۔ حالانکہ اُنھوں نے قصد کیا تھا۔ کہ میں اس تمیمی پر طعن کروں گا۔ اُس نے فوراً ہی ایسی بات کہدی۔ جسمیں قریش پر طعن ہوتا تھا۔

گرما گرم شوربا کو عرب بنت نارین۔ اور روٹی کو ابن حبہ کہتے تھے۔ جیسا کہ شاعر کے کلام سے معلوم ہوتا ہے۔

فی حبة القلب منی	"میں نے اپنے دل میں ابن حبہ کی محبت
زرعت حب ابن حبة	کی کاشت کی ہے۔

چربی کو سفیدی کیوجہ سے ملح کہتے تھے۔ حالانکہ ملح نمک کو کہتے ہیں۔ املحت القدر کے معنے یہ ہیں کہ ہانڈی میں چربی ڈالدے۔ اور یہی معنے ابن فارس نے مسکین کے شعر کے بیان کئے ہیں۔ وہ اپنی بی بی کی بابت کہتا ہے۔

لا تلمها انها من نسوة	"اپنے آپ سے مخاطب ہو کے کہتا ہے کہ تو اپنی بیوی کو ملامت نہ کر کیونکہ
ملحها موضوعة فوق الرکب	

وہ عورت ہے اُسکی سب چربی گھٹنوں پر رکھی ہوئی ہے۔ یعنے زور ہے۔ یعنے فقط اُسکی بہت چربی اور گھی ہی میں صرف ہوتی ہے"۔

ملحها موضوعة فوق الرکب مثل ہے اُس شخص کے واسطے استعمال کیجاتی ہے جو ہر بات میں جلدی سے غصہ کر بیٹھے۔ اور بدخلق ہو۔ لہٰذا وہ ذرا سی

چیز اُسکو نفرت پیدا کرا دے۔ جس طرح سے کہ گھٹنے پر اگر نمک رکھا جائے تو فوراً تتر بتر اور متفرق ہو جائیگا۔

یہ جملہ بھی مثل میں کہا جاتا ہے ھنا اللبن والملح والرضاع یعنے فلاں شخص نہ تو کسی حرمت کا لحاظ کرتا ہے نہ حق کا۔

کھانے کے ناموں کی کنیت حریری نے اپنے مقامہ نصیبیہ میں ذکر کی ہے۔ اُسکی تفصیل یہ ہے۔

ابو مالک۔ ابو جابر بھوک کی کنیت ہے۔ ابو جامع دسترخوان کی کنیت۔ ابو نعیم جواری روٹی۔ ابو حبیب بکری کا بچہ بھنا ہوا۔ ابو ثقیف سرکہ ابو عون نمک ابو جمیل ساگ ام القری سکباج ام جابر بلیہ ہریسہ۔ ام الفرج جوارش ابو زرین ضبیبہ ابو العلاء فالودہ ابو ایاس جبین مرجان لوٹا اور طشت۔ ابو السرور بخورات۔ ابو الخصیب گوشت ابو الفضل ابو الحیان دسترخوان۔ ابو المسافر پنیر۔ ابو نافع سرکہ۔ ابو جابر روٹی۔ ابو عاصم سکباج۔

مگر یہ بات ضرور معلوم ہے کہ یہ ساری کنیتیں مولدین کی بنائی ہوئی ہیں۔ کیونکہ جاہلی عرب ان چیزوں میں سے اکثروں کو جانتے بھی نہ تھے۔ فقط اُنکے کھانے تو گوشت میں نمک پانی ملا کے پکائے جاتے تھے۔ یا چند چیزیں جنکا ذکر آگے ہو چکا ہے۔

ابن خلدون نے لکھا ہے کہ صحابہ کے زمانے تک آٹا چھاننے کی چھلنی نہ تھی۔ آٹے کو بھوسی سمیت کھایا کرتے تھے۔ جب فارس اور روم کے ملک پر فتحیاب ہوئے تو اُنکے سامنے باریک چھلنیاں چلائی گئیں تو اُنکو کھیلنے کا سبب سمجھتے تھے۔ اور کسریٰ کے خزانے میں جو کافور ان کے ہاتھ لگا۔ تو اُسکو نمک سمجھے اور آٹے میں گوندھ روٹی پکائی۔

اسقدر جہالت اُسوقت تک تھی۔ مگر کھانے کے تکلفات معاویہ کے

زمانے سے شروع ہوئے کیونکہ یہ حضرت بڑے اکول تھے۔ چنانچہ مثل میں کہتے ہیں فلان اکل من معاویۃ۔ اور ایک شاعر نے بھی کہا ہے

وصاحب لی بطنہ کالھاویۃ	"میرے دوست کا پیٹ کیا ہے
کان فی امعائہ معاویۃ	خاصہ جہنم ہے۔ گویا اُسکی آنتوں

میں معاویہ گھس گیا ہے۔ کہ کسی طرح سیر ہی نہیں ہوتا۔"

ایک اور شاعر نے کہا ہے۔

ومعدۃ ہاضمۃ للصخر	"اُسکا معدہ ایسا سخت ہے کہ پتھر کو بھی
کانما فی جوفہا ابن صخر	ہضم کر لیتا ہے۔ گویا اُسکے پیٹ کے

اندر معاویہ بیٹھا ہوا ہے۔"

صخر ابو سفیان کو کہتے تھے جو معاویہ کا باپ تھا۔

زیادہ کھانے والے کی مثلیں اور بھی ہیں۔ مثلاً اکل من حوت۔ اکل من السوس۔ اکل من ضرس۔ اکل من الفیل۔ اکل من النار وغیرہ۔

زمانہ جاہلیت میں پُرخور کی مثل لقمان عادی سے دیا کرتے تھے کہتے ہیں کہ لقمان کئی اونٹ کا گوشت صبح کے کھانے میں اور کئی اونٹ کا گوشت شام کے کھانے کھا لیتا تھا۔ مگر ایک شخص نے لکھا ہے کہ یہ حکایت بالکل جھوٹ ہے۔ اس طرح کی خرافات باتیں بہت سی مشہور کر دی ہیں۔ جنکا نہ سر تھا نہ پیر۔

اسلام کے بعض کھانوں کے اکثر نام عرب نے لغت فارس اور ترک سے لئے ہیں۔ مثلاً سکباج ہے۔ یہ فارس کا کھانا تھا۔ شوربے میں سرکہ ملا کے کھاتے تھے۔ مگر عرب اسکی بڑی تعریف کرتے تھے۔ کیا کرتے بیچارے اس سے بہتر کھانا کبھی کھایا ہی نہ تھا۔ تو کیا ہو۔ اصل میں یہ لفظ سکباجہ ہے جسکے معنے سرکے کا کھانا ہے۔ عرب لوگ اسمیں کبھی زعفران بھی ملا دیا کرتے تھے۔ تو اسکا نام سید المرق۔ شیخ الاطعمہ۔ زین الموائد رکھا تھا۔ اصفہدی کی

عزت کرتے تھے۔ عبداللہ بن طاہر کہتا تھا کہ اگر مجھکو کوئی شخص کہے کہ جو کھانا تمکو پسند ہو اپنے واسطے منتخب کرلو تو میں کبک کو پسند کروں۔ اسمیں سبھی مزے موجود ہیں۔ اگر اسمیں سرکہ ملادوں تو سکباجہ بنجائے۔ اور پانی زیادہ ڈالدوں تو اسفیدباجہ ہوجائے۔ اور اگر دیرتک آگ پر بھونتا رہوں تو مطجنہ تیار ہو جائے۔

فالوذہ۔ ایک قسم کا حلوے ہے۔ عام لوگ اسکو بالوظ کہتے ہیں۔ (ہندوستان میں تو فالودہ حلوا نہیں ہوتا بلکہ میدے کو دودھ میں پکاکے باریک باریک چھان لیتے ہیں۔ اور شربت میں ملاکے پیتے ہیں۔ شربت پر تیرتا رہتا ہے) کہتے ہیں کہ پہلے پہل عرب میں سے جس نے اسے استعمال کیا عبداللہ بن جدعان تھا جس نے حرملہ بن عنزہ کی بیٹی نابغہ کو جو عمرو بن عاص کی ماں تھی بازار عکاظ میں خرید کے عاص بن وائل کو جو کہ عمرو کا باپ ہے دے ڈالا تھا۔ اصبہانی نے لکھا ہے کہ عبداللہ مذکور الصدر ایک روز کسریٰ کا مہمان ہوا۔ دعوت میں اُس نے فالوذہ کھایا۔ تو پوچھا یہ کیا چیز ہے اُس نے کہا اسکو فالوذ کہتے ہیں۔ پھر پوچھا فالوذ کیا چیز ہے۔ اُس نے کہا گیہوں کے میدے کو شہد میں ملاکے بناتے ہیں۔ عبداللہ نے کہا تو اچھا میرے ساتھ کوئی لڑکا روانہ کرو جو اسے بناتا ہو۔ لوگ ایک غلام کو لائے اس نے اُسے خریدا اور مکہ میں لایا۔ وہ لڑکا اُسکے واسطے فالودہ بنایا کرتا تھا۔

لوزینج۔ لوزینہ کا معرب ہے یہ بھی ایک قسم کا حلوا ہے۔ اسکے اندر لوزا اور شکر ڈالی جاتی ہے۔

جوذاب۔ گوشاب کا معرب ہے۔ شکر اور چاولوں کے آٹے اور چربی اور گوشت سے ترکیب دیا جاتا ہے۔

اسکے علاوہ اور بھی بہت سے کھانے مشہور ہیں۔ جیسے کباب کوفتہ شفشبرک۔ رشتہ۔ لخنہ۔ قبلیہ۔ جادرساتو۔ بلبیرق۔ قبا۔ اسیطرح اور بھی کھانے

ہیں جنکے نام و پتہ بتاتے ہیں کہ در اصل یہ کھانے عجمی ہیں۔ عربی نہیں ہیں۔
البتہ مہلبیہ کی بابت تو کہا جاتا ہے کہ مہلبی وزیر کا ایجاد کردہ ہے۔
رشیدیہ بھی ایک قسم کا کھانا ہے۔ جسے رشید عباسی نے ایجاد کیا تھا۔
مامونیہ آنکے صاحبزادے مامون عباسی کی ایجادات سے ہے۔
متوکلیہ متوکل عباسی کی تراش خراش کا نتیجہ ہے۔
قدور ابراھیمیہ ابراہیم بن عباس صولی نے اختراع کیا تھا۔
اصابع زینب اہل بغداد کی ترکیب ہے۔

یہاں تک تو خیر معمولی باتیں تھیں مگر جب خلفائے عباسیہ کے زمانے میں کاملین کا اجتماع ہوا تو کچھ لوگوں نے نئی نئی طرح کے کھانے ایجاد کئے اور اسکے متعلق بہت سی کتابیں لکھیں۔ منجملہ انکے ایک ابو الحسن بن یحییٰ بن ابی منصور منجم۔ خلیفہ متوکل کے مصاحب خاص تھے۔ جو یہاں آنے سے قبل فتح بن خاقان کے مصاحب تھے۔ ابو الحسن علاوہ فن باورچی گری کے علم موسیقی میں بھی کامل تھا۔ اسکی تصنیف سے کئی کتابیں ہیں۔ منجملہ اُنکے ایک کتاب الشعراء القدماء الاسلامیین ہے۔ دوسری کتاب فی اخبار اسحاق ابن ابراھیم الموصلی (فن موسیقی کو اسحاق ہی سے سیکھا تھا۔) تیسری کتاب کھانا پکانے کے متعلق ہے۔ انکا انتقال سر من رائے میں ۲۷۵ھ ہجری مطابق ۸۸۹ء میں ہوا۔

دوسرے امیر مختار عز الملک جنکی تالیف سے تاریخ مسبحی ہے۔ مصر کی بابت ایک مشہور کتاب ہے۔ انہوں نے ایک کتاب مختلف قسم کے کھانے اور سالن پکانے کی ترکیبوں میں بھی لکھی ہے۔ انکا انتقال ۴۲۰ھ ہجری مطابق ۱۰۲۹ء میں ہوا۔

عرب میں ولیمے کا رسم ہی بہت تھا۔ اور ولیمے کا نام علیٰحدہ علیٰحدہ رکھا گیا تھا۔ زچہ کے واسطے جو ولیمہ کیا جاتا تھا اُسے خرس کہتے تھے۔ اسی لفظ سے ایک مثل بھی نکلی ہے تخرسی یا نفس لا مخرسۃ لکِ یعنی اے زچہ تو اپنے

جننے کا ولیمہ آپ کرلے کوئی غیر اولیمہ کرنے والا نہیں ہے) اس مثل کو ایک عورت نے کہا تھا۔ جسکے کوئی سرپرست نہ تھا۔ اور اُسکے گھر میں بچہ پیدا ہوا تھا۔ اب یہ مثل اُس شخص کے واسطے استعمال ہوتی ہے جو اپنا کام آپ کرے اور کوئی اُسکا ہاتھ بٹانے والا نہ ہو۔)

عقیقہ بچہ کے ولیمہ کو کہتے تھے۔ اعذار۔ ختنے کے ولیمے کو۔ ملاک شادی کی درخواست کے ولیمے کو۔ ولیمہ شادی کی دعوت کو۔ وضیمہ مونے کے کھانے کو۔ وکیرہ مکان بنانے کی دعوت کو۔ عقیرہ ماہ رجب کے چاند دیکھنے کے ساتھ جو دعوت کرتے تھے۔ تحفہ ملاقات کے لئے آنیوالے کو۔ شندخ گم گشتہ کے واپس آنے پر جو دعوت کرتے تھے۔ نقیعہ سفر سے آنے پر جو دعوت ہوتی تھی۔ قری مہمان کی دعوت کو۔ مأدبہ بلاسبب کی دعوت کو۔ جفلی عام لوگوں کی دعوت۔ نقری خاص لوگوں کی دعوت۔ حذاق حافظانِ قرآن کی دعوت۔

کہتے ہیں کہ پہلے پہل مہمانی کی رسم حضرت خلیل نبی نے قائم کی۔ اور اسلام میں اپنے مہمانوں کو پہلے پہل عبداللہ بن عباس نے کھانا کھلایا اور اسی نے سب سے اول گذرگاہوں پر لنگر جاری کیئے۔

ایک دفعہ کے کھانے کو جو وزن میں تیس درہم ہوتا ہے بذمہ کہتے ہیں۔ تھوڑے کھانے کو لیس۔ دستر خوان پر جو کچھ بچ رہے ختار۔ دستر خوان پر جو ایسی چیزیں باقی بچیں کہ استعمال کے قابل نہوں۔ خشار۔ برتن کے اندر سالن وغیرہ جو بچ رہے ثرتم۔ شاعر کہتا ہے۔

لا تحسبین طعام قدیں بالقنا وخرالهم بالبیض حشو الثرتم

سلفہ۔ لمنہ۔ ناشتا۔ عجالہ جلدی کا کھانا جو قبل از وقت غذا ہو۔ سحور منہ اندھیرے صبح کا کھانا۔ فطور صبح روشن کا کھانا۔ غذاء دوپہر کا کھانا عشاء شام کا کھانا۔ زاد سفر کا کھانا۔ جائزہ مہمان کو تین دن تک کی دعوت کا

کھانا کھلانے کے بعد جو کھانا دیا جائے۔ جس سے ایک دن رات تک بسر کرسکے۔ حدیث میں ہے الضیافۃ ثلاثۃ وجائزتہ یوم ولیلۃ (مہمانی تو تین دن تک ہے اور اسکا جائزہ ایک شب و روز کا کھانا ہے)۔

جاہلیت میں کھانے کے برتنوں کے نام دسیعہ۔ جفنہ۔ قصعہ صحفہ۔ میکلہ۔ فیخہ۔ سب میں چھوٹا برتن فیخہ ہے جو فقط ایک آدمی کو کافی ہوسکے۔ اور دسیعہ سب میں بڑا برتن جسمیں دس آدمی کھا سکتے ہیں۔ اور ان دو کے علاوہ درمیانی برتن ہیں۔

محیط المحیط میں لکھتے ہیں جفنہ۔ قصعہ (بڑا کاسہ) کو کہتے ہیں۔ مگر سب میں بڑا جفنہ ہے جسمیں دس آدمی کھا سکتے ہیں۔ اور قصعہ اس سے چھوٹا ہوتا ہے اس سے چھوٹا صحفہ جسمیں پانچ آدمی سیر ہوسکتے ہیں۔ اسکے بعد میکلہ جسمیں دو یا تین آدمی کھا سکتے ہیں۔ اس سے چھوٹا صحیفہ (پلیٹ) جسمیں ایک ہی آدمی سیر ہوسکتا ہے۔

پانی پینے کے ظروف۔ تبن بہت بڑا پیالہ ہوتا ہے جسمیں تقریباً بیس آدمی سیراب ہوسکتے ہیں۔ صحن قریب قریب تبن کے ہوتا ہے۔ عس تین آدمی کو سیراب کرسکتا ہے۔ قدح دو آدمیوں کو سیراب کرسکتا ہے۔ قعب ایک آدمی کے پانی پینے بھر کا ہوتا ہے۔ اس سے بھی چھوٹا غمر ہے۔

عرب دسترخوان پر کھانا کھاتے تھے۔ دسترخوان کو مائدہ کہتے ہیں۔ مگر اسوقت تک کہ جبتک اسپر کھانا نہ رکھا جائے۔ بعد میں مطلق دسترخوان کو مائدہ کہنے لگے۔

دسترخوان کے ملازمین کو نُدّل کہتے تھے۔ جو کھانا کھلاتے تھے۔ باورچی کو طابخ۔ طاھی۔ طاہی کا لفظ طہو سے مشتق ہے اسکے معنے پکانے کے ہیں۔

جو شخص ہر روز نیا ایک نئی قسم کے کھانے پکا کے کھائے اسکو انام کہتے ہیں

اور جو شخص کھانے کی بے ادبی کرے اُسکو ناعط کہتے ہیں۔ جو شخص خوب سیر ہوکے کھانا کھائے اُسکو سنق کہتے ہیں۔

کھانے وقت جو کوئی اپنا بایاں ہاتھ کسی کھانے کی چیز پر رکھدے کہ دوسرا کوئی نہ کھانے پائے۔ اُسے جردبان کہتے ہیں۔ یہ لفظ فارسی معرب بنایا ہوا ہے۔ اسکی اصل گردہ بان یعنے روٹی کا نگہبان۔ جردبا اور جردوم بھی اسی معنے میں ہے۔ فرا نحوی کا شعر ہے۔

اذا ما کنت فی قوم شہاوی فلا تجعل شمالک جردبانا

جفیٰ۔ دعوت میں بلانا۔ شاعر کہتا ہے۔

وما کان علی الجفیٰ ولا الھی امتد احیکا

ابو عمر نے بیان کیا ہے کہ ہنی کے معنے کھانا۔ اور ہنی کے معنے پانی اگلے دانتوں سے کھانا کھانے کو قضم کہتے ہیں۔

کھانے کے طفیلی کو وارش کہتے ہیں۔ شراب یا شربت کے طفیلی کو وغل۔ جو شخص اسبات کا منتظر رہا کرے کہ جہاں کوئی کھانے پر بیٹھا جھٹ آپ بھی آ بیٹھے اُسکو حضر کہتے ہیں۔ حضر واغل وہ ہے جو کھانے اور پینے دونوں میں طفیلی بنکے شریک ہو۔ جواف ہیٹو۔ بڑا کھانے والا۔ ھلع جسے جلد جلد پیاس لگے۔

مگر مولدین نے جو طفیلی اور متطفل کا لفظ استعمال کرنا شروع کیا ہے وہ طفیل بن زلال دارمی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ شخص کوفی تھا۔ لوگوں کے ہاں ولیموں میں بن بلائے شریک ہوتا تھا آخر میں اُسکو طفیل الاعراس کہنے لگے تھے۔ اور اُسکو مثل میں کہا کرتے تھے۔ جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے۔

نحن قوم اذا دعینا اجبنا ومتی نسینا ید عنا التطفیل

ونقل علنا دعینا فغبنا واتانا فلم یجدنا الرسول

کھانیکے متعلق عیوب

متشاوف وہ شخص ہے جو قبل کھانے سے فارغ ہونے کی دل میں ٹھان لے۔ کہ فوراً چلا جاؤں گا۔ اور ہر وقت دروازے ہی پر نظر جمائے رکھے۔ کہ اب کھانا آتا ہے اب آتا ہے اور جو چیز دروازے سے آتی دیکھے سمجھے کہ کھانا ہی آیا۔

عداد۔ وہ شخص ہے جو بالائی کے پیالے ہی گنتا رہے اور اپنے آپ کو بھول جائے۔

جراف وہ ہے جو مکھن یا بالائی میں ایک طرف سے لقمہ ڈالے اور دوسری طرف سے نکالے۔

رشاف۔ وہ ہے جو لقمہ کو منھ میں لیکے چوسے اور چوسنے کی آواز ساتھ کے کھانے والے سنتے ہوں۔ بعض آدمیوں کو اسمیں بڑا مزا آتا ہے۔

نفاض وہ ہے جو لقمہ تو منھ میں رکھے اور انگلی مکھن کے برتن میں۔

قرامن۔ وہ ہے جو لقمہ کو دانت سے کاٹے۔ اور اسکو چاروں طرف سے برابر کرکے سالن وغیرہ میں ڈالے۔

بہات وہ ہے جو کھانے والوں کا منھ دیکھ دیکھ کے اپنی پریشانی ظاہر کرتا ہو اور جہاں وہ لوگ اسکو دیکھ کے پریشان ہوئے جھٹ انکے سامنے سے گوشت اٹھا کے کھا لیا۔

لتات وہ ہے جو لقمہ کو سالن میں ڈالنے سے قبل اپنی انگلیوں ہی سے لتاڑ لے

حوام وہ ہے جو اپنے ہاتھوں کو ادھر ادھر کرتا ہے کہ کسی طرح بالائی یا مکھن کا برتن اسکے ہاتھ لگے۔

قسام۔ وہ ہے جو نصف لقمہ دانت سے کاٹ کے کھا جائے اور نصف باقی کو سالن میں ڈالے۔

مخلل - جو اپنے دانتوں کو ناخنوں سے کریدے۔
مذیل - جو یہاں کھانیکے علاوہ اپنے ساتھ بھی مغوڑا اُٹھالیجائے۔
مذبخ وہ ہے جو ایک لقمہ تو بالائی یا مکھن وغیرہ میں لگا کے منھ میں رکھے اور قبل اسکے کھا چکنے کے دوسرا لقمہ پھر اسمیں ڈالے۔
مفتش وہ ہے کہ گوشت انگلیوں سے ٹٹولتا ہو۔
مرشش وہ ہے جو مسلم پکے ہوئے مرغ کو بے احتیاطی سے توڑے کہ اُسکا شوربا وغیرہ حاضرین پر پڑے۔
منشفا وہ ہے جو اپنے ہاتھوں کی چکنائی وغیرہ پہلے روٹی کے لقمے میں پونچھ لے پھر اس ٹکڑے کو سالن میں ڈالے۔
ملبب وہ ہے جو سالن کو لبابے سے بھردے۔
صباغ وہ ہے جو لقمہ کو ایک سالن میں تر کرے پھر دوسرے سالن میں تر کرے۔
نفاخ - وہ ہے جو سالن کو پھونک پھونک کے کھائے۔
حامی وہ شخص ہے کہ گوشت اپنے سامنے رکھ لے۔ اور دوسروں کو اسمیں ہاتھ نہ لگانے دے۔
مجنج - وہ ہے جو اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے پہلو میں بیٹھے ہوؤں کو ہٹائے کہ اسکو کھلی جگہ دیجائے۔ تاکہ کھانے میں اسکو تنگی نہ ہو۔
متطرفی - کہ بالائی یا مکھن کا ایک پیالہ اُٹھالے اور دوسرا اسکی جگہ پر رکھدے۔
مهندس - وہ ہے کہ پیالے رکھنے والے کو کہے کہ اسے یہاں رکھو اُسے وہاں رکھو۔ اور اسی کہنے سننے میں اپنے آگے عمدہ سے عمدہ رکھوالے۔
منمهی وہ ہے جو صاحب مکان سے کہے کہ بھائی اگر کچھ دیگ میں بچا ہو تو پھر لاکے لوگوں کے سامنے رکھدے کہ بعض آدمیوں نے ابھی نہیں کھایا ہے (یعنے میں ابھی اور کھاؤں گا)

قبل کھانا کھانے کے ہاتھ دھو لینا اگرچہ اسلام میں سنت قرار پایا ہے مگر جاہل عربوں اور نیز صدر اسلام کے مسلمانوں کے حالات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُن میں یہ رسم نہ تھی۔ بلکہ بعد کھانے کے بھی چکنائی وغیرہ کو کپڑے میں یا کسی اور چیز سے پونچھ لیتے تھے۔ یا خاک پر مل دیتے تھے۔ مگر اصلی طہارت تو پانی ہی سے ہوتی تھی۔ اور صابون وغیرہ جنکو چکنائی کے چھوڑانے میں پورا دخل ہے اُسے کم استعمال کرتے تھے۔

اور جب گرما گرم کوئی چیز کھاتے تھے مثلاً گرم گوشت یا گرما گرم بھُنی ہوئی مرغی تو اسکو توڑنے کے واسطے رومال وغیرہ سے پکڑ لیتے تھے تاکہ ہاتھ نہ جلیں (اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اُنہیں اتنا ہی صبر نہ تھا کہ ذرا ٹھنڈا تو ہونے دیں)

اصمعی نے بیان کیا۔ خلیفہ سلیمان بن عبدالملک اموی اسقدر گوشت کا حریص اور شائق اور بے صبرا تھا کہ جب کباب کی سیخ اُسکے آگے آتی تو اتنا انتظار نہ کر سکتا کہ مندیل وغیرہ لائے اور اس سے پکڑ کے گوشت کھائے ملازمین دوڑتے تھے کہ مندیل لائیں مگر جب وہ یہاں پہونچیں تب تک وہ گرما گرم ہی ایک ہی مرتبہ میں اپنی آستین سے پکڑ کے کھا لیتا تھا۔ ہارون رشید نے ایک مرتبہ جو آستین پر چکنائی کا نشان دیکھا تو سمجھا کہ شاید اس نے کسی قسم کا عطر لگایا ہے۔

مگر جب اسلام کے زمانے کو ایک مدت ہوگئی اور قبل کھانا کھانے اور بعد اسکے ہاتھ دھونے کا رسم بڑھ گیا۔ تو یہاں تک حال ہوگئی تھی کہ اگر ہاتھ دھونے میں کوئی مہمان دیر کرتا اور درمیان میں باتیں کرنے لگتا۔ اور غلام طشت اور لوٹا لئے کھڑا رہتا تو اسکو سخت معیوب سمجھتے تھے۔

شریعت اسلامیہ نے بازار میں بیٹھ کے کھانا کھانے کو منع کیا ہے۔ کیونکہ اسطرح کھانے میں ایک قسم کا کمینہ پن پایا جاتا ہے۔

اور کھڑے ہو کے کھانے اور سالن یا پانی کو پھونک پھونک کے پینے اور گرم گرم کھانا کھانے سے بھی منع کیا ہے۔ اور اس بات میں ثواب رکھا ہے کہ دسترخوان پر جو ریزے گریں انکو چُن کے کھالیا جائے۔

شریعت نے اس بات سے بھی منع کیا ہے کہ کوئی شخص کھانیکے وقت دوسرے کے لقمے کو دیکھا کرے۔ اور کھانا زیادہ کھائے کیونکہ پُرخوری سے دل آدمی کا تاریک ہو جاتا ہے۔ اور لازم کیا ہے کہ کھانا داہنے ہاتھ سے ہی کھایا جائے اور کھانے کے وقت دائیں بائیں نہ دیکھا جائے۔ اور پہلے سے لقمہ منھ میں نہ رکھے۔ اور اپنے کسی عالی مرتبہ سے اونچا نہ بیٹھے۔ اور پاک مقامات میں آب دہن نہ ڈالے اور دن کا کھانا صبح سویرے کھائے اسلامیوں کے مشہور جملوں میں سے ہے خیر الغذاء بواکرہ وخیر العشاء سوافرہ۔ بعض کتابوں میں سوافرہ کی جگہ بواصرہ لکھا ہے۔ یعنے شام کا کھانا اسوقت کھائے کہ کھانا دکھلائی دیتا ہو۔ اور تاریکی شب نہ آگئی ہو۔

حرث بن کلاہ عرب کا طبیب تھا۔ اسکا قول تھا کہ جب دن کا کھانا کھاؤ تو تھوڑی دیر لیٹ رہو۔ اور جب شام کا کھانا کھاؤ تو کم از کم چالیس قدم ٹہلو۔

اسلام نے اس بات سے بھی منع کیا ہے کہ کھانا کو کسی قسم کا عیب لگایا جائے۔ اگر جی چاہے کھاؤ نہ جی چاہو نہ کھاؤ۔ کھانے کی مذمت نہ کرو۔

عرب میں مہمانوں کے لئے زیادہ کھانا سخت عیب سمجھا جاتا تھا۔ لیکن اگر بدوی ہو تو اسکو بُرا نہیں سمجھتے تھے۔ کیونکہ بدویوں میں تو پُرخوری کی عادت ہی تھی۔ اور یہ بھی عیب سمجھا جاتا تھا کہ کوئی کپڑا کھانیکے وقت رکھا جائے۔ جس سے ہڈی کے شوربا وغیرہ اونڈیلیں یا کھانیکے وقت کوئی چھوٹا بچہ سامنے لے آئیں جو کھانے سے فراغت کے بعد رونے لگے تاکہ اُسکے نام کا بھی کچھ کھانا دیا جائے۔

عرب کی ایک عورت نے اپنے مرد کی مذمت کی تھی۔ اور کہا تھا کہ

ان اکل لفّ وان شرب اشتفّ یعنے یہ شخص جب کھانا کھانے بیٹھتا ہے تو کئی کئی چیزوں کو ایک ساتھ ملا دیتا ہے۔ اور اگر کچھ پیتا ہے تو بے حد پیے جاتا ہے (اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ عرب میں پانچ چار چیزوں کو خلط ملط کر کے کھانا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ اور اسی طرح یکبارگی بہت سے پانی پینا بھی عیب کی بات ہے) اب یہ جملہ مثل کی جگہ پر استعمال ہوتا ہے۔

عرب بادیہ نشین خانہ بدوشوں میں ایک عجیب وغریب یہ بھی عادت تھی کہ مہمان کی بڑی تعظیم وتوقیر کرتے تھے۔ جب کوئی شخص اُنکے خیمے میں پہونچ جاتا تھا اُسکو قسمیں دیتے تھے اور ضرور کچھ نہ کچھ کہلاتے تھے۔ اور جہاں اُس نے کچھ کھالیا اُنکی حمایت میں آگیا۔ پھر کسی کی مجال نہ تھی کہ اُسکو چھیڑ سکے اور اگر اتفاقاً اُسکے واسطے جان دینی پڑے تو جان دینے پر بھی آمادہ ہوجاتے۔ گویا ایک کھانا کھلا کے اُسکی تمام ذمہ داریاں اپنے سر پر لے لیں۔ مورخین نے لکھا ہے کہ جب کوئی مسافر کسی بزرگ قوم عرب کے گھر مہمان ہوجاتا تو پھر وہ بزرگ قوم ہر حال میں اور ہر ضرورت میں اُسکا حامی اور مددگار رہتا۔

بعض مقامات پر عربوں نے مہمان سرائیں بنوادی تھیں وہاں مسافر اُترتے اور کھاتے پیتے اور استامعاوضہ کچھ اُن سے نہ لیا جاتا تھا۔

اکثر مورخین نے لکھا ہے کہ بدوی عربوں کے ہاں جب کوئی مہمان آتا تھا۔ تو اُسکے واسطے کوئی نہ کوئی جانور ضرور ذبح کرتے تھے۔ اور اُسکے پاؤں دہوتے اور اُسکے ساتھ بیٹھ کے روٹی کھاتے۔ اور اسوقت سے جبتک اُنکی مہمانی میں رہتا نہایت امن وامان سے اُسکو رکھتے۔ اور کسی کی مجال نہ ہوتی کہ اُسکو ستا سکتا۔ مگر عجیب بات تو یہ ہے کہ اپنے گھر میں تو مہمان کی یہ خاطرداریاں کرتے اور اگر کہیں کسی مسافر کو آتے جاتے پاتے تو ضرور ہی اُسکے کپڑے اور تمام مال واسباب چھین لیتے تھے۔ چاہتے وہ بھی

رونا پیٹنا رہتا مگر بالکل نہ سماعت کرتے تھے۔

جاہلیت کے زمانے میں بنی غسان مہمان نوازی میں مشہور تھے اور مثل میں کہا جاتا تھا اقرا الضیف من بنی غسان۔

اور جب کوئی مسافر اُنکے گھر میں مہمان ٹھیرتا تو اسکا سارا مال و اسباب بڑی حفاظت سے مکان میں رکھدیتے مگر جنگی اسلحہ اُسی کے پاس رہنے دیتے کیونکہ خوان کا اُنکے ہاں بہت ہی خوف رہتا تھا۔ آئے دن ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کو لوٹ لیتا تھا۔ اسی وجہ سے مرۃ بن محکان نے اپنی بیوی سے مخاطب ہو کے کہا ہے۔

یاربۃ الدار قومی غیر صاغرۃ ضمی الیک رحال القوم والقربا	اے گھر کی مالک فوراً اُٹھ اور مہمان کے مال اسباب اور اسلحہ جنگ کو اُٹھا کے

اندر رکھدے۔ (قرب سے مراد اسلحہ جنگ ہے)

گو اس شعر میں جو شاعر نے اسلحہ جنگ وغیرہ سب رکھوا دینے کو کہا ہے اُسکی غرض یہ ہے کہ مسافر سب اُسکی پناہ اور حمایت میں تھے۔ تو اس نے اپنی قوت اور شوکت کے ظاہر کرنے کے واسطے کہدیا تھا کہ اُنکی تلواریں بھی رکھدے کیونکہ میرے ہاں کسی کی جرأت نہیں ہے کہ اُنکو ستا سکے۔

اسلامی شہروں میں جب کوئی کسی کو مہمان کرتا تو اُنکے ہاں آداب میں یہ بات تھی کہ اُسکی بڑی خدمت کرتے۔ اور اُسکے آنے کی خوشی ظاہر کرتے اور کہتے تھے کہ مہمانی کی تکمیل کشادہ پیشانی کے ساتھ ملنے میں ہے۔ اور کھانے رات بات میں طول دیتا تاکہ مہمان اچھی طرح سیر ہو جائے۔ عاصم بن وائل کہتا ہے۔

انا لنقری الضیف قبل نزولہ ونشبعہ بالبشر من وجہ ضاحک	ہم مہمان کو قبل اُسکے اُترنے کے مہمان کر لیتے تھے یعنی مہمانی کا سامان قبل

مہمان آنیکے تیار کر رکھتے ہیں اور اُسکو سیر ہو کے بڑی کشادہ پیشانی کے

ساتھ کھلاتے ہیں"۔

مہمان نوازی کے لوازم میں سے یہ بات بھی تھی کہ جسطرح مہمان کی خاطر کرتے تھے اسی طرح اسکے گھوڑے اور اونٹ وغیرہ کو دانا گھاس وغیرہ دیتے تھے۔ اور مہمان سے ایسی ہی باتیں کرتے تھے جن سے وہ خوش ہو۔ اور جو اسکے مذاق کے موافق ہوں۔ اور کبھی مہمان سے پہلے نہیں سورہتے تھے۔ اور اسکے سامنے کبھی زمانے کی شکایت نہیں کرتے تھے۔ اور نہ ایسی باتیں جنسے اسکے دل پر کوئی برا اثر پڑے۔ اور اپنے نوکروں کو حکم دیتے تھے کہ مہمان کی جوتیوں کی حفاظت کریں۔ اور جس چیز کی جس وقت مہمان کو ضرورت ہو فوراً حاضر کریں۔ اور دربان کو منع کر دیتے تھے کہ کھانا کھانے کے وقت دروازے پر نہ بیٹھا رہے اور مہمان جبتک جاگتا رہے خود بھی جاگتا رہے۔ اور اس سے اچھی اچھی دلچسپ باتیں کرتا رہے۔ جب اسکو بیت الخلا میں جانے کی ضرورت ہو تو وہاں تک پہونچا دے۔ ایسا نہ ہو کہ مہمان ڈھونڈھتا پھرے۔ اور جب مہمان رخصت ہوتا تھا تو دروازے تک اسکے پہونچانے کو جاتے تھے۔

دربان

اسلامی عربوں میں دربان کا رسم بہت تھا۔ کوئی شخص بغیر معرفت مکان میں نہیں آسکتا تھا۔ اگر کوئی نیا شخص آگیا تو اسکو ضروری ہوتا تھا کہ پہلے اپنا نام و نشان مالک خانہ کے پاس آدمی دربان کی زبانی کہلا بھیجے۔ اگر مالک خانہ کا دل اس سے ملنے کو نہ چاہتا تھا تو دربان اس سے کچھ عذر کر دیتا تھا اور اگر مالک مکان نے اجازت دی تو دربان آتا اور اس مسافر سے کہتا ادخل علی الرحب والسعۃ یا اھلاً و سھلاً فانزل جس سے مطلب یہ ہوتا تھا کہ گویا تو اپنے اہل میں آگیا۔ اب مسافر نہیں رہا۔ اور بہت ہی آسائش کی جگہ پہونچا

جہاں کوئی تکلیف نہیں ہے۔

مہمان کے لئے بھی ضروری بات تھی کہ چند امروں میں میزبان کی بھی موافقت کرے۔

اول یہ کہ جو کچھ میزبان سامنے لاکے رکھدے اُسکو بخوشی کھالیوے۔ اور سیری کا عذر نہ کرے۔ بلکہ جسطرح ممکن ہو کچھ نہ کچھ ضرور کھائے۔ دوسرا میزبان کے گھر کی حالت بالکل نہ دریافت کرے۔ البتہ اگر نماز کے واسطے قبلہ دریافت کرنے کیضرورت ہو تو پوچھ لے اسمیں کوئی مضائقہ نہیں۔ تیسرا میزبان کو ہاتھ دہونے سے منع نہ کرے۔ چوتھا میزبان کو کسی کام کے لئے جانے سے نہ روکے۔ پانچواں میزبان کے ناموس کو آنکھ اٹھاکے نہ دیکھے۔ چھٹا میزبان کے سامنے اپنے ہاں کی فضول باتیں اور خواہ مخواہ کی اپنی تعریفیں نہ کرے کہ میرے ہاں ایسی ایسی عمدہ چیزیں ہیں ایسی دلچسپی ہے۔ ایسی نعمتیں ہیں۔ اور نہ اسطرح بکے کہ گھر میں مستورات تک آواز جائے۔

مسلمانوں میں یہ بات بھی شرعاً جائز کردی گئی ہے کہ اگر ایک دوست کسی اپنے دوست کے گھر میں جائے اور مالک مکان موجود نہ ہو تو ہوسکتا ہے کہ اگر کچھ کھانا وغیرہ اُسکے گھر میں رکھا ہو اور اُسے بھوک ہو تو کھالے۔ اس فعل کو وہ دوست بھی پسند کرتا ہے۔ کیونکہ اکثر ایک اسی غرض سے راہوں میں کاروان سرائیں وغیرہ بنادیتے ہیں اور مسافروں کے لئے کھانے پینے کا سامان کردیتے ہیں۔ پھر اگر اُن کے گھر میں مہمان آئے اور کچھ کھا پی لے تو کیونکر ناگوار جانینگے

چوتھی فصل

سلام کرنیکے آداب اور بات چیت کے عنوان

نداء۔ عربی لغت میں حروف ندا (پکارنیکے حروف) پانچ ہیں۔
ا ہمزہ۔ آ نزدیک کے آدمی کے واسطے مثلاً زید نزدیک ہے کھڑا ہے اور اُسکو پکارنا مقصود ہے تو کہینگے أزید۔ یا ۲ نزدیک اور دور دونوں کے واسطے استعمال ہوتا ہے۔ ایا ۳۔ ہیا ۴۔ دور کے آدمی کیواسطے جیسے أیا عمرو۔ ہیا خالد۔ أی ۵۔

عرب کی عادتوں میں سے یہ بھی ہے کہ جسکو پکارتے تھے اُسکی کسی وصف کو بھی اُسکے ساتھ کہتے تھے مثلاً یا زید ابن الفاضل۔

اور اگر کسی ایسے شخص کو پکارنا مقصود ہوتا تھا جسکو بالکل نہیں پہچانتے تھے یا اُسکو ملاطفت سے بلانا چاہتے تھے تو کہتے یا وجہ العرب۔ یا اخا العرب یا اخا طیٔ (اگر قبیلہ طی کا ہوا) اور یا اخا عبس (اگر عبسی ہوا) مثلاً اور قبیلہ کا نام لے دینا تو بڑی عزت کی بات تھی اور اس سے اس شخص کو پکارا گیا ہے مفخر ہوتا تھا کہ مجھکو بھی اس قابل سمجھا کہ ہمارے قبیلے کے نام سے پکارا (جیسے ہندوستان کے سید کو یا مولوی کو پکارتے ہیں جناب سید صاحب جناب مولوی صاحب جس سے ایک قسم کی عزت اور قدر اس شخص کی نکلتی ہے) اور اگر پکارنے مثلاً اس شخص کو جانتا ہے جسے پکارنا چاہتا ہے تو اُسکی کنیت سے پکاریگا۔ اور اگر زیادہ تعظیم و تکریم مقصود ہے تو کہینگے یا ابا الفوارس یا حامیہ القبیلۃ العبسیۃ (مثلاً) اگر اس سے بھی زیادہ تعظیم ملحوظ

تو کہیگا یاسیدی یا مولائی۔ اب جواب دینے والے کا فرض ہوگا کہ کہے لبیک وسعدیک (میں تیری اطاعت کے لئے حاضر ہوں گویا کہتا ہے اور تجھے سعادت پہ سعادت ہو) اسی وجہ سے جب عرب کسی کو پکارتے تھے تو نام کے ساتھ القاب اور کنیت کا شمول بھی کرتے تھے۔ تاکہ جواب دینے والا بھی تعظیم سے جواب دے۔

القاب کی تین قسمیں ہیں۔ لقب تشریف۔ لقب تعریف۔ لقب تخفیف تیسری قسم کے لقب کو اسلام نے منع کر دیا۔ کیونکہ لقب تخفیف سے مراد ذلیل صفت ہے۔ مثلاً کسی کو اعرج (لنگڑا) یا اعور (کانا) کہکے کسی کو پکارنا۔ شریعت میں بہت ہی ممنوع ہے۔

اہل عربیہ کی اصطلاح میں لقب اس نام کو کہتے ہیں جس میں کسی قسم کی مدح یا مذمت نکلتی ہو۔ اسی سبب سے تم بہت سے ایسے نام دیکھتے ہو جنہیں تعریف نکلتی ہے۔ اور بہت سے ایسے جنہیں مذمت کی بو پائی جاتی ہے۔ مثلاً حارث ہمام۔ اور مذمت میں حرب۔ مرہ وغیرہ۔

حکایت۔ ایک روز ابو صفرہ (اسکو ابو المہلب بھی کہتے تھے اور نام اسکا ظالم تھا۔ اسکے باپ کا نام سراق یا سارق تھا۔ اور قبیلہ ازد سے تھا) عمر بن خطاب کے پاس حاضر ہوا اور کہنے لگا مجھے کوئی خدمت ملنی چاہیئے عمر نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے۔ کہا ظالم۔ پوچھا تمہارے باپ کا کیا نام ہے کہا سراق۔ عمرؓ نے کہا کیا خوب آپ تو ظالم ہیں اور آپ کے پدر بزرگوار چور ہیں۔ بھلا آپ ہی انصاف کیجئے کہ کیونکر کوئی خدمت آپ کے حوالے کیجائے۔ بیچارہ شرمندہ ہوکے چلا گیا۔ اور کوئی خدمت نہ ملی (یہ لقب کا اثر ہوتا ہے)

یمنی شاہان عرب کے نام میں ذو کا لفظ اکثر لگایا جاتا تھا۔ مثلاً۔

ذو بسدر۔ ذو ریاش۔ ذو الاذعار۔ ذو القرنین۔ ذو جیشان۔ ذو [illegible]
ذو الاعواد۔ ذو الشناتر۔ ذو جدن۔ ذو یمن۔ ذو نفر۔ ذو ظلیم

ذوکلاع - ذوفایش - ذواصبح - ذونواس - ذویزن - ذومروان
ذوقیعان - ذوعبل -

بادشاہان یمن میں سے پہلے پہل جو بادشاہ نصاریٰ (بادشاہ سدم) سے لڑا ہے یہی ذوعبل تھا - اور اسی نے پہلے پہل دیبا اور حریر کو یمن میں رواج دیا -

ذوالملک بھی ایک یمنی بادشاہ تھا - اس نے پہلے پہل ملازمین کی تنخواہ کا طریقہ جاری کیا - اور نگہبان اور پاسی مقرر کئے - ذو کے سلقب ہونے والے فقط بادشاہ یمن ہی تھے - اور کسی بادشاہ نے اس لقب کو اپنے واسطے نہیں اختیار کیا -

یمنی بادشاہوں میں جسکے قبضے میں حضرموت اور حمیر کا علاقہ ہوتا اُسکو تبع کہتے تھے - جسطرح سے حیرہ کے بادشاہوں کو نعامنہ یا نعمان - کہتے ہیں - اور بادشاہ خزر کو یالیک اور چین کے بادشاہوں کو فغفور - فرغانہ کے بادشاہوں کو اخشید (ابن خلکان نے لکھا ہے کہ اخشید کے معنے ملک الموت کے ہیں) فارس کے بادشاہوں کو کسریٰ (خسرو کا معرب ہے اسکے معنے واسع الملک کے ہیں) ترک کے بادشاہوں کو خاقان روم کے بادشاہوں کو قیصر - (ابن خلدون مغربی نے لکھا ہے کہ قیصر کے لغوی معنے یہ ہیں کہ پیٹ چیر کے نکالا ہوا - اسکی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ایک عورت مرگئی تھی اور اُسکے پیٹ میں زندہ بچہ تھا - فوراً اُسکا پیٹ چاک کر کے بچہ نکال لیا گیا - اُسی وقت سے اُسکا نام قیصر پڑ گیا - پھر وہ بادشاہ بھی ہو گیا - اُسی لگاؤ سے اب جتنے بادشاہ وہاں ہوتے گئے سب کو قیصر ہی کہنے لگے -)

پہلے پہل جس نے اپنا نام اغسطس رکھا رومیہ کا بادشاہ تھا - مگر اور مورخین نے لکھا ہے کہ رومیۃ الکبریٰ کے بادشاہ کو قیصر کہتے تھے - اصل میں

قیصر جیسر کا معرب ہے۔ اور جیسیر کے معنے شق کے ہیں چونکہ اسکا پیٹ شق کیا ہوا تھا اس وجہ سے اسکو قیصر کہتے تھے۔

بادشاہان شام کو ہرقل کہتے ہیں۔ اور حبش کے بادشاہ کو نجاشی مصر اور اسکا مندرجہ کے بادشاہ کو عزیز۔ قبطا کے بادشاہ کو فرعون۔ (فرعون کے معنے تمساح۔ گھڑیال)

لشکر کے سپہ سالار اور افسر کو امیر کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے جاہلی عرب صاحب شریعت اسلامیہ کو امیر الحجاز۔ امیر مکہ کہتے تھے۔ انکے بعد ابو بکر نے اپنا لقب خلیفہ رکھا۔ بعد انکے عمر بن خطاب نے اپنا لقب امیر المؤمنین رکھا۔ پھر انکے بعد خلیفہ اور امیر المؤمنین پھر بادشاہ بنی امیہ اور بنی عباسیہ نے اپنے واسطے مقرر کرلیا۔ شیعہ اپنے پیشواؤں کو امام کہتے ہیں۔

بنی عباس نے اپنے ناموں کے ساتھ ایک خاص لقب مقرر کرلیا تھا تاکہ بازاروں میں وہی نام لیا جائے۔ اور اصلی نام ہر زبان پر نہ جاری ہو۔ کیونکہ اسمیں ذلت ہے۔ اسی سبب عباسیوں کے القاب سفاح ۔ مہدی۔ ہادی۔ رشید۔ مامون وغیرہ ہوئے۔ اور یہی طریقہ عبیدی بادشاہان افریقیہ و مصر نے بھی اختیار کیا۔

بادشاہان بنی امیہ اگرچہ اپنے اسی قدیم طریقہ جاہلیت پر مدت تک باقی رہے اور اپنے القاب میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی لیکن جب انکی سلطنت اندلس میں قائم ہوئی تو انہوں نے بھی یہی طریقہ برتنا شروع کیا۔ عبدالرحمن نے اپنا لقب امیر المؤمنین رکھا۔ اور ناصر الدین بھی اپنا لقب مقرر کیا۔ (دیکھو اسی مقالے کی پہلی فصل)

بنی عباس اور عبیدی وغیرہ بادشاہوں کے ماتحت جو ریاستیں اور حکومتیں تھیں انکے واسطے علیحدہ علیحدہ تشریفی خطاب اور القاب دیئے تھے جس سے انکی ماتحتی اور انقیاد کا پتہ ملتا تھا۔ مثلاً شرف الدولہ رکن الدولہ

عضد الدولہ ۔ نظام الملک ۔ ذخیرۃ الملک ۔ اور بعض بادشاہوں کو خطاب دیتے تھے جیسے ناصر ۔ منصور ۔ صلاح الدین ۔ اسد الدین نور الدین وغیرہ ۔

خوارزم وغیرہ جب اپنے اعلیٰ بادشاہوں کے پاس بھیجتے تھے تو اسکے القاب یہ ہوتے تھے ۔ الجناب الرفیع الخاقانی ۔ الجناب العالی الشاہنشاہی وغیرہ

جب کوئی بادشاہ کسی خلیفہ کے پاس عرضی لکھتا تو اپنے نام کے ساتھ خادمک المطواع ۔ عبدک فلان ۔ الی سیدنا و مولانا امیر المومنین امام المسلمین ۔ خلیفۃ رب العالمین ۔ فی رقۃ المشارق والمغارب المنیفۃ علی الذروۃ العلیا ابن لوی ابن غالب لکھتا تھا ۔

اشراف عرب میں سے چند قومیں ایسی تھیں جنکو مطیب اور مطیبون کہتے تھے ۔ منجملہ انکے ایک تو قبیلہ عبد مناف کے لوگ تھے ۔ (دیکھو مقالہ نابغہ کی تیسری فصل) اور بنی اسد ۔ بنی عزی ۔ زہرہ بن کلاب ۔ تیم بن مرہ ۔ حارث بن فہر وغیرہ ۔ انکو مطیب اسوجہ سے کہتے تھے کہ انہوں نے اپنے ہاتھ خلوق (ایک قسم کا عطر ہے) میں ڈبوئے تھے ۔ اور کلید داری خانہ کعبہ کی بنیاد پر لڑنے کی قسم کھائی تھی (عرب میں طریقہ قسم کا یہ بھی مشہور تھا ۔ جب کوئی خلوق میں ہاتھ ڈبو کے قسم کھاتا تھا ۔ تو اسکو اپنی قسم کا پورا کرنا لازم ہو جاتا تھا) مگر بعد میں اس بات پر صلح کر لی کہ بنی عبد مناف کو سقایہ اور رفادہ (حاجیوں کو پانی پلانا اور انکی مہمانداری) کا منصب دیا جائے ۔ اور بنی عبد الدار کو دربانی اور علم ۔

چند قومیں اور بھی تھیں جنکو رباب کہتے تھے ۔ اور وہ بنی عبد مناۃ بن اد بن طابخہ ہیں ۔ انہی سے تیم اور عدی اور عوف اور ثور بھی تھے ۔ ان لوگوں نے اپنے اپنے ہاتھ رُب میں ڈبوئے ۔ اور بنی قتیبہ سے لڑنے پر قسم کھائی تھی ۔

شیبۃ الحمد ۔ عبد المطلب کا لقب تھا ۔ جب یہ پیدا ہوئے تھے تو انکے

ان کے کچھ بال سفید تھے۔ اسی وجہ سے انکو شیبۃ الحمد کہتے تھے۔ حذافۃ ابن غانم نے کہا ہے۔

بنو شیبۃ الحمد الذی کان وجہہ یضیئ ظلام اللیل کما القمر البدر	"یہ لوگ اُس شیبۃ الحمد کی اولاد میں سے ہیں جسکا چہرہ تاریک شب میں ماہ کامل کیطرح چمکتا تھا۔"

امرأ القیس کا لقب ذی القروح پڑ گیا تھا۔ اسوجہ سے کہ بادشاہ روم نے اسکو زہر میں بجھا ہوا ایک کپڑا پہنا دیا تھا۔ جس سے اس بیچارے کے تمام جسم میں زخم پڑ گیا۔ امرأ القیس کے معنے بہی سختی جہیلنے والے آدمی کے ہیں۔ اور اسکا لقب یہی تھا۔ جب اسکے باپ کو علبا بن حرث کاہلی نے مار ڈالا تھا۔ اسوقت سے اسکا نام امرأ القیس پڑ گیا۔ اس نے قسم کھائی تھی کہ جبتک اپنے باپ کے خون کا بدلہ نہ لیگا تب تک نہ تو شراب پیونگا اور نہ اپنی بیوی سے مقاربت کرونگا۔ نہ سر دہوؤں گا۔ اس کا اصلی نام جندح تھا۔

ذو الالف نعمان بن عبد اللہ کا لقب تھا۔ جو کہ خثعم کے لشکر کا سپہ سالار طالف کی لڑائی کے دن تھا۔

جعفر بن عوف بن قریع تمیمی کے قبیلے سے تھا۔ اسکا لقب انف الناقہ تھا۔ یہ شخص سعد بن زید مناۃ کے خاندان کا مورث اعلیٰ تھا۔ اس کے انف الناقہ کہے جانے کی وجہ یہ تھی کہ اس نے ایک دن ایک اونٹ ذبح کیا تھا۔ اور اپنی بیویوں کے حصے بانٹ کے بیٹھے تھے۔ جب اسکی ماں کو خبر معلوم ہوئی تو اس نے جعفر کے پاس آدمی بہیجا کہ میرا حصہ گوشت بھی دے۔ اور یہاں فقط اونٹ کا سر اور گردن باقی رہگیا تھا۔ اُس نے آدمی سے کہدیا کہ لے یہی موجود ہے۔ پھر اپنی انگلیاں اونٹ کی ناک میں ڈال کے کہینچنے لگا۔ اسی وقت سے اسکا نام انف الناقہ پڑ گیا۔ اُسکی اولاد کو

یہ لقب بہت ناگوار ہوتا تھا۔ مگر حطیئہ نے جب اُنکی تعریف کر دی تو پھر وہ عیب جاتا رہا کیونکہ عرب کی تمام عزت اور بے عزتی ایک شعر پر موقوف تھی۔ کیسا ہی معزز سے معزز ہو اگر کسی شاعر نے اُسکی ہجو کہدی تو وہ ذلیل سمجھا جاتا تھا اور کیسا ہی ذلیل سے ذلیل ہو اگر کسی شاعر نے اُسکی مدح کر دی تو وہ بڑا معزز سمجھا جانے لگتا تھا۔ حطیئہ کہتا ہے۔

قوم هم الانف والاذناب غیرهم	"یہی قوم تو ناک ہے اور باقی جتنے
ومن یساوی بانف الناقة الذنبا	آدمی ہیں سب دم ہیں۔ بھلا کون شخص

ہوگا جو ناک کو دُم کے برابر سمجھیگا۔"

جران العود۔ عامر بن حرث نمری کا لقب تھا۔ اسکا یہ لقب اس شعر کے ایک لفظ سے پڑ گیا تھا جسے وہ اپنی دو بیویوں سے مخاطب ہو کے کہتا ہے۔

خذاحذرا یاجارتی فاننی	"پرہیز کرو اے میری دونو ہمسائیو!
رایت جران العود قدکادیصلح	کیونکہ میں نے لکڑی کی چھال کو دیکھا

ہے کہ مار کے سیدہی کر دیگی ہے۔ یعنے اگر تم دونوں زیادہ شرارت کروگی تو مارتے مارتے سیدہا کر دونگا۔"

یہ شعر کہنے کا سبب یہ تھا کہ اس نے اپنی دو بیویوں کے واسطے ایک درخت کی چھال چھیل کے ایک کوڑا بنایا تھا۔ اور اُسکو دہوپ میں رکھدیا اور کہدیا کہ جبتک یہ خشک ہو اگر تم دونوں اپنی شرارت سے باز نہ آؤ گی تو اسی سے مارونگا۔

مصطلق۔ خزیمہ بن سعد خزاعی کا لقب تھا۔ اُسکی خوش آوازی اور بلند آوازی کی وجہ سے اُسکا یہ لقب پڑ گیا تھا۔

اسی طرح اسلام میں ابوبکر پہلے خلیفہ کا لقب صدیق تھا۔ کیونکہ وہ بڑے سچے تھے۔

فاروق خلیفہ ثانی عمرؓ کا لقب ہے۔ اسوجہ سے کہ وہ حق و باطل میں فرق

کرتے تھے۔

ذوالنورین۔ عثمان بن عفان خلیفۂ ثالث کا لقب پڑا اس وجہ سے کہ انہوں نے رسول خدا کے دو بیٹوں سے عقد کیا تھا۔

حیدرۃ۔ چوتھے خلیفہ ابن ابی طالب کا لقب تھا۔ حدیث میں ہے انا مدینۃ العلم وحیدرۃ بابہا

خیط باطل۔ مروان بن الحکم (پانچواں خلیفہ امویہ) کا لقب تھا۔ اس سبب سے کہ یہ شخص لمبے قد کا آدمی تھا۔ اور ہاتھ پاؤں میں چلبل تھے۔ اور بدن دبلا تھا۔ خیط باطل ان ذرّوں کو کہتے ہیں جو آفتاب کی روشنی میں چمکتے نظر آتے ہیں۔ اور شاید اس تار کو بھی کہتے ہیں جسے مکڑی اپنے منہ سے نکال کے اپنا جال بناتی ہے۔ رسی مروان کی بابت ایک شاعر نے کہا ہے

لحی اللہ قوما ملکوا خیط باطل	خدا لعنت کرے اس قوم پر کہ جس نے
علی الناس یعطی من یشاء و یمنع	اس خیط باطل کو بادشاہ بنا دیا ہے

کہ جسکو چاہتا ہے دیتا ہے اور جسکو چاہتا ہے نہیں دیتا۔ اور حق کا لحاظ بالکل نہیں کرتا"

رشح الحجر۔ مروان کے بیٹے عبد الملک بن مروان (امویہ کا چھٹا خلیفہ) کا لقب تھا۔ اور ابو ذبان بھی۔ اس وجہ سے کہ بہت بخیل تھا۔

حمار۔ مروان بن محمد بن مروان (آخری خلیفہ بنی امیہ) کا لقب تھا۔ اس سبب کہ جب یہ بادشاہ ہوا تھا تو بنی امیہ کی سلطنت کو قریب ایک سو برس کے ہو گیا تھا۔ اور عرب میں دستور تھا کہ ہر سو برس کو حمار کہتے تھے۔ جیسا دہر کو حقب کہتے ہیں۔ اس وجہ سے مجازاً مروان کو بھی حمار کہنے لگے۔

عکاشۃ العسل۔ سعید بن عاص کا لقب تھا۔ چونکہ بہت حسین تھا

ذوالریاستین۔ فضل بن سہل کا لقب تھا۔ اس سبب سے کہ اس نے سیف و قلم دونوں کا خوب انتظام کیا تھا۔ یعنے لشکر کا بھی انتظام اعلیٰ درجہ کا تھا اور لیاقت

اور کچہریوں کا انتظام بھی بہت معقول تھا۔

کامل۔ سعید بن عبادہ کا لقب تہا۔ اس سبب کہ تیر اندازی اور فن خوشنویسی اور پیراکی میں اُسکو اعلیٰ درجہ کی دستگاہ تہی۔ اصبہانی نے لکھا ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں جسکو شاعری، خوشنویسی، پیراکی و تیر اندازی میں دستگاہ ہو اُسکو کامل کہتے تھے۔ مشہور رجز ہے من خط و عام و ضرم السہام فقد استکمل کل المفضل۔

طلحۃ الخیر۔ طلحۃ الفیض، طلحۃ الطلحات عبداللہ بن طلحہ کا لقب تھا۔ اس سبب سے کہ سخاوت اُسکی بے انتہا تہی۔

فیاض۔ حکم بن ربیعی کا لقب تھا۔ یہ بھی اُسکی جود و سخا کی وجہ سے۔

حبر۔ عبداللہ بن عباس کا لقب تہا۔ اسکا باعث انکا علمی کمال تھا۔

ذلیل لقبوں میں بھی بہت سے لقب ہیں۔ مثلاً اعمش۔ اعمی۔ اعرج۔ احول۔ افطس۔ اقرع وغیرہ۔ اور چونکہ لقب کا رواج عرب میں بہت تھا (جاہلیت کا زمانہ لیجیے یا اسلام کا) تو بہت ہی کم نام ایسے نکلینگے جنکے ساتھ لقب نہو۔

بہت سے عام لوگوں کا لقب بھی شرف الدین۔ عز الدین۔ تاج الدین سیف الدین وغیرہ ہوا ہے۔ حالانکہ اُنمیں کسی طرح کی دینداری نہ تہی۔ بلکہ برخلاف اسکے بے دینی تھی۔

کنیت۔ کنیت بھی القاب کیطرح عرب میں رائج تہی۔ مگر ایک گونہ لقب اور کنیت میں یہ فرق ہے کہ چھوٹے آدمی کو کسی بزرگ کے سامنے لقب سے تو پکار سکتے ہیں مگر کنیت سے نہیں پکار سکتے خصوصاً خلفا کے سامنے اور اگر کوئی کسی کو ابو فلاں کہکے پکارتا تو سخت بے ادبی سمجہا جاتا تھا۔ اکثر [illegible] کھلوا دیا جاتا تھا۔ لیکن اگر بزرگ اور عالی مرتبہ لوگ کسی ادنیٰ آدمی کو اُسکی کنیت سے مخاطب کرتے۔ اس سے وہ شخص اپنا اعزاز اور اُس بزرگ کی بڑی عنایت اور مہربانی سمجھتا۔

کنیت کا طریقہ یہ ہے کہ مرد کو تو اسکے بیٹے کے نام سے مخاطب کرتے تھے۔ اور عورت کو بھی اُسکے بیٹے ہی کے نام سے۔ ابو زید۔ اور ام عمر۔ اور اگر کسی لاولد کی کوئی کنیت رکھتے تھے۔ تو اس سے مقصود تفاؤل ہوتا تھا۔ یعنے یہ شخص اتنا زندہ رہے کہ اُسکے گھر میں لڑکا پیدا ہو۔

کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ خود اُسی شخص کی کسی مناسبت سے کنیت مقرر کیجاتی تھی۔ مثلاً ابو لہب (چونکہ اس شخص کے رخسارے دہکتے انگارے کی طرح سے سرخ تھے اسوجہ سے اسکو ابولہب کہا گیا) امام ابن ابیطالبؑ کی کنیت ابوتراب ہوئی۔ اسوجہ کہ جنگ ذوالعشیرہ میں آپ خاک ہی پر سورہے تھے۔

ابوہریرہؓ کی وجہ کنیت یہ تھی کہ اُنکو چھوٹے پنے میں بلّی کے بچے کا بڑا شوق تھا۔ اور اب اسقدر یہ کنیت مشہور ہوگئی کہ نام اُن کا کوئی جانتا بھی نہیں۔

بڑے سر والے کو ابو الرأس۔ اور بڑے عمامے والے کو ابو العمامہ کہتے ہیں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ لڑکی کے نام سے کنیت رکھی جائے۔ اور اسمیں کوئی مضایقہ نہیں ہے۔ اس سبب سے کہ حضرت عثمانؓ کی کنیت ابولیلی تھی۔ اور تمیم داری کی کنیت ابو امامہ اور ابو رقیہ۔ مقداد بن معد کی کنیت ابی کریمہ مسروق بن اجدع کی کنیت ابو عائشہ تھی۔

کنیت کا انحصار کچھ آدمیوں ہی میں نہیں ہے۔ بلکہ کھانے پینے کی چیزوں کی بھی کنیت رکھی جاتی ہے۔ (دیکھو پانچویں مقالہ کی تیسری فصل) اور ہم آئندہ ہم حیوانات کی کنیت کا ذکر کرینگے۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ کنیت کا رواج سوائے عرب کے اور کہیں نہ تھا۔ عرب اپنی کنیت کو باعث فخر سمجھتے تھے۔ شاعر کہتا ہے۔

أُكنّيه حين أناديه لأكرمه	میں اسکو کنیت سے پکارتا ہوں تاکہ

ولا القبہ والسود داللقب | اُسکا اکرام کروں اور اُسکا لقب کہکے نہیں پکارتا ہوں۔ حالانکہ لقب ایک قسم کی شرافت ہے۔"

تحیتہ۔ عربی کتب آداب سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں جب کوئی شخص کسی بادشاہ کے پاس جاتا تو اُسکے سامنے زمین کو بوسہ دیتا۔ اور چھوٹا چھوٹا اپنے بڑے کی دست بوسی کرتا۔ اور اپنے چھوٹے کو خواہ سن میں چھوٹا ہو یا رتبہ میں۔ دونوں آنکھوں کے بیچ میں بوسہ دیتا۔

تحیہ (سلام) میں بادشاہ کو ابیت اللعن کہتا۔ (یعنے تو بہت بڑی ہے اس بات سے کہ کوئی ایسا کام کرے جس سے لعنت کا مستحق ٹھیرے) اور یہ فقرہ اُنکے ہاں ایسا معزز سمجھا جاتا تھا۔ کہ سوائے بادشاہ کے اور کوئی اسکا مستحق نہ تھا یہانتک اہتمام اس لفظ کا تھا کہ جب کوئی رئیس قوم یا امیر اور بادشاہ ہوتا تو کہتے فلان نال التحیۃ یعنے فلاں شخص کو تحیہ کا استحقاق ہو گیا۔

عام تحیوں (سلاموں) کا طریقہ یہ تھا کہ جب کسی سے ملاقات ہوتی تھی تو کہتے تھے۔ صبحك الا فلاح وکل طیر صالح۔ یا صبحك الاغرۃ وطیب الاطعمۃ یا انعم صباحا یا عم صباحا۔ یعنے تیرا عیش صبح کے وقت خوش رہا۔ اور لفظ صبح یا صباح (ایک ہی چیز ہے) کی تخصیص کی یہ وجہ تھی کہ عرب میں اکثر لوٹ پاٹ کا وقت صبح ہی ہوتا تھا۔ اور ڈاکہ اسی وقت پڑتا تھا۔

عرب اپنے اشعار میں اطلال (اپنے مکانات کے ٹیلے) پر تحیہ (سلام) کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ امرأ القیس کہتا ہے ع

الا انعم صباحا ایہا الطلل البالی

اور ایک طریقہ تحیہ اطلال کا یہ بھی تھا کہ اُسکے واسطے دعائے باران کرتے تھے۔ اسوجہ سے کہ بارش اُنکے ہاں بہت بڑی رحمت تھی۔ کیونکہ اُس سے گھاس پیدا ہوتے تھے اور اُن کے مویشیوں کی زندگی کا سہارا

بنتی تھی۔ اور جسطرح آدمی سے ملاقات کے وقت تحیہ کرتے تھے اُسی طرح اطلال پر بھی سلام کرتے تھے۔ اور السلام علیک سے اُسکو مخاطب کرتے تھے جیسا کہ شاعر کہتا ہے۔

الا یا نخلۃ من ذات عرق	آگاہ ہو لے ذات عرق کے تختے تجھپر خدا کی
علیک ورحمۃ اللہ السلام	رحمت اور سلام ہو۔

جب کسی آدمی کو السلام علیکم سے خطاب کرتے تو وہ شخص بھی جواب میں اُسی لفظ کو منعکس کر کے وعلیکم السلام جواب دیتا تھا۔ لفظ کُم اگرچہ جمع کیواسطے استعمال ہوتا ہے مگر تعظیما واحد کو بھی کُم کے لفظ سے تعبیر کرنا جائز ہے۔

عرب کی مثلوں میں یہ فقرہ بھی ہے کہ احل من تسلید علی طلل یعنے فلاں چیز ایسی بے فائدہ ہے جیسے اطلال کو سلام کرنا۔

لطیفہ۔ ایک شخص نے کسی اعرابی کو سلام کیا اور کہا السلام علیک اُس نے جواب میں کہا وعلیک الجنجاث۔ پوچھا بھائی یہ کیسا جواب ہے اُس نے جواب دیا سلام اور جنجاث دونوں نہایت کڑوے درخت ہیں جیسے تو نے میرے اوپر سلام رکھا۔ میں نے بھی تیرے اوپر جنجاث رکھا۔ دونوں برابر برابر ہو گئے۔

مسلمانوں نے بھی یہی طریقہ اپنے ہاں کا رکھا۔ جب ایک دوسرے سے ملاقات کرتا ہے تو السلام علیک کہتا ہے اور اُسکو اپنے نبیؐ کی سنت سمجھتا ہے۔

اسی سلام سے خلفا کو مخاطب کرتے تھے اور کہتے تھے السلام علیک یا امیر المؤمنین ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ یعنے تیرے مال و دولت۔ دین عقل۔ جان آبرو۔ اہل وعیال کی سلامتی رہے۔ اور سورہ طہٰ میں ہے کہ سلام ہو اُس شخص پر جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ یعنے جس نے اتباع حکم خدا کیا۔ وہ عذاب سے محفوظ اور سالم رہا۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ مسلمان لوگ بھی اسی طریقہ کو

مستحب سمجھتے ہیں اور اسمیں کسی وقت کی تخصیص نہیں ہے۔ رات ہو خواہ دن ہو صبح ہو خواہ شام ہو۔ ہر وقت ہی السلام علیکم کا استعمال سنت سمجھتے ہیں اور غیر مسلمان کو السلام علیکم نہیں کہتے۔ اور نہ اُسکو موقع اور اجازت دیتے ہیں کہ وہ انکو السلام علیکم کہے۔

اسی سلام سے ایک مثل بھی بنی ہے الف دُق دُق والسلام علیک دُق دُق دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز کو کہتے ہیں۔ یعنے ہزاروں شب کے مہمان دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں اور منتظر رہتے ہیں یہانتک کہ دروازہ کھولا جاتا ہے۔ اور کوئی بھی شب کا مہمان ایسا نہیں ہوتا کہ آتا ہو اور دروازہ کھلا رہتا ہو اور وہ بے تکلف گھر میں آجائے۔ جیسا کہ شاعر کہتا ہے۔

اعلقوا بابکم مخافۃ واش	چغلخوروں کے ڈر سے دروازہ بند کئے
الف دق دق والسلام علیکم	رہو گو ہزار دق دق ہو۔ اور سلام علیکم

تک نہ کہو۔

عرب کے جملوں میں سے مشہور جملہ ہے حدثتہ بالقصۃ من لدن قدق الی السلام علیک یعنے اپنے مہمان سے اُسوقت سے باتیں کرتا رہا جب سے اُس نے دروازہ کھلوایا اُسوقت تک کہ اُس نے السلام علیک کہا اور رخصت ہوا۔

علاوہ اس سلام کے عام سلاموں کا ایک یہ بھی طریقہ ہے کہ جب صبح کو ملاقات ہوتی ہے تو کہتے ہیں اسعد اللہ صباحکم یا اللہ یصبحکم بالخیر اور دوپہر کے وقت نہارکم سعید اور ظہر کے وقت اوقاتکم سعیدۃ اور عصر سے غروب تک اللہ یمسیکم بالخیر اور غروب سے رات بھر تک لیلتکم سعیدۃ۔

استقبال ۔ سلاموں میں ایک یہ بھی رواج ہے کہ جب کوئی اُنکی ملاقات کو آتا ہے تو اُسکی تعظیم کے واسطے اُٹھ کر کھڑے ہوتے ہیں

اور کبھی چند قدم آگے بڑھ کے اسکو لے آتے اور اپنے پہلو میں یا اپنے سے
بالا دست بٹھلاتے ہیں اور خود اسکی تعظیم و تکریم کے لحاظ سے دست بستہ
اسکے سامنے بیٹھتے ہیں۔ مگر بشرطیکہ وہ شخص مسلمان بھی ہو۔ اور بالعموم
مسلمانوں میں یہ ایک نہایت عمدہ عادت ہے کہ ملاقات کے واسطے
آنے والے کے ساتھ بہت خوشی اور مہربانی سے پیش آیا کرتے ہیں۔
پہلے سے پہچانتے ہوں یا نہ پہچانتے ہوں۔ مسلمان ہو یا کافر ہو۔ دوست
ہو یا دشمن ہو۔ اور آنے والے سے اسکی مفارقت کی شکایت اور اسکی ملاقات
کا اشتیاق اور اسکے آنے کی خوشی کا اظہار اور اسکی نیاز مندی سے مسرت
کا حصول اور اسباب کا انتہا ہر کہ جو کچھ آپکا کام ہو میں حاضر ہوں اسکے
انجام دینے کو۔ اور جہاں تک ہو سکتا ہے آپ اسکی خوشی کی
ممکن کوشش میں [illegible] اگر وہ لائق و فائق آدمی ہے تو چاہے وہ کیسا ہی
چھوٹے ہوں اور [illegible] آپ سے خوش [illegible] ہیں۔ آپ بہت [illegible]
ہیں آپ بہت روشن ضمیر ہیں وغیرہ بیان کرتے ہیں۔ اور اسمیں کوئی فرق
اور مسلمان کا نہیں کرتے۔ ہاں اگر کچھ فرق ہوتا ہے تو تقویٰ اور دینداری
اور فضیلت علمی کا لحاظ نہیں کرتے۔ اور اگر اس شخص کے قبیلے والوں سے
اور صاحب مکان سے [illegible] ہے تو کہتے ہیں کہ ہم آپکو انہیں سے
نہیں سمجھتے کیونکہ [illegible] ظاہر کردی ہے کہ انمیں اور آپ
میں بڑا فرق ہے [illegible] آپکی مدارات کرتے ہیں۔

جلوس (عرب کی نشست کا طریقہ)

عرب کی نشست کا ایک خاص طریقہ ہے کہ جہاں ہونگے اسی طریق
بیٹھیں گے۔ اور چونکہ اکثر اپنے خیموں میں بیٹھتے تھے جنمیں دیواریں
نہ ہوتی تھیں کہ اس پر ٹیک کر سکیں۔ تو یوں بیٹھتے تھے کہ گھٹنے تو زمین پر
لگا دیتے تھے [illegible] بیٹھے اور اوپر سے ہاتھ رکھکے

بیٹھے۔ اور کبھی گھٹنوں میں کوئی کپڑا لپیٹ لیتے۔ یا دونوں گھٹنوں کو دونوں بغل میں رکھتے۔ اور یہی اُنکے تکیہ کے قائم مقام ہوجاتا۔

بعض اہل لغت نے لکھا ہے کہ اس نشست کا یہ طریقہ ہے کہ دونوں ہاتھ بغل میں رکھکے اور گھٹنوں کو پیٹ سے چپکا کے بیٹھتے ہیں۔ یہ طریقہ بدوی عربوں کا ہے۔ اور اسکو قرفصا کہتے ہیں۔

اعراب کی ایک نشست اور بھی ہے جسے حبوہ کہتے ہیں۔ اسکا طریقہ یہ ہے کہ گھٹنے کھڑے کرکے اور پیٹ سے چپکا کے بیٹھتے ہیں اور کبھی دونوں ہاتھ گھٹنوں کے گرد ڈالکر پھر ایک ہاتھ کو دوسرے سے پکڑ لیتے تھے۔ اور جب کسی شخص کے بیٹھنے یا اُٹھنے کو بتانا چاہتے تو کہتے فلان حل حبوتہ یعنے کھڑا ہوگیا۔ و عقد حبوتہ یعنے بیٹھ گیا۔

مگر شہری عربوں کی نشست کے طریقے مختلف ہیں اور اسکے آداب بہت سے مقرر کئے جنہیں محفلوں میں اور بزرگوں کی صحبتوں کے وقت برتتے ہیں۔

منجملہ اُنکے ایک طریقہ تربیع (چار زانو) بیٹھنے کا ہے۔ اسکا طریقہ یہ ہے کہ اپنے تمام کپڑوں کو سمیٹ لیتے ہیں اور دونوں گھٹنے دہرے کرکے زمین پر لٹا دیتے ہیں۔ اور بائیں پاؤں داہنے زانو کے نیچے اور داہنا پاؤں بائیں زانو کے نیچے رہتا ہے۔ پیٹھ کے سہارے سے بیٹھتے ہیں۔ اس طریقے میں یہ ہوتا ہے کہ تمام حاضرین کا برابر سامنا رہتا ہے۔

دوسرا طریقہ ڈیڑھ زانو کا ہے۔ اسکا طریقہ یہ ہے کہ ایک زانو تو زمین پر بچھا رہتا ہے اور دوسرا کھڑا۔ لیکن اسمیں اسکا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ جس طرف کا گھٹنا کھڑا ہو اس طرف کوئی بزرگ نہ بیٹھا ہو۔

تیسرا طریقہ دو زانو کا ہے۔ یہ نشست بڑی تعظیم کی مانی جاتی ہے۔ اسمیں دونوں گھٹنے سامنے سے زمین پر ٹیک دیتے ہیں۔ اور دونوں پاؤں اپنے پیچھے بچھا لیتے ہیں

بہر حال نشست کی انتہائی تعظیم یہ ہے کہ پاؤں ہر طرح سے چھپا رہے۔ اور قدم کے نشانات کی کوئی چیز دکھلائی نہ دے۔

اُنکی عبادات میں سے یہ بھی تھا کہ کبھی چھوٹا بڑے کے سامنے بغیر اجازت نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ اور وہ بھی جبتک تین مرتبہ زبان یا اشارے سے نہ اجازت دے ممکن نہیں تھا۔

اور کسی شخص کا مجلس میں جوتا پہنے ہوئے چلا جانا۔ یا بیٹھنے کے بعد پاؤں پھیلا دینے یا ایک پاؤں پر دوسرا پاؤں رکھنا سخت بے ادبی اور چھچھورا پن سمجھا جاتا تھا۔

زائر (ملاقات کے واسطے آنیوالے کی خاطرداری)

زائر جسوقت بیٹھ جاتا تھا تو بدویوں میں یہ دستور تھا کہ کچھ نہ کچھ کھانیکی قسم سے اُسکے سامنے ضرور پیش کرتے تھے۔ (ہم اسکے متعلق آئندہ مقامے میں ذکر کرینگے) مگر شہریوں میں کھانا پیش کرنے کا سوائے ولیمہ اور خاص دعوتوں کے دستور نہیں تھا۔ البتہ جب وہ مہمان آیا ہو تو ضرور ہی کھانا حاضر کیا جاتا تھا۔

اور مکرر آنے جانے والوں کا اکرام یہ تھا۔ کہ کسی قسم کے تکلفات خواہ حلوا وغیرہ یا میٹھی چیز۔ یا قہوہ یا حقہ حاضر کیا جائے۔ اس رسم میں تمام شہری لوگوں کا بھی دستور تھا۔ فقط فرق یہ ہوتا تھا کہ جو زیادہ معزز ہیں اُسکے سامنے پہلے پیش کرتے تھے اور اُسکے کم درجہ والے کے سامنے پیچھے۔

زائر کی تشییع۔ جب زائر جانے لگتا تھا تو جسطرح اُس کے آنے میں اُٹھے تھے اُسی طرح اُسکے جانے میں اُٹھینگے۔ اور وہ ایک منٹ کھڑے ہو کے ایک دوسرے کی دوبارہ ملاقات کے اشتیاق۔ اور اُسکی بالفعل جدائی کے صدمے کا اظہار کرتے تھے۔ اور اگر کوئی باحیثیت ہوا تو

کچھ دور تک اُسکے ساتھ رخصت کرنے کے واسطے جاتے تھے۔ اور اُس سے دوبارہ آنے کی درخواست کرتے تھے اور کہتے تھے کہ برابر تشریف لایا کیجئے گا۔ اور اپنی زیارت کو بیضۃ الدیک (مرغ کا انڈا) نہ کر دیجئے گا (کیونکہ عرب کا خیال تھا کہ مرغ بھی عمر بھر میں ایک انڈا کسی نہ کسی وقت ضرور دیتا ہے) ابو العتاہیہ کہتا ہے۔

"یا اطیب الناس ریقا غیر مختبر	اے میری معشوقہ جسکا آب دہن
اولا شہادۃ اطراف المساویک	نہایت لطیف اور طیب ہے جسکا
قد زرتنا مرۃ فی الدھر واحدۃ	امتحان ہرگز نہیں ہوسکتا تھا اگر مسواکیں
ثنی ولا تجعلیہا بیضۃ الدیک	گواہی نہ دیتیں تو نے بس ایک

ہی مرتبہ تو میری ملاقات کی پھر دوبارہ بھی اپنی ملاقات سے مشرف اور زیارت کو بیضۂ دیک نہ بناوے"۔

حالانکہ حدیث[ل] میں ہے کہ ایک دن بیچ دیکے ملاقات کیا کرو۔ تو محبت زیادہ ہوگی۔ اور عشق و محبت کا جوش مفارقت ہی کے بعد پیدا ہوتا ہے۔

یعنے جب عاشق اپنے محبوب سے جدا ہوتا ہے تبھی محبت زیادہ زیادہ ہوتی ہے۔ کیونکہ جس کو دن رات دیکھا کرتے ہیں اُسکا اشتیاق کیا ہوسکتا ہے۔ وہ تو ایسا ہے جیسے گھر کی مرغی دال برابر۔ اسی وجہ سے اسکی وہ قدر نہیں باقی رہتی۔ جیسا کہ حارث بن حلزہ یشکری کہتا ہے۔

اذنتنا ببینہا اسماء	"اسماء نے مجھکو اپنے فراق کی خبر سنائی اور یہ مجھپر
رب ثاو یمل منہ الثواء	شاق ہے کیونکہ جو ہر دم کا پاس بیٹھنے والا ہو

لھ ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ یہ حدیث شاید ... اور ... عرب ... کے اثر سے ملاقات میں ... مفارقت نہیں ہے آنکا اصرار یا ... پیدا ... شاید ... کہ ... آیا ... ملاقات کیا کریں ... ایک قسم کی بیزاری اور خوشی کا اظہار۔ مگر مصنف صاحب خوب سمجھے۔ (م)

اُسکی ہر وقت کی حاضری کسی وقت ناگوار بھی ہوتی ہے۔ اور یہ بیچاری تو کبھی کبھی ملتی ہے اسوجہ سے انکی جدائی ناگوار ہے"۔

مسافروں کی تشییع۔ جب کوئی شخص سفر کو جانے لگتا تو اسکی رخصت کے وقت کہتے شاعکم السلام یا شاعکم اللہ بالسلام یعنے خدا تعالیٰ سلامتی کو تمہارے پیچھے بھیجے اور تمہارے ساتھ رکھے۔ یہ دونوں فقرے السلام علیکم کے مقابلے کے ہیں۔ آنیکے وقت تو السلام علیکم کہتا تھا اور جانیکے وقت شاعکم السلام اور یوں بھی کہتے تھے سر علی الطائر المیمون ونوالک اللہ یعنے مبارک طائر کے ساتھ سفر کر اور خدا تیرا ساتھ دے۔

اور آپ کے شہری عرب یوں کہتے ہیں مع السلامۃ انتم تشرفتم وحلتم البرکات ویلفکم اللہ السلامۃ ونرجوک ان تسلم علی الاصحاب وان تطمنا بوصولک بالسلامۃ۔

جلسہ کے آداب۔ عرب کے جلسوں کی نشست کے آداب میں سے یہ ہے کہ جب کوئی چھینکے تو بیٹھنے والے تشمیت کہتے ہیں (یہ لفظ شین اور سین دونوں سے استعمال ہوا ہے۔ تشمیت کے معنے اجتماع کے ہیں تشمت الابل کے معنے ہیں کہ سب اونٹ چراگاہ میں جمع ہو گئے اور تشمیت کے معنے یہ ہیں کہ خدا تعالےٰ نے تجکو اچھی علامت دیوے) تشمیت کا طریقہ یہ ہے کہ حاضرین رحمک کہتے ہیں اسکے جواب چھینکنے والا کہتا ہے نحن وانتم وجماعۃ المسلمین۔

اور جو شخص پانی پیتے اسکو کہتے ہیں ھنیئاً مگر جب وہ شخص پانی پی کے جب جلسہ میں کبیرت نشین تو وہ بھی دوبارہ ہنیئاً کے جواب میں اپنا ہاتھ سر پر رکھتے ہوئے کہتا ہے ہنأکم اللہ۔

اور جب بچے کو جمائی آتی تھی تو کہتے تھے طال عمرک وحلق رأسک

حلقۃ بعد حلقۃ کہ شہریوں کے جلسہ میں جماہی لینا عیب میں داخل ہے۔ اگر کسی کو جماہی آجائے تو وہ منہ پھیر کر رکھ لے اور منہ پھرا سے یا رومال سے منہ چھپا لے اور جب اُس سے فراغت ہو تو استغفار پڑھے۔

جب کوئی سر منڈوا چکتا ہے یا غسل کرتا ہے یا سو کے اُٹھتا ہے تو کہتے نعیما اور وہ جواب دیتا ہے اللہ ینعم علیک۔

اور جب کوئی پھسل جاتا تو بلند سے کہتے لعا۔ یہ ان کی مجمع الامثال میں ہے لعا لک عالیا۔ یا لعل لک یہ ایک دعا ہے۔ مجمل بن حزن حارث کہتا ہے۔

لنا قحمۃ ذو رأة حمت بلادنا ... متی یرها الشاوی یلج به وجل
یدار بها منا بہم ہم بہم قحمۃ ... یقلن من ادرکن تعسا ولا لعل

در ة الغواص میں حریری نے لکھا ہے کہ نعش کا لفظ بد دعا ہے یعنی یہ شخص جو پھسل کے گر پڑا ہے اب نہ اُٹھے۔ اور لعا کا لفظ دعا ہے۔ اعشی نے کہا ہے۔

بذات لوث عفرناة اذا عثرت	فالتعس ادنی لها من ان اقول لعا

"یعنی جبکہ ذات لوث پھسل کر گر پڑے تو بجائے لعا کہنے کے بہتر ہوگا کہ اسکو تعس کہوں"۔

مگر ہمارے زمانے میں تو جو کوئی پھسل کے گر پڑے اُسکو اٹھاتے ہیں یا کسی نبی کا نام لیتے ہیں۔ یا کسی ولی خدا کا۔

اور جب کوئی نئے کپڑے پہنے اُسکو کہتے ہیں ابلیتہ جدید یا ابلیت تملیت حمیدا یعنی نہ تیری جیب ہمیشہ بھری رہے اور تو اُس سے ہمیشہ نفع پائے۔

کسی کو خوشی کی خبر سنانا چاہتے ہیں تو پہلے کہتے ہیں بشرک اللہ بالخیر۔ اور جب کوئی شخص کسی مقصد پر کامیاب ہو تو کہتے ہیں نعم اللہ بک عینا

عیناك بعینك یعنے تیری وجہ سے تیرے دوستوں کی آنکھیں خنک ہوں
اور تیری آنکھیں تیرے دوستوں کیوجہ سے خنک ہوں۔

اصمعی نے لکھا ہے کہ اقر اللہ عینك کے معنے یہ ہیں کہ خدا تیرے
آنسوؤں کو ٹھنڈا رکھے۔ یعنے تجھے بہت خوش رکھے۔ کیونکہ عرب کا
خیال ہے کہ خوشی کا آنسو ٹھنڈا ہوتا ہے اور غم کا آنسو گرم ہوتا ہے۔ اور
شیبانی نے اسکے معنے یوں لکھے ہیں کہ تجھے آرام کی نیند آئے۔ اور
راتوں کی بیداری تجھسے دفع ہو۔ یعنے کوئی غم و فکر تجھے لاحق نہو۔ اسکے
علاوہ اور بھی معنے کئے گئے ہیں۔ مگر یہ دو قریب الصواب ہیں۔

جب کسی کا کلام زیادہ پسند آتا ہے تو کہتے ہیں لا فض فوك
یعنے تیرے دانت جوں کے توں ثابت رہیں اور ایک بھی نہ ٹوٹے۔
اور کبھی لا اسد فوك تیرا منہ کبھی بند نہ ہو۔ اور کبھی لا کان من
یشنوك یعنے کوئی تجھے کبھی بغض نہ رکھے۔

اور جب کسی کا کوئی فعل بھلا لگتا ہے تو اسکو کہتے ہیں لا شلت یداك
یا لا شلت یمینك یا الیمنت یا حیاك اللہ یا حیا اللہ وجهك
یا حیاك و بیاك (بیاك کے معنے مالک کرے تجکو خدا۔ بیاك کے معنے
محبت سے تجھپر اعتنا کرے) یا بیض اللہ وجهك۔ اور مولدین کے
استعمال میں اس موقع پر بورك فيك من طلا كما بورك فی لا ولا۔

یہ کلام ابوالقاسم حریری کا ہے اپنے مقامہ حلبیہ میں کہا ہے اسکے
معنے یہ ہوئے کہ خدا تعالی تجھ میں برکت دے جیسی برکت اس درخت مبارک
زیتون میں دی کہ جو نہ شرقی ہے نہ غربی۔ (ترجمہ آیت قرآنیہ)

شارحین نے لکھا ہے کہ اصل اس دعا کی یوں ہے کہ ایک شخص
ابو حنیفہ کے پاس آیا۔ اعرابی تھا۔ اس نے پوچھا ابواہ اور ابو ابیہ۔ ابو حنیفہ
نے جواب دیا ابو ابیہ۔ اعرابی نے تشہد کو پوچھا تو کہا ... اور وہ بیان [illegible]

یا دو واو۔ جب جواب پا چکا تو یہی دعا دی جو پہلے مذکور ہوئی۔

بعض اہل لغت نے لکھا ہے کہ تورک فیک بد دعا کا کلمہ ہے۔ دعا نہیں ہے اور اکثر اُن کے کلام میں بد دعا کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

جب کسی کو دعا دینی چاہتے ہیں تو کہتے ہیں لیطب عیشتك یعنے تو خوش عیش رہے۔ یا رشد نا امرك والله درك وغیرہ

اور مسافر کو دعا دیتے ہیں کہتے ہیں غیل ماھو علله یعنے جس چیز غالب ہونیوالا ہے غالب ہو جائے۔ دعائیہ کلمات میں سے اسعدك ولا عدمتك۔ رحم الله مجالك۔

اور اسلامی دعا یہ ہے۔ رحمك الله۔ رحم الله آبائك۔ دوسرا شخص جواب میں کہتا ہے نحن وانتم وعامة المسلمین منجملہ دعا کے یہ بھی ہے اکثر الله جیرفان بیتك یعنے تیرے گھر میں چولہے بہت ہیں مطلب یہ ہے کہ تیرے مکان میں غلہ زیادہ آوے جس سے چولہے بھی زیادہ ہوں۔ حوجالك یعنے تجھے سلامتی ہو۔ رنق الله قذاتك یعنے تیری آنکھ میں خاک نہ پڑے یا رضی الله عنك اور عام لوگ عنك کی جگہ علیك کہتے ہیں۔ حالانکہ علیك سے بد دعا ہوتی ہے۔ بلغ الله بك اکلا العمر یعنے تیری عمر دراز ہو۔ انساہ الله یعنے دیر تک تو زندہ رہے کیونکہ نسا کے معنے تاخیر کے ہیں اور متاخرین کے کلام میں ہے فسح الله فی اجلك یا اطال الله تماءك۔

اور جب کسی بزرگ سے اظہار محبت مقصود ہو اور تعظیم بھی ملحوظ ہو تو کہتے ہیں فدیتك۔ جعلت فداك (میں تجھپر فدا ہوں) اس کہنے سے گویا یہ مقصود ہے کہ تیری قدر میرے نزدیک اتنی ہے کہ میں اپنی جان تجھپر فدا کرنے کو تیار ہوں چاہے کیسی ہی بلا کیوں نہ ہو۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ فقط بد وجی۔ بابی وامی انت پر اکتفا کرتے۔ مگر معنے اسکے بھی یہی ہیں

کہ اُس شخص کی روح یا ماں باپ تجھ پر فدا ہوں۔

اظہار محبت کے مقام پر لی الشیء افم سوادک بھی کہتے ہیں۔
یہ جملہ شجاعت کے مقام پر استعمال کیا جاتا ہے جبکہ کسی قدر خوف کے آثار مخاطب سے ظاہر ہوں۔ مراد اس سے یہ ہے کہ تو ثابت قدم رہ۔ اور شر میرے لئے ہو نہ تیرے لئے۔

ابیت اللعن اس کے واسطے استعمال کیا جاتا ہے جبکہ کسی کام پر آمادہ کرنا مقصود ہو۔ خلافاً ذم تعزیت کے مقام پر استعمال ہوتا ہے جاوزک الذم (یعنے کبھی تیرے پاس مذمت نہ آئے) شاعر کہتا ہے۔

فشاتک وانقی فخلاک ذم	"جو تیرا جی چاہے وہ کر اور مذمت
ولا ارجع الی اھلی و مالی	تیرے پاس نہ پھٹکے اور میں تو اب جاتا

ہوں اور کبھی اپنے اہل و عیال و مال و منال میں نہ آؤں گا۔"

خوشامد کے موقع پر قعدّ تک اللہ یا قعیدک اللہ (میں تجھکو خدا کی قسم دیتا ہوں) استعمال کرتے تھے۔ بعض اہل ادب نے لکھا ہے۔ اس جملے کے معنے یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ تیرے پاس موجود رہے۔ اور تیری حفاظت کرے۔

اور عمرک اللہ (خدا سے میں سوال کرتا ہوں کہ تیری عمر دراز کرے) ناشدتک اللہ الا فعلت (تجکو قسم دیتا ہوں کہ اس کام کو کرو) علی رسلک (مجھ پر نرمی اور ملاطفت کرو۔) حنانیک (مجھ پر مہربانی کرتے رہو) اتبع الفرس لجامھا۔ والناقۃ زمامھا والدلو رشاءھا۔ (گھوڑے کی لگام اونٹ کی مہار۔ ڈول کی رسی کی موافقت کرو۔) جس سے مطلب یہ ہوتا تھا کہ اس نیک کام کو پورا کرو۔

استغاثہ کے مقام پر یا لفلان (فلاں کے مقام اس شخص کا نام لیتے تھے۔) کہتے تھے۔ اور جب اپنا نام ظاہر کرنا چاہتے تھے تو کہتے تھے کہ

انا فلان ابن فلان ابن فلان یعنے اپنے باپ دادا کا نام بھی لیتے تھے۔ جب سے اپنا شرف ظاہر کرنا چاہتے تھے۔ مگر اسلام نے اس طریق سے ممانعت کر دی ہے۔ حدیث میں ہے من تعزّی بعزاء الجاھلیة فاعضوہ بھن ابیہ ولا تکنوہ۔ جو شخص مثل زمانہ جاہلیت کے اپنے باپ دادا کیطرف اپنی نسبت ظاہر کیا کرے تو اسکے سامنے اسکے باپ کا خایہ دیدو اور کنایہ نہ کرو۔ یعنے اسکی مذمت کرو اور اس فعل کو برا ظاہر کردو۔ جو کوئی مکان بناتا تھا۔ اسکے واسطے بالآیہ کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا اسکی اصل یہ ہے کہ جب کوئی شخص شادی کرکے بیوی اپنی اپنے مکان میں لاتا تو اسکے پلنگ پر ایک قبہ نما کوئی چیز بنا دیتا جسکے اندر دونوں آرام کرتے تھے۔ (دیکھو تیسرے مقالہ کی چوتھی فصل)

نعم عوفك (خوش رہے تیرا دل یا اچھی بنی رہے تیری شان) شادی کی مبارکبادی میں بالرفاء والبنین استعمال کیا جاتا ہے۔ ایک شخص نے کسی کی شادی کی مبارکبادمیں بالرفاء والثبات والبنین والبنات کہا تھا جسکا مطلب یہ ہے کہ جوڑا ملا رہے اور طلاق کی نوبت نہ آئے۔ اور کثرت سے اولاد ہو جسمیں لڑکے لڑکیاں دونوں ہوں۔ مگر متاخرین کی استعمال یہ ہے۔ کہ شادی کی سبارکبادی میں مبارک ما عملت ربنا تعالی یھنئك وان شاء الله قرين التوفيق وتنظر الخير وجعله الله عرسا مقرونا بالهناء والسرور۔ وغیرہ کہتے ہیں۔

اور ولادت کی مبارکبادی میں مبارك ما جاءك يد بي بدلالك وجعله الله من طويلي الاعمار وان شاء الله تفرح منه وتزوج اولادہ درة الغواص میں لکھتے ہیں کہ جب کسی عرب کے گھر میں لڑکی پیدا ہوتی تو اسکی مبارکبادی میں هنيئا لك النافجة (مبارک ہو تجھے تیرے مال کی زیادہ کرنے والی) کہتے تھے۔ (دیکھو تیسرے مقالے کی چوتھی فصل)

عید کے دنوں کی ملاقات میں جو ایک دوسرے کے مکان پر جاتا ہی تو انتم بخیر احیاکم اللہ لکل عام کہتے ہیں۔ اگر وہ شخص جسکی ملاقات کو گئے ہیں بن بیاہا ہو۔ تو فی السنۃ القادمۃ نتشوفک عریسًا۔ کہتے ہیں۔ اور اگر بیاہا ہوا ہے اور کوئی بچہ نہیں ہے تو کلمہ ملاقاتیہ یہ کہتے ہیں فی السنۃ القادمۃ یکون عندک غلام اور عید الضحیٰ میں خاصکر کہتے ہیں السنۃ القادمۃ فی عرفات اور اگر وہ مسافر ہوتے تو السنۃ القادمۃ فی الاوطان مع جبر الخاطر۔ انشاء اللہ کہتے تھے

جب کسی مریض کی عیادت کو جاتے تو الفاظ ذیل کہتے ہیں مصح اللہ ما بک (خدا تیرے تمام امراض لاحقہ کو دور کرے) اور متاخرین کے استعمال میں زال الباس شفاک اللہ وعافاک یا یہ کہ اجرا وعافیۃ یعنے خدا تعالیٰ اس مرض کی تکلیف کے معاوضہ میں ثواب اور جلد صحت دے۔

جب کسی کی تعزیت اور ماتم پرسی کرتے ہیں تو عظم اللہ اجرکم و قاطع الاسواء عنکم و ربنا لا یبقی یکدر لکم خاطرا و یجعل العوض بسلامتکم وغیرہ کلمات تسکین آمیز کہتے ہیں۔

اگر کوئی بچہ مر گیا ہے اور اُسکے باپ کو تعزیت دینے گئے ہیں تو ربنا اجعلہ لنا فرطا کہتے ہیں۔ اور ماتم دار اُسکے جواب میں ویسے ہی کلمات کہتا ہے جو تعزیت دینے والے کے کلام کے موافق ہو۔

حکایت۔ ابو الولید احمد بن عبد اللہ بن غالب بن زیدون مخزومی اندلسی (جسکی ولادت شہر قرطبہ میں ۳۹۴ھ ہجری مطابق ۱۰۰۳ء میں ہوئی تھی) ایک دن اپنے کسی عزیز کی قبر پر غمگین کھڑا تھا۔ اور جو لوگ وہاں موجود تھے اُسکو کلمات تعزیت سے تسکین دلاتے تھے وہ بھی ہر ایک کو ایسا جواب دیتا تھا جو دوسرے کے جواب سے بالکل علیحدہ ہوتا تھا یعنے سب کو علیحدہ علیحدہ لفظوں اور علیحدہ علیحدہ معنوں میں جواب دیتا تھا اسی جم

ضرب المثل بنگیا۔ جب کسی کے وسعت بیان کی تعریف کرتے ہیں تو کہتے ہیں۔
اوسع عبارۃ من ابن زیدون۔

جب کسی جلسے میں کسی مسلمان کا ذکر آجاتا ہے تو اسکو رحمہ اللہ تغمدہ اللہ بالرحمۃ کہتے ہیں اور اگر تحریر میں اسکا ذکر آجاسے تو طاب ثراہ۔ یا قدس سرہ و نور ضریحہٗ وغیرہ وغیرہ الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اور مرے مسلمان کو متوفی اور غیر مسلمان کو ہالک یا میت۔

مقام مدح میں حبذا فلان کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے یعنے ہو جیسے یا هذا رجل حسبك من رجل فلاں شخص تیری حمایت کیلئے کافی ہے اور جب کبھی حسبك الله کہتے ہیں تو اسکا مطلب یہ ہوتا ہے کہ خدا تجھ سے بدلہ لے۔ اور وہ بدلہ لینے کے واسطے کافی ہے۔

جب کسی کے سوال کا جواب دینا چاہتے ہیں تو پہلے کہتے ہیں حبًا وکرامۃ یعنے میں تمکو بہت دوست جانتا ہوں اور تمہارا اعزاز کرتا ہوں۔
جب کوئی شخص کسی پر بھروسہ کر کے اپنے راز کو اُس سے کہتا ہے تو اُسکو یہ بھی کہدیتا ہے القیت الیك عجری وبجری یعنی اپنا مشکل کام تمہیں بتا

مختلف محاورات

بعج بطنہ لہ۔ اُس شخص نے پوری نصیحت کر دی۔
ابوء الیہ بنعمۃ۔ میں فلاں کے انعام اور احسان کا اقرار کرتا ہوں۔
ما فی صدری حوجاء ولا لوجاء۔ میرے دل میں بالکل شک و شبہ نہیں ہے۔
کلمتہ فما رد حوجاء ولا لوجاء میں نے فلاں شخص سے بات کی مگر اُس نے نیک و بد کچھ بھی جواب نہ دیا۔
حنانَ اللہ۔ خدا کی پناہ۔ اجلك الله خدا تیری قدر بڑھائے سا شاك

حاشا۔ ہرگز ایسا نہیں ہوا۔ میں بالکل اس الزام سے بری ہوں۔
حاشا اللہ عن النقص۔ خداوند کریم نقصان اور عیب سے بالکل پاک ہے
حاشا اللہ۔ پناہ بخدا۔
لیت شعری۔ کاش میں اسبات کو جانتا۔
بخ۔ تعجب اور رضامندی یا فخر و مدح کے موقع پر استعمال کیا جاتا ہے۔
اسکا مطلب یہ ہے کہ یہ بات بہت بڑی ہے بل بل کے معنے بخ بخ کے ہیں۔
وی۔ کسی کی رائے میں وی کا لفظ تعجب کے موقع پر استعمال ہوتا ہے اور کسی کی رائے میں جھڑکنے کے موقع پر۔ جیسے وی لزید۔
جب کسی خبر کو سنکے خوش ہوتے تو کہتے واھا ما ابردھا واہ کیسی ٹھنڈی اور دل کو خنکی بخشنے والی خبر ہے۔ یا واھا لھا من نغمۃ واہ یہ کیسی خوش آیند آواز ہے۔ مثل ہے لواھا من الرجال۔ نیک اخلاق شریف۔ اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ فلاں شخص اس کلمے کا مستحق ہے اور بدذات و بدطینت واہ کا مستحق نہیں ہے۔ ابوالنجم کہتا ہے۔

واھا لریا ثم واھا واھا	"واہ واریا واہ وا۔ کاش اسکی آنکھیں اور
یالیت عینا ھا لنا و فاھا	منھ میرے ہی لئے پیدا کئے گئے ہوتے"

اخ۔ کراہت اور نفرت کا کلمہ ہے اور درد و تکلیف کے موقع پر بھی زبان سے نکلجاتا ہے۔ جیسے حس۔ اخ۔ اوہ۔ آہ۔
ضلال بن بھلل۔ ثھلل۔ فھلل لغو اور باطل و مہمل امر کیواسطے کہا جاتا ہے۔ یہ تینوں لفظ لغو اور مہمل کے معنے میں ہیں۔
ھیان بن بیان۔ جسکے باپ کا پتہ نہ معلوم ہو کہ کون ہے اسکو کہتے ہیں۔
جاء بقرنی حمار۔ جھوٹ بکتا ہے۔
جاء بالضلال بن بھلل۔ جھوٹی اور فضول خبر لایا۔

کسی چھوٹے کو جب جھڑکتے ہیں تو کہتے ہیں صه۔ چپ۔
جب کوئی شخص کہیں باہر سے آکے بیان کرے کہ تمکو فلاں شخص کا بیان دیتا تھا تو اُس مخبر کو کہتے ہیں وجه المحرّش اقبح۔ اس اُبھار نیوالے اور غصہ دلانے والے کا منہ کالا۔ یہ ویسی ہی بات ہے جو عام لوگوں میں مشہور ہے کہ گالی دینے والے نے گالی نہیں دی بلکہ جس نے تم سے آکے بیان کیا ہے اُس نے گالی دی ہے۔
جس کسی کے قول یا فعل سے تنگ آجاتے ہیں تو کہتے ہیں خسا (دور رہو) یہ لفظ کتے کے دتکارنے میں استعمال کیا جاتا ہے۔ جب کسی سے کوئی ایسا فعل ہوجائے تو نہایت برا اور اس کام کے کرنے والے کی مذمت منظور ہو تو کہتے ہیں اخزاہ اللہ۔ قبحہ اللہ۔ افّ وتفّ (افّ کا لفظ افف سے بنایا گیا ہے۔ کان کی میل کو کہتے ہیں اور نیز جھڑکنے کے موقع پر استعمال ہوتا ہے)۔ اور تفّ ناخنوں کا میل۔ یہ دونو لفظ بمقابلہ بخ بخ کے آتے ہیں افا للہ۔ اس پر نجاست پڑے۔ اخ وتف (تف تو معلوم ہوگیا لخ بھی نجاست اور چرک کے معنے میں ہے۔
حجرًا للہ کسی کام سے پناہ مانگنے کے موقع پر بولا جاتا ہے۔ جب کسی کو اسکو منہ پر ذلیل کرنا مقصود ہو تو کہتے ہیں یا حبقّة۔ حبقّة کے معنے پست قد کے ہیں۔ اور جسکی صورت سے نفرت ہو اور اسکو اپنے پاس سے نکالنا مقصود ہو تو کہتے ہیں یا حدا د حدایة اے نکال دینے والی اسکو نکال دے۔
بے خیر آدمی کو نکد خظیرة کہتے ہیں۔
کبھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ مدح کے موقع پر بددعا کرتے ہیں تاکہ ممدوح نظر بد سے محفوظ رہے۔

رمی اللہ فی عینی بثینة بالقذی	"بثینہ کی آنکھ میں خداتعالیٰ خاک ڈالے
وفی العزمن انیابہا بالقوادح	اور اُسکی رفتار کی عزت میں عیب"۔

اسی طرح یہ فقرہ بھی ہے قاتلہ اللہ ما افصحہ خدا اُسے قتل کرے کیسا فصیح و بلیغ ہے۔ ظاہری تو یہ معنے ہوئے اور حقیقت میں یہ مطلب ہوا کہ سوائے خدا تعالےٰ کے کوئی اسکا قاتل نہیں ہے۔ یعنے کوئی ہمسر ہی نہیں ہے اوسکا جو اُسے قتل کر سکے۔ پس خدا ہی اُسکے قتل پہ قادر ہے۔

اسی طرح لا عدمن لفقرہ۔ ثکلتہ امہ۔ ھبلتہ امتہ۔ ثکلتہ الھبل۔ ھبل کے معنے ماں۔ زوجہ کے ہیں۔ ھوت امہ۔ اُسکی ماں گر پڑی۔ شاعر کہتا ہے۔

ھوت امہ ما یبعث الصبح غادیا	"ماں اُسکی گر پڑی صبح جو آتی ہے تو
وماذا یؤدی اللیل حین یؤوب	کیا لیکے آتی ہے۔ اور جب رات آتی

ہے تو کیا خاک فائدہ پہونچاتی ہے"۔

ویلک۔ ویل لک تیرا برا ہو۔ (بھلے برے دونو میں مستعمل ہے) ویحک۔ بعض کی رائے میں کلمہ ترحم ہے جیسے ویحک۔ اور بعض کی رائے میں ویل کے معنے میں ہے۔

لقی فلان ویبا (فلاں شخص جو چاہتا تھا پا گیا)

خلیل نحوی نے لکھا ہے کہ اسطرح کے چند ہی لفظ ہیں۔ مثلاً ویس۔ ویح۔ ویہ۔ ویل۔ ویک۔ ویب۔ اور ہر ایک کے معنے ملتے جلتے ہیں مگر ویح۔ اور ویس تعجب اور محبت کے مقام پہ استعمال کئے جاتے ہیں۔

جسکے کلام سے تفاؤل کرتے ہیں کہتے ہیں بفیک الحجر۔ اور جسکو بد دعا دیتے ہیں کہتے ہیں استاصل اللہ عرقاتہ (قطع کرے خدا اُسکے عرقات کو) عرقات عرقۃ کی جمع ہے۔ عرقہ اُس ڈوری کو کہتے ہیں جو گرداگرد خیمے کے باندھتے ہیں۔ اور وہ خیمے کی اصل سمجھی جاتی ہے۔ یہ ڈوری بٹی ہوئی نہیں ہوتی۔ بلکہ بنی ہوئی ہوتی ہے)

بدلا یظبی اعفر۔ فرزدق کے کلام سے لیا گیا ہے جبکہ اُسکے بھائی کی

خبر موت اسکو سنائی گئی۔ تو اس نے یہ شعر پڑھا تھا۔

اقول لہ لما اتانی نعیہ بہ لا بظبی بالصریمۃ اعفرا

بہ لا بکلب فابح بالسباسب سبکسی پر شماتت اور مضحکہ کرنے کے موقع پر استعمال ہوتا ہے۔ اور جس شخص کو کسی برے کام سے منع کرنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں لا تفعل ذالک امک حالق (یہ کام نہ کر تیری ماں کا سر تیرے غم میں مونڈا جائے)

تبا لہ تباہ ہو اسکا۔ تبا و اسلا بددعا ہے۔

کلمات بددعائیہ

تبا تبا۔ آمین آمین۔

تعس جدک۔ تعس جدک۔ تعس بعد و لعا عینا۔ تیرا بخت اور نصیب خراب ہو جائے۔

تبّ فلان۔ تبت یداہ خلۃ و خسرۃ۔ تبا لہ۔ خدا تعالیٰ اسکو ہلاک کرے اور نقصان پہونچائے۔

ثکل اللہ عرشہ خدا اسے موت دے اور اسکا مالک لے لے۔

عثر جدہ۔ تعس جدہ نصیبہ اسکا خراب اور برباد ہو جائے۔

ذبل ذبلہ۔ ذبلا ذابلا ذ بلا ذبیلا۔ خدا اسکے مال کو تلف کرے۔

اری اللہ بہ۔ خدا تعالیٰ لوگوں کو دکھلا دے کہ فلاں شخص پر عذاب نازل ہو۔

لاحظی رفغاک۔ یہ عورت کی بددعا ہے۔ یعنی خدا تجھے شوہر نہ دے۔

لا اشتب اللہ قرنک۔ لڑکے کی بددعا ہے۔ یعنی خدا کرے کہ نوجوان ہی مرجائے۔ اور تیرے بال سفید ہونے کو نہ آئیں۔

اشعب اللہ عیش فلان۔ فلاں شخص کی زندگی کو خدا تعالیٰ سخت کردے۔ (بددعا ہے)

اقصی الله ظله خدا اُنکو ہلاک کرے۔

آلز ہ الله۔ خدا کرے اُسے گزاز نہ ہو جائے (گزار ایک مرض ہے جو بری کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔

لاکان ولاتکون۔ ولعنه الله۔ خدا اُسپر لعنت کرے۔

لاهدا ه الله۔ اُسکے رنج وغم کو خدا باقی رکھے۔

واهلكه وللیدین وللفم۔ خدا اُسکو منھ اور ہاتھ کے بل گرادے۔

رماه الله بافعی حاریة۔ خدا کرے اُسکو حاریہ سانپ کاٹے۔ (حاریہ اُس سانپ کو کہتے ہیں جو بوڑھا ہو کے دُبلا ہو گیا ہو۔ اُسکا کاٹا ہوا آدمی زندہ نہیں رہ سکتا۔

رماه الله بالصدام والاولق والجذام۔ خدا کرے اُسکو صدام اور اولق اور جذام ہو جائے۔ (صدام ایک مرض ہے جو گھوڑوں کے سر میں ہو جاتا ہے اولق جنون۔ جذام مشہور ہے)

رماه الله بلیلة لا اخت لها۔ خدا کرے اُسکو ایسی رات نصیب ہو جسکے لیے دوسری رات ہی نہ ہو۔ یعنے اُسکو ایسی رات نصیب ہو جسمیں وہ مر ہی جائے۔

رماه الله بالبیند۔ خدا اُسے موت دے۔ بیند سے مراد موت ہے اس سبب سے کہ موت بھی گویا انسان پر ایک قرض ہے کہ بغیر آئے اور جان لیے راضی ہی نہیں۔

رماه الله من کل اکمة بحجر۔ ہر کہیں سے خدا اُسے پتھر مارے۔

علی الشرف الاقصی فاذھلا۔ خدا اُسے دور کرے اور ہلاک کرے۔

عقرا وحلقا۔ ہلاکت کی بددعا ہے۔

عقری حلقی۔ وہ عورت جو اپنی نحوست سے اپنی قوم کو ہلاک کرے۔

علیه العفاء والدبار وسوء الدار۔ اُسپر نیستی اور ہلاکت اور بُرا گھر ہو۔

علیه العفاء والذیل العفاء۔ وہ ہلاک ہو جائے اور ... اُسکو بیمار کرتا

ویا یقطع العظام بیا۔ خدا کرے کہ پیپ اُسکے جوف (پیٹ) کو کھائے
اور اسکی ہڈیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرے۔

صم اللہ مسامعہ۔ خدا اُسکے کان کو بہرا کرے۔

اجن اللہ جبالہ۔ خدا کرے اُسکے پہاڑوں (مکانوں) میں جنگل کا پیلو
رماہ اللہ بداء الذئب۔ خدا کرے وہ شخص بھیڑیے کے مرض میں مبتلا ہو۔
(داء الذئب کے معنے بعض نے بھوک کے لکھے ہیں اور بعض نے موت
کے اور کہا ہے کہ بھیڑیے کو سوائے مرض الموت کے کوئی مرض ہی نہیں ہوتا)
رماہ اللہ بالطلاطلۃ والحمی المماطلۃ۔ خدا کرے اُسکو ایسا مرض سخت ہو کہ
کسی طرح نہ چھوٹے۔ اور ایسی تپ آئے جو عرصہ تک قائم رہے۔ اور دفع ہونا
ہی نہ چاہے۔

اصم اللہ صداہ۔ مر جائے کہ آواز تک نہ بلند ہو۔

ولیج الرجیم۔ سنگسار کیا جائے۔

لا حفظ اللہ عینیہ ولا کلاہ ولا وسعہ۔ خدا اُسکی حفاظت نہ کرے اور نہ اُسکا
ساتھ دے۔ اور کسی قسم کی کشائش اور وسعت عنایت نہ کرے۔ بیٹیاں
لاقیت اخیلا۔ مسافر کو بددعا کے لئے میں کہتے ہیں۔ جیسی بیوی کو طلاق کہا
ہو۔ (اخیل ایک پرندہ ہے جسکو منحوس سمجھتے ہیں)

صفرت یداہ من کل خیر۔ خدا کرے اُسکے قبضہ نہ لگے
خالی ہوجائیں۔ ساتھ مستعمل ہوتے ہیں۔

تربت یداہ۔ محتاج ہوجائے۔ بیاں فقہی نہیں۔ آگے گالیاں جیسا
لا ابا لک اللہ واضیعۃ۔ یا الغرض سے نکلنے والی) یا خزاق
یا قطاع الظاہری اتقا فیا نہ سے بیٹا۔ یعنی ننگی عورت۔ یا بنت
ابا د اللہ خضراءھم) بڑے آدمی جن الفاظ سے چھوٹوں کو گالیاں دیتے مثلاً
ابسی سے بیا کمینہ۔ یا ابن اللکعا یا ابن اللقیطۃ وغیرہ ادنیٰ جیسے واللفاظ

خفگی کے الفاظ

لاکوینک کیۃ المکوم (میں تجھے ایسا داغوں گا جیسے جراح زخم باورو کے مقام کو داغتا ہے) لاریَنّک لمحا باصرا (میں تجھے بہت ہی سخت خوفناک امر دکھلاؤں گا۔) لاحقّن حرا قنک بذا ولا قفنک (میں تیرے نیچے اوپر کو ایک کر دونگا۔ یا تیرے سر کو پیر سے ملا دونگا) لاُدخلنّ فی حوصلک (میں تیرے ساتھ کوئی مکر اور تیرے بارڈ لینے کی فکر کرونگا) لاقیمنک علی الدَّز (میں تجھے تیر پر قائم کر دونگا۔ تر اس ڈورے کو کہتے ہیں جس سے معمار لوگ دیوار وغیرہ کی پیمائش کرتے ہیں) لاقیمنّ اخدعیک (میں تیرا سارا غرور نکال دونگا) لاقیمنّ قذالک (میں سارا تیرا ٹیڑھا پن دور کر دوں گا) قذال کو حنل ہی پڑ گیا ہے۔ حنل کے معنی کجی کے۔ یعنی تیری کجی دور کر دیجائے گی) لان التقی بک و دو عک لاندمنّ علی مقاربتی (اگر میرا اور تیرا اوّل ایک جگہ ہو جاتا تو تجھکو سخت ندامت میرے ملاقات سے ہوگی۔ اسوجہ سے کہ میں تجھ سے زیادہ قوت رکھتا ہوں اور تیری شرارت کو مٹا سکتا ہوں۔)

حجاج بن یوسف ثقفی نے انس بن مالک سے کہا تھا لاقلعنّک قلع الصمغۃ (میں تجھے ایسا اکھاڑ کے پھینکدوں گا جیسے درخت سے گوند نوچ لیا جاتا ہے۔ اور اسکا پھر اثر بھی نہیں رہتا۔ ولاجزرنّک جزر الضّرب ولاعصبنّک عصب السلمۃ۔ انس نے کہا کس کو کہتا ہے۔ حجاج نے کہا ایاک اعنی اصم اللہ صداک (ہاں میں تجھی کو کہتا ہوں۔ خدا تیری صدا کو بند کرے"۔

انس نے یہ واقعہ لکھ کے عبدالملک بن مروان کے پاس بھیجا۔ عبدالملک نے حجاج کو لکھا یا ابن المستفرمۃ بعجم الزبیب لقد ھممت ان ارکلک

دکلۃ تھوی منھا الی نار جھنم۔ اضغمك ضغمۃ کبعض ضغمات اللیوث الثعالب واخبطك خبطۃ تودّ انك زاحمت مخرجاً من بطن امك۔ قاتلك اللہ اخیفش العینین۔ اصلك الاذنین اسود الحاعرتین۔ احمش الساقین۔

(اے انگور کے بیج چبانے والی کے بچے میں نے ارادہ کیا ہے کہ تجھکو اتنی لاتیں ماروں کہ اس سے تو جہنم کے اندر جا گرے یعنے مر جائے۔ اور تجھے ایسا کاٹ کے کھالوں جیسے ببر کا شیر لومڑی کو کھا لیتا ہے۔ اور ایسا تجھے حواس باختہ کر دوں کہ تجھے سوائے تیری ماں کے فلان کے کہیں چھپنے کی جگہ بھی نہ ملے۔ خدا تجھے قتل کرے۔ اے چندھی آنکھوں والے جیسے بڑا گر۔ اور بہرے۔ اور کالی مقعد والے۔ (حاعرہ سرین کے سوراخ کے حلقے کو کہتے ہیں۔ اور بڑے بڑے سرین اور پتلی ٹانگوں والے"۔

تمسخر اور مضحکہ کے موقع پر کہتے ہیں لا ابقی اللہ علیك ان ابقیت علیّ یعنے جہاں تک ہو سکے تو میری ایذا رسانی میں کوشش کر مگر تجھ سے کیا پشم کندہ ہو سکتی ہے۔ اور اگر ذرا بھی تو اس میں کمی کرے تو خدا تجھے باقی نہ رکھے۔ یعنے جی بھر اپنا حوصلہ نکال لے دیکھیں کیا کر سکتا ہے۔

لا ابقی الا علی نفسك اسکا مطلب یہ ہے کہ تیرا جو جی چاہے وہ کر لے مجھ کو تیری کچھ بھی پروا نہیں ہے۔

لا ابرق علینا۔ ذرا ہمارے سامنے اپنی تیزی اور چمک تو دکھایئے۔ یہ جملہ اُس شخص سے کہا جاتا ہے جو اپنی زینت بہت کرے اور کام اس سے ایک بھی نہ ہو سکے۔ یہ لفظ برق سے مشتق ہے۔ کمیت کہتا ہے۔

ابرق وارعد یا یزید	"اے یزید چاہے تو کتنے ہی چاہے چمک گرج
فما وعیدك لی بضائر	اس سے کچھ بھی ضرر نہیں پہونچنے والا ہے"

بل تفاطس لا تیعر قلبك۔ آسکے معنے ہیں کیا کہتا ہے جو تمہیں سمجھا رہا ہو۔

حلابا لجوزاء یہ محض جوزا کی چمک ہے۔ یعنے ہے وہی کچھ بھی نہیں فقط گیدڑ بھبکی ہے۔ اصل اسکی یہ ہے کہ جوزا صبح کو طلوع کرتا ہے اُسوقت بہت تیز ہوا چلتی ہے۔ پھر فوراً ہی ٹھیر بھی جاتی ہے۔

دعه یتزمع فی طمنة اسے چھوڑ بھی دے کہ اپنی گمراہی میں پڑا چلا جائے۔
ویتلطخ فی سلحه اور اپنے کو لتھڑا رہے۔
ما ادری ای من وحش میں نہیں جانتا یہ شخص ہے کون۔
ما ادری ایّ اودک هو۔ میں نہیں جانتا یہ کون ہے۔

چھٹا باب

عرب کے اخلاق اُن کے شاعروں اور فصیحوں کا ذکر اس باب کی تین فصلیں ہیں

فصل اول

عرب کے اخلاق اور طبیعت

عرب کی عمدہ سے عمدہ طبعی صفتوں میں سے حریت آزادی یعنے غلام نہ ہونا

ایک ایسی صفت ہے کہ تمام بادیہ نشین عربوں کی طبیعت میں سمائی ہوئی ہے بلکہ تمام عربی امت میں اسکا بے انتہا قدر سمجھا جاتا ہے۔ اور ہر شخص اس پر فخر کرتا ہے اور اس صفت کے برابر کوئی صفت نہیں سمجھتا۔ اسی وجہ سے ہر ایک شخص اپنے آپ کو بجائے خود بادشاہ سمجھتا ہے اور کسی کا دباؤ نہیں مانتا۔ نہ کسی کی ہستی جانتا ہے۔ اسی وجہ سے ہر پاک دل اور صاف باطن اور شریف کو حر کہتے تھے۔

حر کے لفظ کی تحقیق۔ حر ہر چیز کے خالص اور عمدہ کو کہتے ہیں۔ جیسے طین حر۔ خالص مٹی جس میں بالو نہ ملی ہو۔ احرار البقول جو سبزیاں کہ کھائی جاتی اور پکی جاتی ہیں۔ حر المملوک۔ غلامی سے غلام چھوٹ گیا۔ اور اب خالص اپنے نفس کا مالک بن گیا۔ ارض حرۃ۔ جس زمین پر پھول اور خراج نہ ہو۔ ثوب حر جس کپڑے میں کوئی عیب نہ ہو۔ علیٰ ہذا القیاس جس چیز میں صفائی اور پاکی اور نفاست کسی قسم کی پائی جاتی تھی۔ اس کو حر کہتے تھے۔" (تمدن عربی)

مگر عرب میں جس قدر فضائل تھے اسی قدر بیہودگیاں اور عیوب بھی موجود تھے۔

عرب کے عیوب

جس طرح بدوی عربوں کو رہزنی کرنا۔ لوٹ لینا۔ کپڑے اتار لینا۔ ایسی جنگ و جدال کرنا پیشہ ہو گیا تھا۔ اسی طرح شہری عربوں میں دھوکے بازی فریب دہی۔ تجارت وغیرہ معاملات میں کمر و دغا کی سخت عادت تھی۔ یا ہیں ہمہ ان میں بخشش اور امانت داری اور حق ہمسایہ کی رعایت اور صداقت کی بھی بڑی شہرت تھی۔ انکی بیٹیوں اور بھائیوں کی مساوات کو غور کیجیئے کہ مثلاً اگر کسی موقع پر کسی شخص نے ایک مسافر کو مار پیٹ کر اس کا مال و متاع چھین لیا ہے تو اگر وہی شخص اس عرب کے خیمے میں آ جائے جس نے اسکے کپڑے

چھینے ہیں بلکہ وہ پہچانتا ہو کہ یہ وہی آدمی ہے جسکے کپڑے میں نے ظلم سے لے لیئے تھے۔ تو ضرور اُسکے حال پر مہربان ہوگا۔ اور اپنے پاس سے اور کپڑے نکال کر اُسکے پہننے کو دے گا۔ کھانے کا بندوبست کر دے گا۔ اور اگر بالفرض اُسکو پہچان بھی لے گا تب بھی اُسکے ساتھ ویسی ہی مراعات اور مدارات کرے گا جیسی ایک اجنبی آدمی سے کرنی چاہیئے۔ حالانکہ وہ جانتا ہے کہ میں نے ابھی اسکے کپڑے اور مال و اسباب چھینے ہیں مگر اپنے کیے آجانے کی شرم ضرور بنا ہے گا۔

ابن خلدون مغربی لکھتا ہے کہ بدویوں میں دینداری کا تقاضا اگرچہ کچھ کچھ ہوا مگر بخوبی نہ ہونے پایا۔ اس سبب سے کہ انکی فطرت میں چونکہ شرارت اور بدمعاشی اور قزاقی کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی تھی اسوجہ سے وہ مجبور تھے کہ پوری دینداری کر سکیں۔ اور اگر کبھی لوٹ مارتے تو یہ بھی کر سکتے تو اُسکے یہ معنے ہوتے تھے کہ اب اسمیں کمی کر دینگے۔ نہ یہ کہ بالکل چھوڑ ہی دیتے۔

اُن کے عیوب میں سے یہ بات بھی تھی کہ اگر کسی شخص کو دریا میں ڈوبتے دیکھتے کبھی نہ بچاتے۔ بلکہ اور اُسکے ڈوبنے کی فکر کرتے۔ اور اگر کوئی مسافر اُنہیں سے ملجاتا تو اُسکے کپڑے اور مال و اسباب چھین کے بازاروں میں لیجا کے غلام بنا کے بیچ لیتے۔ اور راہوں میں جو کنوئیں بنے ہوئے ہیں انکو گھاس وغیرہ سے چھپا دیتے کہ مسافر کو پانی نہ مل سکے۔ اور پیاس سے مر جائے تو مفت میں اسکا مال ہاتھ آئے۔

عرب کے چور۔ کچھ لوگ تو ایسے مشہور اور کامل چور گذرے ہیں کہ مدتوں انکا ذکر زبانوں پر رہا۔ اور آخر کتابوں میں بھی مندرج ہوا۔ اور ضرب المثل بنگئے۔ مثلاً سلیک بن سلیکہ۔ منتظاظ (یہ شخص بنی ضبہ کے قبیلے میں سے ہے۔ اور سعد بن قیس بن عتبان بن ناشرہ کا بیٹا ہے) شریف تھا۔ برجان۔ تابط۔ ابو حرویہ۔ یہ سب جاہلیت میں اعلیٰ درجے کے چور سمجھے جاتے تھے۔

مثال میں کہتے ہیں اسرق من شظاظ۔ یا اسرق من تابط شرا وغیرہ۔ انکو ذوبان العرب (عرب کے بھیڑیے) کہتے ہیں۔

کچھ لوگ ظلم میں بھی مشہور ہو گئے تھے۔ ایک ان میں سے خفقان تھا۔ یہ شخص حد درجہ کا ظالم تھا اور ضرب المثل بھی تھا۔ حجاج بن یوسف ثقفی یہ بھی ضرب المثل ہے۔ کہتے ہیں اظلم من الحجاج و اسفك من الحجاج۔

عرب کے قتال - اور کچھ لوگ قتل میں بھی مشہور تھے۔ منجملہ انکے حرث بن ظالم ہے۔ براض بن قیس کنانی ہے۔ جماف ابن حکیم سلمی۔ عمرو بن کلثوم انکے علاوہ جاہلیت اور اسلام میں جو لوگ قتال ہوئے۔ انکی مثل انہی مذکورہ الصدر لوگوں سے دیجاتی ہے۔

چند اشخاص غدر اور بیوفائی میں شہرۂ آفاق تھے سب میں زیادہ مشہور سعد ابن تمیم کی اولاد تھی۔

ان لوگوں نے آپس میں ایک اصطلاح مقرر کرلی تھی۔ جب غدر کا نام لیتے تو کیسان کہتے تھے۔ جیسا کہ منذر ابن نولب نے کہا ہے۔

اذا کنت فی سعد و امك منهم	تو اگر قبیلہ سعد سے ہو اور تیری ماں
غریبًا فلا یغررك خالك من سعد	اسی قبیلے کی ہو اور اتفاق سے تو
اذا ما دعوا کیسان کانت کهولهم	مسافرانہ صورت میں وہاں پہونچے
الی الغدر ادنی من شبابهم المرد	تو ہرگز سعد پہ اطمینان نہ کرنا۔ اگرچہ

وہ تیرے ماموں ہو نگے۔ کیونکہ جب وہ لفظ کیسان کہکے پکارینگے تو بوڑھے بوڑھے آدمی جوانوں سے بھی زیادہ غدار نکلینگے"۔

اسی وجہ سے ان لوگوں کو کنانۃ الغدر کہتے تھے۔ اور مثل میں کہتے تھے اغدر من کنانۃ۔ الغدر۔ اغدر من قیس ابن عاصم۔ اغدر من عتیبۃ ابن الحرث۔ ان دونوں کی عجیب عجیب حکایتیں ہیں جنکی تفصیل میں طول ہوگا۔

ابو عبیدہ نے لکھا ہے کہ قیس بن عاصم عرب کے تمام غادروں سے بڑھکر تھا۔ وہی اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتا تھا (دیکھو چھٹے باب کی چھٹی فصل) غدر کے ساتھ کچھ اور بھی اضافہ۔ کچھ لوگ ایسے بھی گذرے ہیں جنہوں نے فقط غدر پر اکتفا نہیں کی بلکہ اسکے ساتھ ایک اور بھی ذلیل حرکت شامل کر دی تھی۔ مسیو دتیخ فرنسوی نے اپنی کتاب دیوان قلائد المفاخر میں لکھا ہے کہ بدوی عربوں میں اکثر ایسے تھے کہ جب کوئی مسافر انکے چوکھٹ پر پہونچ جاتا تھا تو بڑی تعظیم و تکریم سے پیش آتے تھے۔ کھانا کھلاتے پانی پلاتے تھے۔ اسکے واسطے فرش بچھاتے بستے وغیرہ وغیرہ خاطر داریاں کرتے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی دشمن بھی انکا مہمان ہوتا تو اسکی ایسی ہی خاطریں کرتے۔ اور جبتک ان کے گھر میں رہتا کیا ممکن کوئی اسکو ستا سکتا۔ اور جہاں وہ یہاں سے رخصت ہو کے چلا اور مکان سے باہر قدم رکھا جھٹ تلوار مار کے اسکو قتل کر دیا۔ اور مال اسباب اپنے گھر میں رکھا۔ لاش اٹھا کے پھینکدی۔

اب یہ مقام قابل غور ہے کہ کسطرح کے انکے خصائل تھے۔ اور ان دو خصلتوں میں سے (ایک تو اتنی خاطر کرنی جسکے مار ڈالنے کا پہلے ہی سے ارادہ کیا گیا ہے۔ دوسرے بعد رخصت کے اسکو مار ڈالنا) کونسی بہتر ہے اور کونسی بد۔ یا دونوں بد ہیں۔ ایسے مقام پر عقل حیران رہتی ہے کہ کسطرح کا بیہودہ پن تھا۔ (دیکھو پانچویں باب کی تیسری فصل)

عربوں کا حیلہ اور مکر

کچھ لوگ حیلہ گری اور فریب دہی اور چالاکی میں بھی فرد تھے۔ جیسے لقمان ابن عاد (عرب کا طبیب تھا) قصیر بن سعد لخمی (جذیمہ ابرش کا مصاحب جس نے اپنی ناک اپنے ہاتھ سے کاٹی تھی۔ اور زبا شہزادی جزیرہ عرب کو اسی حیلہ سے مار ڈالا تھا) اسیوجہ سے قصیر کی مثل ہو گئی ہے کہتے ہیں۔ (لامر ما جدع

قصیر اللقد۔ عامر شعبی نے لکھا ہے کہ عرب میں چار ہی آدمی بڑا لک زیادہ تھے۔ معاویہ بن ابوسفیان۔ عمرو بن عاص۔ مغیرہ بن شعبہ۔ زیاد بن ابیہ۔ مگر یہ چاروں اسلامی تھے۔

تین زبار کا یہیں ذکر آیا ہے اسکو قاعدہ ابن ہندہی کہتے تھے۔ (دیکھو پانچویں باب کی دوسری فصل) زبار اسوجہ سے کہتے تھے کہ اسکے بال بڑے بڑے تھے۔ کہتے ہیں کہ اسقدر اسکے سر کے بال بڑے تھے کہ جب چلتی تھی زمین پر اسکے بال لٹکتے جاتے تھے۔ اور جب بالوں کو کھول دیتی تھی تو تمام بدن کو چھپا لیتے تھے۔ اسکے زمانے میں کوئی اس سے زیادہ حسین نہ تھا۔ اور عرب میں اسکی مثل بیان کی جاتی ہے۔ کہتے ہیں فلان اعز من الزباء یعنے اس شخص پر دسترس ایسا ہی مشکل ہے جیسے زبار پر قابو پانا مشکل تہا۔

عرب کے متکبر

جذیمہ ابرش بڑا ہی متکبر آدمی تھا۔ عرب اسکے تکبر کو بیان کرتے تھے انتہا اسکے تکبر کی یہ تھی کہ کسی کو اپنا مشیر اور وزیر نہیں بنایا۔ اور نہ کسی کو اپنا ہم نشین بنایا۔ کہتا تھا۔ ندامی الفرقدان۔ فرقدان ستارے بس میرے ہمنشین ہیں۔ عرب کی مثلوں میں اسی وجہ سے فرقدین کو ندمانی جذیمہ کہتے۔ بعض اہل ادب نے یہ بھی لکھا ہے کہ ندمانی جذیمہ دو اور شخص تھے۔ جو اسکے گمشدہ بھانجے کو ڈھونڈ لائے تھے۔ نام ان دونوں کا مالک اور عقیل تھا۔ جذیمہ نے ان دونوں سے اسکے صلے میں کہا کہ جو چاہو مانگو ان دونوں نے اس سے کہا کہ ہم چاہتے ہیں تیرے ندیم بنیں اس نے حسب وعدہ قبول کیا۔ اور مرتے دم تک یہ دونوں اسکے ندیم رہے۔

منجملہ متکبروں کے بنی مخزوم کا گروہ قریش کے بنی امیہ کا گروہ جعفر

کلاب کی اولاد۔ زرارہ بن عدی کی اولاد۔ یہ لوگ بڑے ہی متکبر تھے۔

عرب کے احمق

عرب کے احمقوں میں ضرب المثل ایک تو ھباتہ بن فزارہ تھا جسکو ابو الفقعن بھی کہتے تھے۔ اس نے اپنا مال ایک اسکے سایہ میں زمین کے نیچے دفن کردیا تھا۔ جب ابر ہٹ گیا۔ تو پھر اسکو بالکل اپنے روپوں کا پتہ نہ لگا۔ دوسرا ہبنقہ تھا۔ اس نے کوڑیاں تاگے میں پرو کے گلے میں ڈال لی تھیں۔ کہ کہیں گم نہ ہو جاؤں۔ جبتک اُسکو اپنے گلے میں دیکھا کرتا سمجھتا کہ میں میں ہوں اور ابھی موجود ہوں۔ گم نہیں ہوا ہوں۔ اسی وجہ سے اسکا نام ذو الودعات پڑ گیا۔ بنی قیس بن ثعلبہ میں سے تھا۔ اور اصلی نام اس کا یزید بن ثروان تھا۔ تیسرا احمق ابو غبشان تھا۔ جس نے خانہ کعبہ کی کنجی ایک مشک شراب پر بیچ ڈالی (دیکھو چوتھی باب کی دوسری فصل)۔ چوتھا قذنہ۔ کہتے ہیں کہ یہ شخص عرب کے تمام احمقوں سے کئی نمبر بڑھا ہوا تھا بلکہ گائے سے بھی زیادہ بیوقوف سمجھا جاتا تھا۔ اسکے پاس ایک گھوڑا تھا لوگوں نے اُس سے کہا کہ ہر شخص اپنے اپنے گھوڑے کا ایک نہ ایک نام رکھتا ہے۔ تو نے اپنے گھوڑے کا نام کیا رکھا ہے۔ اسوقت اُسکی سمجھ میں یہ بات آئی۔ کہ اس گھوڑے کی ایک آنکھ اندھی کردو اور اسکا نام اَعْوَر رکھو اور ایسا ہی کیا بھی۔

پانچواں جوتہ تھا۔ چھٹا دغہ۔ یہ ایک عورت تھی۔ جب حاملہ ہوئی اور بچہ پیدا ہونے کا دن آیا تب تک اُسکو معلوم نہ تھا کہ بچہ کیا ہوتا ہے اور کیونکر پیدا ہوتا ہے۔ اتفاق سے بضرورت بیت الخلا میں گئی۔ وہیں اُسکے بچہ پیدا ہو گیا۔ جب وہاں سے اُٹھ کے آئی تو اپنی ہمسائی سے پوچھا یہ کیا ہوا اُس نے بتایا تیرے بچہ پیدا ہوا ہے۔ جب یہ بات مشہور ہوئی تو اسکی

بڑی ہنسی اُڑائی۔ اسکی وجہ سے بنی تمیم کی بڑی ذلت ہوئی۔ کیونکہ یہ عورت
اسی قبیلے کی تھی۔ شریت یہ شخص بنی سدوس میں سے تھا جسکا لقب
یہ تھا۔ ربیعہ بکا و بنت عامر بن صعصعہ۔ وابق علی النخل۔ راعی ضان ثمانین (اسی
بھیڑوں کا چرواہا) لاطم الاشفی بخدہ۔ اشفی ایک سوا ہوتا ہے جس سے جوتی ہوئی
مشک وغیرہ سی جاتی ہے۔ متخمط بکوعہ۔ مریع۔ انہیں سے ہر ایک کے عجیب
غریب قصے ہیں۔ مگر بنظر اختصار بقلم انداز کئے گئے۔ امر ربطہ بنت کعب بن
بن تمیم بن مرہ قریش کی ایک عورت تھی۔ اسکی حماقت بھی ضرب المثل تھی۔
اسی کی مثل میں ایک آیت قرآن میں آئی ہے جسکا ماحصل یہ ہے کہ تم لوگ
اُس عورت کی مثل نہ ہو جاؤ جس نے اپنے کاتے ہوئے کو توڑ ڈالا۔ اسکی
نقل یوں ہے کہ یہ عورت چرخہ کاتتی اور اپنی لڑکیوں سے بھی چرخہ کتواتی
اور جب کات کے تیار کر لیتی تو خود بھی توڑ ڈالتی اور لڑکیوں سے بھی کہتی کہ جو کچھ
تم نے کاتا ہے توڑ ڈالو۔ مثل میں کہتے ہیں اخرق من ناقضۃ (یعنی فلاں
شخص اس عورت سے بھی زیادہ بیوقوف ہے۔ جو اپنے کاتے ہوئے سوت
کو آپ توڑ دیا کرتی تھی)

غلطی کرنیوالے

ایک شخص دالق نامی عرب تھا جسکی غلطی مشہور تھی۔ بے انتہا غلطی
کرتا تھا۔ اسی وجہ سے مثل میں کہا جاتا ہے اغلط من دالق

بلید اور کم عقل

باقل ربعی بہت کم گو اور بے وقوف تھا۔ جواب کی جگہ سر ہلا دیتا۔
یا ہاتھ سے اشارہ کرتا اور منہ سے کچھ نہ کہتا۔ پانچ بجا۔ تو بولتا تھا مگر جیسے
برابر کی زبان نہ ہلتی تھی۔ کہتے ہیں کہ ایک دن اس نے گیارہ درہم قیمت پر

ایک ہرن سوار ہوگیا۔ اور گردن پر لاد کے لئے آتا تھا کسی نے راہ میں پوچھا بھائی کتنے کو خریدا۔ تو منہ سے کچھ نہ کہا بلکہ دونوں ہاتھوں سے ہرن کے پاؤں چھوڑ کے اپنے دونوں ہاتھوں کی دسوں انگلیاں اور منہ سے باہر نکال کے زبان دکھلانے لگا کہ میں نے گیارہ درہم کو خریدا ہے۔ اتنے میں ہرن کود کے نکل بھاگا اور یہ دیکھتا رہ گیا۔

عرب کے مخنث (زنانے)

مخنث زنانہ کو کہتے ہیں جسمیں عورتوں کی سی حرکتیں اور ادائیں۔ عورتوں کی سی نرمی اور ملائمت ہو جس سے خواہ مرد کو میلان نفس ہو تا اس صفت کا ایک آدمی عرب میں تہا تا م اسکا ابوجہل عمر بن ہشام مخزومی تہا انہی کی بابت ایک آیت نازل ہوئی ہے جسکے معنے یہ ہیں کہ ہلاک ہوگئے ابولہب کے ہاتھ اسکی بیوی ام جمیل ابوسفیان بن حرب کی ماں تھی۔ دوسرا شخص ہیت نامی تھا۔ تیسرا دلال نام۔ اسکا نام تھا اور کنیت ابویزید تھی۔ چوتھا طویس یہ سب اہل مدینہ سے تھے۔ دلال اور طویس صدر اسلام میں بڑے مشہور گویے تھے۔

ابوجہل کی بیوی ام جمیل کو قرآن میں حمالۃ الحطب کہا ہے اسوقت سے مثل ہوگئی ہے اخسر من حمالۃ الحطب۔ اور ایک شخص ابو غبشان نامی بھی خسران میں ضرب المثل تھا۔ معقول ہے کہ اپنے خسران اور نقصان اٹھانے سے ضرب المثل تھا۔

محرومی میں ضرب المثل

ایک شخص حنین کی محرومی میں ضرب المثل تھا۔ وہ خود اپنی حکایت اس طرح بیان کرتا ہے کہ وہ شخص ملک حیرہ میں موچی تھا جو تیاں بنا تا تھا۔ عرب کے کسی قبیلے میں اسکی

ولادت ہوئی تھی۔ اسکے نانا نے اسکا نام حنین رکھا تھا۔ جب جوان ہوا تو قریش میں اسکو بھیجدیا۔ مگر ہاشم کے قبیلے نے اسکو قبول نہ کیا کیونکہ اسکے پاس کوئی ایسی علامت نہ تھی جس سے معلوم ہوتا کہ یہ ہاشم کا بیٹا ہے۔
جب یہ وہاں سے محروم واپس آیا تو لوگوں نے جاء بخفی حنین یعنے محروم پھر آیا اور خفیف ہوا کیونکہ اگر ہاشم کے قبیلے والے اسکو اُن کا فرزند سمجھتے تو ضرور اسکے باپ کے موزے اسکو پہناتے۔
اسکے علاوہ اور بھی اس مثل کی وجہ بیان کیگئی ہے۔ مثل میں کہتے ہیں
...ن اسکی طرف بلند کی گردنیں جیسے کہتے ہیں اخیب من القابض علی الماء کیونکہ
در پہاڑ سے نیچے گر پڑ...ہی ہیں پانی کو پکڑنا چاہیگا سارا پانی گر جائیگا۔

ح دعن شاۃ اشعب

عرب کے لالچی

... جب زمانۂ اسلام میں مشہور لالچی تھا۔ عائشہ بنت عثمان کی کفالت میں رہتا تھا۔ ابوالزناد صاحب حدیث کی اور اسکی پرورش سویہ نے کی تھی۔ لیکن ابوالزناد بہ نسبت اشعب سے زیادہ لالچی تھا۔ خود اشعب نے بیان کیا ہے کہ میں اور ابوالزناد دونوں اعلیٰ درجہ کے لالچی تھے۔ مگر ابوالزناد کا درجہ کسی قدر مجھ سے بھی بڑھا ہوا۔
ایک دن اس سے کسی نے پوچھا تھا کہ تو نے اپنے سے زیادہ بھی کسی کو لالچی پایا ہے۔ اُس نے کہا ہاں میری ایک بکری تھی وہ مجھ سے بھی بڑھکے لالچی تھی۔ ایک دن پہاڑ پر چر رہی تھی آسمان پر قوس قزح نکلی ہوئی ... سمجھی ... گئی ... نکلا ...

منجملہ بخیلوں کے عمرو بن یزید اسدی بھی تھا۔ جو بخیل نے اپنی صاحب شرط تھا۔ اُس نے اپنے غلام کو حکم دیا تھا کہ حقنہ کے بعد جو فضلہ خارج ہو اُسکو جمع کر لیا کر اُس سے چراغ جلایا جائیگا۔

عرب کے بخیل

بخیل بہت سے آدمی عرب میں مشہور و معروف تھے۔ مگر صراحۃً سوائے ایک کے اور کسی کے نام سے مثل نہیں کہی گئی ہے۔ نام اُسکا محارق بن ہلال بن عامر بن صعصعہ تھا۔ اُس نے اپنی حکایت خود بیان کی ہے کہ اُس شخص نے اپنے اونٹوں کے پانی پینے کا حوض تک آگ سے بھر دیا تھا کہ کسی اور گروہ کے اونٹ اُسمیں پانی نہ پئیں۔ اور بدبو سے بھر جائیں۔ اسی وجہ سے ابخل من مادر کہتے ہیں۔

دو مثلیں اور بھی مشہور ہیں جنکے اصلی نام ظاہر نہیں کئے گئے۔ کہتے ہیں۔ فلان ابخل من ذی معذرۃ اور ابخل من الضنین۔

حکایت۔ ابو عبیدہ کے سامنے کسی نے ایک دن مادر مذکور الصدر کے قصے کو نقل کیا۔ ابو عبیدہ سن کے ہنسنے لگا۔ لوگوں نے ہنسی کا سبب دریافت کیا تو کہنے لگا مجھے سخت تعجب ہوتا ہے کہ کس طرح کا نام بدنام کر دیتے ہیں۔ اور مثل مشہور ہو جاتی ہے۔ اور جو زیادہ مستحق ہوتا ہے اُسکو چھوڑ بھی جاتے ہیں۔ دیکھو بیچارے محارق کا فعل کچھ ایسا برا نہ تھا۔ بلکہ قابل تاویل تھا اسپر بھی مثل میں اُسکو بدنام کر دیا۔ اور ابن زبیر جیسے خلیفہ زمانہ اور ابخل ناس کو چھوڑ گئے حالانکہ اُسکے ہر ہر فعل اور ہر ہر قول سے بخل ٹپکتا تھا۔ جس زمانے میں وہ خلیفہ تھا۔ اور حجاج بن یوسف سے جنگ چھڑی ہوئی تھی تو اسکے لشکر کے ایک شخص نے لڑتے لڑتے تین تیر اہل شام کے سینوں میں توڑ دیئے [illegible] سمجھا کہ [illegible] تو گھبرا گیا اور

محرومی میں ضرب المثل

ایک شخص [illegible] کی جنین محرومی میں ضرب المثل تھا۔ وہ خود اپنی حکایت اس طرح بیان [illegible] شخص [illegible] تھا یمن کے کسی جنگل میں آ گئی

حطیئۃ ۔ حمید ارقط ۔ ابوالاسود الدئلی ۔ خالد بن صفوان ۔

خطیئۃ ۔ ایک روز اپنے مکان کے دروازے پر کھڑا ہوا تھا۔ اور اُسکے ہاتھ میں چھڑی تھی۔ اتفاقاً اُسطرف سے ہوکے ایک آدمی گذرا۔ کہنے لگا بھائی میں مہمان ہوں حطیئۃ نے کہا کیا دیکھتا نہیں ہے کہ میرے ہاتھ میں چھڑی ہے۔ میں نے فقط مہمانوں ہی کی ٹانگوں پر مارنیکے واسطے لے رکھی ہے۔

حمید ارقط ۔ مہمانوں کی سخت ہجو کیا کرتا تھا۔ اس غرض سے کہ ہجو کے خوف سے میرے ہاں کوئی مہمان نہ آئے۔ ایک دفعہ کچھ لوگ اسکے گھر مہمان ہوئے۔ اس نے اُنکی دعوت میں خرمے کھلائے۔ اُسکے بعد اُنکی ہجو کہی۔ اُسمیں یہ نظم کیا کہ ان لوگوں نے گٹھلی سمیت خرمے کھائے۔

ابوالاسود دُئلی نے ایک دن ایک سائل کو ایک چھوارا صدقہ میں دیا۔ اور کہنے لگا کہ خدا تجھے اسیقدر جنت میں بھی نصیب کرے (گویا اُنہوں نے ایک خرما کیا دیا بڑی تمیع دیدی۔ اُسپر طرہ یہ کہ اپنے مال میں تو بخل کیا ہے خدا کے مال میں بھی بخل۔ کہ جنت میں بھی تمکو ایک خرما ملے) اور کہتا تھا کہ یوں ہی اگر میں فقیروں پر تصدق کیا کروں۔ تو آخر میں اُن سے بھی بدتر حالت میں ہوکے رہجاؤں گا۔ لہذا کسی کو خیرات دینا مناسب نہیں۔

خالد بن صفوان کے پاس جب کہیں سے کوئی درہم آجاتا تو اُسکو ہاتھ میں لیکے کہتا تھا دیکھ کب تک لوگوں کو عیب لگاؤ گے اور کب تک مارے مارے پھروگے اور کب تک ادھر اُدھر اوڑوگے اب میں تمہیں بہت دن تک بلکہ قید دوام میں رکھوں گا۔ یہ کہکے صندوق میں بند کردیتا اور اُسپر قفل لگا دیتا تھا۔

منجملہ بخیلوں کے عمرو بن یزید اسدی بھی تھا۔ جو حجاج بن یوسف کا صاحب شرط تھا۔ اُس نے اپنے غلام کو حکم دیا تھا کہ عشنہ کے بعد جسقدر تیل گرے اُسکو جمع کرلیا کر اُس سے چراغ جلایا جائیگا۔

خلیفہ منصور عباسی کا حادی خوان سلام حادی تھا۔ حج میں آنے جانے میں وہ حدی خوانی کرتا تھا۔ اور کبھی نصف درہم بھی اسکو خرچ نہ دیا۔
ابو العتاہیہ شاعر مشہور اور مروان بن ابی حفصہ متنبی شاعر مشہور۔ محمد بن جہم۔ سہل بن ہارون۔ اہل مرو وغیرہ بھی بخل میں فرد تھے۔ ان سب کی علحدہ علحدہ حکایتیں بڑی دلچسپ ہیں مگر اختصار کے لحاظ سے نہیں لکھی گئیں۔ بنی تغلب کی ہجو میں جریر نے نظم کیا ہے۔

قوم اذا اکلوا اخفوا کلامهم	"یہ ایسی قوم ہے کہ جب کھانا کھانے
واستوثقوا من رتاج الباب والدار	بیٹھتی ہے تو چپکے چپکے بات کرتے
قوم اذا استنبح الضیفان کلبهم	کہ کوئی سن نہ لے اور دروازے مضبوط
قالوا لامهم بولی علی النار	بند کر دیتی ہے۔ یہ ایسی قوم ہے کہ جب
فتمنع البول شحا ان تجود به	انکا کتا مہمان کو دیکھ کے بھونکتا ہے
وما تبول لهم الا بمقدار	تو فوراً اپنی ماؤں سے کہتے ہیں کہ

آگ پر موت دے کہ بجھ جائے کہیں مہمان آگ کی روشنی دیکھ کے چلا نہ آئے۔ مگر وہ بھی اعلیٰ درجہ کی بخیل ہے کہ پیشاب کرنے میں بخل کر لیتی ہے اور ذرا ہی موتتی ہے کہ جسمیں فقط آگ بجھ جائے۔ کہیں زیادہ نہ نکل جائے۔ شاید کسی دوسرے موقع پر کام لینا پڑے۔"
یہانتک تو عرب کے عیوب بیان ہوئے مگر اب ہم اس آگ کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جسپر عربوں کو بڑا فخر ہے۔ اور اسکو اپنی شرافت اور بخشش جود کی دلیل بتاتے ہیں۔
عرب کے لوگ آگ کے زیادہ ہونے پر بہت ہی فخر کرتے تھے۔ جسکے گھر میں آگ زیادہ ہو وہی زیادہ شریف اور مہمان نواز سمجھا جاتا تھا۔ اس سبب سے کہ آگ کا زیادہ ہونا اس بات کو بتاتا ہے کہ کھانا بہت پکتا ہے۔ اور کھانا کا زیادہ پکنا مہمانوں کے زیادہ آمد و رفت ظاہر کرتا ہے۔ اسی وجہ سے اس

آگ کو "نارالقریٰ" (مہمان کی آگ) کہتے ہیں۔ ایک فرینچ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ولیمہ اور دعوت پر عربوں کے فخر کرنیکا اصلی سبب یہی تھا کہ وہ اپنا سیر ہونا اور بے پروا ہونا ظاہر کریں۔ کیونکہ مفلس تو عام عرب ہیں اب اگر کسی کے پاس تھوڑا بہت مال ہے تو وہ اوروں پر اتنے مال سے فخر کرتا تھا۔ کیونکہ دیکھتا تھا کہ اوروں کے پاس تو اتنا بھی نہیں ہے

عرب کا ایک شخص حاتم طائی کے نام سے مشہور تھا۔ اصلی نام اسکا عبداللہ بن سعد بن حشرج بن امرالقیس بن عدی بن اخزم بن ربیعہ بن نفل بن غوث بن طے تھا۔ طے کا اصلی نام جلہمہ تہا مگر اسکو طے اسوجہ سے کہنے لگے کہ یہی پہلا وہ شخص ہے جس نے نہروں پر گھاٹ بند ہوائے ہیں۔ (حاتم کے معنے قاضی کے ہیں اور کوّے کو بھی حاتم کہتے ہیں)

حاتم عرب کے شعرا میں سے اور مشہور خطبہ خوانوں میں سے تھا۔ اسکی کنیت ابوسفانہ تھی۔ (سفانہ اسکی بیٹی کا نام تھا) کرم اور بخشش میں ضرب المثل تہا۔ کہتے ہیں اکرم من حاتم طی کیونکہ اسکے پاس جسقدر بھی مال آتا اسکو دے لے کے طے کر دیتا۔ ثنا عرنے لکھا ہے۔

ان السماحۃ والمروۃ والندیٰ	"جوانمردی اور مروت اور بخشش اس قبہ
فی قبلۃ ضربت علی ابن الحشرج	میں ہے جو ابن حشرج کے سر پر بنا ہوا ہے"

جب رات ہوتی تہی تو اپنے لڑکوں اور نوکروں سے کہدیتا تہا کہ آگ روشن کرلو کہ راہگیر مسافر اسکی روشنی کے سہارے ہمارے مکان تک آسکیں۔ اور اپنے مطلب کو یوں ادا کرتا تھا۔

اوقد فان اللیل لیل قرٌ	"آگ روشن کر کیونکہ رات سخت
عسیٰ یریٰ نارک من یمرٌ	جاڑے کی ہے شاید کوئی بےچارہ
ان جلبت ضیفا فانت حرٌ	راہگیر روشنی دیکھ کے آجائے۔

اگر تیرے اس کام سے کوئی مہمان آگیا تو پھر تو آزاد کردیا جائیگا"

عرب کا یہ بھی دستور تھا کہ جس زمانے میں سردی شدت سے ہوتی اور ہوائیں سخت چلتیں اور آگ نہ روشن ہو سکتی۔ تو اپنے مکان کے گرداگرد کتے ستون خیمہ میں باندھ دیتے تاکہ مسافر کی صورت دیکھکر بھونکے اور پتہ معلوم ہو جائے کہ کوئی مہمان آگیا۔ اسی وجہ سے کتوں کو داعی الضمیر کہتے تھے۔ یعنے مسافروں کا بلانے والا کیونکہ کتے کی آواز سن کے مسافر سمجھ جاتے تھے کہ یہاں کوئی بستی قریب ہے۔ اور اس آواز پر چلے آتے تھے۔ متمم النعم۔ مشیبن الذکر بھی اس کتے کا لقب تھا۔

حاتم کے علاوہ بھی جن لوگوں نے انتہا کی سخاوت کی ہے۔ اور عرب میں ضرب المثل بنے ہوئے ہیں۔

ایک تو کعب بن مامہ ایادی ہے اور دوسرا ہرم بن سنان ہے۔ خالد بن عبداللہ ہے۔ مگر ان تینوں میں مشہور کعب بن مامہ اور حاتم تھے۔ ابو تمام طائی کہتا ہے۔

کعب وحاتم اللذان تقاسما خطط العلی من طارف وتلید هذا الذی خلف السحاب ومات ذا فی المجد میتة خضرم صندید	کعب اور حاتم ہی فقط تھے جنہوں نے ہر قدیم اور جدید بزرگی اور بلندی کو آپس میں بانٹ لیا۔ حاتم تو ابر باراں کا خلیفہ بنا اور کعب بزرگی کے ساتھ

ایسی موت مرا جیسے کوئی بڑا سخی اور سردار قوم مرتا ہے۔"

لکھا ہے کہ کعب ایسا سخی تھا کہ اس نے اپنے دو دن پینے کا پانی ایک شخص کو دیدیا اور اتفاق سے سفر میں دوبارہ پانی دستیاب نہوا بے چارہ پیاس سے مرگیا۔ اسی وجہ سے مثل میں ہے۔ اجود من کعب بن مامہ۔

ہرم بن سنان ابو حارثہ مری کا بیٹا تھا۔ اسکی جود و بخشش کی مثل دیجاتی ہے۔ چنانچہ زہیر بن ابی سلمیٰ نے لکھا ہے

ان البخیل ملوم حیث کان و | لکن الجواد علی علاته هرم

هو الجواد الذی یعطیک نائله عفوا و یظلم احیانا فیظلم

عمر بن خطاب نے ہرم کی بیٹی سے پوچھا تھا کہ تیرے باپ نے زہیر کو ان شعروں کے بدلے میں کیا دیا کیونکہ اس نے ایسے شعر اسکی تعریف میں لکھے ہیں جس سے اسکا نام مثل کے طور سے مشہور ہوگیا۔ اس نے جواب دیا اعطاہ خیلا تنضی و ابلا تتوی و ثیابا تبلی و مالا یفنی

عمرؓ نے کہا لکن ما اعطاکم زہیر لا یبلیه الدهر و لا یفنیه العصر۔ (میرے باپ نے زہیر کو کچھ تو گھوڑیاں دی تھیں جو آخر لاغر ہو جانے والی تھیں اور کچھ اونٹ دیئے تھے جو آخر میں متغیر الحال ہو جانے والے تھے۔ اور کچھ کپڑے دیئے تھے جو کہ کبھی نہ کبھی پرانے ہو جانے والے تھے۔ اور کچھ مال دیا تھا جو ایک وقت خرچ ہو کے تمام ہو جانے والا تھا (حضرت عمر نے فرمایا) لیکن زہیر نے تمکو ایسی چیز دی ہے کہ نہ تو زمانہ کبھی اسکو کہنہ کرسکتا ہے۔ نہ عمر اسکو فنا کرسکتا ہے)

خالد بن عبداللہ نے خود اپنی نقل بیان کی ہے کہ ایک شاعر میرے پاس آیا اور میرا پاؤں رکاب میں تھا کسی لڑائی پہ جانا چاہتا تھا۔ اس شاعر نے یہ دو شعر پڑھے۔

یا واحد العرب الذی ما فی الانام له نظیر	"اے یکتائے عرب جسکا کوئی بھی نظیر خلق میں نہیں ہے۔ اگر ایک شخص اور بھی تیری مثل سخی ہوتا تو آج دنیا میں
لو کان مثلك اخر ما کان فی الدنیا فقیر	کہیں کوئی محتاج نہ دکھائی دیتا"

یہ سنکے فوراً میں نے بیس ہزار اشرفیاں اسکو دلوا دیں۔ وہ انہیں لیکے خوش خوش مکان کو چلا گیا۔

اب ذرا جاہلیت کے زمانے کی سخاوت اور اسلام کے زمانے کی بخشش میں تفرقہ کرو اور دیکھو کہ اگرچہ اس جاہلی نے ایک ہی گھوڑا دیا

پیاسے مسافر کو دیا تھا۔ مگر ایسے وقت میں جبکہ اُسکو نہایت ہی اُسکی ضرورت تھی۔ اور آخر خود بے چارہ پیاس سے مر گیا۔ اور خالد نے دو شعر پر بیس ہزار روپے دیدیئے۔ اور اُسکو کچھ معلوم بھی نہ ہوا۔ کہ میں نے کیا دیا۔ ظاہر ہے کہ بدوی عرب کی سخاوت اس موقع پر زیادہ ہے بہ نسبت شہری عرب کے اسکا سبب یہ ہے کہ بیچارے بدوی عرب خشک زمینوں میں رہا کرتے تھے۔ جہاں نہ پانی کا نام تھا نہ گھاس کا۔ مشکل سے اُنکی زندگی بسر ہوتی تھی۔ لوٹ مار پر اوقات گذارتے تھے۔ تو اُنکے جوادوں کو اس سے زیادہ سخاوت کرنے کا موقع نہیں ملسکتا۔ کہ یا تو کچھ اپنے پینے کے پانی سے کسی پیاسے کو پلا دیں۔ یا اپنے بچوں کے کھانے سے کسی بھوکے کو کھلا دیں یا اپنے پھٹے پُرانے کپڑے کسی کو پہنا دیں۔ اسی میں ایک دوسرے پر سبقت لیجانا چاہتا۔ اور اسی کو اپنا مایۂ فخر سمجھتا تھا۔ جیسا کہ کعب مذکور الصدر نے کیا اور اپنی جان دی۔

لیکن شہریوں اور اسلامیوں میں چونکہ ملک و دولت کی ترقی ہوئی اور بڑی بڑی آمدنیاں ہونے لگیں۔ افراط سے مال و اسباب ہر شخص کے پاس رہنے لگا۔ تو اُنکو سخاوت کرنے میں چنداں وقت نہ تھی۔

ابن خلدون مغربی نے لکھا ہے کہ عثمان بن عفان کے زمانے میں صحابہؓ نے مال و دولت کیطرف بہت رجوع کی اور دنیادار بنگئے۔ جس دن عثمانؓ قتل ہوئے ہیں اُنکے خزانے میں ڈیڑھ کروڑ اشرفیاں اور دس لاکھ درہم اور مال اسباب کی قیمت جو وادی قری اور حنین وغیرہ میں تھے قریب ایک لاکھ اشرفی کے تھے۔ اور کثیر تعداد گھوڑوں اور اونٹوں کے موجود تھے۔

اور ایک آدمی کا ترکہ (زبیر کا) جو اُسکے مرنے کے بعد رہگیا تھا۔ پچاس ہزار اشرفیاں نقد تھیں۔ اور ہزار گھوڑے ہزار لونڈیاں۔ درم نقد موجود نہیں۔ اور طلحہ کے پاس جو عراق سے غلہ آتا تھا اُسکی آمدنی ایک ہزار اشرفی روزانہ کی تھی۔ اور

ناحیہ سراۃ سے اس سے زیادہ آمدنی تھی۔ عمرو بن عاص کا طائف میں ایک باغ تھا۔ جو اس سے تین میل کے فاصلہ پر۔ اور یہاں سے وہاں تک دس لاکھ تختے بچھوا تا تھا۔ جسمیں سے ہر تختے کی قیمت ایک درہم ہوتی تھی۔

اسلام میں سب سے زیادہ مالدار زبیدہ بنت جعفر بن منصور عباسی کو سمجھتے تھے۔ اور جب کسی کی دولتمندی کی مثال دیتے تھے تو زبیدہ سے دیتے تھے۔ اسکا نام امۃ العزیز تھا۔ ہارون رشید عباسی کے نکاح میں تھی۔ اسکی سخاوت اور بخشش بھی اپنے زمانے میں انتہا کو پہونچی ہوئی تھی۔ مورخین نے لکھا ہے کہ اس نے سترہ لاکھ اشرفیاں مسجدوں کے تعمیر اور صدقات میں صرف کیں۔ اور دجلہ سے عرفات تک عرفات سے مکہ تک نہر جاری کرائی۔ اور کوہ لبنان سے بیروت تک چشمۂ عرعار جاری کرایا۔ اسکی انتہا وادی مکاس تک ہے۔ اسپر کئی کئی درجے کے پل بند ہوئے تھے۔ آخر اسپر سے بھی پانی چڑھ کے دوسری طرف کو نکل گیا۔ اس پل پہ سے زبیدہ حج کو گئی تھی۔ اب ان پلوں کو قناطر زبیدہ کہتے ہیں۔

یہ تو ایک مختصر حالت ان لوگوں کی دولتمندی کی ہے۔ اگر یہ تفصیل لکھنا چاہیں تو بہت طول ہو جائے گا۔ لیکن اسقدر تحریر کو دیکھ کے آدمی سمجھ سکتا ہے کہ اس دولتمندی کے مقابلے میں انکی سخاوت کا مقابلہ اگر بیچارے بدوی عربوں کی سخاوت سے کیا جائے جو محض اپنی طبعی رغبت اور فطری خواہش سے کرتے تھے تو ہرگز نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اگر اسکے طریقے اور موقعے دیکھے جائیں تب بھی بڑا فرق معلوم ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے کچھ زیادہ عجب نہیں معلوم ہوتا ہے۔ جو کہ خالد نے ایک شاعر کے ساتھ سلوک کیا۔ اور بنی امیہ اور عباسیہ بادشاہوں نے کیا۔ بلکہ انکے وزیروں اور عاملوں نے داد و دہش دی۔ جاگیریں تک دیدیں۔ اور پھر بھی اپنی حیثیت سے کم ہی سمجھتے تھے۔ اور بدرے کے بدرے اشرفیاں اور درہم دیتے تھے۔ اور کچھ بھی

حقیقت نہیں جانتے تھے۔ متنبی کہتا ہے۔

یستصغر الخطر الکبیر لوفدہ	"یعنے سیر چشمی ہے کہ کتنا ہی مال مہمان
و یظن دجلۃ لیس تکفی شاربا	کو دیدیا جائے جب بھی میرا ممدوح

اُسکو کم جانتا ہے۔ اور سمجھتا ہے کہ دجلہ بھی پینے والے کو کافی نہ ہوگا"۔

بلکہ بہت سی خبروں اور حالات سے ہم نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ بادشاہان اسلام جو مقداریں کسی کو بخشتے وہ پوری مقدار اُن لوگوں تک نہیں پہونچنے پاتی تھی۔ بلکہ خزانچی لوگ بہت کچھ خود لے لیتے اور تھوڑا بہت اُسکو دیتے تھے۔ جسے وہ مقدار دلوائی گئی ہے۔ جنیا کہ فاضل بن ربیع خزانچی مامون عباسی کہتا ہے کہ ایک دفعہ مجکو بادشاہ نے حکم دیا تھا کہ ایک شخص کو دو لاکھ درہم دے دو۔ میں نے نصف پر معاملہ کرلیا۔ اور ایک اور شخص کو چار ہزار درہم دلوائے۔ میں نے اُسکو ڈبل پیسہ بھی نہیں دیا۔ مگر اُس شخص نے ایک حیلہ کیا کہ مامون جب عاتکہ کے مکان پر جانے لگا تو خود بھی ساتھ لیا۔ وہاں پہونچکے اُس نے مامون کو مخاطب کیا اور کہا کیوں امیر المؤمنین یہی وہ مکان ہے جسکی بابت احوص نے کہا تھا۔

یا بیت عاتکۃ الذی اتغزل۔	حذر العدی و بہ الفواد موکل

مامون نے یہ شعر سنتے ہی اُسکا مطلب سمجھ لیا کیونکہ جس قصیدے کا یہ مطلع ہے اُسی قصیدے میں یہ شعر بھی ہے۔ جسکی طرف اُس شخص نے اشارہ کیا ہے۔

واراک تفعل ما تقول و بعضہم	"تو جو کہتا ہے وہی کرتا ہے۔ اور
مذق الحدیث یقول ما لا یفعل	بہت سے ایسے غیر خالص آدمی

ہیں کہ کہتے تو ہیں مگر کرتے ایک بھی نہیں"۔

فوراً مامون نے اُسکو ایک ہزار اشرفی دینے کا حکم دیا۔ اُس نے کہا جناب چار ہزار رقم تھی آپ ایک ہی ہزار پر ٹہلاتے ہیں۔ مامون نے کہا کہ

ایک ہزار اگر ملجائیں تو اُن چار ہزار سے بہت بہتر ہیں جو نہ ملیں۔

ابتدائے سلطنت کے زمانے میں بنی امیہ کی بخشش میں بخشش اونٹ تھی۔ کیونکہ اُن میں اُسوقت تک بادیہ نشینی اور ہوس بنا باقی تھا۔ اور جب کسی کو اونٹ عنایت کرتے تھے تو اُسکے کوہان میں شترمرغ کے پر لگا دیتے تھے۔ تاکہ معلوم ہو کہ یہ اونٹ بادشاہ کا عطیہ ہے۔ اور اسبات پر دلیل ہو کہ ہماری حکومت شترمرغ کی بلند پروازی سے زیادہ بلند ہے

جب عباسیوں اور عبیدیوں کا زمانہ آیا تو جائزے اور بخشش اونٹوں مال اسباب اور کشتیوں میں خلعت کے جوڑے اور کثرت سے گھوڑے مع زین دیئے جانے لگے۔

یہی حال کتامہ کا افریقیہ میں بادشاہانِ اغلبیہ کے ساتھ رہا۔ اور بنی طنج کا مصر میں۔ اور یہی رنگ لمتونہ اندلس کے بادشاہوں کے ساتھ اور زناتہ کا موحدین کے ساتھ رہا ہے۔ کیونکہ بود و باش عرب کے موحدین کی عموماً ایک سلطنت سے دوسری سلطنت کیطرف منتقل ہوتی رہی ہے۔ مثلاً بنی امیہ اور بنی عباس کی بود و باش عجم میں منتقل ہوگئی۔ اور پھر بنی امیہ کی بود و باش اندلس میں مغربی بادشاہوں اور زناتہ کیطرف۔ پھر ترک سے سلجوقیہ سلطنت کیطرف پھر ترک غلاموں کیطرف جو مصر اور تاتار میں سلطنت کرتے تھے۔ جیساکہ ابن خلدون کے کلام سے واضح ہوتا ہے۔ جس نے وزرا بنی آل مہلب (بنی مہلب) کے قصے برامکہ کے قصے (جو بنی عباس کے وزیر تھے) بیان کیے ہیں اُسکو معلوم ہو سکتا ہے کہ کسقدر انکی سخاوت تھی۔ اور کس حد پر داد و دہش کا پیمانہ قائم تھا۔

ابوالحسن مدائنی نے ایک حکایت یزید بن مہلب بن ابی صفرۃ الازدی کی لکھی ہے۔ کہ کسی علاقہ کے جزیے بطور خراج کے آئے تھے۔ یزید کے وکیل نے اُسکو چالیس ہزار درہم پر فروخت کر دیا۔ جب یہ خبر یزید کو پہونچی تو اُس نے

اپنے وکیل سے کہا کہ کیا تو نے ہمکو بنیا بقال بنایا ہے کہ خرچ سے بچ بچ کے روپیہ جمع کریں۔ کیا از میں بیچاری بیوائیں۔ بڑھیاں نہیں تھیں۔ کہ ان خزینوں کو ان پر تقسیم کر دیتا۔

عمر بن لجا نے آل مہلب کی تعریف میں یہ شعر کہے ہیں۔

آل المهلب قوم ان نسبتهم
كانوا الاكارم آباءً واجدادا
كم حاسد لهم يعيا بفضلهم
وما دنا من مساعيهم وما كادا
ان العرانين تلقاها محسدة
ولا ترى للئام الناس احسادا
او قيل للمجد حل عنهم وخلهم
بما احتكمت من الدنيا لما حادا
ان المكارم ارواح يكون لها
آل المهلب دون الناس اجسادا

آل مہلب ایسی قوم ہے کہ اگر تو انکا نسب بیان کرے تو وہ ہمہ تن مکارم اور بخشش ہوگی۔ اپنے باپ دادا کے وقت سے بہت سے حاسد کہ انکے فضل کو دیکھ کے جلتے ہیں۔ اور کبھی بھی انکی کوشش سے قریب نہیں جا سکتے اور نہ یہ بات آسان ہے کہ ہو جائے چوٹی ہی کے لوگوں کے دنیا میں حاسد بھی ہوتے ہیں۔ اور کمینوں رذیلوں کا کبھی کوئی حاسد نہیں بنتا۔ اگر انکی بزرگی سے کہو کہ انکو چھوڑ کے چلی جا تو کبھی قبول نہ کرے گی۔ مکارم تو روحیں ہیں اور آل مہلب اسکے لئے بدن جنمیں وہ رہتی ہیں"۔

کسی نے ایک مرتبہ یزید سے کہا تھا کہ تم اپنے واسطے کوئی مکان نہیں بنواتے ہو؟۔ جواب دیا کہ آخر میں اس مکان کو کیا کرونگا حالانکہ میرے واسطے ایک مکان بنا بنایا تیار شدہ مع سامان کے موجود ہے۔ سائل نے کہا پھر وہ کہاں ہے۔ کہیں معلوم بھی تو ہو۔ یزید نے جواب دیا جب تک میں حاکم ہوں دار الامارۃ ہی میرا مکان ہے۔ اور جب میں معزول کر دیا جاؤں گا تو قید خانہ میرے رہنے کے واسطے کافی ہے۔

یزید نے یہ جملہ اسوجہ سے کہا کہ اسوقت کے بادشاہوں کا قاعدہ تھا کہ

جہاں معمولی سی بھی کوئی خطا عامل سے ہو گئی تو فوراً قید میں بھیجد یا جاتا تھا اور یزید بھی بنی امیہ کا عامل ہی تھا۔ اسکو مسلمہ نے قتل کر دیا۔ اور اسکا سر اُسکے بھائی یزید بن عبدالملک کے پاس ۱۰۲ھ ہجری مطابق ۷۲۰ء میں بھیجدیا۔

احمد بن حرب یزید مذکور الصدر کا بھتیجا تھا۔ اس نے اسماعیل بن ابراہیم بن حمدویہ بصری حمدوی شاعر کو خلعت میں ایک کہنہ طیلسان دی تھی۔ اسکو عوض میں اسماعیل نے تقریباً دوسو سے زائد ظرافت آمیز قطعات احمد بن حرب کی بابت نظم کئے۔

یا ابن حرب کسوتنی طیلساناً	"اے ابن حرب تو نے مجھے طیلسان دی
اخلقته الازمان وهو سقیم	ہے جسے زمانوں نے بوسیدہ کر دیا ہے
فاذا ما رفوته قال سبحا	اور وہ بصورت بیمار ہے۔ میں نے
نك محیی العظام وهی رمیم	جس وقت اسکو رفو کیا تو اس نے

کہا واہ کیا قابل شخص ہے کہ بوسیدہ اور سڑی ہوئی ہڈیوں کو بھی تو نے زندہ کر دیا"۔

اس زمانے کے ادیبوں اور شاعروں میں اس چادر کا بڑا چرچا پھیل گیا تھا۔ جب کوئی بوسیدہ اور کہنہ چیز نظر آتی تو اسی چادر سے تشبیہہ دیتے۔ جسطرح سے ضرب زیدٌ عمراً کی مثال میں کہتے ہیں جلد عمرٍ المنزق بالضرب (عمر کے بدن کی کھال مار کھاتے کھاتے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی ہے) اس سبب سے کہ نحویوں کو ایسی عادت پڑ گئی ہے کہ جہاں فاعل یا مفعول کی ضرورت ہوتی ہے جھٹ ضرب زید عمرواً کی مثال پیش کرتے ہیں۔ (یعنے زید نے عمر کو مارا۔) گویا اُنکا مطلب یہ ہے کہ عمر کو اسقدر مارا اسقدر مارا کہ غریب کے بدن کی کھال پھٹ گئی۔

لیکن یہاں غور طلب یہ بات ہے کہ باوجودیکہ شاعر نے احمد بن حرب کی

ہجو کہی اور اسقدر کہی کہ کوئی حد باقی نہ رہی۔ پھر بھی اسد نے کوئی انتقام اس شاعر سے نہیں لیا۔ یہی حالت اُس زمانے کے امرا و رؤسا میں تھی۔ اسقدر خوش اخلاقی اور سخاوت وعطا کا بازار گرم تھا کہ شعرا کو لاکھوں ہی روپے دیتے تھے۔ اور اُنکی ہجو و ملامت کی کچھ پروا نہ کرتے تھے۔

دیکھئے معن بن زائدہ بن عبداللہ بن مطر بن شریک بن عمر شیبانی کو جو کہ بنی امیہ کیطرف سے اکثر مقامات پر والی رہ چکا تھا۔ اور آخر سنہ ۱۵۰ھ ہجری مطابق سنہ ۷۶۷ء میں مارا گیا تھا۔ اور اسکی سخاوت اور چشم پوشی اور حلم پر غور کیجئے۔ ایک مرتبہ ایک نوجوان آدمی نے چند شعروں میں اسکی ہجو کہی۔ اور بیجا کے اُسی کے سامنے پڑھنا شروع کیا۔ معن برابر اُن شعروں کو سنتا رہا اور یہی کہتا تھا لله وماذا۔ (لله ایک کلمہ تعجب ہے اور وماذا سے مراد یہ ہے کہ اچھا اور کیا ہوا) آخر میں جوان نے ایک شعر پڑھا جسمیں اسبات کی درخواست تھی کہ میں نے جو تیری ہجو کی ہے اسپر مجھکو انعام دلوا۔ معن نے فوراً اسکو انعام دلوایا۔ پھر اُس نے ایک شعر پڑھا جسمیں اسبات کو ظاہر کیا کہ ابھی اور انعام ملنا چاہئے۔ معن نے اور بھی دلوایا۔ اخیر میں جوان نے اس شعر پر اپنے قصیدے کو تمام کیا۔

سألت الله ان یبقیك ذخرا | "میں خدا سے سوال کرتا ہوں کہ تمکو ذخیرہ
فمالك فی البریة من نظیر | کے طور سے ہمیشہ باقی رکھے۔ کیونکہ
اے معن دنیا میں تمہارا کوئی نظیر نہیں ہے۔"

ایک اور شاعر معن کے دروازے پر آیا اور اندر جانے کی اجازت چاہی مگر کسی نے اجازت نہ دی۔ آخر اُس نے ایک لکڑی کی تختی پر یہ شعر لکھا۔

ایا جود معن ناج معنا بحاجتی | "اے امیر معن کی بخشش معن کے سامنے
فلیس الی معن سواك سبیل | تو ہی میری سفارش کرے۔ اور میری
حاجت کو اس سے بیان کر کیونکہ تیرے سوا وہاں جانے کی راہ کسی کو نہیں

مل سکتی"۔

اور جس باغ میں معن بیٹھا ہوا تھا اُسکی نہر میں ڈالدیا۔ جسمیں پانی بہ کے باغ میں جاتا تھا۔ معن نے جونہی وہ لکڑی پانی پر بہتی ہوئی دیکھی اُٹھالیا۔ اور پڑھا۔ اُسی وقت اُس شاعر کو بلایا اور ایک لاکھ درہم دیئے۔ اور لکڑی کو اپنے بچھونے کے نیچے رکھ لیا۔ دوسرے دن صبح کو بچھونے کے نیچے سے لکڑی نکالی اور پڑھا۔ پھر بلا کے اُسکو ایک لاکھ درہم دیئے۔ پھر فرش کے نیچے رکھلیا تیسرے دن پھر اُسکو پڑھا اور پھر شاعر مذکور الصدر کو بلا کے ایک لاکھ درہم دلوائے۔ شاعر نے اپنے دل میں یہ خیال کیا کہ مبادا اب کی بار بلا کے کل درہم چھینوا لے اور شاید کچھ رائے پلٹ جائے۔ اس سے بہتر ہے کہ یہاں سے غائب ہی ہوجاؤ۔ یہ سوچ کے فوراً شہر سے باہر چلدیا۔ چوتھے دن پھر معن نے اُسکو بلایا مگر نہ ملا۔ معن نے بہت افسوس کیا اور کہا کہ شاعر نے بدگمانی کی میں نے تو قصد کیا تھا کہ برابر اُسکو اسی طرح دیتا رہونگا۔ یہانتک کہ میرا خزانہ بالکل خالی ہوجائے اور ایک درہم بھی نہ رہجائے۔ ایک شاعر نے کہا ہے۔

یقولون معن لا زکوٰۃ لماله	"لوگ کہتے ہیں کہ معن اپنے مال
وکیف یزکی المال من ھو باذله	کی زکوٰۃ نہیں دیتا۔ حالانکہ وہ شخص
اذا حال حول لم یجد فی دیاره	کیونکر زکوٰۃ دے سکتا ہے۔ جو ذات
من المال الا ذکره وجمائله	اپنا مال لُٹاتا ہو۔ جبکہ زمانہ متغیر ہوجائیگا
تراه اذا ما جئته متهللاً	تو سوائے اُسکے نیک نام کے اور
کانك تعطیه الذی انت سائله	کچھ نہ رہجائیگا۔ جب تو اُسکے پاس کوئی
تعود بسط الکف حتی لو انه	حاجت لیکے آتا ہے تو وہ ایسا خوش
اراد انقباضاً لم تطعه انامله	ہوتا ہے کہ گویا جو چیز تو اُس سے
فلو ان ما فی کفه غیر نفسه	مانگنے آیا ہے وہ اُسی کو دیا جاتا ہے
لجاد بها فلیتق الله سائله	اُس نے ایسی سخاوت کی عادت کرلی

کہ اگر کسی وقت بالفرض وہ یہ بھی چاہے کہ ہیں ہاتھ روک لوں تو ہرگز اُسکی انگلیاں راضی نہونگی۔ اگر اُسکے ہاتھ میں اُسکی جان ہو تو عجب نہیں کہ جان کے طالب کو اپنی جان بھی دیدے۔ اسواسطے ضرور ہے کہ اُس سے سوال کرنیوالا اعدا سے ڈرتا رہے۔ کہ کہیں اُسکی جان نہ مانگ لے"۔

آل برمک کی بھی سخاوت دنیا کے صفحات پر یادگار ہے۔ جن لوگوں نے انکی تاریخ دیکھی شاید وہ فیصلہ کرسکتے ہیں کہ جود وبخشش میں ان سے بڑھکے دنیا کی کسی قوم اور کسی شخص نے حصہ نہیں لیا۔ محمد بن مناذر آل برمک کی تعریف میں کہتا ہے۔

اتانا بنو الاملاك من آل برمك
فيا طيب اخبار واحسن منظر
لهم رحلة في كل عام الى العدى
واخرى الى البيت العتيق المنور
اذا نزلوا بطحاء مكة اشرقت
بيحيى وبالفضل بن يحيى وجعفر
فما خلقت الا لجود اكفهم
واقدامهم الا لسعي مظفر
اذا رام يحيى الامر ذلت صعابه
وناهيك من راع له ومدبر

"ہمارے پاس آل برمک کے شہزادوں کی خبر پہونچی پس کسقدر یہ خبر کانوں کو بھلی لگتی ہے۔ اور کیسا اچھا منظر ہے آل برمک ایک سال تو دشمن پر خروج کرتے ہیں اور دوسرے سال بیت عتیق خانہ کعبہ کا سفر کرتے ہیں۔ جب مکہ کے بطحا میں اُنکا ورود ہوتا ہے تو یحیی اور فضل بن یحیی اور جعفر کے نور سے تمام مکہ روشن ہوجاتا ہے۔ انکے ہاتھ فقط بخشش کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور اُنکے قدم کوشش مظفر و منصور کے واسطے۔ جب یحیی کسی سخت امر کو شروع کرنا چاہتا ہے تو کیسا ہی سخت کیوں نہ ہو تو اُسکے لئے آسان ہوجاتا ہے اور تجکو خبر دیتا ہے کہ وہ کیسا اُسکا محافظ اور مدبر ہے"۔

ابونواس نے اِنہی برامکہ کی شان میں نظم کیا ہے۔

ان البرامكة الكرام تعلموا

"برامکہ نے خود نیکی کرنا سیکھا اور بہت سے

فعل الجمیل وعلموا الناسا
کانوا اذا غرسوا سقوا واذا بنوا
لا یہدموا لما بنوہ اساسا
واذا ہم صنعوا الصنائع فی الوریٰ
جعلوا لہا طیب الثناء لباسا

لوگوں کو سکھا گئے۔ انکا قاعدہ یہ تھا کہ جب درخت لگاتے تھے تو اسکو سینچتے تھے۔ اور جب کوئی عمارت بناتے تھے تو کبھی اسکی بنیا نہیں ڈھاتے تھے۔ جب وہ خلق خدا میں نیکی کرتے تھے تو اسکو اچھی ناموری اور بقائے شہرت کا لباس پہنا دیتے

برامکہ میں سے جسکو سب سے پہلے وزارت ملی ہے خالد بن برمک بن جاماس بن یشتاسف برمکی تھا۔ سفاح اول خلیفہ عباسی نے اسکو اپنا وزیر بنایا تھا۔ اسکا باپ بلخ کا مشہور مجوسی تھا۔ برمک اور اسکی اولاد نوبہار (ایک مندر تھا مجوسیوں کا) کی دربانی کرتے تھے۔ اور سدنۂ نوبہار کہے جاتے تھے۔

جب ہارون رشید کو خلافت ملی تو اس نے جعفر بن یحییٰ کو اپنا وزیر بنایا اور اپنی بہن عباسہ سے اسکا عقد کر دیا۔ غرض کہ جعفر کا وقار اور مرتبہ اسقدر بڑھ گیا تھا کہ شاید اس سے بڑھکر آجتک کسی بادشاہ کے وزیر کو خواب میں بھی نصیب نہوا ہوگا

اسکی ایک حکایت لکھی ہوئی ہے کہ ایک دن جعفر نے مجلس شراب آراستہ کی اور دربان کو حکم دیا کہ اسوقت کسی شخص کو اندر نہ آنے دینا کہ وہ محل صحبت عشرت ہو سو۔ فقط عبد الملک بن بحران (جو اسکی اردل کا سپاہی تھا) کو اجازت ہے

دربان نے ابن بحران لفظ تو سنا ہی نہیں فقط عبد الملک کا لفظ سنا۔ سمجھا کہ جو کوئی عبد الملک کے لفظ سے پکارا جاتا ہو اسکو اجازت ہے۔ اسی خیال سے اس نے عبد الملک بن صالح ہاشمی کو اجازت اندر جانے کی دیدی جب یہ جعفر کے پاس پہونچے (اور اسکے بدن میں اس زمانہ کے دستور کے موافق کالے کپڑے تھے) اور نگاہ اسکی انپر پڑی۔ دیکھتا ہی متغیر ہوا کیونکہ وہ سمجھا تھا کہ عبد الملک بن بحران آئیگا جو اسکا رازدار ہے۔ یہاں دوسرے صاحب نازل ہوئے۔ عبد الملک نے جعفر کا چہرہ دیکھکے تاڑ لیا کہ میرے آنے

اسکو کچھ ملال ہوا ہے۔ فوراً اپنے کالے کپڑے اتار کے نوکر کو دیئے اور ارباب محفل میں آ بیٹھے۔ اور سب پر سلام کر کے کہنے لگے کہ ہم بھی تمہارے ساتھ اس محفل عیش میں شریک ہیں۔ (حالانکہ اس سے قبل ہارون رشید نے ان سے بہت اصرار کیا تھا اور اپنی مجلس میں انکو شراب پلانی چاہی تھی۔ مگر انھوں نے گوارا نہیں کیا تھا) فوراً خدمتگار نے ریشمی کپڑے حاضر کئے۔ بن صالح نے وہ کپڑے پہن لئے اور اہل محفل کے ساتھ شغل مے نوشی میں مصروف ہوئے۔ پہلے ایک رطل شراب لائی گئی کہنے لگے "جعفر میں نے آج سے پہلے کبھی شراب نہیں پی تھی۔ لہذا جسقدر ممکن ہو پلائے جا۔ جعفر نے ایک بادیہ اُنکے سامنے رکھوا دیا۔ جہانتک اُن سے ممکن ہوا مزے سے شراب اُڑاتے رہے۔ جب وہاں سے چلنے لگے تو جعفر نے دریافت کیا کہ کوئی ضرورت ہو تو کہئے۔ کیونکہ آپ نے جو آج میری قدر افزائی کی ہے اُسکا شکریہ میں نہیں ادا کر سکتا۔ عبد الملک نے کہا فقط میرا یہ کام ہے کہ خلیفہ مجھسے کسیقدر کشیدہ رہتے ہیں۔ اُنکا دل میری طرف سے آپ صاف کر دیں۔ جعفر نے کہا۔ "آپ مطمئن رہیں خلیفہ آپ سے راضی ہو گیا۔

عبد الملک۔ میں چار لاکھ درہم کا قرضدار ہوں اُسکی ادائیگی کا آپ فکر کر دیں۔

جعفر۔ آپ کا قرض ادا کر دیا۔ لیجئے یہ چار لاکھ درہم حاضر ہیں۔ مگر خلیفہ اگر آپ کا قرض ادا کرے تو شاید اس سے بہتر ہوگا کہ میں ادا کروں۔ کیونکہ اُس صورت میں لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ آپ کی قدر خلیفہ کی نگاہ میں کتنی ہے۔

عبد الملک۔ اور میرا بیٹا ابراہیم ابھی کنوارا ہے میں اُسکا عقد کرانا چاہتا ہوں۔ مگر خلیفہ کی لڑکی سے۔

جعفر۔ خلیفہ نے اپنی لڑکی مسماۃ عالیہ سے آپ کے صاحبزادے کا عقد کر دیا۔

عبد الملک۔ اور میں چاہتا ہوں کہ ابراہیم کے سر پر علم کا پھریرا لہراتا دیکھوں

جعفر۔ یہ کیا مشکل ہے خلیفہ نے ابراہیم کو مصر کا حاکم بنا دیا۔

ان گفتگوؤں کے بعد عبدالملک واپس گئے۔ مگر چونکہ جسقدر باتیں جعفر نے کی تھیں وہ سب خودسری کی تھیں۔ اسوجہ سے خلیفہ کے پاس جاکر انکو عذر کرنا بھی ضرور ہے۔ غرض سوار ہوکے حاضر دربار ہوئے۔ اور آج کا کل واقعہ من وعن رشید سے کہہ سنایا۔ ہر بات پر رشید احسن احسن کہتا رہا۔ پھر پوچھا اب کیا رائے ہے جعفر نے کہا پھر ان سب باتوں کو ہو بھی جانا چاہیئے۔ رشید نے فوراً جعفر کے سب وعدوں کے ایفا کا حکم دیدیا۔ لیکن آخری انجام یہ ہوا کہ یہی جعفر جسکو امور خانگی اور ملکی میں رشید کے اس قدر مداخلت تھی۔ ایک دن بے قصور مارا گیا۔ اور جن برامکہ کو یہ عزت وحشمت حاصل تھی کہ دنیا جنکی حالت پر رشک کرتی تھی ایسے تباہ وبرباد ہوئے کہ نشان تک نہ باقی رہا۔ (ہاں نام تو اتبک روشن ہے) مورخین نے برامکہ کے زوال کے اسباب بہت سے لکھے ہیں مگر کوئی انمیں سے قابل اعتبار نہیں۔

ابن خلکان لکھتا ہے کہ ایک دن علیہ بنت مہدی نے رشید سے پوچھا "بھیا جس دن سے تم نے جعفر کو قتل کیا ہے میں دیکھتی ہوں کہ کسی وقت تمہارا چہرہ بحال نہیں رہتا۔ جب یہی تھا کہ آخر کیوں اسکو قتل کرایا"۔ رشید۔ بہن میں اسکا سبب بالکل نہیں بتا سکتا۔ کیونکہ اگر میں جان لوں کہ میرے لباس تک اس راز کو جانتے ہیں کہ انکو بھی پھاڑ کے پھینکدوں"۔

عجیب حکایت۔ حسن بن سہل نے جسوقت اپنی بیٹی مسماۃ بوران کا عقد مامون رشید عباسی سے کیا تھا۔ تو بوران کی رائے سے دعوت ولیمہ کا ایک جلسہ کیا اور ایسے کھانے کھلائے کہ اس وقت تک کسی نے بھی اسطرح کی دعوت نہ کی ہوگی۔ علاوہ دعوت ولیمہ کے عجیب بات یہ تھی کہ کھانے سے فارغ ہو لینے کے بعد حسن نے مشک کی گولیاں جنکے اندر ایک ایک پرچہ کاغذ کا (کسی پہ گھوڑا کسی پہ جاگیر کسی پہ نقد روپے لکھے ہوئے تھے)

بند تھا اہل مجلس پر نثار کے طور سے پھینکا۔ جسکے ہاتھ جو گولی آئی اُس نے توڑ کے دیکھا۔ جو کچھ اُس پرچے پر لکھا تھا اُسے لئے ہوئے داروغہ کے پاس چلا گیا۔ فوراً داروغہ نے اُسکی تعمیل کی کسی کو جاگیر ملی کسی کو گھوڑے ملے کسی کو غلام ملے۔ کسی کو نقد روپے ملے۔ غرض کہ سبھی مالا مال ہو گئے اسکے بعد درہم و دینار کی اسطرح بوچھاڑ کرائی جیسے ساون میں کبھی ونگڑے کا پانی پڑتا ہے۔ اور عنبر و مشک علاوہ لٹائے گئے۔ اور مع لشکر و حشم و خدم اُنیس دن تک مامون کی دعوت کی غرض (۵۰۰۰۰۰۰۰) درہم حسن بن سہل نے شادی میں صرف کئے۔ جب مامون واپس آنے لگا تو (۰۰۰۰۰۰۰۰) درہم دیتا چلا۔ فوراً حسن نے دہ درہم اُسی کے لشکر اور حشم و خدم پر لٹا دیئے۔ یہ واقعہ سنہ ۲۱۰ ہجری مطابق ۸۲۵ء کا ہے۔ بوران کی مثل قریش سے دیجاتی ہے۔ "احسن من قراش بوران" کی مثل اسی بوران کے قریش کی ہے بنت اسکا نام خدیجہ اور بوران لقب تھا۔ اِسی کے بارے میں شاعر کہتا ہے۔

بارك الله للحسن ولبوران في الختن يا امام الهدى ظفرت ولكن ببنت من	"حسن بن سہل اور بوران کو اس عقد میں اور اس داماد میں برکت دے۔ اے پیشوا تو ظفریاب تو ضرور ہوا مگر کس کی لڑکی پر"

ایک بہت سے آدمی بیٹھے ہوئے سخیوں کا ذکر کر رہے تھے۔ آخر بعد بحث کے سلطنت مروانیہ کے زمانے میں آل مہلب کی سخاوت پر سب نے اتفاق کیا۔ اور سلطنت عباسیہ کے زمانے میں برامکہ کی سخاوت پر مگر بعد اس بحث کے یہ بھی طے پا گیا کہ احمد بن ابی داؤد سے بڑھکر ابتک کوئی بھی سخی نہیں ہوا ہے۔

احمد کی کنیت ابو عبداللہ تھی۔ اسکے باپ کا نام فرج بن جریر بن مالک بن عبداللہ بن عباد تھا۔ انکا نسب نزار بن معد بن عدنان ابادی تک پہونچتا ہے

یہ شخص مروت اور تعصب میں مشہور تھا۔ اسکی بہت سی حکایتیں معتصم عباسی کے متعلق تواریخ میں مندرج ہیں۔ تمام عمر اسکی علم ہی میں گذری۔ گویا کہ علم ہی میں پالا گیا تھا۔ خصوصاً علم فقہ اور علم کلام میں اسکو اعلیٰ دستگاہ تھی۔ کوئی رئیس آدمی ایسا فصیح و بلیغ اور عالم اسوقت تک نہیں ہوا۔ یحییٰ بن اکثم کی معزولی کے بعد معتصم نے احمد کو قاضی القضاۃ بنا دیا تھا۔ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ اس نے ایک روز احمد بن حنبل کا امتحان لیا تھا اور مسئلہ خلق قرآن میں بند کر دیا۔ یہ شخص معتزلی المذہب اور شاعر بے بدل اور نہایت فصیح و بلیغ تھا۔ سنہ ۲۴۰ ہجری مطابق ۸۵۴ء میں انتقال کیا۔ انکے انتقال کے دن اہل علم اور اہل ادب کا ایک عظیم الشان گروہ انکے مکان پر مجتمع تھا۔ جب انکا تابوت اٹھایا گیا ہے تو اسوقت مجمع میں سے تین آدمی اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک نے یہ شعر پڑھے

اليوم مات نظام الملك واللسن	ومات من كان يستعدى على الزمن
واظلمت سبل الآداب اذ حجبت	شمس المكارم في غيم من الكفن

پھر دوسرے شخص نے یہ شعر پڑھے۔

ترك المنابر والسرير تواضعاً	وله منابر لو يشاء وسرير
ولغيره يجبى الخراج وانما	يجبى اليه محامد واجور

پھر تیسرے نے یہ اشعار پڑھے۔

وليس فتيق المسك ريح حنوطه	ولكنه ذاك الثناء المخلف
وليس صرير النعش ما تسمعونه	ولكنه اصلاب قوم تقصف

عرب کی امانتداری اور وفا

امانتداری میں بھی عرب یکتائے روزگار سمجھے جاتے تھے۔ وعدہ خلافی سے سخت دشمن تھے۔

مگر دو شخص ایسے گذرے ہیں جنکے نام کی مثل دیجاتی ہے۔
ایک تو سموأل بن عادیا ہے جو اپنی وفاداری میں ضرب المثل تھا۔ یہ شخص یہودی تہا۔ اسکا باپ عریض بن عادیا تھا۔ اسکے نام کی تحقیق میں کسی نے تو سموأل لکھا ہے اور کسی نے سمول بغیر ہمزہ کے۔ معنے اسکے سلائے گئے ہیں)
امرأالقیس نے اسکے پاس اپنی چند زرہیں بطور امانت کے رکھوائی تھیں۔ جبکہ اُسکا ارادہ قیصر روم کے پاس جانے کا تھا۔ جب امرأالقیس کا انتقال ہوگیا تو حارث بن ابی شمر غسانی نے سموأل سے وہ زرہیں مانگیں مگر وہ کب دینے والا تھا۔ حارث نے پھر فوجکشی کی۔ غرض تب بہی اُس نے نہ دیں۔ آخر حارث نے سموأل کے بیٹے کو ذبح کر دیا پھر بھی کچھ فائدہ نہ ہوا۔ جب موسم حج آیا اور امرأالقیس کے ورثا سے ملاقات ہوئی تو سموأل نے وہ زرہیں وغیرہ اُسکے وارثوں کو دیدیں۔ یہ معنے وفاداری کے ہیں۔
حارث نے جس وقت اسکے بیٹے کو ذبح کیا تھا اُسوقت اس نے یہ اشعار پڑہے تھے۔

وفیت بادرع الکندی انی	اذا ما ذم اقوام وفیت
واوصی عادیا یوما بان لا	تھدم یا سموأل ما بنیت

اور یوں بہی نقل ہوا ہے۔

وفیت بادرع الکندی انی	اذا ما خان اقوام وفیت
بنی لی عادیا حصنا حصینًا	اذا ما سامنی ضیما ابیت

اسی سموأل کے ایک قصیدہ سے کا یہ شعر بہی ہے۔

تعیرنا انا قلیل عدیدنا	فقلت لھا ان الکرام قلیل

دوسرا عرقوب جو وعدہ خلافی میں طاق تھا۔ یہ شخص خیبری تھا بعض نے لکھا ہے کہ یثرب کا رہنے والا تھا بعضوں نے عمالقہ میں اسکو شمار کیا ہے

اعلیٰ درجے کا جھوٹا اور وعدہ خلاف تھا۔ کبھی کوئی وعدہ نہیں کیا جسکو پورا کیا ہو۔ اخلف من عرقوب کی مثل انہی کی ذات شریف سے مشہور ہوئی ہے۔

ایک شخص ابو حباحب تھا۔ اُسکی بابت بھی اخلف من ابی حباحب کی مثل مشہور ہے یہ شخص نہایت ہی بخیل تہا۔ رات کو اپنے گھر میں آگ تک نہیں جلاتا تھا۔ اس خوف سے کہ لوگ آگ مانگنے آئینگے۔

عوف بن محلم۔ اسکی بیٹی جماعہ۔ حرث بن ظالم۔ ام جمیل۔ (ابو ہریرہ کے قبیلے سے) ابو حنبل طائی۔ حرث بن عباد۔ فکیہہ (بنی قیس بن ثعلبہ میں سے ایک عورت تھی) بھی وفاداری میں مضروب المثل ہیں۔ اور سب کی علحدہ علحدہ حکایتیں ہیں۔ جنکی تفصیل کا اسوقت موقع نہیں ہے۔

ہمسایہ کی رعایت اور معاہدہ کی حمایت

چونکہ ریاست اور شرافت کے لوازم ہیں ہمسایہ کی رعایت کرنا اور اُنکے ساتھ حسن خلق سے پیش آنا وقت پر مدد دینا۔ اس سبب سے عرب حق ہمسایہ کو اپنے اوپر فرض سمجھتے تھے۔ عرب کی رائے میں دردرسیدہ لوگوں کی مدد کرنے اور ڈرے ہوؤں کو امن دینے سے زیادہ قابل قدر کوئی چیز نہ تھی۔ یہانتک کہ اگر کوئی شخص اپنے کپڑے کا ایک کونہ کسی عرب کے خیمے کی طناب سے باندھ دے تو بھی اُس عرب پر فرض ہوجاتا تھا کہ جہاں اُسکی قوت وفا کرے اُس شخص کی حمایت کرے۔ اور کوئی دقیقہ اُسکو پناہ دینے کا فروگذاشت نہ کرے۔

ہمسائے کے حق ادا کرنے میں قعقاع ابن شور جو محمد بن شیبان بن ذہل بن ثعلبہ کے بیٹوں اور رئیسہ بنی بکر بن وائل میں سے تھے اور ابو داؤد ایادی کندی (سابق الذکر) تھا۔ بہت ہی مشہور و معروف تھا۔ طرفہ بن عبد بکری نے کہا ہے

انی کفانی من امر هممت به | جار کجار الحذاقی الذی انصفا

جار الحذاقی سے مراد کعب ابن مامہ ابو داؤد کا ہمسایہ تھا۔ ہمسائگی کی یہانتک رعایت کیجاتی تھی کہ خانہ کعبہ کے کبوتروں کو بالکل نہ چھیڑتے۔ شکار کرنا کیسا انکو اڑاتے یا ہنکاتے بھی نہ تھے۔ محض اس خیال سے کہ خانہ کعبہ کا مجاور اور اسکی ہمسائگی میں ہے۔ اسی وجہ سے امن من حمام مکہ کی مثل مشہور ہے۔ نابغہ کا شعر ہے۔

والمؤمن العائذات الطیر یمسحها | رکبان مکة بین الغیل والسند

دوسری مثل امن من ظبی الحرم ہے۔ اس مثل کی شہرت کی یہ وجہ ہے کہ جسطرح خانہ کعبہ کے کبوتروں کو شکار کرنا جائز نہیں سمجھتے اسیطرح حرم خانہ کعبہ کے ہرنوں کا شکار بھی محض حرمت کعبہ کیوجہ سے حرام سمجھتے ہیں۔

ملیح بن سوید طائی بھی ضرب المثل تھا۔ اسکا قصہ یوں ہے کہ ایک دن ٹڈیاں بہت سی اسکے صحن مکان میں آگئی تھیں۔ یہ سمجھا کہ مجھسے مدد لینے آئی ہیں۔ فوراً نیزہ ہاتھ میں اٹھالیا اور گھوڑے پر سوار ہوگیا۔ جبتک آفتاب میں گرمی پیدا نہیں ہوئی۔ اور ٹڈیاں اڑ اڑ کے چلی نہیں گئیں اسوقت تک برابر یہ شخص گھوڑے پر سوار انکی حمایت کرتا رہا۔ اور کسی کو پکڑنے نہیں دیا۔ (ہمسائگی کا اسقدر خیال تھا) اسی وقت سے ضرب المثل ہوگیا۔ احمی من مجیر الجراد۔

ربیعہ بن مکدم کنانی بھی ضرب المثل ہے۔ کہتے ہیں احمی من مجیر الظعن یہ شخص نبیشہ بن حبیب سلمی کو عورتوں کے لوٹنے سے (جو کہ ہودج میں تھیں) فقط ترکش سے روکتا رہا۔ یہانتک کہ نبیشہ نے اسکو نیزہ مارا۔ مگر یہ شخص ان عورتوں کو بچاتے رہا۔ اور ڈاکوؤں کو لوٹنے سے روکتا رہا۔ آخر اپنے نیزہ کو ٹیک کر گھوڑے پر جم گیا اور دم نکل گیا۔

اس حق ہمسایہ کی رعایت پر بکر و تغلب میں چالیس برس تک لڑائی رہی۔

ایک شخص سعد بن شمس نامی تھا۔ اسکی اونٹنی (مسمی سراب) کو کسی نے مار ڈالا تھا۔ یہ شخص بکر کے قبیلے کی ایک عورت مسماۃ بسوس کا ہمسایہ تھا۔ اس عورت نے اپنے ہمسایہ کی اسقدر پاسداری کی کہ آخر اس ایک اونٹنی کی بابت اپنے قبیلے اور تغلب کے قبیلے میں لڑائی ڈلوا دی۔ یہی لڑائی چالیس برس تک گرم رہی۔ اسی وجہ سے اس لڑائی کو حرب بسوس کہتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے اس عورت کو اور اس ناقے کو عرب میں منحوس سمجھنے لگے۔ اور مثل ہو گئی تھی اشأم من سراب۔ اشأم من البسوس

بسوس عمرو بن مرہ بن ذہل شیبانی یا بکری کی بہن تھی۔ عمر کا لقب جساس تھا۔ ایک مورخ نے لکھا ہے کہ بسوس عمرو کی لونڈی تھی۔ کلیب بن وائل نہایت ہیبتناک اور قوی اور صاحب عزت شخص تھا۔ اسکی آگ کے مقابلے میں کوئی شخص آگ نہیں جلا سکتا تھا۔ اور نہ کسی کا اونٹ اسکے اونٹوں کے قبل تالاب کے کنارے پر پانی پینے کو آسکتا تھا۔ چراگاہوں کو اس نے روک دیا تھا۔ کیا ممکن کہ کوئی شخص اپنے اونٹ وہاں چرا تو لے۔ ہرن وغیرہ کی بھی حمایت کرتا تھا۔ اور کسی کو شکار کھیلنے نہ دیتا تھا۔ اسی وجہ سے مثل مشہور ہے حمی کلیب (دیکھو باب اول کی فصل پہلی) اسکی بڑھ کی یہ بات تھی کہ کوئی شخص اسکے جلسہ میں کلام نہیں کرسکتا تھا۔ اور نہ بیٹھ سکتا تھا۔ جبتک وہ اجازت نہ دے۔ اسکی چراگاہ میں کسی کے اونٹ ابتدائے بہار میں نہیں چرسکتے تھے۔ مگر جساس کے اونٹ کو اجازت تھی کیونکہ یہ کلیب کا سالا تھا۔

ایک دن اس نے سعد کی اونٹنی کو دیکھا کہ جساس کی اونٹنیوں کے ساتھ چر رہی ہے۔ اس نے پہچان کے ایک تیر مارا۔ اتفاق سے سعد کی اونٹنی کے پستان میں جا کے لگا اور توڑ کے نکل گیا۔ اونٹنی وہاں سے بھاگی ہوئی آئی اور اپنے مبرک (اونٹ کے بیٹھنے کی جگہ) میں بیٹھ گئی۔ دودھ اور خون اسکے پستان سے بہ رہا تھا۔ سعد نے جب اپنی اونٹنی کی حالت دیکھی۔ چلّا نے لگا

اور کہنے لگا واذلاہ۔ یہ آواز سن کے بسوس جو اسکی ہمسایہ تھی نکل آئی اور اونٹنی کا یہ حال دیکھ کے سر پیٹنے لگی اور شور کرنے لگی۔ واذلاہ۔ اور یہ اشعار پڑھنے لگی۔ جنہیں عرب موثبات کہتے ہیں۔ کیونکہ ان شعروں کے اثر سے چالیس برس تک لڑائی رہی۔

لعمرک لو اصبحت فی دار منقذ
لما ضیم سعد وھو جار لابیاتی
ولکننی اصبحت فی دار غربۃ
متی یعد فیہا الذئب یعد علی شاتی

"اگر میں منقذ (بسوس کے باپ کا نام) کے گھر میں ہوتی تو ہرگز کوئی سعد پر ظلم نہ کرسکتا درحالیکہ وہ ہمسایہ ہوتا۔ لیکن کیا کروں میں مسافرت میں ہوں اب جب کبھی بھیڑیا چوٹ کرتا ہے تو میری ہی بکری پر چوٹ کرتا ہے۔"

جساس نے جو اسکے یہ شعر سنے تو اسکے پاس آیا اور تسکین و تسلی دیکے کہنے لگا کچھ پروا نہ کر۔ کل ضرور اسکا بدلہ لیا جائے گا۔ اور ایک اونٹنی کے عوض میں ایک زبردست اونٹ قتل کیا جائے گا۔ یہاں سے یہ کہکے چلا گیا۔ اور وہاں کلیب کی تاک میں لگا۔ جونہی اپنے قبیلے سے نکل کے تھوڑی دور گیا ہے جھٹ کمینگاہ سے نکل کلیب کے سینے پر ایسا نیزہ مارا کہ کلیب وہیں ڈھیر ہوکے رہگیا۔ مشہور ہے کہ یہ واقعہ سنہ ۴۹۰ء میں ہجرت سے ۱۳۲ سال پہلے ہوا۔

لیکن چونکہ عرب میں خون کا عوض لینا نہایت ضروری خیال کیا جاتا تھا اس وجہ سے مہلہل بن ربیعہ تغلبی نے یہ لڑائی چھیڑ دی تاکہ اپنے بھائی کلیب کے خون کا عوض لے۔ اسی وجہ سے مثل میں ہے۔ اخذ بالثار من المہلہل اور جبتک اپنے بھائی کے خون کا عوض لیتا رہا نہ تو شراب پی نہ سر میں تیل ڈالا۔ نہ کسی عورت سے ہم بستر ہوا۔ حالانکہ عورتوں سے اسکو بہت ہی عشق تھا اور بغیر انکے اسے چین نہ آتا تھا۔ اسی سبب سے اسکو "زیر النساء" بھی کہتے۔ (عورتوں سے ہمکلامی پر عاشق و فریفتہ) یہ لقب اسکو اسکے

بھائی کلیب ہی سے ملا تھا۔

اہل تاریخ لکھتے ہیں کہ پہلے پہل جس نے عرب میں قصیدہ یا غزل نظم کی یہی مہلہل تھا۔ اصلی نام تو اسکا امرأ القیس تھا۔ مگر مہلہل اسکو اسوجہ سے کہتے تھے کہ اسکی نظم میں ایک ملاحت اور رقت ہوتی تھی۔ باریک اور نرم کپڑے کو اسی وجہ سے ثوب مہلہل کہتے ہیں۔ یہ مہلہل امرأ القیس کندی کا ماموں تھا۔ اسکے دو غلاموں نے اس سے تنگ ایک میدان میں جبکہ یہ ایک درخت کے نیچے سو رہا تھا قتل کر دیا۔ لکھتے ہیں کہ جب ان دونوں نے اُسکے ہاتھ باندھ دیئے تو اُس نے آنکھ کھول کے دیکھا اور پوچھا کیا کرتے ہو۔ کہا کہ تو نے جو کچھ عرب کے ساتھ برتاؤ کیا ہے وہ اسکا عوض لینگے اُس نے کہا اچھا اگر تم مجھکو ضرور قتل کرنا چاہتے ہو تو جب میری لڑکیوں کے پاس جانا تو میرا سلام کہدینا اور یہ شعر اُنکے سامنے پڑھ دینا۔

من مبلغ الاقوام ان مھلھلا لله درکما ودر ابیکما

جب یہ دونوں مہلہل کو قتل کر کے دفن کر چکے اور لڑکیوں کے پاس روتے ہوئے آئے۔ اور وا مہلہلاہ۔ وا سیداہ۔ وا فارس العرب کہکے شور کرنے لگے۔ جب اسکی لڑکی سلمٰی نے سنا پوچھا کہ آخر کیا ہوا۔ کہنے لگا تیرا باپ تو مر گیا۔ اُس نے پوچھا آخر کوئی وصیت بھی کر گیا تھا۔ اُن دونوں نے کہا ہاں ہم سے کہا تھا کہ جب میری لڑکیوں کے پاس جانا تو یہ شعر پڑھ دینا سلمٰی تو سن کے ہکی بکی رہگئی۔ اور جو لوگ وہاں موجود تھے وہ بھی کچھ نہ سمجھے یکایک اُسکی چھوٹی بیٹی آگئی اور رو رو کے کہنے لگی واثکلاہ قتیل ورب الکعبۃ (اُس لڑکی کا باپ ضرور قتل ہو گیا) جلد ان دونوں غلاموں کو باندھ لو۔ خیر تغلب کے قبیلے کے دو جوان آدمیوں نے اُن دونوں کو باندھ لیا۔ پھر اُس نے لوگوں سے پوچھا۔ کچھ سمجھے بھی کہ میرے باپ نے اس شعر میں کیا مطلب رکھا ہے۔ لوگوں نے کہا بھلا ہمیں کیا معلوم ہے

تم ہی کچھ بتاؤ۔ کہنے لگی میرے باپ کا یہ مطلب تھا۔

من مبلغ الاقوام ان مھلملا	کون میری قوموں کو خبر دینے والا ہے
اضحی قتیلا فی الفلاۃ مجندلا	مہلہل قتل کر دیا گیا۔ اور زمین پر مارا ہوا
للہ درکما و در ابیکما	پڑا ہے۔ خدا کے واسطے تم دونوں کی
لایبرح العبدان حتی یقتلا	اور تمہارے باپ کی نیکی ہے۔ یہ دونو

غلام اسوقت تک اچھا نہیں ہوئے جبتک مجھے قتل نہیں کر لیا"۔

پس فوراً غلاموں کو پکڑ کے قتل کر دیا گیا۔

عرب کا ایک یہ بھی دستور تھا کہ جب کوئی شخص کسی کو قتل کر دیتا تھا تو مقتول اور قاتل کے قبیلے والے دیت نہ ادا کر لیتے تھے۔ جان بخشی مشکل ہوتی تھی حالانکہ قبیلے والوں سے کوئی بحث نہیں۔ اگر عوض یا دیت لینے کا استحقاق ہے تو قاتل سے نہ اُسکے تمام محلے والوں سے۔

اور کبھی بیٹے کا بدلہ اُسکے باپ سے لیا جاتا تھا اور باپ کا بیٹے سے۔ اسی سلسلے میں مدتوں عداوت چلی جاتی ہے۔ اگرچہ تھوڑے دن گذرے بعد سبب عداوت بھول جائے مگر عداوت رہتی تھی۔

منجملہ رسوم عرب کے یہ بھی ہے کہ جب کسی کے خون کا بدلہ لینا چاہتے کہ پہلے ایک تیر آسمان کیطرف پھینکتے۔ اگر خون بھرا ہوا تیر واپس آتا تو بے لڑے اور بدلہ لئے جان ہی نہ چھوڑتے تھے۔ اور اگر صاف اور خون سے خالی گرتا تھا تو اپنی اپنی ڈاڑھیوں پر ہاتھ پھیرتے تھے۔ اور دیت لے لینے پر راضی ہو جاتے تھے۔ ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرنا صلح کی پہچان تھی۔ ابن اعرابی نے لکھا ہے کہ ہمیشہ یہ تیر خون سے خالی ہی آیا۔ (ظاہر ہے کہ آسمان کیطرف بغیر کسی شکار کے خون کہاں) اس عمل کا نام عقیقہ تھا۔ شاعر کہتا ہے۔

عقوا بسہم ثم قالوا صالحوا	اُنھوں نے تیر سے عقیقہ کیا تم نے کہا کہ

یالیتنی فی القوم اذ مسحوا اللحی | صلح کرلو۔ کاش میں اسوقت موجود ہوتا جبکہ اُنہوں نے اپنی اپنی ڈاڑھیوں پر ہاتھ پھیرا تھا۔ مگر شریعت اسلام نے قتل میں دیت لینے کی فقط اجازت دی ہے۔ اور لڑائی جھگڑے سے منع کیا ہے۔ کیونکہ قرآن میں آگیا ہے کہ "کسی مومن کو جائز نہیں ہے کہ کسی دوسرے مومن کو قتل کرے۔ ہاں اگر بے قصور ہو تو مضائقہ نہیں مگر قتل خطا میں یا تو ایک مومن لونڈی آزاد کرنا چاہیئے۔ اور مقتول کے وارثوں کو دیت دینی لازم ہے۔ مگر وہ معاف کردیں تو خیر ہوسکتا ہے پس اگر وہ ایسی قوم میں سے جس سے تم سے عداوت ہے۔ اور وہ مومن ہے تو ایک ہی غلام آزاد کرنا۔ اور اگر قوم میں ہے جس سے تم سے عہد و میثاق ہے تو ایک دیت اُسکے وارثوں کو دینی چاہیئے۔ اور ایک غلام آزاد کرنا۔ اور اگر غلام نہ ملے دونوں مہینے متواتر روزہ رکھے۔"

اس دیت کا اندازہ اور مقدار مسلمانوں کی فقہی کتابوں میں تفصیل سے لکھا ہے۔ مسلمان لوگ دیت میں اور قصاص اُسی قدر قاتل نے کیا ہے اُس زیادہ کی اولاد و عیال یا قبیلے والوں سے کوئی بحث نہیں ہے۔

مسئلہ دیت میں مسلمانوں کی شریعت میں کوئی فرق رذیل اور شریف کا نہیں ہے۔ اسلامی شریعت میں یہ بھی جائز رکھا گیا ہے کہ اگر کوئی مالدار چاہے تو قاتل کیطرف سے دیت دیدے۔ اُسکے عوض میں قاتل اُس شخص کی تعریف اور ثنا کردیتا ہے۔

رسوم عرب میں سے یہ بھی کہ اگر کسی کا عزیز قتل کردیا گیا ہو۔ اور قاتل و مقتول کے قبیلوں میں مقررہ طریقے سے صلح نہ ہو۔ تو مقتول کے گھوڑے کی پیشانی اور دم کے بال کاٹ ڈالتے ہیں۔ پہلے پہل اس رسم کو حرث بن عباد نے حرب بسوس میں کیا تھا۔ جبکہ مہلہل نے اُسکے بیٹے بجیر کو مارا

تھا۔ اسکا مطلب یہ رکھا گیا ہے کہ اس گھوڑے کے سوار کا عوض لینا ہے۔

اور اگر کوئی شخص قتل کر دیا گیا ہو مگر قاتل کا نام نہ ہو سکے اور کسی شخص پر اشتباہ کیا جائے تو جبتک مدعا علیہ آگ میں گرم کیا ہوا لوہا زبان سے نہ چاٹے۔ اسکا طریقہ یہ مقرر تھا کہ مدعا علیہ قاضی کے سامنے پیش ہوتا تھا۔ قاضی صاحب ایک لوہے کو گرم کر کے مدعا علیہ سے کہتے تھے۔ اسکو زبان سے چاٹو۔ اگر زبان اسکی جل جاتی تو اُسی کو قاتل جانتے۔ اور اسی سے قصاص لیتے۔ ہاں اگر دیت دینے پر راضی ہوتا تو خیر معاف کر دیا جاتا۔ اور اگر اسکی زبان نہ جلتی تو مدعی اپنی طرف سے اس الزام بیجا کے عوض میں اُسکو ایک اونٹ دیتا تھا۔

بعض نے لکھا ہے کہ اپنی زبان نہ جلنے میں عرب مختلف حیلے کرتے تھے خصوصاً اگر مدعا علیہ قاضی صاحب کا دوست یا عزیز ہوتا۔ تو ضرور قاضی صاحب بھی کوئی ترکیب کرتے تھے۔ غرض اس بیان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ خاص طریقہ تہمت قتل میں برتا جاتا تھا۔ اسکے علاوہ اور دعووں میں اور اور طریقے مقرر کئے ہیں جیساکہ زہیر ابن ابی سلمیٰ مزنی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے۔

فان الحق مقطعه ثلاث	"حق کی انتہا تین ہی ہے یا تو مدعا علیہ
یمین او نفار او جلاء	سے قسم لیجائے اور اسکو بری کیا جائے۔

یا اُس سے جنگ کیجائے وہ کوئی دلیل واضح پیش کرے"۔

ایک کتاب میں یمین او شہود او جلاء آیا ہے۔ بہرحال یمین سے مراد قسم ہے اور نفار سے مراد لڑائی۔ اور جلاء سے کوئی دلیل ظاہر ہے اپنی برات کی۔

اپنے بعض جھگڑوں میں مباہلہ بھی کرتے تھے۔ مباہلہ کے معنے یہ ہیں کہ

ایک دوسرے کو لعنت کرے۔ یعنے اگر تو جھوٹا ہے تو تجھپر لعنت خدا۔
اور وہ کہے کہ اگر تو جھوٹا ہے تو تجھپر لعنت خدا۔

ہلال بن امیہ نے جب اپنی بیوی سے لعان کی تھی اور اسپر تہمت زنا کی لگائی تھی تو اس سے کہا گیا کہ جو بچہ پیدا ہوا ہے۔ اگر اسکی پیٹھ چوڑی ہے اور اگر پاؤں کی ساقین پتلی ہیں تو اُسکے شوہر کا ہے اور اگر چنچل نیز رفتار گھونگروالے بالوں والا۔ موٹا تازہ بھری بھری ساقوں اور بڑے بڑے سرین والا ہے تو اسکا نہیں ہے بلکہ کسی دوسرے کے نطفے سے ہے۔

عرب کی ذکاوت اور دماغی قوت

عموماً عرب اپنی پختگی عقل اور جودت رائے پر فخر کیا کرتے تھے۔ اور اس امر میں قیس بن زہیر عبسی کو ضرب المثل بنا لیا تھا۔ (جو بہت ہی عاقل اور ذکی سمجھا جاتا تھا۔) جب کسی کی زیادہ تعریف کرتے تو کہتے فلان قیسي الرأي یا ادھی من قیس۔ آخر میں یہ شخص بہت مغرور ہو گیا اور اپنی قوم میں رہنے کے قابل اپنے آپ کو نہ سمجھا۔ تو بنی نمر بن قاسط میں جاکے اقامت اختیار کی۔ اور اُسی قبیلے کی ایک عورت سے شادی کر لی۔ پھر وہاں سے چلا گیا۔ اور عمان میں جاکے نصرانی بنگیا۔ اور آخر عمر تک وہیں رہا۔

اسلامی زمانے میں ابن عباس کی ذکاوت اور ذہانت کا بڑا شہرہ ہوا۔ مثل ہے کہتے ہیں فلان اذکی من ابن عباس۔ فراست اور روشن ضمیری میں ایاس کی مثل دیتے ہیں اور کہتے ہیں افرس من ایاس۔ یا اذکن من ایاس۔

ایاس کی کنیت ابو واثلہ تھی۔ اسکے باپ کا نام معاویہ بن قرہ مزنی تھا یہ شخص اعلیٰ درجے کا فصیح بلیغ۔ روشن ضمیر صاحب رائے تھا۔ عمر بن عبد العزیز

اموی نے اسکو قاضی کر دیا تھا۔ اسکی حاضر جوابیاں بہت سی مشہور ہیں اسکی نوادر اور ذکاوت کی باتوں کو مدائنی نے ایک کتاب میں جمع کیا ہے۔ اور اسکا نام کتاب ذکن ایاس رکھا ہے۔

حکایت۔ ایک مرتبہ دو شخص کسی مالی معاملے میں فیصلہ کرنیکیواسطے اسکے پاس آئے۔ مدعا علیہ نے مال سے بالکل انکار کر دیا۔ ایاس نے مدعی سے دریافت کیا کہ تم نے کس موقع پر اسکو مال دیا تھا۔

مدعی۔ ایک درخت کے نیچے جو فلان مقام پر ہے۔

ایاس (مدعی سے مخاطب ہوکے) اُسی درخت کے نیچے جہاں شاید وہاں جانے سے تجھے یاد آجائے۔ اور شاید خدا تعالی اسکا سبب واضح کردے۔

مدعی اُسطرف روانہ ہوا اور مدعا علیہ کو وہیں بٹھلائے رکھا۔ جب اتنی دیر گذر گئی جس سے خیال ہوسکتا تھا کہ مدعی اُس درخت تک پہونچگیا ہوگا۔ تو مدعا علیہ سے پوچھا کیوں۔ مدعی اُس درخت تک پہونچگیا ہوگا۔

مدعا علیہ۔ جی ہاں اب پہونچا ہوگا۔

ایاس۔ جا اے دشمن خدا تو بڑا خیانت کار ہے اور ضرور تو نے اُسکا مال لیا ہے۔ فوراً ادا کر۔ آخر اُس نے اقرار دیا اور مدعی کو مال دیدیا۔

نوٹ۔ ایاس نے فقط اس جملے سے سمجھ لیا کہ مدعا علیہ ضرور خائن ہے جبکہ اُس نے کہا کہ ہاں اب وہ پہونچگیا ہوگا۔ کیونکہ اُس درخت کا حال سوائے مدعی اور مدعا علیہ کے اور کسی کو معلوم نہ تھا۔ اُس درخت کا بتلا دینا گویا اسبات کا اقرار کر لینا تھا کہ ہاں میں نے وہ مال لیا ہے"۔ ایاس نے سنہ ۱۲۲ مطابق سنہ ۷۳۹ء میں سفر کیا۔

عرب کا فضل وکرم

بنی فزارت فضل وکرم اور براعت میں ضرب المثل تھے۔ کہتے ہیں فلان

ابدع من بنی الفرات۔ بنی فرات چار بھائی تھے۔ بڑے کا نام احمد ابو العباس
دوسرے کا نام ابو الحسن علی۔ تیسرے کا نام ابو عبداللہ جعفر۔ چوتھے کا نام ابو عیسےٰ
ابراہیم۔ انکے باپ کا نام محمد بن موسیٰ بن حسن بن فرات تھا۔ انہی میں سے ایک
شخص مقتدر عباسی کا وزیر بھی تھا۔

عرب کی چند نامی خوبیاں

والدین کے ساتھ احسان کرنا بھی عرب ہی کے ساتھ خاص تھا۔ اس امر
میں انکا پلہ سب سے بھاری ہے۔ مگر ضرب المثل دو ہی شخص تھے۔ ایک عملس
دوسرا فلحس۔ انہی دونوں کی تاسی بعد کے بچوں نے اپنے والدین کی خدمت
اور فرمانبرداری میں کی۔

عملس کی بابت بیان کیا گیا ہے کہ وہ اپنی بوڑھی ماں کو کاندھے پر
سوار کرکے لئے پھرتا تھا۔ اور فلحس اپنے باپ کو۔ کیونکہ اسکا باپ نہایت
بڈھا خرف ہوگیا تھا۔ اسی صورت سے دونوں نے حج خانہ خدا کا ادا کیا۔

علم میں شعبی ضرب المثل تھا۔ (شعبی۔ عمر بن عامر بن شراحبیل کا بیٹا تھا
شعب ہمدان کا ایک قبیلہ ہے۔ مثل میں کہتے ہیں فلان اعلم من الشعبی
فلان احفظ من الشعبی۔ اسکا انتقال سنہ ۱۰۵ ہجری مطابق سنہ ۷۲۳ع میں ہوا۔

حلم میں ایک تو معاویہ بن ابی سفیان ضرب المثل تھا۔ دوسرا احنف بن قیس
اصلی نام اسکا ضحاک۔ کنیت ابو بحر۔ قبیلہ بنی تمیم تھا۔ بعضوں نے اسکا نام
صخر کہا ہے۔ یہ شخص اپنے عقل اور حلم کی وجہ سے سب کا سردار بنا ہوا تھا۔
سب اسکی اطاعت کرتے تھے۔

حکایت۔ ایک شخص تنہائی میں احنف سے ملا اور خواہ مخواہ اسکو
گالیاں دینی شروع کیں۔ اور ایسی ایسی سخت اور فحش گالیاں نکالیں کہ شاید
کسی نے نہ سنی ہوں۔ جب چپ ہوا تو احنف نے کہا بھائی اگر کچھ اور باقی ہوں

تو جلدی سے کہیلے۔ کیونکہ اگر میرے قبیلے کا کوئی شخص آجائیگا تو تجکو ایذا پہونچیگی۔

لوگوں نے اس سے پوچھا تھا کہ کس وجہ سے تو اپنی قوم کا رئیس اور سردار بنگیا۔ اُس نے جواب دیا کہ اگر میری قوم پانی پینے تک کو مکروہ سمجھتی تو میں ہرگز نہ پیتا (اسقدر قوم کی پاسداری تھی۔) اسکا انتقال سنہ مطابق سنہ ۶۸۹ء میں ہوا۔

دوسری فصل

شجاعان عرب

عرب جسطرح اور صفتوں میں فرد تھے شجاعت میں بھی یکتائے عالم تھے۔ زمانہ اسلام میں بہت سے آدمی تھے جو اس صفت میں اپنا نظیر صفحۂ ہستی پر نہیں رکھتے تھے۔ جنکا ذکر نیک اب تک چلا جاتا ہے۔ اور اُنکی بہادری کے قصے اسوقت تک زبان خلائق پر موجود ہیں۔ منجملہ اُنکے زمانہ جاہلیت میں:-

عمرو بن معدی کرب تھا زبیری۔ بنی زبیر میں اعلیٰ درجہ کا شہسوار تھا کنیت اسکی ابو ثور تھی۔ اس سبب سے کہ بچھڑے اکثر ذبح کرکے کھایا کرتا تھا۔ اور اوپر سے شراب کی مشک بھری کی بھری پی جاتا تھا۔ عمرو عرب کے معدودین بہادروں میں تھا۔ مسلمان ہوا تھا۔ پھر مرتد ہوگیا۔ پھر مسلمان ہوا۔ شاعر بھی تھا۔ اسکے اشعار سند میں پیش کیے جاتے ہیں۔ اسی نے رستم زار کو

قادسیہ کی لڑائی میں جبکہ یزدجرد نے اُسکو اسلامیوں کے مقابلے میں بھیجا تھا قتل کیا۔ مگر جسطرح اسکی شجاعت کا تمام عرب وعجم میں شہرہ تھا اسی طرح اسکا جھوٹ بھی شہرۂ آفاق تھا کسی نے خلف احمر سے دریافت کیا کہ عمرو بن معدی کرب جھوٹا تھا؟ خلف نے کہا ضرور جھوٹا تھا۔ مگر بات میں اور کلام میں انتہا کا سچا تھا۔ عرب کی ایک عورت نے کہا تھا۔

ایا لیت جاری کجاری الحصین وبعلی عمرو بن معدیکرب

سنہ ۲۱ ہجری مطابق سنہ ۶۴۲ء انتقال کیا۔

ربیعہ بن مکدم بن عامر بن خویلد بن جذیمہ بن علقمہ بن جندل الطعان بن فارس ربیعۃ المکدم الفراسی (یہ شخص بنی کنانہ میں سے ہے مضر کے شہسواروں میں یکتائے روزگار سمجھا جاتا اسکو نبیشہ بن حبیب سلمی نے کدید کی لڑائی میں قتل کیا۔)

دریدا بن صمہ۔ اسکی کنیت ابو دفافہ و ابو قرۃ ہے۔ اسکا نسب بکر بن ہوازن تک پہونچتا ہے۔ یہ شخص بہت بڑا شہسوار شجاع۔ شاعر تھا۔ بعض مورخین نے شہسواروں میں پہلا شاعر اسی کو خیال کیا ہے۔ تقریبا سو لڑائیاں لڑا ہے۔ مگر مسلمانوں نے اسکو حنین کی لڑائی میں قتل کر ڈالا۔ اسکا نانا معدی کرب زبیدی تھا۔ اس بنا پر عمرو اسکا ماموں تھا۔ اسکی ایک لڑکی بڑی شاعرہ تھی جسکا نام سلمیٰ تھا۔ اور دوسری عمرہ تھی اسکی طبیعت کے انداز کے واسطے بہت سے مرثیے موجود ہیں۔ درید بن صمہ بنی جشم کا سردار بھی تھا۔

ذوالخمار مالک بن نویرہ۔ اسکا نسب مضر بن نزار تک پہونچتا ہے۔ کنیت اسکی ابو المغوار ہے۔ اسکے بھائی کا نام متمم۔ اور کنیت ابو نہشل۔ مالک کو فارس ذی الخمار بھی کہتے ہیں۔ اس مناسبت سے کہ اسکے پاس ایک گھوڑا اسمی ذو الخمار تھا۔ یہ شخص بڑا شریف۔ بڑا شہسوار۔ بڑا شاعر تھا۔

اسکو جفول بھی کہتے تھے۔ خالد بن ولید نے ابوبکر کی خلافت کے زمانے میں اس جرم پر کہ اس نے سجاح کو نبیہ مانا ہے اور اسپر ایمان لایا ہے۔ (دیکھو چوتھے باب کی تیسری فصل) مار ڈالا۔

عروہ بن ورد بن زید بن عبد اسد مضر بن نزار کی اولاد سے ہے جاہلیت کے زمانے میں بہت بڑا شاعر کامل شہسوار۔ اور اعلیٰ درجے کا دست نگر تھا۔ اسکو عروۃ الصعالیک کہتے تھے۔ اس نے تمام فقیروں کو جمع کیا تھا۔ اور سب کو سوال کے طریقے بتاتا اور انکے کام کی ترقی کے عنوان سکھاتا۔ جب کبھی وہ لوگ لڑائی میں دست پاچہ ہوتے تو انکی مدد کرتا۔

عنترہ بن عمرو بن شداد عبسی۔ اسکا قصہ مشہور ہے۔ بنی عبس کے شہسواروں میں فرد تھا۔ اسکی شجاعت کی مثل دیجاتی ہے۔ شداد کی ایک حبشن لونڈی تھی (مساۃ زبیبہ) یہ اسی سے پیدا ہوا تھا۔ اسکو عنترۃ الفلحاء بھی کہتے تھے اسکا نیچے کا ہونٹ پھٹا ہوا تھا۔ اسی وجہ سے اسکو فلحاء کہا گیا (جسطرح اعلم اس شخص کو کہتے ہیں جسکا اوپر کا ہونٹ پھٹا ہوا ہو)

بنی عبس نے کسی لڑائی میں بنی جذیمہ کی ایک لونڈی اُچک لی تھی اور وہ شداد کے حصے میں پڑی تھی۔

عنترہ جب جوان ہوا تو عبلہ بنت مالک (شداد کا بھائی تھا) کے عشق میں پڑ گیا۔ مگر پھر شہسواری اور شجاعت کے ہنر ظاہر کرنے لگا۔ جس زمانے میں عبس اور فزارہ کی لڑائی ہوئی تھی اسوقت یہ بھی شریک ہوا تھا۔ اس لڑائی میں اسکا بڑا شہرہ ہو گیا۔ اور عرب کے تمام شہسوار اور نیزہ باز اس سے ڈرنے لگے۔ بہت بڑا بہادر اور فصیح زبان تھا۔ یہاں تک اسکی فصاحت تسلیم کی گئی تھی کہ ایک قصیدہ اسکا خانہ کعبہ پر بھی لٹکایا گیا تھا جو آج معلقات سبعہ میں طالب علموں کے ہاتھ میں رہتا ہے۔

کسی نے اسکو ایک مرتبہ کہا تھا کہ تو تمام عرب میں بڑا شجاع ہے۔ اور سماک

بھی تیری ہی سب کے دلوں میں چھائی ہوئی ہے۔ کہنے لگا ایسا نہیں ہے
پھر اس نے پوچھا آخر کیونکر یہ صفت تیری عالم میں مشہور ہوگئی۔ اس نے
کہا میں جب میدان میں آگے بڑھنے کا موقع دیکھتا ہوں تو آگے بڑھتا ہوں
مگر ہٹ سے پکے ارادے کے ساتھ۔ اور جب پیچھے ہٹنے کا موقع ہوتا ہے
تو بہت ہی پختگی رائے کے ساتھ پیچھے ہٹتا ہوں۔ اور کبھی ایسی جگہ نہیں
گھستا جس سے نکلنے کی راہ مجھے نہ معلوم ہو۔ اور کبھی کمزور سے کمزور
آدمی کو بھی قتل کر دیتا ہوں اور ایسی تلوار لگاتا ہوں کہ جس سے بڑے
بہادر کا بھی دل ہل جاتا ہے پس جھٹ اسکو پکڑ لیتا ہوں۔ اور الحرب خدعۃ
تو مشہور ہی ہے اسمیں کہا گیا ہے۔ اسد ربیعی کے ہاتھ سے سنہ ۱۵ ع
میں اسلام سے سات برس قبل مارا گیا۔

عتیبہ بن حرث بن شہاب تمیم کا شہسوار تھا۔ اسکو سم الفرسان
بھی کہتے تھے۔

عامر بن مالک بن جعفر بن کلاب قیس کے قبیلے کا فارس تھا۔ اسکی
کنیت ابو براء تھی۔ اور ملاعب الاسنہ بھی کہتے تھے۔

عامر بن طفیل۔ عامر مذکور الصدر کا بھتیجا تھا۔

بسطام بن قیس شیبانی۔ بکر کے قبیلے کا شہسوار تھا۔ یہ سب لوگ
اپنی شجاعت میں ضرب المثل تھے۔ جب کسی کی شجاعت کا ذکر کرتے ہیں
تو کہتے ہیں فلان افرس من سم الفرسان۔ افرس من ملاعب
الاسنہ وغیرہ۔

اغربۃ العرب

عرب کے غریب (جسکا باپ عربی ہے اور ماں حبشن ہے یا اور کوئی
قوم میں سے ہے) آٹھ آدمی تھے۔ جنہیں اپنی ماؤں کے نام سے پکارے جاتے تھے

عنترہ بن عمرو بن شداد مذکور الصدر اپنی ماں زبیبہ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

خفاف بن عمرو شریدی اپنی ماں ندبہ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

سلیک بن عمیر سعدی۔ اپنی ماں سلکہ کے نام سے (یعنے سلیک بن سلکہ۔ عنترہ بن زبیبہ۔ خفاف بن ندبہ)

باقی پانچ ہیں سے شنفری ازدی تھا۔ تابط شرا۔ ہشام بن معیط۔ ہمام بن مطرف۔ عمیر بن ابی عمیر۔ اور ہر ایک کے واقعات جنکی تفصیل میں طول ہوگا۔

محیط المحیط میں لکھتے ہیں کہ جاہلی اغربۃ العرب اشخاص ذیل تھے۔ عنترہ۔ خفاف بن ندبہ۔ ابو عمیر بن حباب۔ سلیک بن سلکہ۔ ہشام بن عقبہ بن ابی معیط (مگر ہشام مخضرمی تھا۔ یعنے جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں میں رہا اور اسلام بھی لایا)

اور اسلامی اغربہ عبد اللہ بن حازم۔ عمیر بن ابی عمیر۔ ہمام بن مطرف۔ منتشر بن وہب۔ مطر بن اوفی۔ تابط شرا۔ زید بن ثابت شنفری ازدی۔ حاجز تھے۔ مگر عنترہ آخر میں شہسواری اور شجاعت کا دھنی سمجھا جاتا تھا۔ اور سلیک بن سلکہ چوری میں فرد تھا۔ مگر محاضیر عرب میں بھی شمار کیا جاتا ہے اور علیٰ ہذا القیاس تابط شرا بھی۔

محاضیر عرب

محاضیر عرب وہ لوگ کہے جاتے تھے جو دوڑنے میں فرد تھے۔ یہ لفظ حضار سے مشتق ہے۔ گھوڑے کے دوڑنے کو احضار کہتے ہیں۔

منجملہ انکے سلیک مذکور الصدر ہے اسکا نام حرث بن عمرو بن زید بن مناہ تمیمی تھا۔ (سلیک۔ سلک کی تصغیر ہے۔ کبک کے بچے کو سلک

کہتے ہیں۔ چونکہ اسکی ماں کا نام سلکہ تھا۔ اسی وجہ سے اسکو سلیک کہنے لگے۔
یہ شخص پہلا دوڑنے والا تھا۔ اس سے پہلے کوئی شخص ایسا تیز
دوڑنے والا نہیں ہوا ہے۔ اسکی تیز رفتاری کو گھوڑے بھی نہیں پاسکتے
تھے۔ اور جسطرح چوری میں یکتا اور ضرب المثل تہا اسی طرح دوڑنے میں
بھی ضرب المثل تھا۔ کہتے ہیں فلان اعدی من سلیک۔ شعرگوئی اور
فصاحت میں بھی آپ شہرۂ عالم تھے۔ اسکو سلیک المقانب بھی کہتے تھے
(مقانب بھیڑیوں کو کہتے ہیں) انس بن مدرک خثعمی نے ۶۰۰ ء میں
ہجرت سے بیس برس قبل مار لیا۔

شنفری ازدی (اسکو شنفری اسکے ہونٹوں کے بڑے ہونیکے
باعث کہتے تھے) یہ شخص ایڑ مارنے میں اور دوڑنے میں فرد تھا۔
جیسے سلیک دوڑنے میں۔ جاہلی زمانے کا نامی گرامی شاعر تھا۔ قصیدہ
لامیۃ العرب اسی کی طبیعت کا نتیجہ ہے۔

عمرو بن براق۔ اسیر بن جابر۔ تابط شرا۔ اسکا نام ثابت ابن
جابر بن سفیان فہمی ہے۔

ایک شخص اور بھی مسمی دعیمص الرمل عرب کے حبشیوں میں سے
راہ بتانے میں ایک سمجھا جاتا تھا۔ جب کسی کی راہبری کی تعریف کرتے ہیں
تو کہتے ہیں فلان ادل من دعیمص الرمل اور جسطرح ادل من حنیفۃ
الخاتم کہتے ہیں۔ حنیفہ تیم اللات ابن ثعلبہ کے قبیلے سے تھا۔
ایک اور شخص ربیعہ بن اخبط نامی رات کے سفر میں یکتا سمجھا جاتا تھا۔

اسلامی بہادر

پہلے طبقے میں علی ابن ابیطالب۔ خالد بن ولید۔ مقداد بن ابی
الاسود۔ سعد بن ابی وقاص زبیری۔ طلحہ اسدی۔ ابودجانہ

انصاری - عمار بن یاسر - مالک بن حرث نخعی - قعقاع بن عمر طاعن الفیل -

دوسرے طبقے میں عبداللہ بن زبیر بن عوام - ابوہاشم عبداللہ بن محمد بن علی ابن ابیطالب - عبداللہ بن حازم سلمی فارس الاسلام - مسلمہ بن عبدالملک بن مروان - معتصم عباسی - ابراہیم بن مالک اشتر نخعی - عبداللہ بن حر جعفی - محمد بن ربیعہ عکلی - مہلب بن ابی صفرہ اور اسکے بیٹے مغیرہ - یزید - مدرک - حبیب - مفضل - قبیصہ - عبدالملک - محمد (ان کو ال ابی صفرہ کہتے تھے -)

مہلب حجاج بن یوسف کے امرا میں سے تھا اور اعلیٰ درجے کا جھوٹا - جب کسی کے جھوٹ کی مثل دینا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں - فلان اکذب من المہلب - جب کبھی یہ باتیں کرنے بیٹھتا تھا تو لوگ کہتے تھے راح یکذب - اور جو کوئی جھوٹ نہ بولتا اُسکی سخت مذمت کرتا تھا - اسی نے لوہے کے رکاب گھوڑے کے واسطے ایجاد کئے - اور اُس سے پہلے لکڑی کے رکاب ہوتے تھے - جب کبھی پاؤں کی ٹھوکر لگتی تو ٹوٹ جایا کرتے تھے - اور نیزہ بازی یا تلوار لگانے کے وقت کوئی سہارا نہ رہتا تھا - مہلب نے ۸۳ھ ہجری مطابق ۷۰۲ء میں انتقال کیا -

خود مہلب کا قول تھا کہ دنیا میں تین ہی شخص شجاع ہیں ابن کلبیہ احمر قریش - راکب البغلہ - (ابن کلبیہ سے مراد ابن زبیر تھے - احمر قریش سے مراد عبداللہ بن عمر - راکب بغلہ سے مراد عباد بن حصین -)

خوارج کے بہادر

ابوبلال مرداس - شبیب خارجی حجاج - قطری بن الفجاءۃ - تیسرے طبقہ میں معن بن زائدہ شیبانی - عمر بن حنیف - ابودلف قاسم بن عیسی عجلی -

تیسری فصل

عرب کے فصحاء اور شعراء

عرب کے نزدیک کوئی چیز فصاحت سے بڑھکر نہ سمجھی جاتی تھی کیونکہ ان لوگوں نے سینکڑوں برس سے اسکی بدولت شہرت حاصل کی تھی۔ اور فی الحقیقت انکی فکر سلیم اور حضور ذہن کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ شعر کہہ لینا تو ایک آسان بات ہے ہر ملک میں شاعر بارے پڑھے پھرتے ہیں مگر جو کمال عرب کو حاصل تھا۔ بلکہ کہنا چاہیئے کہ شاعری انکی فطری صفات میں سے ہو گئی تھی، وہ کسی قوم اور کسی ملک کے باشندوں کو نصیب نہیں ہوئی۔ غور کا مقام ہے کہ میدان جنگ میں لڑنے کے واسطے آنا اور ہزاروں تیر اندازوں نیزہ بازوں اور تلواریوں کا مقابلہ ایک ایسا امر ہے کہ انسان کے ہوش و حواس باقی نہیں رہتے لیکن یہی بہادر عرب کی قوم تھی کہ عین معرکہ آرائی کے وقت رجز میں ایک ایک شخص پچاسوں شعر فی البدیہہ پڑھتا تھا۔ اور جب ایک دوسرے پر غالب آجاتا اور اسکو مار چکتا تو پھر فوراً اپنے فخر میں بیسیوں شعر اور اگر اسی طرح کئی دن تک نوبت آتی تو برابر یونہی رجز کے اشعار پڑھا کر دیتا۔ ہر موقع پر شعر۔ ہر ایک جھگڑے میں شعر ہوتے جاتے اُنکے یہاں شاید کوئی کم موقع ہوگا جس میں وہ شعر نہ کہتے ہوں۔

بعضوں نے خواب میں شعر نظم کئے ہیں اور ایسے دلچسپ کہ شاید و باید۔ چنانچہ ایک عرب کی نقل ہے کہ اُس نے خواب میں شیطان کو دیکھا شیطان نے اُس سے پوچھا تو شراب کی تعریف میں شعر کہہ سکتا ہے۔ اُس نے اپنے جلے ہوئے

پڑھ سنائے۔ شیطان نے کہا بھائی یہ ٹھیک نہیں۔ دیکھو میں تمکو اشعار سناتا ہوں جنسے بڑھ کے شراب کی تعریف میں کوئی شعر نہیں ہو سکتا۔ اور یہ شعر پڑھے۔

وحمراء قبل المزج صفراء بعده اتت بين ثوبي نرجس وشقائق

حوت وجنة المعشوق صرفا فسلطوا عليها مزاجا فاكتست لون عاشق

یہ اشعار گو شیطان کی زبانی ہیں مگر ایک فلسفی آدمی جو خواب سے واقف ہے وہ یہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ اشعار کیونکر نظم ہوئے۔ تحقیق بات یہ ہے کہ خواب کی حالت میں خیالات مختلف قسم کے آتے ہیں اور انسان اس حالت میں اپنے خیالات ظاہر کرتا ہے اسیطرح اسوقت شاعر کو بھی یہ خیال آگیا اور اسکے نفس ناطقہ کی قوت سے اسی وقت میں یہ اشعار نظم کیے جنکو یہ سمجھا کہ شیطان نے نظم کیے ہیں۔ غرض اسطرح کے بہت سے واقعات ہیں جو حیرت خیز ہیں۔ اور ان میں پوری کامیابی ہمارے ان بہادر شعرائے عرب ہی کو ہوئی (مترجم)

عرب ہر قسم کے کلام میں فصاحت و بلاغت کا پورا حصہ لیا کرتے تھے خواہ نظم ہو یا نثر۔ خطبہ ہو یا مناظرہ و مقابلہ ہو۔ چنانچہ ہم سب کی تفصیل ذیل میں لکھتے ہیں۔

خطابہ (خطبہ خوانی) عرب ہر ضروری اور اہم امر میں خطبہ ضرور پڑھتے تھے۔ مگر خطبہ خوان اس گروہ کے سردار ہوا کرتے تھے۔ خطابت فی دنیا میں علوم منطقیہ میں داخل ہے۔ اسکا موضوع وہ کلمات اور وہ اقوال ہیں جنسے سننے والے کو اطمینان ہو جاتا ہے۔ اور نتیجہ پہونچتے۔ علاوہ اسکے قوم کو اپنی طرف اچھی طرح مائل بھی کرسکیں۔ ایسے جیسے تقریرات ہوں لیکن عرب کی قوم باوجودیکہ علم منطق میں بالکل دخل نہ رکھتے تھے پھر بھی انکے ایسے ایسے خطبے مشہور ہیں کہ شاید کسی بڑے منطقی سے بھی دشواری سے ادا ہوسکیں کہتے ہیں کہ پہلے پہل جس نے بالبداہت کسی ناقہ میں خطبہ پڑھا ہے۔

عبد الشمس ملقب بہ سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان (تمام عرب کا مورث اعلیٰ تھا۔

عرب کا خطیب اور حکیم اور قاضی وقت جاہلیت کے زمانے میں قس بن ساعدہ بن عمر بن عدی بن مالک بن عزبن وائلہ بن عبد مناۃ بن افصی بن دعمی بن ایاد نجران کے عیسائیوں کا لارڈ پادری تھا۔

یہی پہلا وہ شخص ہے جو منبر پر چڑہا اور خطبہ پڑہا۔ اور پہلا وہ شخص ہے جس نے اپنے کلام میں اما بعد کا لفظ استعمال کیا۔ اور پہلا وہ شخص ہے کہ جس نے خطبہ کے وقت تلوار یا عصا پر ٹیک کیا۔ اور پہلا وہ شخص ہے جس نے خط کے عنوان میں من فلان الی فلان لکھنے کا طریقہ نکالا۔ اور پہلا وہ شخص ہے جس نے بعثت رسولخدا کا اقرار بے کسی کے بتلائے ہوئے کیا۔ اور پہلا وہ شخص ہے جس نے کہا البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر کہتے ہیں کہ صاحب شریعت اسلامیہ نے اسکو اپنی بعثت کے قبل دیکھا تہا اور اسکے خطبے سنے تھے۔

بلاغت میں اسکی مثل دیجاتی ہے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ سات سو برس تک زندہ رہا۔

سحبان وائل باہلی۔ باہلہ کے شاعروں اور خطیبوں میں تھا اسکا شعر ہے

لقد علم الحی الیمانون اننی اذا قلت اما بعد انی خطیبہا

مورخین لکہتے ہیں کہ اس نے ایک دن دو قبیلوں میں صلح کرانیکے واسطے ایک خطبہ پڑہا۔ مگر ایک لفظ بہی اتنے بڑے وسیع کلام میں مکرر نہیں لایا۔ مثل میں کہتے ہیں اخطب من سحبان۔

ابن خماعہ ایوب بن قیس بن زرارہ ہلالی۔ اسکی ماں کا نام خماعہ تھا۔ مگر مشہور غیر تہ کے نام سے تہی۔ ابن خماعہ اپنی ماں کے نام سے فقط اس سبب سے پکارا جاتا تھا۔ کہ فی الحقیقت وہ بہت مشہور و معروف عورت تہی۔

ابن خارجہ عرب کے مشہور خطیبوں میں سے تھا اور فصاحت و بلاغت کی انتہا کو پہونچا ہوا تھا۔ اس پر لطف یہ ہے کہ پڑھا ہوا نہ تھا۔ ۲۵۰ھ ہجری مطابق ۸۶۴ء میں دنیا کو خیرباد کہہ گیا۔

ابو نعامہ قطری بن فجاءۃ (جسکا ذکر آگے آچکا ہے) فجاءۃ اسکی ماں کا نام ہے۔ عرب کے خطیبوں اور ذہین لوگوں میں اسکا بھی شمار ہے۔ اور بکہ وبالا کی میں بھی اپنا آپ ہی نظیر تھا۔

ابو قدامہ ایک اسلامی شخص گذرا ہے۔ بلاغت میں ضرب المثل تھا۔ اسکی تصنیفیں بھی بہت سا ری ہیں۔ اسکی کنیت ابو الفرج اور باپ کا نام جعفر بن قدامہ بن زیاد کاتب بغدادی تھا۔ اسی کی بابت حریری نے اپنے مقامات کے مقدمہ میں لکھا ہے۔

وان المتصدی بعد (ای بدیع الزمان) لانشاء مقامہ ولو اوتی بلاغۃ قدامۃ لایغترف الا من فضالتہ ولا یسری ذالک المسری الا بدلالتہ۔

ابو الحسین محمد بن احمد بن اسماعیل بن عیسیٰ بن اسماعیل معروف ابن سمعون۔ اسلامی زمانے میں وعظ اسکا بے مثل تھا۔ مثل میں کہتے ہیں فلاں اوعظ من ابن سمعون۔ ۳۸۷ھ ہجری مطابق ۹۹۷ء میں دنیا سے عالم بقا کو تشریف لیگئے۔

عرب کی مثل گوئی

ضرب المثل کہنے میں عرب کو بڑی دستگاہ حاصل تھی۔ بات بات پر مثل کہا کرتے تھے۔ انکی مثل کسی نہ کسی قصہ پر موقوف ہوتی تھی۔ اور کوئی نہ کوئی عجیب واقعہ اُسکے متعلق ہوتا تھا۔

ضرب المثل عرب کی فصاحت کا جزو اعظم تھی۔ اسی وجہ سے اس کثرت سے

مثلیں ہیں کہ شاید کل کا حصہ ایک آدمی سے نہایت دشوار ہو۔ اس کے قبل کے اجزا سے آپ کو معلوم ہو سکتا ہے کہ کس قدر مثلیں انکے کلام میں ہیں حالانکہ جو کچھ آچکی ہیں وہ باقیماندہ کے مقابلے وہ نسبت بھی نہیں رکھتیں۔ جو ایک قطرے کے بیسویں حصہ کو دریا سے ہوا کرتی ہے متاخرین نے انہی مثلوں سے اپنے اشعار اور خطب اور مواعظ میں موقع اور محل سے استعمال کر کے اپنے کلام کو زینت دی ہے۔

اکثر اشخاص نے امثال میں کتابیں بھی لکھی ہیں۔ مثالات سب سے جامع اور بسیط کتاب جسمیں اکثر مثلیں اسلام و جاہلیت کے زمانے کی ملسکتی ہیں علامہ میدانی کی مجمع الامثال ہے (علامہ میدانی ابو الفضل احمد بن محمد بن احمد بن ابراہیم نیشاپوری تھے)

میدانی اپنی امثال میں لکھتے ہیں کہ پہلی مثل جو عرب میں کہی گئی تھی یہ ہے۔ المرأة من المرأة وكل أدماء من آدم۔ انکا انتقال ۵۱۸ھ مطابق ۱۱۲۴ء میں ہوا۔

عرب کی شاعری

ابوداؤد نے لکھا ہے کہ عرب میں کوئی بھی ایسا شخص نہ تھا جسکو نظم کا سلیقہ نہ رہا ہو۔ کیا بچہ یا بوڑھا۔ کیا جوان کیا عورت۔ کیا مرد نہ بوڑھے بہت سب شاعر تھے۔ اور عموماً بالطبع شاعری کرتے تھے۔

ابو داؤد کے علاوہ اور مورخوں نے بھی لکھا ہے کہ عرب کی شاعری فی البدیہہ ہوا کرتی تھی۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ عرب کو اس زمانے میں بالکل عروض دانی کی ضرورت نہ تھی۔ اور نہ علم بیان کی حاجت تھی۔ بلکہ متاخرین نے ان دونوں علموں کو انہی جاہل ان پڑھ عربوں کے فصیح و بلیغ کلام سے انتخاب کیا ہے اور اسکے اصول قائم کئے ہیں۔

اسکا سبب یہ تھا کہ اسلام کے قرآن نے عربوں کی فصاحت و بلاغت کی ایسی کمر توڑ دی تھی کہ رفتہ رفتہ انکی شاعرانہ ہمت بالکل ٹوٹ گئی اور انکی وہ قدرتی قوت اور نیچرل ذکاوت سلب ہو گئی۔ تو مجبوری سے اسلامیوں نے اُسکے دوا و علاج کی فکر کی اور قدما اہل عرب کے کلام اور اشعار سے منتخب کر کے کچھ اصول مرتب کئے۔ ان میں سے جو اصول وزن و قافیہ کے متعلق تھے اُسکا نام علم عروض رکھا۔ اور جو ترکیب کلام اور صنایع و بدایع کے متعلق تھے اُنکا علم معانی و بیان و بدیع رکھا۔

ابو عبیدہ لکھتے ہیں کہ جاہلیت کے شعرا قیس کے قبیلے کے تھے اور اسلام کے شعرا میں بنی تمیم والے اعلیٰ درجے کے شاعر تھے۔ مثلاً جریر۔ فرزدق۔ اخطل کہ ان سے بہتر اسلام میں کسی نے شعر نہیں کہے۔

شاعری کے متعلق بحث ہم نے اپنی کتاب اصول معارف میں لکھی ہے من شاء فلیرجع الیہ۔

مگر اس موقع پر اتنا کہدینا ضروری ہے کہ جاہلیت اور اسلام کے شعرا اپنے اپنے زمانے کی حیثیت سے چار طبقے کے ہیں۔ تین طبقے تو ایسے ہوئے ہیں جنکی فطرت میں شاعری داخل تھی اور قدرت نے منجملہ تمام اجزائے بدن و روح کے ایک جزو شاعری کا بھی اُنمیں رکھدیا تھا۔ اس سبب سے وہ زمانے ایسے گذرے ہیں جنہیں متاخرین کے یہ اختراعی قواعد نہ تھے۔

پہلے طبقے کے شعرا تو جاہلی تھے۔ یعنی جو لوگ اسلام سے قبل گذر چکے ہیں یا اسلام کے زمانے میں تھے مگر اسلام کے مخالف تھے اور مسلمان نہ ہوئے۔ مثلاً امرء القیس۔ امیہ بن صلت وغیرہ۔

دوسرے طبقے کے شعرا مخضرمیون تھے۔ یعنے تھے تو جاہلیت کے زمانے کے مگر ظہور اسلام کے بعد مسلمان ہو گئے تھے۔ جیسے حسان بن ثابت اور کعب بن زہیر وغیرہ۔

تیسرے طبقے کے شعرا مولدین تھے۔ جیسے فرزدق۔ جریر وغیرہ
چوتھے طبقے کے شعرا محدثون کہے جاتے تھے۔ جیسے معری۔ ابن
رومی۔ (یہ لوگ قرن ثالث میں بہت ہی اعلیٰ درجے کے شاعر تھے
مگر ان کی نظم اُن اختراعی قواعد کے مطابق ہونے لگی جنکو متاخرین نے
مرتب کئے ہیں۔ اسی وجہ سے انکے شعروں میں بناوٹ پائی جاتی ہے
اور وہ بے ساختگی آمد جو ان سے پہلے شعرا کے کلام میں تھی انکے کلام
میں نہیں ہے۔

اور چونکہ شعر کا لفظ شعور سے مشتق ہے اسلئے شاعر کو شاعر کہتے
ہیں کیونکہ اسکا شعور اور ادراک اوروں سے زیادہ ہوتا ہے۔ اور اسی وجہ
سے ہر زمانے کی قوت اور شعور و ادراک کے تفرقے سے شاعری کا تفرقہ بھی
ہوتا رہا۔ اور اسی حیثیت سے نام بھی بدلتے رہے۔ مثلاً اعلیٰ درجے کے
شاعر کو خنذیذ کہتے تھے۔ اور اس سے کم درجے کے شاعر کو شاعر۔
اُس سے کم درجے والے کو شویعر۔ اُس سے کم کو شعرور۔ اُس سے کم درجے
والے کو متشاعر۔ ایک شاعر نے ان طبقات میں سے بعض کو اپنے
ان خمسہ میں بیان کیا ہے۔

الشعراء فی الزمان اربعة   فواحد یجری ولا یجری معه
وواحد یجول وسط المعمعة   وواحد لا تشتهی ان تسمعه
وواحد لا تستحی ان تصفعه

اور اسی سبب متاخرین شعرا نے متقدمین طبقے کے شعرا کی نظمیں
اور قصیدے جمع کر لئے ہیں تاکہ انکو بچے سبق لیا جاتے۔ اور عنوان
شاعری سمجھ میں آئے۔ ایسا نہ ہو کہ شاعری کا نام و نشان ہی مٹ جائے۔
اور اُس مجموعے کا نام حماسہ رکھا گیا ہے۔ اسمیں ہر ایک حصہ کا عنوان
علیحدہ علیحدہ رکھا ہے۔ ہر حصے کے نام حسب ذیل ہیں۔

معلقات¹ - جمہرات² - منتقیات³ - مذہبات⁴ - مراثی⁵ - مشوبات⁶ - ملحمات⁷ -
اب ہم مختصر مختصر اُنہی شعراء کے حالات درج کرنا چاہتے ہیں جنکے قصائد
ان سبعہ اسابیع میں داخل ہیں - کیونکہ اگر تمام شعراء کے حالات کو لکھا جائے
تو ایک دفتر بنجائے -

معلقات - پہلا قصیدہ - یہ امرا القیس بن حجر کندی کا ہے - اسکی کنیت
ابو وہب تھی - ملک ضلیل اور ذو القروح بھی اسکو کہتے تھے - اسکی
جوی کلیب اور مہلہل (جو ربیعہ تغلبی کی بیٹی تھی) کی بہن تھی - شعر گوئی
اور غزل سرائی میں بچپنے سے ہی دلدادہ رہتا تھا - اسی وجہ سے اسکے
باپ نے اسکو گھر سے نکال دیا تھا - کیونکہ اُس زمانہ کا رسم تھا کہ شاہزادے
شعر نہ کہیں - یہ شخص پہلا شاعر اس بارے میں ہے کہ غزل کے رنگ میں
شعر کہے ہیں اور عورتوں کی تعریف کی ہے -

دوسرا قصیدہ زہیر ابن ابی سلمٰی مزنی کا ہے - اسی کے وہ بھی
قصائد ہیں جنکو حولیات کہتے ہیں - اس سبب سے کہ چار مہینے میں
ایک قصیدہ نظم کرتا تھا - اور چار مہینے تک اُسکی اصلاح کرتا تھا - اور
چار مہینے میں اپنے اور شاعر بھائیوں کو پڑھ پڑھ کے سناتا تھا - اور شہرت
اُسی وقت دیتا تھا جب پورا سال ختم ہو لیتا تھا -

اسکے باپ کا نام ربیعہ - اور ماموں کا بشامہ - اور اُسکے بیٹوں کے نام
کعب و بجیر اور اسکی بہنوں کے نام سلمٰی - خنسار - اور اُسکے پوتے کا نام
مضرب تھا - (یہ سب کے سب شاعر تھے -) زہیر سنہ ۱ ہجری مطابق سنہ ۶۲۱ع
میں دنیا سے عالم آخرت کو روانہ ہوا -

تیسرا قصیدہ حرث بن حلزہ یشکری کا ہے - یہ شخص جاہلی شاعر تھا -

چوتھا قصیدہ لبید بن ربیعہ عامری کا ہے - یہ شاعر مخضرمی ہے
اور نہایت شریف خاندان اور عابد اور زاہد مشہور اور عمدہ شاعری میں تھی

بے بدل ہے۔ اسکی عمر بھی ایک سو پینتالیس برس کی تھی۔ اسی بارے میں کہتا ہے۔

ولقد سئمت من الحیاۃ وطولها   وسؤال هذا الناس کیف لبید

کنیت اسکی ابو عقیل تھی۔ اسکا انتقال ۴۱ھ ہجری مطابق ۶۶۱ء میں ہوا۔

پانچواں قصیدہ عمرو بن کلثوم تغلبی کا ہے۔ اسکے باپ کا نام مالک ہے اسکی ماں لیلےٰ بنت مہلہل ہے۔ اسکی نسل سے کلثوم بن عمرو عتابی شاعر جید اور صاحب رسائل ہوا ہے۔ عمرو بن کلثوم نعمان بن منذر کی بہت ہجو کرتا تھا۔ لوگوں کا خیال ہے کہ اسکی عمر ڈیڑھ سو برس کی ہوئی ہے۔

چھٹا قصیدہ طرفہ بن عبد بکری کا ہے۔ نام اسکا عمرو ہے اور طرفہ لقبہ لفظ طرفہ طرفا رکا واحد ہے۔ مختلف قسم کے درختوں کو طرفا ر کہتے ہیں اسی لفظ کے اعتبار سے شاعر مذکور کا نام طرفہ ہو گیا ہے۔ یہ اس آئیندہ شعر کے ایک لفظ کی وجہ سے۔

لا تعجلا بالبکاء الیوم مطرفا   ولا امیر کما بالدار وقفا

ساتواں قصیدہ عنترہ عبسی کا ہے (اسکا ذکر اسی مقام کے دوسرے فصل میں آچکا ہے۔) مگر کچھ لوگوں نے اسکے قصیدہ میمیہ میں اختلاف کیا ہے۔ جسکا مطلع یہ ہے۔

هل غادر الشعراء من متردم   ام هل عرفت الدار بعد توهم

بعضوں نے اس قصیدہ کو مذہبات میں داخل کیا ہے۔ اور اسکی جگہ پہ نابغہ ذبیانی کا قصیدہ جسکا مطلع یہ ہے

یا دار میة بالعلیاء فالسند   اقوت وطال علیها سالف الابد

مگر اکثر مورخین کی رائے یہی ہے کہ عنترہ کا ہی قصیدہ معلقات میں داخل نہیں۔ قاضی زوزنی اور شیخ محمد بن ذکریا انصاری کی بھی یہی رائے ہے۔

مجمہرات۔ اس مجموعے کے قصائد دوسرے طبقے کے شعرا کے

کلام سے ہے۔

یہ قصیدہ نابغہ ذبیانی غطفانی کا ہے۔ نام اسکا زیاد بن معاویہ بن جناب اور کنیت ابو امامہ ہے۔ یہ شخص شعراء جاہلیین کے طبقہ اولیٰ سے ہے۔ بازار عکاظ میں سال بسال جب شعراء جمع ہوتے اور ایک خیمہ نصب ہوتا تھا تمام لوگ بیٹھ کے اپنے قصیدے نابغہ کو سناتے۔ اور اصلاح لیتے۔ ملک نعمان بن منذر اسکی بڑی قدر و منزلت کرتا تھا۔ بلکہ نابغہ اُسکے خاص مصاحبوں میں تھا۔

اسکے علاوہ بھی نابغہ گذرے ہیں بنجملہ اُنکے ایک نابغہ جعدی ہے نام اسکا حسان بن قیس تھا۔ نسب اسکا غیلان بن مضر تک پہونچتا ہے کنیت اسکی ابو لیلیٰ تھی۔ وجہ تسمیہ اسکی یہ تھی کہ اس نے ایک مدت تک شعر شاعری کا ذوق چھوڑ دیا تھا۔ پھر کچھ عرصہ بعد شروع کر دیا۔ یہ شخص مخضرمی شعراء میں سے ہے۔ جاہلیت کا زمانہ بھی اس نے خوب دیکھا ہے۔ اور اسلام کا بھی۔ عمر میں نابغہ ذبیانی سے بڑا تھا۔ اشعار ذیل اسی کے ہیں۔ یہ شخص عبد الملک کی سلطنت تک زندہ رہا۔

ومن یک سائلاً عنی فانی من الفتیان ایام الخنان اتت مائة لعام ولدت فیه وعشر بعد ذاک وحجتان وقد ابقت خطوب الدهر منی کما ابقت من السیف الیمانی	یعنے جو کوئی میری عمر کا اندازہ پوچھے تو اُس سے کہدو کہ میں ایک سو بارہ برس کا ہو چکا ہوں۔ اور جسطرح یمانی تلوار کو زمانے کا کوئی دسترس نہیں ہوتا اسیطرح مجھپر زمانے کا کوئی داؤ نہ چل سکا۔

دوسرا شخص نابغہ شیبانی عبد اللہ بن مخارق ربیعہ بن نزار کی اولاد میں سے دولت امویہ کے شعراء بدویہ میں سے ہے۔ اصبہانی نے کہا ہے کہ شاید یہ شخص نصرانی تھا کیونکہ اکثر اپنے شعروں میں انجیل اور رہبان کی قسم کھاتا ہے

اس نے عبدالملک وغیرہ بادشاہان بنی امیہ کی بہت کچھ تعریف کی ہے۔

دوسرا قصیدہ عبید بن الابرص کا ہے۔ نسب اسکا مضر تک پہنچتا ہے۔ یہ شخص بہی نہایت لائق اور جوان طبیعت شعرائے جاہلین سے تھا ابن سلام نے اسکو فحول عرب کے چوتھے طبقے میں شمار کیا ہے۔ اور اسی کے ساتھ طرفہ بن عبد اور علقمہ بن عبدہ اور عدی بن زید کو شامل کرلیا ہے نعمان بن منذر نے اسکو ایک لڑائی میں مار ڈالا تھا۔

تیسرا قصیدہ عدی بن زید کا ہے۔ اسکی کنیت ابن الرقاع عاملی ہے باپ تو اسکا زید تھا مگر کنیت میں اسکے دادا کا نام لیا گیا ہے۔ بنی امیہ کی سلطنت میں ولید بن عبدالملک کا خاص شاعر اور مداح تھا۔ اسکی ایک لڑکی سلمی نامی بہت کامل شاعرہ تھی۔ مکان اسکا دمشق میں تھا یعقوب نے اسکو اسلامی شعرا کے تیسرے طبقے میں داخل کیا ہے۔

چوتھا قصیدہ بشر بن کازم کا ہے۔ جسکی زندگی کے حالات ہمیں معلوم نہیں۔

پانچواں قصیدہ امیہ بن الصلت عبیدۃ ابن ابی ربیعہ کا ہے جو بکر بن ہوازن کے خاندان میں سے تھا۔ ابتدائے اسلام میں اسکا انتقال ہوا اس نے محض اس خیال سے کہ نبوت کا استحقاق زیادہ تر مجھکو ہے۔ نہ صاحب شرعیت اسلامیہ کو۔ اسلام نہیں قبول کیا۔ اسکا باپ عبداللہ بن ربیعہ جاہلیت کے مشہور شعرا میں سے ہے۔

چھٹا قصیدہ خداش بن زہیر کا ہے۔ اسکے سوانح عمری بہی ہمیں معلوم نہیں۔

ساتواں قصیدہ نمر بن تولب کا ہے اسکو عکلی بہی کہتے تہے۔ نسب اسکا نزار تک پہونچتا ہے۔ شعر کم کہتا تہا مگر یوں شاعر اعلی درجہ کا تھا۔ اسلام کے زمانہ تک رہا ہے۔ اور مسلمان بہی ہوا۔ اسکا شمار عرب کے اعلی شہسواروں

ہیں ہی ہوتا ہے۔ ابو عمرو بن علا اسکے شعروں کی خوبی اور حسن کیوجہ سے اسکو کیس کہا کرتا تھا۔

منتقیات تیسرے طبقے کے قصائد ہیں۔

پہلا قصیدہ مسیب بن علس کا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس نے ایک دن عمرو بن ہند کے سامنے یہ شعر پڑھا

وقد اتلافی الھم عند احتضارہ بناج علیہ الصیعریۃ مکدم	"مجھپر جب کوئی غم واندوہ آتا ہے تو فوراً اسکی تلافی اپنیے اونٹ

کے ذریعے سے (جسپر نشان صعیریہ ہے اور وہ واعذار ہے) کرلیتا ہوں۔

اتفاق سے اسوقت طرفہ بن عبد بیٹھا ہوا تھا اس سے رہا نہ گیا اور کہنے لگا لوا ستنوق الجمل (اونٹنی تو اونٹ بنگئی) یہ اسوجہ سے کہا کہ صعیریہ ایک داغ ہوتا ہے جو خاص اونٹنی ہی کی گردن پر ہوا کرتا ہے نر اونٹوں میں نہیں ہوتا۔ مسیب نے جو یہ سنا تو اُسے بہت ہی ناگوار ہوا اور کہنے لگا لیقتلنہ لسانہ (اسکی زبان اسکی جان لیگی) آخر ایسا ہی ہوا۔ اس نے ایک دفعہ عمرو بن ہند کے بھائی قابوس کی ہجو کہی تہی۔ بس اسی جرم میں مارا گیا۔ بیچارہ بالکل ہی نوعمر تھا۔ لوگوں کا خیال ہے کہ اگر اس شخص کی تہوڑی سی عمر اور ہوتی تو اپنی اس کمال شاعری پر نبوت کا ضرور دعوی کرتا

دوسرا قصیدہ منتقیات کا مرقش بن جریر کی تصنیف سے ہے

تیسرا قصیدہ مرقش اصغر کا ہے۔ اسکا نام عمرو بن ربیعہ بن حرملہ بن سفیان ہے۔ طرفہ بن عبد اسکا بھتیجا تہا۔ تمام شعراء مرقشین میں اسکا قصیدہ بہتر ہے۔

چوتھا قصیدہ عروہ بن ورد کا ہے (اسکا حال مفصل گذرچکا ہے)

پانچواں قصیدہ درید بن صمہ کا ہے " " "

چھٹا قصیدہ مہلہل بن ربیعہ کا ہے " " "

ساتواں قصیدہ متنخل بن عویمر بن عثمان بن سوید کا ہے۔ اسکا نسب ہذیل تک پہونچتا ہے۔ اسکی کنیت ابواثیلہ ہے۔ اصبہانی نے لکھدیا ہے کہ یہ شخص بہت اعلیٰ درجے کا شاعر بنی ہذیل میں سے تھا۔

مذہبات - چوتھا طبقہ ہے۔

پہلا قصیدہ حسان بن ثابت کا ہے۔ انکی کنیت ابوالولید تھی شعراء اہل بدر میں سے اچھے شاعر تھے۔ ایک سو بیس برس کی انکی عمر تھی۔ ساٹھ برس تو جاہلیت کے زمانے میں کاٹے۔ اور ساٹھ ہی برس اسلام میں صاحب شریعت اسلامیہ کے مداح تھے۔ صفوان بن معطل نے ایک ناگوار امر کیوجہ سے ۵۴ ہجری میں مار ڈالا۔

دوسرا قصیدہ عبداللہ بن رواحہ انصاری کا ہے۔

تیسرا قصیدہ مالک بن عجلان کی طبیعت کا نتیجہ ہے۔

چوتھا قصیدہ قیس بن حطیم اوسی کنیت ابویزید کی تصنیف سے ہے۔ اسکا باپ عدی بن عمر بن ظفر ہے۔ یہ شخص جاہلی شعراء سے ہے۔

پانچواں قصیدہ - احیحہ بن جلاج کا ہے۔ اسکو ابوعمرو۔ اور ابووحوحہ بھی کہتے تھے۔ شاعر جاہلی ہے۔

چھٹا قصیدہ قیس بن اسلت (شاعر جاہلی) کا ہے۔ اسکا اصلی نام نہیں معلوم۔ اسلت اسکے باپ کا لقب اور نام عامر ہے اوس نے اپنی لڑائی کا سبب اسی ابوقیس کو قرار دیا ہے۔ اور جنگ بعاث کے دن اسکو افسر فوج بنایا تھا۔

ساتواں قصیدہ عمرو بن امراء القیس کا ہے۔

مراثی (مرثیہ کی جمع ہے) تین پانچویں طبقے کے قصیدے ہیں۔ ایک قصیدہ اسمیں ابوذویب ہذلی کا ہے۔ نام اسکا خویلد ابن خالد ہے نسب اسکا مضر تک پہونچتا ہے۔ اسلام اور جاہلیت کے زمانے کی اس نے خوب

سیر کی ہے۔ خلافت عمر کے زمانے میں انتقال کیا۔

دوسرا محمد بن کعب غنوی ہے۔ اسکی کیفیت سے ہم ناواقف ہیں۔

تیسرا اعشیٰ باہلی ہے۔ اعشیٰ کے نام سے کئی شاعر مشہور ہیں منجملہ انکے میمون بن جندل اسدی ہے۔ سنہ ہجری مطابق ۶۲۹ء میں اسکا انتقال ہوا۔

دوسرا اعشیٰ ہمدانی ہے۔ نام اسکا عبدالرحمان بن عبداللہ بن حرث ہے نسب اسکا کہلان بن سبا تک پہونچتا ہے۔ کنیت اسکی ابوالمصبح ہے۔ کوفہ کا رہنے والا اور دولت امویہ کا بڑا شاعر تھا۔ مولوی شعبی صاحب جو بڑے فقیہ اور عالم تھے۔ انکی بہن اسکے حبالہ نکاح میں تھی۔ اور اعشیٰ کی بہن بھی مولوی شعبی کے نکاح میں تھی۔ پہلے تو یہ حضرت فقیہ تھے مگر بعد میں فقاہت چھوڑ کے شاعری اختیار کر لی۔ حجاج نے ایک لڑائی میں اسکو قید کر کے قتل کر دیا۔ اس سبب سے کہ یہ حضرت اپنی قوم کو حجاج سے جنگ کرنے پر آمادہ کرتے تھے۔

تیسرا اعشیٰ مازنی کا ہے۔ شاعر مخضرمی ہے۔

چوتھا اعشیٰ تغلبی کا ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ نعمان بن یحیٰی بن معاویہ کا ہے۔ جو کہ امویوں کا شاعر تھا۔ اور شام میں رہا کرتا تھا۔ مذہب اسکا نصرانی تھا۔ ولید بن عبدالملک اسکو بہت کچھ دیتا رہتا تھا۔ مگر عمر بن عبدالعزیز تخت نشین ہوا۔ تو اسکو کچھ نہ ملا آخر جل کے یہ شعر کہے۔

لعمری لقد عاش الولید حیاته	اپنی جان کی قسم ولید اپنی زندگی بھر
امام هدیٰ لامستزاد ولا نزر	ہدایت پہ تھا۔ نہ تو بہت
کان بنی مروان بعد وفاته	بخشش کرتا تھا۔ نہ تھوڑی۔ لیکن
جلامید تندی وان بلها القطر	اسکے مرنیکے بعد تو بنی مروان ایسے

سخت پتھر کیطرح کہ ذرا سا بھی کچھ کسی کو دینا نہیں چاہتے۔

پانچواں اعشیٰ بن ربیعہ عبداللہ بن خارجہ بن حبیب قبیلہ بکر بن وائل

سے ہے۔ کنیت اسکی ابو عبد اللہ ہے۔ اور کوفہ کا رہنے والا مروانی المذہب اسلامی شاعر ہے۔ بنی امیہ کا بڑا ہی خیر خواہ تھا۔ عبد الملک بن مروان اور سلیمان بن عبد الملک کے زمانے میں اسکا ظہور رہا۔

چوتھا مرثیہ علقمۃ المطموس کی تصنیف سے ہے۔

پانچواں مرثیہ ابو زبید طائی کا ہے اسکا نام حرملہ بن منذر بن معدی کرب بن حنظلہ بن نعمان تھا۔ نسب اسکا کہلان تک پہونچتا ہے۔ مذہب اسکا نصرانی تھا۔ مگر چونکہ زمانہ جاہلیت اور اسلام دونوں میں رہا ہے اس سبب سے اسکو مخضرمی کہتے ہیں بعضوں نے اسکو اسلامی شعرا میں داخل کر لیا ہے۔ عثمانؓ بن عفان اسکی بڑی قدر کرتے تھے۔ ایک دن بیٹھا ہوا حضرت عثمانؓ کے پاس انکی بہت سی تعریفیں کر رہا تھا۔ عثمانؓ نے کہا بس کرو زیادہ تعریف نکرو میں ڈرتا ہوں کہیں مسلمانوں کو مجھسے خوف نہ پیدا ہو جائے۔

چھٹا مرثیہ مالک بن ریب نہشلی کا ہے۔ اسکا نسب تمیم تک پہونچتا ہے۔ یہ شخص شاعر ہونے کے ساتھ بڑا زبردست ڈاکو چور تھا۔ یہ بصرے بادیہ بنی تمیم میں پیدا ہوا تھا۔ اور وہیں نشو و نما پائی تھی۔ بنی امیہ کے اوائل زمانہ سلطنت میں اسکا ظہور ہوا تھا۔ چوری اور لوٹ مار میں تئبطا شرا کا سا ہی تھا۔ حسن میں بھی اپنے زمانے میں بے عدیل تھا۔ آخر میں سعید بن عثمان بن عفان کے سامنے توبہ کر لی۔ اور اپنی تمام شرارتوں سے باز آیا۔ پھر حضرت معاویہؓ نے اسکو بصرہ کا حاکم کر دیا تھا۔

ساتواں مرثیہ متمم بن نویرہ تمیمی کا ہے۔ نسب اسکا مضر تک پہونچتا ہے کنیت اسکی ابو نہشل ہے۔ اسی کا بھائی مالک ذی الخمار تھا۔ جسکو خالد بن ولید نے قتل کر دیا تھا۔ دیکھو چوتھے باب کی تیسری فصل۔ اور چھٹے باب کی دوسری فصل

مثنویات۔ چھٹا طبقہ ہے۔ اسمیں کعب بن زہیر۔ نابغہ جعدی۔ قطامی

حطیئہ۔ فرزدق۔ شماخ۔ عمر بن احمد کے قصیدے ہیں۔

کعب بن زہیر۔ پہلے تو یہ شخص صاحب شریعت اسلامیہ کا بہت ہی بڑا دشمن تھا۔ مگر جب حضرت نے اسکا خون مباح کر دیا اور حکم دیدیا کہ جو کوئی اسکو پائے مار ڈالے تو ڈر کے مارے مسلمان ہو گیا۔ اور حضرت کی مدح میں ایک قصیدہ نظم کیا جسکا مطلع یہ ہے۔

بانت سعاد فقلبی الیوم متبول | متیم اثرها لم یفد مکبول

اور اسی قصیدے کو اپنی معافی کا ذریعہ بنا کے حاضر خدمت ہوا۔ آنحضرتؐ نے اسکی خطا معاف کی۔ اور ایک چادر اسکو عنایت کی۔ جسکو معاویہ بن ابی سفیان نے کعب کے مرنیکے بعد اسکے بیٹے سے بارہ ہزار درہم پر خرید لی۔ تذکرۃ الحکم میں لکھتے ہیں کہ یہ چادر سلطانی خزانہ میں آخر سلطنت بنی امیہ تک رہی۔ (صدق و کذب بر گردن راوی)

نابغہ جعدی۔ اسکا ذکر آگے گذر چکا۔

قطامی کا نام عمیر بن شییم تھا۔ مذہب تو نصرانی تھا مگر اسلامی شعرا میں اسکا شمار ہوتا ہے۔ عبد الملک بن مروان کے زمانے میں اسکا شہرہ ہوا تھا۔ اور یہی پہلا وہ شاعر ہے جسکو صریع الغوانی کہا گیا ہے۔ کیونکہ اس نے ایک شعر میں یوں نظم کیا تھا۔

صرایع غوان راقھن ورقنہ	حسین عورتوں کا قتل کیا ہوا ہے
لدن شب حتی شاب سود الذوائب	وہ ان عورتوں کو خوشنما معلوم ہوتا ہے

اور وہ عورتیں اسکو خوشنما معلوم ہوتی ہیں۔ جب سے یہ جوان ہوا تھا کہ اسکی سیاہ زلفیں سفید ہو گئیں۔

حطیئہ۔ اسکا نام اوس بن جرول بن مالک ہے۔ اور قبائل اسکا بنی عبس۔ وجہ تسمیہ اسکی یہ ہے کہ قد اسکا بہت ہی پست تھا۔ بلکہ زمین سے ملا ہوا۔ اور بد صورت۔ کریہ المنظر۔ بدنفس۔ بخیل۔ ہجو گو۔ بد زبان تھا

بہت کم کوئی ایسا ہوگا جسکی ہجو اس نے نہ کی ہو یہی کہ اپنے بیٹے بیٹیوں ماں بیوی تک کے اونٹ کی ہجو کہہ ڈالی۔ اسکی تعریف میں ایک شخص نے نظم کیا ہے۔

لا احد الالام من حطیئه
هجا بنیه وهجا المریه
من لومه مات علی فریه

کوئی شخص حطیئہ سے بڑھ کے دنی طبیعت اور کمینہ نہ تھا۔ اس نے اپنے بیٹوں اور بیوی تک کی ہجو کہہ ڈالی۔ اور اپنی دنائت کیحالت میں گدھی پر مر گیا"

اسکا قصہ یوں ہے کہ مرتے وقت اس نے کہا کہ جب میرا دم نکلنے لگے تو مجھے گدھی پر رکھ دینا۔ کیونکہ شریف آدمی کے واسطے بہت ناگوار بات ہے کہ چارپائی پر پڑا پڑا مر جائے۔ حالانکہ آجتک کوئی شریف آدمی گدھی پر نہیں مرا ہے اگر کبھی مرا ہوگا تو گھوڑے پر نہ کہ گدھے اور گدھی پر۔

ایک دفعہ کی نقل لکھی ہے کہ ایک دن یہ اس فکر میں چلا جاتا تھا کہ کوئی اوپر سے گذرے تو اسکی ہجو کہوں۔ اتفاق سے کوئی نہ ملا۔ آخر بہت ہی دلتنگ ہو کے یہ شعر پڑھنے لگا۔

ابت شفتای الیوم الا تکلما
بسوء فما ادری لمن انا قائله

"میرے ہونٹ تو بغیر کسی کی ہجو کہے چین ہی نہیں لیتے۔ میں نہیں جانتا اب آخر کس کی ہجو کہوں کوئی تو ملتا ہی نہیں"

اور مکرر یہی شعر پڑھتا رہا۔ تھوڑی دیر تک اسی فکر میں چلا گیا۔ آگے ایک حوض پانی سے بھرا ہوا نظر پڑا۔ اس میں اپنا منہ دیکھنے لگا۔ چونکہ خود بہت ہی بدصورت تھا بس فوراً اپنی ہجو کہنے لگا جسکا ایک شعر یہ ہے۔

اری لی وجها شوه الله خلقه
فقبح من وجه وقبح حامله

"میں اپنے چہرے کو ایسا دیکھتا ہوں کہ گویا خدا تعالیٰ نے اسکو جھلس دیا ہے پس قبیح ہے یہ منہ اور قبیح ہے وہ شخص جسکا یہ منہ ہے"۔

شماخ بن ضرارہ۔ نام اسکا معقل اور شماخ لقب ہے۔ یہ شخص مخضرمی شاعر ہے۔ اس نے اپنے قبیلے والوں اور اپنے مہمانوں کی خوب ہجو کہی ہے اور مہمان نوازی کا احسان مہمانوں کو خوب جتایا ہے۔ اسکی ماں عرب کی نہایت شریف عورتوں میں سے تھی۔ اسکے دو بھائی بھی شاعر تھے۔ ایک کا نام مزرد۔ اور دوسرے کا جزء بن ضرار تھا۔

عمرو بن احمد۔ تمیم بن مقبل۔ ان دونوں کے ترجمے پر ہمیں اطلاع نہیں ہوئی۔

ملحمات ساتواں طبقہ ہے اسکے کہنے والے۔ ایک فرزدق ہے دوسرا جریر۔ تیسرا اخطل تغلبی۔ چوتھا عبید راعی۔ پانچواں ذوالرمہ۔ چھٹا کمیت۔ ساتواں طرماح۔

فرزدق تمیمی کی کنیت ابو فراس اور نام ہمام بن غالب بن صعصعہ بن ناجیہ تمیمی ہے۔ لغت میں فرزدق کے معنے (پنیر کا ایک ٹکڑا) جسے پھیلا کے روٹی پکائی جاتی ہے۔

چونکہ یہ شخص موٹا ڈبل تھا۔ اور فحش گوئی میں بے مثل تھا اس سبب سے اسکو فرزدق کہنے لگے تھے۔ جریر سے اور اس سے چوٹیں چلا کرتی تھیں چنانچہ جریر نے ایک قصیدے میں اسکی ہجو کہی ہے۔ جس کا ایک شعر یہ بھی ہے۔

وکنت اذا حللت بدار قوم ظعنت بخزیۃ وترکت عارا	تب تو کسی قوم کے گھر میں داخل ہوتا ہے تو وہاں سے واپس آنکلے

وقت رسوائی تو لیتا آتا ہے۔ اور ننگ و ننگ وہیں چھوڑ دیتا ہے"۔

اتفاق سے ایک مرتبہ اسکو عمرو بن عبدالعزیز نے نکلوا دیا تھا کیونکہ

یہ بہلانے کی ایک عورت سے نظارہ بازی کرتا تہا۔ جب اپنی اونٹنی پر سوار ہوکے جانے لگا تو اُسوقت جریر کا شعر مذکور اُسے یاد آیا۔ کہنے لگا ظالم ابن مراغہ نے کیا سچی حالت میری نظم کی ہے۔ حالانکہ اُس نے مجھے اِس حالت میں دیکھا نہ تہا۔

ایک دن ایک شخص اسکے قبیلے کا اسکی ملاقات کو آیا۔ اور اپنی تعریف میں یہ شعر پڑہا۔

ومنهم عمر المحمود نائله	"تمیم ہی میں سے عمر بھی ہے جسکی
كانما رأسه طين الخواتيم	بخشش کی تعریف ہوتی ہے۔ گویا کہ

سر اُسکا انگوٹھی کا ٹھپوا ہے"۔

فرزدق سن کے ہنسنے لگا۔ اور اُسے مخاطب ہوکے کہا۔ سنو بہائی! شعر کے دو شیطان ہوتے ہیں۔ ایک کا نام ہوبر دوسرے کا نام ہوجل ہے۔ جس شخص کے پاس فقط ہوبر آتا ہے اُسکا شعر بہت عمدہ ہوتا ہے اور جسکے پاس ہوجل آتا ہے اُسکا شعر ردی ہوا کرتا ہے مگر تیرے پاس دونوں موجود تھے۔ جبکہ تو نے یہ شعر نظم کیا تہا۔ کیونکہ پہلا مصرعہ تو ہوبر نے نظم کرایا ہے۔ اور دوسرا ہوجل نے۔ اسی وجہ سے دوسرا مصرعہ لغو ہوگیا۔

عرب کا خیال یہ ہے کہ ہر شاعر کے پاس ایک شیطان ضرور رہتا ہے وہی اسکو شعر بتلاتا رہتا ہے۔ فرزدق کے شیطان کا نام عمیرہ یا عمرو تھا

ابو عبدالرحمان یونس بن جبیب نحوی کا قول ہے کہ فرزدق نے عرب کی لغت پر بہت بڑا احسان کیا۔ کیونکہ اسکے اشعار نے ایک تہائی زبان عرب کی ضائع ہونے سے بچائی ہے۔

جریر خطفی۔ عطیہ تمیمی کا بیٹا تہا۔ نام اسکا حذیفہ اور لقب خطفی اور کنیت ابوحزرہ ہے۔ اسلامی شعراء عرب میں نہایت لائق شاعر تھا غزل گوئی

میں ضرب المثل تھا۔ بعضے کہتے ہیں کہ بہ نسبت فرزدق کے اسکے اشعار اچھے ہوتے ہیں۔ مگر علمائے ادب نے اس بات پر اتفاق کرلیا ہے کہ شعرائے اسلام میں فرزدق اور جریر اور اخطل سے بڑھکر کوئی بھی نہیں ہوا۔ اور مشہور ہے کہ شعر کی چار قسمیں ہیں۔ فخریہ۔ مدحیہ۔ ہجویہ۔ غزلیہ ان چاروں میں جریر کو ید طولی تھا۔ متنبی نے یہی کہا ہے کہ جریر غزلیت میں بہت بلیغ تھا۔ سنہ ۱۱۰ ہجری مطابق سنہ ۷۲۸ء میں مرگیا۔

اخطل تغلبی کو تغلبی اس وجہ سے کہتے تھے کہ یہ شخص تغلب کے نصاری میں سے تھا۔ نام اسکا غیاث بن غوث بن صلت بن طارقہ تغلبی اور کنیت ابو مالک تھی۔ اسکو اخطل اسوجہ سے کہتے تھے کہ ذرا اسکے دونوں کان ڈھیلے ڈھیلے اور لٹکے ہوئے تھے۔ ایک شخص نے یہ بھی لکھا ہے کہ اخطل سفیہ (بیوقوف) کو بھی کہتے ہیں۔

امثال میدانی میں لکھتے ہیں کہ خاطل جاہل کو کہتے ہیں۔ خطل کے معنے اضطراب کے ہیں۔

غرض اخطل ہمعصر اور ہمدوش مقابل جریر اور فرزدق کا تھا۔ اور کچھ لوگ تو اخطل کو جریر و فرزدق پر ترجیح دیتے ہیں۔ حماد راویہ سے ایک دفعہ کسی نے اسکی بابت سوال کیا تھا تو اس نے یہی جواب دیا کہ ما تسألونی عن رجل حبب الی شعرہ النصرانیہ "مجھسے اس شخص کی بابت کیا پوچھتے ہو جسکے شعر کا یہ اثر ہوا کہ میں نصرانی ہو گیا)

عبید راعی۔ کے باپ کا نام حصین بن معاویہ اور کنیت ابو جندل لقب راعی ہے۔ چونکہ اونٹوں کی تعریف کا اسکو شوق بہت تھا۔ اور فی الحقیقت اس امر میں اسکو ید طولی حاصل تھا اسوجہ سے اسکو راعی کہا گیا شعرا اسلام میں سے بہت بڑا شاعر تھا۔ بلکہ اکثر شاعروں پر اسکو فضیلت حاصل تھی۔ یہانتک کہ جریر اور فرزدق کے درمیان میں دخل دیدیا تھا۔

ذوالرمہ ۔ ابوالحرث غیلان بن عقبہ بن نہیس بن مسعود قبائل
معد بن عدنان سے ہے ۔ اسکا شمار عاشقوں میں ہے ۔ میہ بنت
مقاتل بن طلبہ بن قیس بن عاصم منقری پر جان دیتا تھا ۔ اور یہ شعر
اسی کے متعلق نظم کیا ہے ۔

وقد علقت مي بقلبي علاقة	"میہ کی محبت اسطرح میرے دل میں
بطيئا على مرّ الدهور انحلالها	سما گئی ہے کہ اگر زمانہ پلٹے پر پلٹا ئے

جب بھی اسکا زوال دشوار ہے"

ابوتمام طائی کا شعر اس ثبوت میں کہ ذوالرمہ کی معشوقہ میہ تھی ۔

ما ربع مية معمورا يطيف به	"میہ کی آباد منزل جسکا طواف
غيلان ابهى ربى من ربعها الخرب	غیلان (ذوالرمہ) کرتا تھا وہ میری

معشوقہ کے غیر آباد اور افتادہ منزل سے زیادہ خوشنما نہیں ہے"

علاوہ میہ کے اپنے شعروں میں خرقاء کی تعریف کرتا ہے اور اپنا
عشق اسکی بابت بھی ظاہر کرتا ہے ۔ (ابوالفرج اصبہانی نے کہا ہے
کہ خرقاء اس عورت کو کہتے ہیں جو اپنی بزرگی اور دولتمندی کیوجہ
سے کوئی کام اپنے ہاتھ سے نہ کرتی ہو ۔ یہ عورت بنی البکار بن عامر
بن صعصعہ سے تھی ۔ ایک دفعہ اس نے مفضل جبشی کو دیکھا تھا تو پوچھنے
لگی کہ تو نے کبھی حج بھی کیا ہے ۔ مفضل نے کہا ایک چھوڑ کئی مرتبہ ۔ خرقاء
نے کہا پھر تو نے میری زیارت کیوں نہ کی کیا تجھے معلوم نہیں کہ حج
کے تمام رکنوں میں سے ایک رکن میں ہی ہوں ۔ مفضل نے پوچھا یہ کیونکر ؟
وہ کہنے لگی شاید تو نے ذوالرمہ کا یہ شعر نہیں سنا ہے ۔

تمام الحج ان تقف المطايا	"پورا حج اسی وقت ہوسکتا ہے کہ
على خرقاء واضعة اللثام	جب حاجیوں کی اونٹنیاں خرقاء کے

پاس اسوقت جا ٹھہریں کہ وہ اپنے چہرے سے نقاب ہٹائے ہوئے ہو"

ذی الرمہ ایک مرتبہ اپنے شعر پڑھ رہا تھا۔ کہ جریر اسطرف سے ہوکے گذرا۔ دیکھا کہ بہت سے لوگ ذوالرمہ کے گرد جمع ہیں اور اس شعر کو سنکے وجد کر رہے ہیں۔ جریر سے رہا نہ گیا کہنے لگا نقط عروس وابعار ظبأ یعنے تیرا شعر ہرنوں کی مینگنیوں کی طرح سے ہے۔ جو کوئی یوں سونگھے تو اُسکی خوشبو محسوس ہوتی ہے۔ اور اگر توڑ کے سونگھے تو کچھ بھی نہیں۔ مطلب یہ تھا کہ حقیقت میں جسکی تعریف اس شعر میں کیگئی ہے وہ واجبی ما جبی ہے۔ مگر اس شعر نے اسکو چمکا دیا ہے۔

ذی الرمہ کے تین بہائی اور بھی تھے۔ مسعود۔ جرفاش۔ ہشام۔ اور تینوں شاعر تھے۔

اس شاعر جلیل کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ایک روز میہ کے خیموں کیطرف سے ہوکے گذرا۔ اُسوقت کچھ پیاسا تھا۔ میہ سے پانی مانگا وہ دوڑی گئی اور اُسکے واسطے پانی لائی۔ چونکہ اسکی گردن پہ ایک رسی پڑی تھی اور رسی کو رمہ کہتے ہیں۔ اس مناسبت سے اُس نے کہا۔ اشرب یا ذا الرمہ اُسیوقت سے یہ لقب حضرت کو نصیب ہوا۔ (میں خیال کرتا ہوں کہ جب اپنے اس نام کیطرف یہ شخص خیال کرتا ہوگا تو بہت ہی لطف اسکو آتا ہوگا کہ میری معشوقہ کا عطا کیا ہوا یہ لقب ہے)

ابو عبیدہ نے اسکے شعروں کی تعریف میں کہا ہے کہ اگر کسی شعر میں کوئی خبر دینا چاہتا تھا۔ تو بہت ہی اچھی طرح اُس خبر کو ادا کرتا تھا۔ اگر کوئی جواب دینا چاہتا تھا تو نہایت خوبی سے جواب دیتا تھا۔ اگر عذر کرتا تھا تو وہ بھی بہت ہی متانت سے۔

ابو عمرو نے شاعری کا خاتمہ ذی الرمہ پہ اور رجز کا خاتمہ روبہ بن عجاج پر کردیا ہے۔ یعنے انکے بعد شاعری کا ستیاناس ہوگیا۔ ذی الرمہ نے ۱۱۷ھ ہجری مطابق ۷۳۵ء میں انتقال کیا۔

کمیت بن زید اسلامی شاعر اور نہایت جید نظم لکھنے والا ایام عرب سے خوب واقف لغات عرب کو خوب جاننے والا تھا۔ مضر کے شعراء میں اسکا بھی شمار تھا۔ فقط زمانہ بنی امیہ تک رہا۔ عباسیوں کا دورہ جب شروع ہوا تو یہ مرچکا تھا۔ اپنی آخر زندگی تک اس نے پانچہزار دو سو نواسی شعر کہے تھے۔ اور عجاج (شاعر مشہور) کا معصر تھا۔ کمیت کا انتقال ۱۲۶ سنہ ہجری مطابق ۷۴۳ھ میں ہوا۔

علاوہ کمیت اسلامی کے دو اور بھی ایک جاہلی ہے دوسرا مخضرمی ہے کمیت جاہلی کا دادا کمیت بن ثعلبہ تھا۔

اور کمیت مخضرمی کمیت بن معروف۔ اصبہانی نے اسکو بدوی لکھا ہے۔ اور اس باپ کا شمار بھی شاعروں میں کیا ہے۔ اس کی ماں سعدی نامی شاعرہ تھی۔ بھائی اسکا خیثمہ اعشی اسدی اور اسکا بیٹا معروف بن کمیت بھی شاعر تھے۔

طرماح۔ اسکا نام حکیم بن حکم اور کنیت ابو نفر اور ابو ضبیبہ تھی۔ طرماح کے معنے طویل القامت کے ہیں۔ اسلامی زمانے میں یہ شخص نہایت فصیح و بلیغ بے جھجک حاضر حقیقت کامل شاعر تھا۔ نشوونما شام میں پائی تھی۔ پھر کوفی کو چلا گیا تھا۔ اور شراہ ازارقہ کا مذہب اختیار کر لیا تھا۔

ساتواں باب

گھوڑوں اور اونٹوں کی پرورش اور تجارتی اور اراضیات کی آمدنی وغیرہ پر بحث اس باب میں چار فصلیں ہیں

فصل اول

عرب کے مشہور گھوڑے

یہ بات بدیہی طور سے معلوم ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں عرب گھوڑے کی سواری میں بے مثل تھے۔ اور پرورش کا حق وہی کچھ خوب ادا کرتے تھے۔

خیل گھوڑوں کی ایک کثیر تعداد کو کہتے ہیں۔ اسکو خیل اس وجہ سے کہا گیا کہ چلنے میں انکے ایک قسم کی ادا پائی جاتی ہے۔

خیل کی دو قسمیں ہیں کدیشیہ (یعنی معمولی گھوڑے) ہیں اور کحیلانیہ (جو اعلیٰ قسم کے گھوڑے ہیں)

کحیلانیہ گھوڑوں کی طرف عرب کی توجہ زیادہ تھی۔ اور ہم بھی اس مقام پر انہی گھوڑوں کا ذکر کرینگے۔

انکی اصل و نسل کی بابت کہا جاتا ہے کہ حضرت سلیمان نبی کے اصطبل کے اصیل گھوڑے کحیلانیہ گھوڑوں کے آباؤ اجداد ہیں۔ اور عرب نے اسقدر ان گھوڑوں کی قدر کی ہے کہ نسب نامے انکے اب تک یاد رکھے ہیں۔ اور کسی قسم کا میل آنے نہیں دیا ہے۔ ان گھوڑوں کی تعریف یہ ہے کہ مشقت کے جھیلنے میں انکو مشکل نہیں پڑتی۔ اور دانے پانی بغیر بھی کئی دن تک زندہ رہ سکتے ہیں۔

کحیلانی گھوڑوں کی تعریفیں اور خوبیاں تو بے انتہا ہیں۔ اور عرب کے تمام قطعات زمین میں انکے حالات اور دوڑیں مشہور ہیں۔ اور اس زمانے میں اگرچہ عرب کی بہت سی قدیم عادتیں جاتی رہیں۔ اور وہ اوصاف جو انہیں کے ساتھ مخصوص تھے بالکل معدوم ہو گئے تاہم ابتک یہ حالت ہے کہ گھوڑوں کے بارے میں ان کو کمال ہے شہسواری کا فن اب بھی ان سے نہیں گیا ہے۔ اور گھوڑے کی پرورش بھی جیسی وہ کر سکتے ہیں کسی دوسری قوم کو اسمیں ایسا حصہ نہیں ملا ہے۔ اور ہر طبقے کے لوگ اپنی اپنی حیثیت سے اس بارے میں ید طولی رکھتے ہیں۔

اگلے زمانے میں بھی اگرچہ قوم قوم کا فرق تھا اور ہر ایک قبیلے کے ساتھ ایک وصف خاص تھا مگر ہم چند مشہور گھوڑوں کا ذکر کرتے ہیں جو اس زمانے میں تھے۔ اور اپنے امثال میں یکتا سمجھے جاتے تھے۔ اور ابتک انکا ذکر چلا آتا ہے۔ اور انکے شہسواروں کے نام بھی لکھتے ہیں۔

مشتہر۔ مہلہل بن ربیعہ مذکور الصدر کے گھوڑے کا نام تھا۔

نعامہ۔ حبب بن عباد یشکری کے گھوڑے کا نام تھا۔

ناوق منقذ بن طریف کا گھوڑا ہے۔

۴ ۵ داحس۔ حنفار قیس بن زہیر عبسی کے گھوڑے تھے۔ اسی داحس کے باپ کو ذوالعقال کہتے تھے۔ یہ گھوڑا حوط بن جابر بن حمیری بن ریاح

بن یربوع کا تھا۔ اور داحس کی ماں کا نام جلوی تھا۔ یہ گھوڑی بی قرواش بن عوف بن عاصم بن عبید بن یربوع کے پاس تھی۔ اسی گھوڑے (داحس) کی وجہ سے عبس اور فزارہ میں لڑائی کی بنیاد قائم ہوئی تھی۔ اسی سبب سے اسکو منحوس کہتے ہیں اور مثل ہیں اشأم من داحس مشہور ہے جیسے اشأم من بسوس اور اشأم من حمیرہ (حمیرہ شیطان بن مدلج جشمی کی گھوڑی تھی۔ اسی گھوڑی کی وجہ سے بنی جشم اور بنی ذبیان میں بہت ہی فسادات پھیلے تھے۔

غبراء۔ خطار۔ حذیفہ بن بدر فزاری کے گھوڑے تھے۔

خطار۔ اعوج۔ ابن بلابہ کے گھوڑے تھے۔

اعوج کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جس شخص کا یہ گھوڑا تھا اسپر ایک مرتبہ دوسرے قبیلے والوں نے ڈاکہ مارا۔ چونکہ یہ گھوڑا اسوقت بچہ تھا اور دوڑ نہ سکتا تھا۔ تو اونٹ کی پیٹھ پر اسکو لاد لیا تھا۔ اسوجہ سے اسکی پیٹھ کج ہو گئی تھی۔ پہلے یہ گھوڑا بنی کندہ کے پاس تھا۔ اسکے بعد بنی سلیم کے پاس گیا۔ وہاں سے بنی ہلال بن عامر کے قبضے میں آگیا۔ اعوجیات اور بنات۔ اعوج گھوڑیاں اسی کی نسل سے تھیں اور ہیں۔ اس سے زیادہ مشہور اور نسل دار گھوڑا عرب میں کوئی نہ تھا۔

جعیثن۔ اسکے مالک کا نام تو معلوم نہیں۔ مگر جعیثنیہ گھوڑیاں اسی کی نسل سے ہیں۔

جلف بھی مشہور گھوڑی تھی۔ مگر اسکی اصل و نسل کا حال ہمیں معلوم نہ ہو سکا۔

سکاب۔ ابدع بن مالک کی گھوڑی تھی۔ کسی بادشاہ نے چاہا تھا کہ اسکو میں لے لوں مگر ابدع نے گوارا نہ کیا۔ اور یہ شعر پڑھے۔

ابیت اللعن ان سکاب علق	نفیس لا یعار ولا یباع
یعنے سکاب ایسا نفیس مال ہو کبھی	عاریتہً پر نہیں دیا جا سکتا اور نہ فروخت

معذاۃ مکرمۃ لدینا	ہو سکتا ہے۔ عیال اور اولاد تک تھے
تجاع لھا العیال ولا تجاع	اسکے واسطے بھوکے رکھے جاتے ہیں

مگر یہ کبھی بھوکی نہیں رکھی جاتی۔ کیونکہ اسکی عزت کچھ ہمیں کو معلوم ہے۔

عُبید۔ سبیۃ۔ عباس بن مرداس السلمی کے دو گھوڑے تھے۔

عقاب۔ زید الخیل النبہانی کا گھوڑا تھا۔ زید نے اپنے شعروں میں اسکے علاوہ چھ گھوڑوں کا اور ذکر کیا ہے۔ ھطال۔ کمیت۔ ورد۔ کامل۔ دوول۔ لاحق۔

عصا۔ اسکی ماں کا نام عصیہ تھا۔ یہ دونوں گھوڑیاں جذیمہ ابرش کی ملک سے تھیں۔ مثل ہے ما ضل من جرت بہ العصا اس مثل کو قصیر مسکر وہ اسپر سوار ہوا۔ اور بھاگا تو غروب آفتاب تک یہ گھوڑی دوڑتی ہی گئی۔ جب یہ گھوڑی مری تھی تو قصیر نے یادگار کے واسطے اسکی قبر پر ایک برج بنوا دیا تھا۔ اسکو برج العصا کہتے تھے۔

ابجر عنترہ عبسی کا گھوڑا ہے۔

بزحا عوف بن کاہن اسلمی کا گھوڑا ہے۔

بھرام نعمان بن عتبہ عتکی کے گھوڑے کا نام تھا۔

جون مروان بن زنباع عبسی کے فرس کا نام تھا۔

بجنار معاویہ بکائی کے فرس کا نام ہے۔

خرتلہ ہمام عکلی کی گھوڑی ہے۔

ضیاء ملاعب الاسنہ کی گھوڑی کا نام ہے۔

قرذل طفیل الخیل کے گھوڑے کا نام ہے۔

وذیم۔ جابر بن حسی تغلبی کا گھوڑا ہے۔ اور اسی کے نام کی ایک گھوڑی احنف بن شہاب کے پاس بھی تھی۔

زفوف نعمان بن منذر کے فرس کا نام ہے۔ اس گھوڑے کا وصف یہ تھا

کہ کبھی کوئی گھوڑا اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔ اور جب کبھی پیچھے رہ جاتا تو اسقدر دوڑتا کہ اس سے آگے ہو جاتا۔ مثل میں ہے اجرا من فارس خصاف۔

خصاف حصان کا معرب ہے۔ حصان سبیر بن ربیعہ باہلی کے گھوڑے کا نام ہے۔ اسی نام سے ایک اور گھوڑا حمل بن زید بن بکر بن وائل کے پاس تھا۔ یہ گھوڑا جس زمانے میں امرء القیس کے بیٹے کے پاس تھا تو حمل بن بدر نے اسکا تخم مانگا تھا مگر اس نے انکار کیا۔ لیکن اس انکار پر حمل اٹھا لیا اور اپنے ہاتھ سے اسکو آختہ کر دیا۔ اور کچھ خوف نہ کیا جیسے مثل پڑ گئی۔ اجرا من خاصی خصاص۔

محلی۔ اشعر شاعر کے فرس کا نام ہے۔
عناق مسلم بن عمرو باہلی کے فرس کا نام ہے۔
عوجار۔ جوین طائی کے فرس کا نام ہے۔
قراب۔ عبد اسد بن حمہ " "
ہجام۔ سلیک بن سلکہ " "
ہرار۔ معاویہ بن عبادہ " "
کامل۔ عبد اسد بن زیادہ " "
ذلوع۔ ابو سوارج عباد بن خلف ضبی "
قضیب۔ حرر بن جبرہ بن یربوعی "
خوصار۔ توبہ بن حمیر " "
شمار۔ معاویہ ابن عمر " " (خنسا رشاعرہ کا بھائی تھا)
ذوالخمار۔ مالک بن نویرہ " "
کتفان یا کمتفان۔ مالک بن بدر "
موضوع۔ ہرم بن ضمضم مری " "

جرادالعیار۔ بہت ہی تیز رفتار ایک گھوڑا تھا اسکو ٹڈی سے تشبیہ دیگئی ہے آخرہ یہی اسکا لقب ہوگیا۔

زائد۔ ایک بہت ہی عجیب اور اصیل گھوڑا تھا۔

مجیسی۔ بنی تغلب کا گھوڑا تھا۔

ھداج۔ باہلہ کا گھوڑا تھا۔

تدامری۔ بنی ثعلبہ کا گھوڑا تھا۔

ذات الرماح۔ ضبّہ کی گھوڑی تھی۔ جب کبھی ہنہناتی تھی تو بنی ضبہ بہت خوش ہوتے تھے۔ اور کہتے تھے اب کہیں نہ کہیں سے مال غنیمت ہاتھ آئے گا۔

بلیق۔ باوجودیکہ بہت تیز رفتار گھوڑا تھا۔ مگر پھر بھی عرب اسکی مذمت کرتے تھے جب سے یہ مثل ہوگئی۔ یجری بلیق ویذم۔ اپنے محسن کی مذمت کرنے والے کی بابت استعمال کیجاتی ہے۔

عرب میں گھوڑے بہت کم بکتے تھے کیونکہ ایسے اصیل گھوڑے دستیاب کہاں ہو سکتے تھے۔ اگر یونہی پیچھا لے جاتے۔ مگر جب کبھی ایسی نوبت آئی تو کہتے النقد عند الحافرۃ۔ یعنے پہلے قیمت گھوڑے کی پاؤں کے پاس رکھدو تو گھوڑا لیجاؤ۔ یہ فقرہ بھی مثل میں استعمال ہوتا ہے شاعر کہتا ہے۔

احبوا الخیل واصطبروا علیھا فان العز فیھا والجمالا	گھوڑوں سے بہت محبت رکھو۔ اور انکی زحمتوں پہ صبر کرو۔ کیونکہ عزت اور جمال انہی میں ہے۔ جبکہ اور لوگ گھوڑوں کو ضائع کردیتے ہیں تو ہم نہیں ضائع کرتے۔ بلکہ انکو اپنے عیال کے ساتھ شریک کر لیتے ہیں
اذا ما الخیل ضیعھا اناس ربطناھا فاشرکت العیالا	
تقاسمھا المعیشۃ کل یوم ونکسبنا الاباعر والجمالا	

ہماری ہر روز کی خوراک میں شریک ہوتے ہیں۔ اور یہی اونٹ اور اونٹنیاں دلواتے ہیں۔ یعنی ہم انکے ذریعے سے دوسروں کو لوٹتے ہیں۔ اور مال و اسباب لاتے ہیں"۔

جب کبھی شکار پھر جاتے اور کوئی شکار رہ نہ آتا تو پہلے اُسکے خون سے سینۂ گھوڑے کا خضاب کر دیتے تاکہ پہچان رہے کہ اس گھوڑے کے ذریعے ایک شکار ہوا ہے۔ اور اس خضاب کا نام اُنکے ہاں شحر تھا۔

گھوڑ دوڑ کا رسم بھی اُنکے ہاں بہت تھا۔ اسی کا نتیجہ تھا جو داحس وغیرہ کی لڑائی پچاس برس سن ہجری کے شروع ہونے سے پہلے چھڑی اور اس جنگ میں عبس اور بنی فزارہ کا بڑا نقصان ہوا۔ اس گھوڑ دوڑ میں ایک تو داحس زہیر کا گھوڑا تھا اور دوسرا غبراء حذیفہ بن بدر فزاری کا۔ عنترہ عبسی نے جو قصیدہ کہا ہے اور اسمیں مالک بن زہیر کا مرثیہ نظم کیا ہے (مالک کو حذیفہ نے اس لڑائی میں قتل کر دیا تھا) اس مرثیہ کا ایک شعر یہ ہے جسکا پہلا مصرعہ مثل میں استعمال ہوتا ہے۔

فلا كانت الغبراء ولا داحس ولا كان يوما حل فيه رهان

یہ لڑائی اسقدر مدت تک قائم رہی کہ آخر لڑتے لڑتے دونوں قبیلے نیست و نابود ہو گئے۔ اور ایسے مر مٹے کہ نام لینے والا بھی کوئی اونکا نہ رہا۔

گھوڑ دوڑ میں جو گھوڑا سب سے آگے نکل جاتا تھا اُسکو مجلی اور سابق کہتے تھے اور بعد مصلی پھر مسلی۔ پھر تالی پھر عاطف پھر مرتاح پھر مومل۔ پھر حظی پھر لطیم۔ پھر سکیت پھر فسکل پھر فاشور۔ ایک شخص نے اسکو نظم بھی کیا ہے۔

سبق المجلی والمصلی والمسلی	تالیا مرتاحها والعاطف
وخطیها ومومل ولطیمها	سکیتها هو فی الاواخر لاحف

جب گھوڑ دوڑ کرتے تھے تو ایک رسی باندھ دیتے تھے اور اُسی کی

گھوڑے دوڑاتے اور حد پر ایک لکڑی نصب کر دیتے کہ جو کوئی سبقت کرکے آگے نکل جائے وہ اس لکڑی کو زمین سے اکھاڑ لے۔ تاکہ اسکا سابق ہونا بے جھگڑے تکرار کے معلوم ہو جائے۔

محاورہ میں جو احرز قصب السباق بولتے ہیں اس سے یہی مراد ہے۔ مگر اب عام طور سے ہر فائق آدمی کی بابت کہتے ہیں۔

مشہور ہے کہ عامر بن طفیل بن مالک بن جعفر بن کلاب عامری گھوڑ دوڑ میں بڑا مشاق تھا۔ اور اسکے گھات پیچ خوب جانتا تھا۔

یہ کھیل اسلام کے بعد بھی باقی رہا اور اندلس میں اسکو بڑی قوت ہوئی۔ نیزہ بازی کرنا اور کشتی لڑنا گیند کھیلنا وغیرہ وغیرہ بہت ترقی کر گیا تھا وہیں سے یورپ کے شہروں میں بھی لیا گیا۔ اور اب تو یہ فن کمال کو پہونچا دیا گیا ہے۔ اور منجملہ امرا اور اکابر یورپ کی ریاضتوں کے ایک اعلیٰ درجے کی ریاضت یہ بھی ہے۔

ادیب فاضل شیخ ناصیف یازجی نے ایک مثنوی بحر رجز میں لکھی ہے جسمیں گھوڑوں کے سن اور سال کی حیثیت سے جو نام رکھے گئے ہیں انکو ظاہر کیا ہے۔

المهر في حوليه باسم الجذع | يدعى وبالثني في التالي دعي
ثم الرباعي بعده في الرابع | وقارح في الخمس النوالع
وهو على اختلاف لون جلده | يدعى باوصاف جرت في عده
فادهم وابيض واحمر | واشقر واصفر واخضر
حتى اذا اشتد سواد الادهم | يقال فيه الغيهبي فاعلم
فان يقطعه بياض اغبش | قيل ومع ذاك سواد ابرش
فان تكن نقطة تشع | فانه مدنر ابقع
وان يشب بعض السواد الابيضا | فذاك بالاشهب في الوصف قضى

وان اصاب الاحمر السواد فهو الكميت وصفه المعتاد
فان عرا الكمتة لون اشقر فذلك الورد الذی لاینکر
وان یك الاشقر فیه خلس من السواد قبل هذا اغبس
وان رایت اصفرا یمتد فیه السواد فهو السمند
فان عرا الصفرة لون شهبه فالسوسنی وصفه بالنبه
وان یك الاخضر فیه یحوی شیئ من السواد فهو الاحوی

گھوڑے کی رفتار

اصمعی نے بیان کیا ہے کہ جذع ایک دفعہ چالیس غلوہ دوڑ سکتا ہے اور ثنی ساٹھ غلوہ۔ سبع اسی غلوہ۔ قرح ایک سو غلوہ۔ (سو غلوہ کے بارہ میل ہوتے ہیں) اس سے زیادہ کسی گھوڑے کی رفتار نہیں ہے۔

گھوڑے کی سعادت و نحوست و شرافت وغیرہ

اشقر گھوڑے کو عرب منحوس سمجھتے ہیں۔ اسکا یہ سبب ہے کہ شیطان بن لاطم کی ایک گھوڑی اشقر رنگ کی تھی (سرخ سفیدی مائل) کسی لڑائی میں وہ بھی ماری گئی اور شیطان بھی قتل ہو گیا۔ تب سے مثل ہو گئی اشأم من الشقر لقیط بن زرارہ نے ایک دن اپنے گھوڑے سے جو کہ اشقر رنگ کا تھا کہا یا اشقران تتقدم تنحروان تتاخر تعقر۔ اس سے منشا یہ ہے کہ عرب اپنے خیال میں اشقر گھوڑے کو تیز رفتار اور کمیت رنگ کے گھوڑے کو مضبوط اور سخت جانتے تھے۔ تو لقیط کے اس کلام کا حاصل یہ ہوا۔ کہ اے اشقر اگر تو اپنی تیز رفتاری کی وجہ سے لڑائی میں آگے بڑھ جائیگا تو دشمن تجھے مار لینگے اور اگر اپنی دوڑ میں آگے بڑھ کے منہزم ہوگا تو تیرے پیچھے سے دشمن آجائینگے۔ اور تجکو پے کر دینگے۔ اب یہ کلام مثل کی طرح عرب میں مشہور ہو گیا ہے

کہتے فلان کالاشقران تقدم نحر وان تاخر عقر۔

عرب کی رائے یہ ہے کہ گھوڑے کے بال کا چھوٹا چھوٹا ہونا اسکی شرافت اور کریم النسل ہونے کی دلیل ہے۔ اسی وجہ سے گھوڑوں کی تعریف میں قرب حردا (چھوٹے بالوں کا گھوڑا) اور لمبی دم ہونا۔ اور دم کی بالوں کا برابر ہونا ہی شرافت کی پہچان ہے۔

سبوغ الذنب وہ گھوڑا ہے کہ جسکی دم بہت ہی لمبی اور زمین تک پہونچتی ہو۔ اور عسیب وہ گھوڑا جسکی دم کے بال بہت ہوں۔ یہ دونوں علامتیں شرافت نسل کی ہیں۔

مجنب وہ گھوڑا ہے جسکے اگلے پاؤں میں کچھ کجی ہو۔ اس قسم کا گھوڑا عرب میں اچھا سمجھا جاتا ہے بشرطیکہ کجی زیادہ نہو۔

جنیب وہ گھوڑا جسے شہسوار اپنی سواری کے گھوڑے کے ساتھ رکھتا ہے جب وہ تھک جاتا ہے تو پہلو کے گھوڑے پر سوار ہو لیتا ہے۔

ادن۔ جس گھوڑے کے اگلے پاؤں چھوٹے ہوں (یہ عیب ہے)

صافن وہ گھوڑا جو تین پاؤں پر کھڑا ہو اور چوتھے کے سم کو موڑ لے۔

عکوہ۔ گھوڑے کے دم کی جڑ ہے۔ مبرقعہ گھوڑے کی پیشانی کی سفیدی جو اسکے تمام چہرے کو گھیرے ہو مگر اسکی آنکھوں کے گرد داگر دسیاہ ہو

آرخم۔ جسکا فقط سر سفید اور باقی تمام بدن سیاہ ہو۔ مقعقعہ بھونری جو گھوڑے کے سینہ یا پہلو پر ہو یا پیشانی کی بائیں طرف سفیدی ہو۔ ایسے گھوڑے کو منحوس سمجھتے ہیں۔

محجل جسکے پاؤں میں سفیدی کلائی سے اوپر تک ہو مگر گھٹنے تک نہ پہونچی ہو۔ اگر چاروں پاؤں میں سفیدی ہو تو محجل الاربع کہتے ہیں۔ اور اگر دو ہی میں ہو تو محجل الرجلین اور اگر ایک ہی میں ہو تو محجل الرجل الواحد اور اگر تین پاؤں سفید ہوں اور پچھلا یا اگلا ایک پاؤں باقی ہو تو اسکے محجل ثلاث مطلق بد

یا محجل ثلاث مطلق رجل کہتے ہیں۔ اگر ایک ہی پاؤں یا ہاتھ سفید ہو مگر فقط ایک ہی پہلو تو اسکو ممسک الایامن مطلق الایاسر یا ممسک الایاسر مطلق الایامن کہینگے۔ اور اگر ایک پاؤں اگلا داہنا اور پچھلا بایاں سفید ہو تو اسکو مشکل کہتے ہیں۔ اور اگر پاؤں کی سفیدی گول ہو سموں کے اوپر یا کلائیوں سے اوپر تک ہو تو اسکو احذم کہینگے اور مادہ کو حذمار۔ مجبب جسکے اگلے پاؤں کے گھٹنے تک پہونچگئی ہو۔ رسغ کلائی۔ اس سے مراد کلائی کا وہ حصہ ہے جو سم اور ٹانگ کے بیچ میں نرم ہوتا ہے جسکی وجہ سے سم موڑتا ہے۔ اور کھینچتا سمیٹتا رہتا ہے۔ وظیف اگلے اور پچھلے پاؤں کے ساق جمع اسکی اوظفہ اور وظف ہے۔

شنیظم لمبا گھوڑا۔ یعبوب لمبا تیز رفتار۔ یا نرم نرم چال سے دوڑنیوالا گھوڑا جس سے سوار کو تکان نہ ہو۔ یا سرپٹ دوڑنے میں لمبے قدم بڑھانیوالا۔ اخلج جواد تیز رفتار۔ فرط آگے آگے چلنے والا سبک اور تیز رفتار۔ سراعیف تیز رفتار گھوڑیاں۔ واحد اسکا سرعوفہ ہے۔ فرس ہیج۔ یا۔ ہیوع لمبے قدم اٹھانے والا۔ مادہ اگر ہو تو ہیجہ کہینگے۔ بلادم گھوڑے کے گلے کے نیچے جو کھال سی لٹکی اور چلنے میں ہلتی رہتی ہے۔ بدکع الفرس چار پاؤں پر کھڑا تھا اور دونوں گھٹنے ٹیک کے بیٹھ گیا۔ طوالات گھوڑیاں۔ صیام۔ زین کسا ہوا لگام دیا ہوا تیار گھوڑا۔ غیر صیام جسپر زین وغیرہ نہ ہو۔ احق جو گھوڑا کہ اپنے اگلے پاؤں کی جگہ پچھلے پاؤں رکھ کے کھڑا ہو۔ یہ گھوڑے کا عیب ہے جس گھوڑے کو پسینہ نہ آتا ہو وہ بھی احق کہا جاتا ہے۔ خروج جس گھوڑے کی گردن لمبی ہو اور لگام میں جو باگ لگائی جاتی ہو اسکو جھٹک کے توڑ دیتا ہو۔ صہوۃ گھوڑے کی پیٹھ کا وہ حصہ جسپر سوار بیٹھتا ہے۔ دسیفہ باگ کی گرہ جو گھوڑے کے پیچھے گدی کے پاس ہوتی ہے عرف گھوڑے کی گردن کے بال (یال) سبیب۔۔ بال۔ اھذا ما قل ودل خیر ما کثر ومل

دوسری فصل

اونٹ کی پرورش اور اسکے فائدے

اونٹوں کی پرورش اور اس سے بچے لینے اور انکے حمل کی نگہداشت اور بچوں کی حفاظت میں بہت بڑی دستگاہ حاصل ہے۔ اور سبب اسکا فقط یہی ہے کہ انکی تمام ضرورتیں اونٹوں ہی کی ذات سے وابستہ ہیں۔ گوشت انکے کھاتے ہیں۔ دودھ انکے پیتے ہیں۔ اپنے مال و اسباب کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر انہی کی پیٹھوں پر لیجاتے ہیں۔ بال انکے تراش کے تجارت کرتے اور کبھی بنا دے غلہ وغیرہ لیتے ہیں۔ اپنے قیدیوں کو بھی اونٹ دیکے چھوڑاتے اور دیت اور تاوان وغیرہ میں انہی کو صرف کرتے۔ زوجہ کے مہر تک میں اونٹ ہی بیچارہ دیا جاتا۔ اور اگر رہن رکھنے کی ضرورت ہوتی تو اونٹ ہی رہن رکھ لئے جاتے۔ غرض جتنی ضرورتیں وہ سب انہی سے رفع کیجاتیں۔ اور جو کچھ بھی مایۂ بضاعت عرب کی تھی وہ بھی اونٹ تھی اسی سبب سے یہ قدر تھی۔ حدیث میں ہے۔ لا تسبوا الابل فان فیہا رقو الدم یعنے چونکہ اونٹ دیت میں دیئے جاتے ہیں لہذا انکو گالیاں نہ دو کیونکہ یہ تمہاری جان کا بدلہ ہو جاتے ہیں اور تمہاری جانیں بچا لیتے ہیں۔

ایک عربی شخص اونٹ کی داشت اور اسکی پرورش کے بارے میں بہت ہی مشہور و معروف تھا۔ نام اسکا حنیف الحناتم تھا۔ اور قریب قریب اسکو مالک بن زید مناۃ تھے اس امر میں مشہور رہتا۔ یہ دونوں عرب میں ضرب المثل ہیں۔

اُنکے اونٹوں کی خوراک تخم کا دانہ تھا۔ (ایک مشہور چیز ہے جو عرب میں ہوتی) اور جس مقام پر اونٹوں کو باندھتے تھے تو وہاں ایک لکڑی بھی گاڑ دیتے تھے جسمیں خارشتی اونٹ خارش کے وقت بدن رگڑتے۔ اُس لکڑی کو محکاک کہتے تھے۔

میدانی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ جذل جو ایک درخت کی جڑ ہے اُسکو اونٹ کی خوابگاہ میں نصب کر دیتے تھے تاکہ خارش کے وقت پیٹھ کھجلائے۔

ثملہ۔ طلیا۔ ربذہ اُن لتّوں کو کہتے ہیں جنہیں دوا لگا کے خارشتی اونٹ کے بدن پر پھیرا جاتا ہے۔ کسی حقیر چیز کی مثل اسی سے دیتے ہیں فلان احقر من ثملہ۔ یا من طلیا یا۔ من ربذۃ وغیرہ۔

اونٹوں کو جب چرانے کے واسطے میدان میں چھوڑتے تو مہار کو اُنکی گردنوں میں لپیٹ دیتے تھے اسلئے کہ پاؤں میں نہ پھنسے اور چرنے میں مخل نہ ہو۔ اسی مقام سے یہ مثل پیدا ہوئی ہے کہ الق حبلہ علی غاربہ (اُسکی رسّی اُسکی گردن پر ڈال دو) یعنے چھوڑ دو۔ جہاں جی چاہے چلا جائے۔

جب کبھی قحط کی فصل آتی تو اُنکے بچوں کو ذبح کرکے کھا لیتے تاکہ مائیں اُنکی زندہ رہیں۔ اور مثل میں کہتے تھے۔ شر الدواء الابل التذبیح۔

اور ازبسکہ عرب مشقتیں اُٹھانے اور زحمتیں جھیلنے میں بہت قوت رکھتے تھے۔ بھوک پیاس سردی گرمی برہنگی بے لباسی میں صابر تھے تو اپنے اونٹوں کو عادی بنالیتے تھے کہ پانچ پانچ دن تک پیاسے رہ سکیں۔ اور اگر پانی کسی میدان میں پانچ دن تک نہ مل سکے تو فوراً مر نہ جائیں۔

میدانی نے لکھا ہے کہ کم از کم اونٹ کو پیاسا رکھنے کی مدت یہ ہے کہ

ایک دن پانی پلاتے ہیں اور ایک دن پیاسا رکھتے ہیں۔ پھر یونہی بڑھاتے بڑھاتے یہاں تک پہونچاتے ہیں کہ ایک دن پانی دیتے ہیں اور دو دن پیاسا رکھتے ہیں پھر چوتھے پانی دیتے ہیں اور اسی طرح اضافہ کرتے رہتے ہیں۔ دس دن تک۔

جوہری نے بھی لکھا ہے کہ دس دن تک اونٹوں کو پانی پلانے کی باری دیجاتی ہے۔ درمیان کچھ وقفہ دے کے بڑھاتے رہتے ہیں شتر سواروں کا یہی یہ قاعدہ تھا کہ جن میدانوں میں پانی کی دستیابی مشکل ہوتی اُسکے واسطے پہلے سے کسی برتن میں پانی بھرکے اُسمیں سنگریزے یا مقل ارزق کے دانے ڈال دیتے اور پیاس کے وقت ایک ایک نکال کے چوستے۔ یہ عمل خصوصاً جیٹھ یا بیساکھ کی گرمیوں میں کرتے تھے۔

بڑے سے بڑا عربی اونٹ ایک گھنٹے میں ایکہزار ساڑھے پانچسو قدم چل سکتا ہے۔ اور چھوٹا اونٹ ایک ہزار قدم سے زیادہ نہیں دوڑ سکتا۔ اونٹ کا ایک قدم انسان کے دو قدم کے برابر ہوتا ہے۔ اونٹ کے پیٹ میں ایڑ لگانا مناسب نہیں ہے کیونکہ اس بیچارے کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ بخلاف گدھے کے۔

جو اونٹنی کہ اپنی مستی اور جوش کیوجہ سے سیدھی راہ نہ چلتی ہو اُسکو عوجاء کہتے ہیں۔ تخربوت وہ اونٹنیاں ہیں جو نسل کی اچھی اور بلند قد ہوں۔ مرقال تیز رفتار اونٹنیاں۔ امون وہ اونٹنی جسکی ٹھوکر کھانے اور پھسل کے گرنے کا خوف نہ ہو۔ رسلہ جسکی چال نرم اور سبک ہو۔ دفاق اچھلتی ہوئی دوڑنے والی اونٹنی۔ خالج ہوکے بیٹھنے کیوجہ اسطرف یا اُسطرف کج ہوکے چلے۔ رذیلہ جو کثرت سفر سے لاغر ہو گئی ہو۔

اونٹنیوں کے دوڑانے کے واسطے عرب میں ایک لحن مقرر ہے جسے حدا کہتے ہیں۔ حادی وہ شخص ہے جو حدا گاکے اونٹنیوں کو دوڑائے

ان کے اونٹوں کی خوراک گٹھلی کا دانہ تھا۔ (ایک مشہور چیز ہے جو عرب میں ہوتی ہے)
اور جس مقام پر اونٹوں کو باندھتے تھے تو وہاں ایک لکڑی بھی گاڑ دیتے تھے
جسمیں خارشتی اونٹ خارش کے وقت بدن رگڑتے۔ اس لکڑی کو محکاک
کہتے تھے۔

میدانی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ جذل جو ایک درخت کی جڑ ہے
اسکو اونٹ کی خوابگاہ میں نصب کر دیتے تھے تاکہ خارش کے وقت
پیٹھ کھجلائے۔

ثملہ۔ طلیا۔ ربذہ ان لتوں کو کہتے ہیں جنہیں دوا لگا کے خارشتی
اونٹ کے بدن پر پھیرا جاتا ہے۔ کسی حقیر چیز کی مثل اسی سے دیتے ہیں
فلان احقر من ثملہ۔ یا من طلیا یا۔ من ربذہ وغیرہ۔

اونٹوں کو جب چرانے کے واسطے میدان میں چھوڑتے تو مہار کو
انکی گردنوں میں لپیٹ دیتے تھے اسلئے کہ پاؤں میں نہ پھنسے اور
چرنے میں مخل نہ ہو۔ اسی مقام سے یہ مثل پیدا ہوئی ہے کہ القِ حبلہ
علی غاربہ (اسکی رسّی اسکی گردن پر ڈال دو) یعنے چھوڑ دو۔ جہاں جی
چاہے چلا جائے۔

جب کبھی قحط کی فصل آتی تو انکے بچوں کو ذبح کر کے کھا لیتے تاکہ
مائیں انکی زندہ رہیں۔ اور مثل میں کہتے تھے۔ شہر وادالابل الذبیح۔
اور بسکہ عرب مشقتیں اٹھانے اور زحمتیں جھیلنے میں بہت قوت
رکھتے تھے۔ بھوک پیاس سردی گرمی برہنگی بے لباسی میں صدما سہتے
تھے تو اپنے اونٹوں کو عادی بناتے تھے کہ پانچ پانچ دن تک پیاسے
رہ سکیں۔ اور اگر پانی کسی میدان میں پانچ دن تک نہ مل سکے تو فوراً مر
نہ جائیں۔

میدانی نے لکھا ہے کہ کم از کم اونٹ کو پیاسا رکھنے کی مدت یہ ہے کہ

ایک دن پانی پلائیں اور ایک دن پیاسا رکھیں۔ پھر یونہی بڑھاتے بڑھاتے یہاں تک پہونچاتے ہیں کہ ایک دن پانی دیتے ہیں اور دو دن پیاسا رکھتے ہیں پھر چوتھے پانی دیتے ہیں اور اسی طرح اضافہ کرتے رہتے ہیں۔ دس دن تک۔

جوہری نے بھی لکھا ہے کہ دس دن تک اونٹوں کو پانی پلانے کی باری دیجاتی ہے۔ درمیان کچھ وقفہ دے کے بڑھاتے رہتے ہیں شتر سواروں کا یہی یہ قاعدہ تھا کہ جن میدانوں میں پانی کی دستیابی مشکل ہوتی اسکے واسطے پہلے سے کسی برتن میں پانی بھر کے اسمیں سنگریزے یا حقل ارزق کے دانے ڈال دیتے اور پیاس کے وقت ایک ایک نکال کے چوستے۔ یہ عمل خصوصاً جیٹھ یا بیساکھ کی گرمیوں میں کرتے تھے۔

بڑے سے بڑا عربی اونٹ ایک گھنٹے میں ایکہزار ساڑھے پانچسو قدم چل سکتا ہے۔ اور چھوٹا اونٹ ایک ہزار قدم سے زیادہ نہیں دوڑ سکتا۔ اونٹ کا ایک قدم انسان کے دو قدم کے برابر ہوتا ہے۔ اونٹ کے پیٹ میں ایڑ لگانا مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ اس بیچارے کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ بخلاف گدھے کے۔

جو اونٹنی کہ اپنی مستی اور جوش کیوجہ سے سیدھی راہ نہ چلتی ہو اسکو ہوجاء کہتے ہیں۔ تخابوت وہ اونٹنیاں ہیں جو نسل کی اچھی اور بلند قد ہوں۔ مرقال تیز رفتار اونٹنیاں۔ ۱۰ ولت وہ اونٹنی جسکی ٹھوکر کھانے اور پھسل کے گرنے کا خوف نہ ہو۔ رسلہ جسکی چال نرم اور سبک ہو۔ دفاق اچکتی ہوئی دوڑنے والی اونٹنی۔ خارج جو کہ پیٹھ کیوجہ اسطرف یا اسطرف کج ہو کے چلے۔ رذیلہ جو کہ کثرت سفر سے لاغر ہوگئی ہو۔

اونٹنیوں کے دوڑانیکے واسطے عرب میں ایک لحن مقرر ہے جسکو حداء کہتے ہیں۔ حادی وہ شخص ہے جو حداء گا کے اونٹوں کو دوڑا

اس امر خاص میں بھی اسلامیوں سے ایک شخص مسمی سلام گذرا ہے۔ جو نہایت ہی خوش آواز تھا۔ یہاں تک کہ اپنے حسن صوت میں ضرب المثل بنگیا تھا۔ لوگوں نے اکثر آزمایش کی اونٹنیوں کو کئی کئی دن تک پیاسا رکھا اور بعد اسکے پانی پینے کو لیگئے۔ اور سلام سے کہا کہ حدی پڑھو۔ ادہر وہ اشعار حدا پڑھنے لگا اُدہر اونٹنیاں پانی چھوڑ چھوڑ کے اسکیطرف آکر پاس جمع ہوگئیں۔ اسقدر اسکی آواز میں اثر تھا۔ مروان ابن محمد بن مروان کے مصاحبوں میں تھا۔

شق العصاء ایک مثل ہے۔ یہ اسوقت استعمال کیجاتی تھی کہ جب دو حدی خوان ایک قافلے میں ہوں اور دونوں کی ضرورت سے علیحدہ ہونا چاہیں تو چھڑی کو شق کر کے آدہی آدہی بانٹ لیں۔ مگر اب ہر دو آدمیوں کی مفارقت کے وقت اسکا استعمال ہوتا ہے۔

بیان کیا گیا ہے کہ اونٹنی کی شرافت نسل کا بھی لحاظ عرب کو بہت تھا۔ اگر کسی کے پاس عمدہ نسل کی اونٹنی ہوتی تو کبھی بری نسل کا اونٹ اُسکے پاس نہ لیجاتے کہ شاید اسکا نطفہ پڑجائے۔ اور بچے غیر شریف پیدا ہوں۔ اور اگر کہیں ایسا اونٹ اُسکے پاس آجاتا تو لکڑی سے اُسکی ناک پر مار کے ہٹا دیتے۔ اسی مضمون سے یہ مثل نکالی گئی ہے کہ:۔ لاتقرع له العصا، اسکا محل استعمال وہ شخص ہوگا جو کسی غرض سے کسی شخص کے پاس آئے اور اپنے اعزاز یا اور کسی سبب نا امید واپس کیے جانیکے قابل نہ ہو۔

نعمان بن منذر لخمی کے پاس دو اونٹ نہایت عمدہ نسل کے موجود تھے جو بہ کرامت نسل کیوجہ سے ضرب المثل تھے۔ نام اُنکے جندل۔ سنذ قم تھے۔

انشام من قاش ایک مثل مشہور ہے جسکا قصہ یہ ہے کہ بنی عواقہ پر

سعد بن زید مناۃ بن تمیم کا ایک اونٹ تھا۔ اور اسی کی قوم میں ایک اونٹنی تھی جس سے ہر مرتبہ نر بچے پیدا ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ لوگوں نے اسی اونٹ کو مادہ بچہ پیدا ہونیکے خیال سے مذکورہ اونٹنی پر چھوڑ دیا۔ اسکی نحوست نے اسقدر اثر کیا کہ وہ بیچاری اونٹنی بھی مرگئی۔ اور نسل بھی اسکی بالکل تلف ہوگئی۔

لطیفہ۔ کسی کا اونٹ گم ہوگیا تھا اس نے قسم کھائی کہ اگر میرا اونٹ ملجائیگا تو ایک درہم پر بیچڈالونگا۔ اتفاق سے ملگیا۔ اب اسکو اپنی قسم پوری کرنی ضروری ہوئی۔ مگر چونکہ ایک درہم پر اونٹ کا فروخت کردینا دشوار تھا اسلئے اس نے یہ ترکیب کی کہ ایک بلی پکڑی اور اسکو اونٹنی کے گلے میں لٹکا دیا۔ اور مشتہر کر دیا کہ میں اس اونٹ کو تو ایک درہم پر فروخت کرتا ہوں مگر بلی کو ایک ہزار درہم پر۔ اور اگر کوئی چاہے کہ ان دونوں کو الگ بیچوں تو کبھی نہ ہوگا۔ ایک شخص نے اسوقت کہا ما ارخص الجمل لولا الھرۃ۔ کسقدر یہ اونٹ سستا تھا اگر اسکے ساتھ یہ بلی نہ ہوتی۔ اُسی وقت سے یہ فقرہ مثل کے طور سے استعمال کیا جاتا ہے۔

شیخ ناصیف یازجی ادیب فاضل نے اونٹوں کے نام سن اور سال کے لحاظ سے جمع کئے ہیں جسطرح گھوڑے کے ناموں کو انہوں نے نظم کیا تھا جنکا ذکر پہلے آچکا ہے۔

اول نتج الناقۃ الحوار	اونٹنی کے تازہ بچے کو حوار کہتے ہیں
یدعی کما جاءت بہ الآثار	اور ایک سال کا بچہ فصیل کہا جاتا ہے
وھولعام واحد فصیل	دوسال کا ابن مخاض اسکے بعد
وابن مخاض بعد تقول	ابن لبون اسکے بعد حق اور جذع
وابن لبون ثم حق ثم جذع	پھر ثنی پھر رباعی۔
ثم الثنی فالرباعی یتبع	

ثم السديس بعده والبازل	پھر سدیس پھر بازل پھر
والعود في العشر رواه الناقل	عشر۔
فان صفت حمرته فاحمر	اور خالص سرخ ہو تو احمر اگر
قيل له وهو لديهم يؤثر	سرخ سیاہی مائل ہو تو رمک
فان تشبها دهمة فارمك	اور اگر خالص سیاہ ہو تو
والجون ما فيه السواد احلك	احلک۔
وذو البياض آدما يلقب	سفید اونٹ کو آدم کہا جاتا ہے
فان علته حمرة فاصهب	اگر سفیدی اور سرخی ملی ہوئی ہو
فان يكن بياضه يلتبس	تو اصہب ہے اور اگر بیاض اور
بشقرة فهو البعير الاعيس	شقرہ تو اعیس۔
والاخضر المصفر في سواد	اور اگر سبز زردی مائل اور کسی قدر
يدعى باحوى اللون في البوادي	سیاہی بھی شامل ہو تو احوی کہتے ہیں"

سقب وہ بچہ ہے جو ابھی پیدا ہوا ہو یا خاص نر بچہ۔ فرع کسی نوجوان اونٹنی کا پہلا بچہ۔ ربع جو فصل بہار میں پیدا ہوا۔ اسکی جمع رباع ارباع ہے اور مونث اسکا ربعہ۔ جمع اسکی ربعات۔ رباع ہے۔ اونٹنی کا آخری بچہ ھبع ہے مونث اسکا ہبعہ ہے۔ ملیط جو حمل کہ ساقط ہو جائے ہو اور ابھی اوس پر رونگٹے نہ نکلنے پائے ہوں۔ مخدج جو بچہ ناکامل پیدا ہوا ہو عجی جس بچے کی ماں مرگئی ہو۔ اور اسکے مالک نے اسکی پرورش کی ہو۔ افیل چھوٹا بچہ۔ جادل جو اپنی ماں کے ساتھ چرنیکے واسطے میدان میں جاتا ہو۔ شارف بڈھیا اونٹنی۔ (محبت میں اس اونٹنی کی مثل دیجاتی ہے۔ کیونکہ جب اونٹنی زیادہ سن دار ہو جاتی ہے تو اپنے بچے سے بہت محبت کرنے لگتی ہے۔ ابدوق جو اونٹنی کہ اپنی دم بار بار اٹھاتی ہو۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ حاملہ ہو گئی ہے۔ حالانکہ ابھی حاملہ

نہیں ہوئی ہے۔ جمالیہ وہ اونٹنی جو کہ مضبوطی میں اونٹ کیطرح ہو۔ جسرہ مضبوط اونٹنی۔ برعکس دودھاری خوبصورت عمدہ نسل کی اونٹنی کہاتا جلالہ موٹی تازی چربی دار اونٹنی۔ حائل مادہ اونٹنی۔ قلوص جوان اونٹنی۔ ضروس جسکی صورت بچہ جننے کے وقت بہت بدنما معلوم ہوتی ہو۔ احوص موٹی تیار اونٹنی۔ طلیا۔ خارشتی اونٹنی جسکے بدن پر تارکول وغیرہ ملی گئی ہو۔

ھاجن باکرہ اونٹنی جسکے دانت ابھی نہ نکلے ہوں بکر جس اونٹنی کے ابھی پہلے پہل بچہ پیدا ہوا ہو اور نوجوان اونٹ۔

فجور بہت چیخنے والی اونٹنی۔ تفآرہ زیادہ دوڑنے والی کہ جو اپنی رفتار میں ادھر ادھر مائل ہوتی ہو۔

متنفہ تابعدار اونٹنی۔ بلیہ وہ اونٹنی ہے جو اپنے مالک کے مرنیکے بعد اسکی قبر پر باندھ دیجائے یہانتک کہ وہ بھی مرجائے۔

عیطل لمبی گردن والی اونٹنی دعبل جس اونٹنی کے ساتھ ساتھ بچہ بھی ہو یا سن دار اونٹنی۔ عصافیر المنذر چند شریف النسل اونٹ بادشاہوں کے پاس تھے۔

دودھ دوہنے کے متعلق الفاظ

لبوس اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو بغیر بس بس کہے ہوئے دودھ نہ دیتی ہو۔ مصر جس اونٹنی کا دودھ چاروں انگلیوں سے دوہا جاتا ہو۔

ضب۔ چاروں انگلیوں سے دودھ دوہنا۔ فطر تفتا کلہ شہادت اور بیچ کی انگلی سے دودھ دوہنا۔ بائن داہنی طرف سے دوہنے والا۔ مستعلی بائیں طرف کھڑے ہوکے دوہنے والا۔

عزاد اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو دودھ نہ دوہنے دے۔

جنبی جس اونٹنی کا دودھ دوہ لیا گیا ہو۔ ضارب جو اپنے دوہنے والے کو

امری ہو قبل جبکا دودہ دوپہر کے وقت دوہا جاتا ہو۔

رائمہ۔ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو اپنے بچہ پر بہت اچھا مہربان ہو۔ اور اسکو سامنے کھڑا کرکے دودہ دوہتے ہوں اور اگر دودہ نہ دیتی ہو تو ایک بچہ کی کھال بہس بھر کے اسکے سامنے کہڑے کیے ہیں وہ سمجھتی ہے کہ میرا بچہ میرے سامنے موجود ہے۔

عاوق جو اپنے بچہ کو دودہ نہ پینے دے اور اسکو ناک سے مار کے ہٹا دے۔ شفاہ وہ ہے جس اونٹنی کا دودہ کم ہو گیا ہو۔

شقوب۔ دودہ دوہنے کے وقت جس اونٹنی کے پاؤں باندہے جاتے ہوں۔ مستلج جس اونٹنی کا دودہ تھوڑا تھوڑا ہی نکلتا ہو [illegible]

دوسری قسم

قسم سالہ [illegible] جو [illegible] کی صفات کا نام ہو۔

[illegible]

اگر بچہ الگ کر دے تو زندگی بھر اس سے فائدہ کیا جاتا ہے سمجھ لیتا۔ چنانچہ پھر کبھی تشنگی سے الگ نہ ہوتا ہو۔

حشو۔ جب اونٹنی کا حمل دس مہینے کا ہو چکا ہو۔

عشار۔ وہ اونٹنیاں ہیں جن میں سے بعض کے بچے ہو چکا ہو اور باقی کے ابھی بچے نہ ہوئے ہوں۔ مخاض وہ اونٹنیاں جنکو بچہ پیدا ہونے کے وقت درد ہوتا ہو۔ تلبیہ مطلق اونٹنی شیردار کی صفت ہے۔

رکاب مطلق اونٹ پر لفظ جمع کے ہے میں ہے مگر اسکا واحد کوئی نہیں البتہ فراء نے لکھا ہے کہ واحد اسکا رکوب ہے۔

جامل اسم جمع ہے جو اونٹ اور دونوں قسم کے اونٹوں کیلئے مستعمل کیا جاتا ہے۔ جمال شتر ... اور اونٹنیاں۔

ذود ... اونٹنیاں ... تین سے دس تک ... ہے۔ ... اسکی انواع ... تین سے لیکر دس اونٹوں تک اور دس سے ... تین ... تک کو اذواد کہتے ہیں اس سے زیادہ کیلئے دوسرا لفظ ہے۔ الذود الی الذود ابل ہے۔ ... کے معنی ہیں۔ ... اونٹوں کا ایک چھوٹا گروہ تقریباً دس اونٹوں تک یا ... پچاس تک کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔ ... اونٹوں کا ... جسمیں دس اونٹ ... ہیں ... اونٹ ... پچاس ... پانچ سو اور ساٹھ کے درمیان کوئی ... ہو۔

... سے چالیس تک ... اونٹوں کا ... اونٹ ... سو اونٹ ... ہوتا تھا۔

اونٹ کو عرب ... کہتے ہیں ... اونٹ ... اور ... بیان ... اونٹ ...

جنکی رنگ کی سفیدی خوشنما ہو۔ مگر بعضوں نے کہا ہے کہ عرب سیاہ اونٹ کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ چنانچہ عنترہ کہتا ہے

فیھا اثنتان واربعون حلوبة	اس گروہ میں بیالیس اونٹ سیاہ بیا
سودا کخافیة الغراب۔ الاسحم	ہیں اور انکی سیاہی کالے کوّے کے

پروں کی مانند ہے۔

تیسری فصل

عرب کے باقی حیوانات گھوڑے اور اونٹ کے علاوہ

عمدہ قسم کے گدھے بھی عرب کے ہاں بڑی بڑی قیمتوں پر فروخت ہوتے ہیں کیونکہ اسکی قوت بھی تقریباً خچر کی قوت کے برابر ہوتی ہے۔ اس زمانے میں یمن سے مکہ معظمہ کو حاجیوں کا قافلہ اسی گدھے پر سوار ہو کر جاتا ہے۔ تخمینہ کیا گیا ہے تو معلوم ہوا کہ ایک گھڑی میں ڈیڑھ ہزار قدم چل سکتا ہے اسکے قدم اونٹ کے قدم کے برابر ہوتے ہیں اور ایڑ لگانے سے اسکو تکلیف نہیں ہوتی اور اونٹ کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔

بھیڑ اور بکریاں اور جنگلی بکریاں بھی اُنکے بڑے فائدے کی ہوتی ہیں بھیڑ کو بھی بڑی عزت سے رکھتے ہیں اور اُسکی پرورش میں بھی بہت کوشش صرف کرتے ہیں۔ اونٹوں کو تو حلیلیہ کہتے ہیں اُسکے مقابلے میں بکریوں اور بھیڑوں کو وقیقہ کہتے ہیں اور جسطرح کی اصطلاح اونٹوں کے واسطے مانی ہیں اُسیطرح سے اصطلاحیں بھیڑوں اور ونٹوں کے شمار کے واسطے بھی مقرر کی ہیں۔ مثلاً نقعہ چالیس بھیڑوں کا گلہ ثیمّہ یا ثمّہ چالیس سے زیا(دہ)

زکوٰۃ کی دوسری نصاب تک۔ ثَلّہ دنبوں کا گلّہ یا خاص بھیڑوں کا گلّہ حیلہ بکریوں کا گلّہ۔ اگر بھیڑ اور بکریاں دونوں ملا کے ایک ایک گلّہ کی تعداد ہے، تو اسکو ثلّہ کہینگے۔ مثل ہے کہتے ہیں فلان لایفرق بین الثلّۃ والثاۃ۔ یعنے وہ شخص آدمیوں کے گروہ اور بکریوں کے گلّے میں کچھ تمیز نہیں کرتا۔ جزعۃ جزیّۃ چند دنبوں کا ایک جتھا۔ جزمہ سو سے اوپر بھیڑ بکریاں یا دس سے چالیس تک کا گلّہ۔

عرب کے ہاں بھینسیں اور بیل گائیں اور وحشی گدھے بھی پائے جاتے ہیں۔ وحشی گدھوں کو فرا بھی کہتے ہیں۔ اسی سے ایک مثل نکلی ہے۔ کل الصید فی جوف الفرا۔ یہ اس شخص کی بابت استعمال کیجاتی ہے کہ جسکو بہت سی حاجتیں اور ضرورتیں درپیش ہوں مگر ایک اُن میں سے بڑی ضرورت ہو اور وہ پوری ہو جائے تو باقی کی کچھ پروا نہ کرے۔

سور۔ خرگوش۔ ہرن بھی اکثر عرب پائے جاتے ہیں۔

عرب کے جنگلوں میں شیر بھی بکثرت ہوتے تھے اور ہوتے ہیں۔ اُنکو عنابس کہتے ہیں۔ واحد اسکا عنبس ہے۔ اور اسامہ بھی شیر کو کہتے ہیں۔ بجو۔ چیتے اسے ذی لونین بھی کہتے ہیں اور سینتی بھی۔ بھیڑیا پہاڑی بکریاں۔ لومڑی۔ گیدڑ۔ نیولے بھی وہاں کے جنگلوں میں پائے جاتے ہیں۔ اور جنوبی حصے میں ایک قسم نسناس کی بھی ہے۔ اس سے کھیتوں اور درختوں کو بہت ضرر پہونچتا ہے۔

عرب کے پرندے

پرندوں میں بھی وہاں کئی قسم کے جانور پائے جاتے ہیں منجملہ اُنکے شتر مرغ ہے اسکے نر کو ظلمان کہتے ہیں۔ واحد اسکا ظلیم ہے۔ قطا (سنگخوار) تجل (کبک) اصفر (چراغ) کدری (فیل مرغ) کروان کے غراب (کوا) [illegible]

کہ عرب کی لغت میں تقریباً ایک ہزار نام اسکے ہیں اور اسی طرح باقی حیوانات کے بھی نام اور القاب اور کنیتیں اس کثرت سے ہیں کہ سب پر احاطہ مشکل ہے۔

حیوانات کے بچّوں کے نام

عربنے ہر قسم کے حیوانوں کے بچّوں کے لئے علیحدہ علیحدہ نام اور جداجدا صیغہ مقرر کرلی ہیں جنکی تفصیل ذیل میں لکھی جاتی ہے۔

جَرو۔ ہر قسم کے درندے جانوروں کے بچے۔

طَلا۔ ہر وحشی چرندوں کے بچے۔

فرخ۔ ہر پرندے کے چھوٹے بچے۔

شبل۔ حفص۔ فرھد خاص شیر کے بچے۔

ھرس چیتے کے بچے۔ دغفل ہاتھی کا بچہ۔ مقتولا ہاتھی کے کمسن بچے۔ بدعل۔ ہبدال بجو کا بچہ۔ خنبص ببر کا بچہ۔ جبس جیبس ریچھ کا بچہ۔ قشۃ بندر کا بچہ۔ قصعل بھیڑیے کا بچہ۔ اور بچھو کا بچہ۔ طلس لومڑی کا بچہ خنوص سور کا بچہ۔ فزھود پہاڑی بکری کا بچہ۔ مُھرا گھوڑے کا بچہ۔ فصیل حوّار اور چھوٹے اونٹ کا بچہ جحش۔ عفاء گدھے کا بچہ (اونٹوں کے بچے کے نام پہلے لکھے جاچکے ہیں) عجل۔ جوزج۔ حسیلہ۔ ذبب۔ فراء گائے کے بچے۔ بدغذہ۔ بدغرا۔ بدعوف۔ بدغال گائے کے بچے جو اپنی ماؤں کے ساتھ چرنے جاتے ہوں۔ تبیع گائے کا ایک سالہ بچہ۔ عضب گائے کا وہ بچہ جسکی سینگیں نکلنی شروع ہوئی ہوں۔ مادی گائے کا چکنا سفید صاف بچہ (مادہ کو مادیہ کہتے ہیں) فرقد۔ ذرع۔ یعفور۔ جوذر۔ غزشیل گائے کے بچے۔ حمل بھیڑ کا بچہ۔ عنز بکری کا بچہ۔ خشف خرق۔ شاذت۔ عزیبہ ہرن کا بچہ۔ بائع ہرن کا بچہ جو دوڑنا شروع کرے خرق ہرن کا کمزور یا دُبلا ہوا بچہ۔ طلی ہرن کا بچہ جو ابھی پیدا ہوا ہو۔

جمع اسکی طلاء ہے۔ جرو کتے کے بچے کو بھی کہتے ہیں۔ درص چوہے کا بچہ۔ حسل گوہ کا بچہ۔ شروع شروع میں اسکو حسل کہتے ہیں۔ پھر جب ذرا بڑھ لیتا ہے تو مطبخ اس سے بڑے کو خضرم خرانق۔ خرنق۔ نفسہ خرگوش کا بچہ۔ فروج مرغی کے چوزے۔ جوزل۔ رال۔ حونکی۔ شتر مرغ کا بچہ۔ زغلول کبوتر کا بچہ۔ حزق کبوتر کا اور سانپ کا بچہ اسے مارن بھی کہتے ہیں کہ برتل جبل کا بچہ۔ سمع بھیڑیئے اور بجو سے ملکے جو بچہ پیدا ہو۔ عرب کا خیال ہے کہ سمع کو سوا سے مرض موت کے اور کبھی کوئی بیماری ہوتی ہی نہیں۔ جیسے سانپ۔ اسکی قوت سامعہ بہت بڑی ہے۔ مثل ہے فلان اسمع من سمع شاعر کہتا ہے۔

تراہ حدید الطرف ابلج واضحاً اغر طویل الباع اسمع من سمع

عسبار بجو نر اور بھیڑیا مادہ سے جو بچہ پیدا ہو۔ عسبور عسبوبہ کتے کا بچہ بشرطیکہ بھیڑنی سے پیدا ہوا ہو۔ اسبور بھیڑنی اور بجو سے ملکے جو بچہ پیدا ہو۔ دروان بجو نر اور بھیڑنی مادہ سے جو بچہ پیدا ہو۔ ازل بھیڑیا جو کہ بجو اور بھیڑیئے کی جفتی سے پیدا ہوا ہو۔ خیھفار کتے اور بھیڑنی سے ملکے جو بچہ پیدا ہوا ہو۔ دیسم بھیڑیا اور کتیا ملکے جو بچہ پیدا ہو یا لومڑ اور کتیا سے۔ بدغل ویراد۔ گیدڑ سے جو پیدا ہو۔ فرنب خانگی چوہے اور جنگلی چوہے سے جو پیدا ہو۔

حیوانات کی کنیت

جسطرح سے کہ عرب نے آدمیوں اور کھانوں اور بعض نباتات کی کنیت مقرر کی ہے اسی طرح حیوانات کی بھی کنیت مقرر کی ہے مثلاً ابوالحارث ابوالابطال۔ ابوشبل۔ ابوالعباس شیر کی کنیت ہے۔ ابوجھم۔ ابوالکلف۔ ابودغل۔ ابوجعدل۔ ابودغفل۔ ابوالجراح ہاتھی کی کنیت ہے۔ اور ہرقیل ہتھنی کی۔

ابوالابرد۔ ابوالاسود۔ ابوجعدہ۔ ابوجہل۔ ابوخطاف۔ ابوالصعب

ابو رقاش۔ ابو تمیم۔ ابو المرسال۔ ابو فارس چیتے کی کنیت۔ ام رقاش۔ ام ابر

چیتے کی مادہ کی کنیت ہے۔

ام ثرمل۔ ام حجار۔ ام حذرف۔ ام رمال۔ ام عتاب۔ ام عثمان

ام عمرو۔ ام خنور۔ ام طریق۔ ام القیلد وغیرہ ام نوفل بجو کی مادہ۔ ابو عامر

ابو کلدہ۔ ابو المقبر بجو۔

ابو جعدہ۔ ابو جاعد۔ ابو جعادہ۔ ابو ثمامہ۔ ابو مذقہ۔ ابو عسلہ

ابو رعلہ۔ بھیڑیا۔

ابو حمید۔ ابو جہینہ۔ ابو حنبل ریچھ۔

ابو معاویہ۔ ابو النجم۔ ابو الحصن۔ ابو الحنبص لومڑی۔

ابو قتیس۔ ابو زہرہ گیدڑ۔

ابو ایوب۔ ابو صابر۔ اونٹ۔

ابو خالد۔ کتا۔

ابو زرعۃ۔ ابو عقبہ۔ سور۔

ابو قتادہ۔ بندر۔

ابو منقذ۔ ابو منجی گھوڑا۔

ابو المختال۔ ابو ثمومس۔ ابو حرون خچر۔

ابو زیاد۔ ابو محمود۔ ابو جحش۔ ابو العفاء گدھا۔ ام المقبر گدھی۔

ابو براقش۔ ابو سلیمان۔ ابو الیقظان۔ ابو حسان۔ ابو حماد مرغ

ام حفصہ۔ ام ناصر الدین۔ ام الولید۔ ام احد وعشرین۔ مرغی۔

ام البیض۔ ام ثلاثین شترمرغی۔ نبات الهیق بہت سی شترمرغیاں۔

ابو حاتم۔ شترمرغ۔

ابو القعقاع۔ کوا۔

ابو الملیح۔ چرغ۔

ابوالاشعث۔ ابولاحق۔ باز۔

ابوالصنم۔ ابو وثاب۔ ابوالهجاج۔ ابوحسان۔ ابوالدهم۔ ابوالاشم
نرعقاب۔ ام اخوار۔ ام الشعر۔ ام طلیه۔ ام لوح۔ ام الهیثم مادہ عقاب
ابومالک۔ ابوالمنهال۔ ابویحیی۔ ابوالابرد۔ ابوالاصبع گدھ ام قشعم
گدھ کی مادہ۔

ابوالاخبار۔ ابوالنادیه۔ ابوالکریج۔ ابوروح۔ ابوسجار۔ ابوعباید
ام الخراب۔ ام الصبیان گھگھو کی مادہ۔

ابوعکرمه۔ کبوتر

ام حجران۔ ام عجینه۔ گدھ کی مادہ

ابوصلیح چانچی لقلق

ابو براقش بہش۔ ای کی صورت کا ایک چھوٹا پرندہ ہے۔ اسکے اوپر کا حصہ پروں کا چمکدار ہوتا ہے اور وسط سرخ اور نیچے کا حصہ سیاہ۔ اور جب اسکو پریشان کرکے اڑاتے ہیں تو اسکا رنگ بدل جاتا ہے۔ اور کئی کئی رنگ آتے اور جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے ہر متلون المزاج کو ابو براقش سے مثال دیتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے۔ کابی براقش کل یوم یتغیر لونه۔

ابو نجا۔ ابو نجادی۔ ایک قسم کی ٹڈی ہوتی ہے اور گبریلے کو بھی کہتے ہیں۔ ام عوف ٹڈی۔

ابو المحسن ایک چھوٹا سا طائر نہایت خوش آواز۔ اسکو حسون بھی کہتے ہیں
ابوکثیر مرد کو کہتے ہیں اور اسکو فارسی میں وردکاک لکھا ہے۔ اسکی اردو نہیں ہے۔

ابو ملی مینڈک۔ ابو جعفر مکھیاں۔ ام وردان صرصر۔ ابو الحسل
ابو حسل گوہ۔ ابو حبران ایک قسم کا بجو ہے۔ جسے حسل بھی کہتے ہیں ابو سفیان
سا ہی۔ ام عریط۔ ام ساھر بچھو ام حباحب رنگ برنگ کا پوٹ ہوتا ہے

ام الاموال ۔ وشہ ۔ ابوحبیب بکری کا بچہ ۔ ابو غزوان ۔ ابو خداش

ابوالہیثم ۔ ابوشماخ ۔ بلا ۔ ام شماخ بلی ۔

ابوحذر گرگٹ ۔ ام قرہ ۔ ام حبیب گرگٹ کی مادہ ام الحبین

بھی گرگٹ کی مادہ کو کہتے ہیں ۔

ام محبوب ۔ ابو عثمان سانپ ۔

ابوطامر ۔ ابوعدی ۔ ابو وثاب پسو ۔

ابو مشغول ۔ چیونٹا ۔ ام توبہ ۔ ام مازن چیونٹی ۔

ابوراشد چوہا ۔ ام خراب چوہیا ۔

ابوالمیح ۔ ابو ہبیرہ ۔ ابو معبد نر سینڈک ام حبیرہ مادہ سینڈک ۔

ام اربع واربعین ۔ ایک زہریلا جانور مشہور ہے ۔

ملحقات

عرب کا یہ قاعدہ کہ جب کسی ایک چیز کے ساتھ کئی چیزیں ملحق ہوں تو اس ایک چیز کو ضرور ام کہتے ہیں ۔ مثلاً مکہ کو ام القریٰ کہتے ہیں اس وجہ سے وہاں تمام اطراف واکناف سے لوگ حج کی غرض سے آتے ہیں ۔ یا مثلاً سورۂ فاتحہ کو ام القرآن کہتے ہیں ۔ اور کہکشاں کو ام النجوم ۔ سر کے بھیجے کو ام الدماغ ۔ ام الدنیا شہر مصر (چونکہ یہاں آدمی کثرت سے رہتے ہیں)

ام القویٰ آگ ۔

ام الکتاب ۔ لوح محفوظ ۔ یا سورۂ فاتحہ یا کل قرآن مجید ۔ ام دفر ام حبو دنیا

ام مثواک ۔ بیوی ۔ مالکۂ خانہ عورت ۔

ام الصبیان ۔ صرع ۔ (مرگی)

ام ملدم ۔ تپ ۔

ام خراف ۔ ڈول ۔ پسیر

ام جوکس۔ ام جوکران۔ ام جوکری۔ ام خشاف ام جندب۔ بڑی سخت مصیبت۔ برائی۔ انہام مگر امرا القیس نے جو اپنے اس شعر میں ام جندب کا ذکر کیا ہے۔

خلیلی مرابی علی ام جندب لنقضی لبانات الفواد المعذب

اس سے مراد بنی طے کی ایک عورت ہے۔ جس سے اس نے اس موقع پر نکاح کیا تھا جبکہ منذر بن مار السماء کے خوف سے یہ ام جندب کی قوم میں بھاگ گیا تھا۔

آوازوں کے نام

صریر دروازے کے بند ہونے اور قلم کے کاغذ پہ چلنے اور تخت کے زمین پہ کھینچے جانے کی آواز۔

صریف دانت پیسنے کی آواز طنطنہ ستار کی آواز۔ رنین کمان کی آواز۔ قصیف رعد اور دریا کی آواز۔ زفیر آگ کی سنسناہٹ۔ خشخشہ کاغذ اور نئے کپڑے کی کھڑکھڑاہٹ۔ صلصلہ لوہے اور تلوار اور روپے پیسے کی جھنکار۔ زمزمہ مجوسیوں کے آواز کی نقل۔ نشیش ہانڈی کے جوش مارنے کی سنسناہٹ۔ غق غق چاول پکنے میں کھدکھد کی آواز۔

بقبقہ صراحی یا گھڑے سے پانی اونڈیلنے کی آواز۔
دقدقہ۔ دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز۔
دیدبہ گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز۔
طقطقہ پتھر اور اولے گرنے کی آواز۔
طاق طراق کی آواز جو کسی چیز پہ مارنے سے پیدا ہوتی ہے
خریر ہوا کے چلنے اور پانی کے بلندی سے نشیب میں گرنے کی آواز۔

اور نیز عقاب کے پروں کی آواز جبکہ وہ پر کو پھٹکے۔ اور سونے والے کی سانس کی آواز۔

خشارم مولی اور بھدی آواز۔ خشف۔ خشفہ مطلق آواز۔ حرکت۔ ہلکی آواز۔ سانپ کے چلنے کی آواز۔ بجو کی آواز۔

لغط۔ ایسی آوازیں جو سمجھی نہ جائیں۔ تغمغم۔ جب آواز کا کلام نہ سمجھ میں آتا ہو۔

جلنبلق بڑے دروازے کے کواڑوں کو کھولنے یا بند کرنے کی آواز۔

صوۃ۔ صدی کی آواز (صدی ایک طائر ہے جو مقتولوں کی قبروں سے نکلتا ہے) طیخ ہنسنے والے کی آواز۔ یا دیار آدمیوں کو اکٹھا کر نیکی آواز۔ علی ہذا القیاس اور حیوانات کی بھی آوازیں انھوں نے مقرر کی ہیں۔ مثلاً۔ زئیر شیر کے واسطے۔ عوا بھیڑیئے کے واسطے۔ نباح کتے کی واسطے۔ ھریر کتے کی آواز جبکہ وہ کسی مکروہ یا غیر معمولی چیز کو دیکھ کے بولے۔ ضباح۔ لومڑی کی آواز۔ مواء بلی کی آواز۔ قباع سور کی آواز۔ خوار گائے کی آواز۔ رغاء بکری کی آواز۔ نزھت ہرن کی آواز۔ صھیل گھوڑی کا ہنہنانا۔ نھیق گدھے کی آواز۔ ھدیر کبوتر کی آواز۔ طق۔ نقیق مینڈک کی آواز۔ فحیح سانپ کی آواز۔ خنزنشہ ٹڈیوں کے کھانے کی آواز۔ حکور بلی کے غرانے کی آواز۔ صقاع صرع کی آواز۔ نعیق۔ نعیب نعاق کوے اور بوم کی آواز۔ غاق خاص کوے کی آواز۔ عق عق کوے کی آواز جبکہ اپنے گلے کو دبا کے بولے۔ (دو) پانی جبکہ کسی چوڑی جگہ سے آکے تنگ جگہ میں گرتا ہو۔ حفیف درختوں کے پتوں اور پرندوں کے پروں کی آواز۔ بغام ہرن کی آواز۔ ظاب بکرے کی آواز۔ قبق۔ قرق مرغ کی آوازیں۔ قطا قطا سنگخوار کی آواز کی نقل۔ قط قط سنگخوار کو بلانے کی آواز۔ الوع گیدڑ کی آواز بچے کے رونے کی آواز۔ زقد قلہ چڑیا کی آواز

نعرۂ د۔ طیور کی اور حدی خوان و مغنی کی آواز کہ کہ شیر اور اونٹ کے آواز کی نقل۔

حیوانات کے روکنے اور ٹھیرانیکی آواز

اِجد اِجد۔ اجط اجط۔ ابا ابا۔ یابا۔ یایہ۔ بس بس۔ جُو جُو۔ جُوت جُوت۔ حای حای۔ حامن حامن۔ حل حل۔ ھاھا۔ ھج ھج۔ اِی۔ یھیا۔ ان صداؤں سے اونٹ کو ٹھیراتے اور بھاگنے سے روکتے ہیں

نہ نہ۔ حلق۔ جاہ جاہ۔ جوہ جوہ۔ حاب حُوب۔ ھت ھت اونٹ کو روکنے کی آواز ہیں۔

جی جی۔ شیب جب اونٹ پانی پلانیکے لئے بلاتے ہیں۔

ھی ھی جب اونٹ گھاس کھانیکے لیے بلاتے ہیں۔

دی دی حدی خوانی کی آواز۔

دُہ دُہ۔ داہ داہ جب اونٹ کو اسکے بچے کے پاس بلاتے ہیں۔

ھدع ھدع چھوٹے چھوٹے بچے اونٹوں کو بھاگنے سے روکنے کیلئے۔

اِخ۔ اونٹ بٹھلانے کی آواز۔

دَوہ دَوہ۔ چار سالہ اونٹ کو بلانے کی آواز۔

حقط۔ دہ۔ ھلا۔ ھجر ھجرم۔ ھال۔ ھاب۔ ھب۔ ھبی گھوڑا دوڑانے کی آواز۔

اَرہ گھوڑا بلانے کی آواز۔ جاہ جاہ کسی درندے اور خچر کو روکنے اور منع کرنے کی آواز۔ حلس حلس خاص خچر کو روکنے اور منع کرنے کی آواز۔

حتی حتی گدھے کو بلانیکی آواز۔

عوٓ عوٓ گدھے کو بلانے کی آواز۔

حیز۔ حیہ۔ سا۔ شا۔ شو شو ھیس بہت سے گدھوں کو روکنے اور ہنکانے کی آواز۔

اجی اجی۔ رحالہ رحالہ۔ سدف سدف۔ قضب قضب۔ ھدف ھدف۔ بھیڑوں اور دنبوں کو بلانے والی آواز۔

اس اس۔ اجدم ھجدم۔ حل حل۔ بکری کو روکنے کی آواز۔

ارار۔ دع دع۔ بھیڑوں کو بلانے کی آواز۔

اوس اوس ہجط۔ حیہ۔ شا۔ عل عل۔ ھای ھجھج۔ ہس۔ بھیڑیوں کو روکنے کی آواز۔

تاء تاء۔ بکری کو جفتی کھانے پر آمادہ کرنے کی آواز۔ حا حا بکری کو پانی پینے کے لئے بلانے کی آواز۔ جناح جناح بکری کو دودھ دوہنے کے واسطے بلانے کی آواز۔ حل حل بکری کو روکنے کی آواز۔

اوس اوس وح۔ گائے بیل کو روکنے کی آواز۔

اس اس سانپ کو سر جھکا لینے کے واسطے کہا جاتا ہے۔

تہ تہ۔ قوس۔ قر قوس۔ کتے کو بلانے کی آواز۔

دج دج مرغیوں کے چیخنے کی آواز۔ حف حف مرغیوں کو جھڑکنے کی آواز۔

عس بلی کو جھڑکنے اور روکنے کی آواز۔

جانوروں کے متعلق مثلیں

عربوں نے اکثر مثلیں حیوانات کے حالات اور روزانہ کی کیفیتوں سے پیدا کی ہیں اور نیز نباتات اور خواص نباتات سے مثلیں بنائی ہیں لیکن ہر ایک مثل کا منشاء اور سبب بیان کرنا چونکہ طول کا باعث ہے اس وجہ سے محض مثلوں کے بیان پر اکتفا کیجاتی ہے۔

احمق کی مثل | فلان احمق من رجلة (رجلہ لقد الحمقاء کو کہتے ہیں)

〃 〃 | فلان احمق من الضبع (ضبع کی حماقت اس سے ثابت ہے کہ شکار کرنیوالا اس سے کہتا ہے کہ الشہا یا ضبع بس خوش ہو جاتی ہے اور اپنے آپ کو شکاری کے حوالے کر دیتی ہے)

〃 〃 | فلان احمق من الربع - فلان احمق من نعجة على حوض

〃 〃 | فلان احمق من نعامة - فلان احمق من رخمة

〃 | فلان احمق من دغفق - فلان احمق من ام الهنبر (ہنبر گدہی کو کہتے ہیں)

〃 〃 | فلان اخرق من حمامة - فلان احمق من جهيزة - (جہیزہ بجھینی کو کہتے ہیں)

ہوشیاری اور اپنے کو بچانے رہنے کی مثال | فلان احذر من غراب -
فلان احذر من ذئب -
فلان احذر من ظليم -

حیرت کی مثال　فلان احير من ضب - فلان احير من ورل -

پختہ کاری اور تدبیر کی مثال - فلان احزم من فرخ العقاب - فلان احزم من حرباء

تغیر و تبدل مزاج کی مثال - فلان احول من ابی براقش - فلان احول من ابو قلمون -

〃 〃 | فلان احول من الذئب -

حسن کی مثال　فلان احسن من شنف الانضر (سونے کا جھمکا)

〃 〃 〃 〃 〃 من الدمی - فلان احسن من الطاؤس -

〃 〃 〃 〃 〃 من الديك - 〃 〃 من العسل -

〃 〃 〃 〃 〃 من بيضة فى روضة (کیونکہ سبزہ زار میں انڈوں کا رکھنا آنکھوں کو بہت ہی خوشنما معلوم ہوتا ہے)

〃 〃 | فلان احسن من الدهم الموقفة

حرص کی مثال	.. .. فلان احرص من الکلب علی جیفۃ
"	" " " " " " " من کلب علی عرق (ہڈی)
"	" " " " " " " من کلب علی عقی (بچہ)
"	" " " " " من نملۃ -
نگہبانی اور حفاظت کی مثال -	فلان احرس من کلب -
بھوک کی مثل	.. .. .. فلان اجوع من کلبۃ حومل (حومل ایک عورت تھی جس نے ایک کتیا پالی تھی اسکو باندھے رہتی اور کچھ نہ کھلاتی - آخر وہ بیچاری اپنی دم کھا گئی -
نقالی کی مثال	.. .. .. فلان احکی من قرد (اس سبب سے کہ بندر آدمی کی خوب نقل کرتا ہے سوائے بول لینے کے
عیب کی مثال	.. .. .. فلان اعیب من حمار طباب -
"	" " " " " " من بغلۃ ابی دلامہ
کفر کی مثل	.. .. .. فلان اکفر من حمار (حمار ایک شخص تھا جسکے دس بیٹے تھے - ایک دفعہ شکار کو گئے اتفاق سے بجلی گری سب جلکر مرگئے جب یہ خبر سنی تو فوراً کافر ہوگیا - (جو چالیس سال سے مسلم تھا) اور کہنے لگا کہ میں کبھی بھی ایسے خدا کو نہ مانونگا جس نے میرے دس بیٹے مار ڈالے)
ناز اور تکبر کی چال کی مثال	.. .. فلان اخیل من غراب (کوا بہت ہی ناز اور متکبرانہ چلتا ہے اسی وجہ سے اچک اچک کے قدم رکھتا ہے)
"	" .. .. .. فلان اخیل من ثعلب فی استہ عہنۃ -

ہلکے پن کی مثال۔ یعنے ایسی مثلیں بے عقلوں اور کم سمجھ والونکو کہی جاتی ہیں	فلان اخف من فراشة۔ اخف رأسا من الذئب۔ اخف رأسا من الطائر اخف حلما من عصفور۔ اخف حلما من بعیر۔ اخف من یراعۃ (یہ ایک قسم کی مکھی ہے۔)
خیانت اور شرارت کی مثل	فلان اخبث من ذئب الخمر (خمر درخت کی جھاڑی کو کہتے ہیں)
" " "	فلان اخبث من ذئب الغضی۔
خیانت کی مثال .. .	فلان اخون من ذئب
فریب دہی کی مثل	فلان اخدع من ضب۔
خطا کی مثل	فلان اخطأ من ذباب۔ فلان اخطأ من فراشة۔
خبط کی مثال	فلان اخبط من عشواء (عشواء اس اونٹنی کو کہتے ہیں جسے رات کو سوجھائی نہ دیتا ہو۔ اور ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارتی پھرے۔)
حلم کی مثال	فلان احلم من فرخ العقاب
شیرینی کی مثال	احلی من التوحید (توحید ایک قسم کا عربی خرما ہے۔ ابوحیان توحیدی جس نے مناظرات اور محاضرات میں کتاب لکھی ہے اسی کیطرف منسوب ہے۔ متنبی نے کہا ہے یترشفن من فمی رشفات هن فیه احلی من التوحید

تیزی کی مثل	اعدی من لیطة (نرسل کا چھلکا)
اُلٹے پنے کی مثل یعنے کسی چیز کو ہونا چاہئے کیا اور ہوا اسکے خلاف۔	اخلف من شراب الکموت (کموت اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس سے کھیت سیراب کیا جاتا ہے۔ خود تو بیچاری پیاسی رہتی ہے اور کھیت کو سیراب کرتی ہے کیسی اُلٹی بات ہے۔
" " "	اخلف من ولد الحمار (ولد الحمار خچر ہی نہ تو گھوڑے سے مشابہ ہوتا ہے نہ گدھے سے حالانکہ انہی دونوں سے پیدا ہوتا ہے)
" " "	اخلف من نار الحباحب (حباحب جگنو)
" " "	اخلف من صقر، اخلف من بول الجمل۔
اپنے آپکو بچانے اور غیرت رکھنے کی مثل	احمی من انف الاسد، احمی من است النمر
چوری کی مثل۔ " " "	اسرق من زبابة (زبابہ خشکی کا چوہا ہے)
سونگھنے کی مثل " " "	اشم من نعامة
طول کی مثل " " "	اطول من ظل النعامة (نعامہ سے مراد ظلم ہے۔ اور شالت نعامہ سے مراد یہ ہے کہ شخص مر گیا اور تابوت اسکا اٹھایا گیا رفت نعامتہم (ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہو گئے۔

عربوں کو شکار کا شوق

جاہلیت کے زمانے میں عرب کو شکار کا بہت شوق تھا۔ اور اسکے آلات بنائے تھے۔ کبھی تیر سے شکار کرتے تھے کبھی جال [illegible]

عرب میں پہلے پہل جس نے چیتے کا شکار کھیلا کلیب بن وائل تھا۔

جو شکار کہ سیدھے ہاتھ کی طرف سے آتا اور بائیں ہاتھ کی طرف چلا جاتا اسکو سانح کہتے تھے۔ اور جو بائیں طرف سے آتا اور سیدھے ہاتھ کی طرف چلا جاتا اسکو بارح کہتے تھے۔ اور جو سامنے سے آتا تھا اسکو ناطح۔ اور جو پیچھے سے آتا تھا اسکو قعید۔

شکاری جس مقام پر چھپ کے بیٹھتا تھا اسکو قترہ کہتے اور شیر کے شکار کی غرض سے جو گڑھا کھودتے تھے اسکو زبیہ۔ شکار کو دھوکا دینے کیواسطے زمین پر چمٹنے کو تلبد۔ شکاری کے محروم واپس آنے کو اخفاق۔

عرب جس چیز کو شکار کر لاتے تھے اسکا گوشت بے تکلف کھاتے تھے۔ خواہ وہ چیز حرام ہو یا حلال۔

جب اسلام آیا تو اس نے بھی صحرائی اور دریائی شکاروں کو جائز کر دیا البتہ جبتک احرام میں رہیں شکار نہ کریں۔

اور مردار۔ خون۔ سور۔ بے نام خدا لئے ہوئے جو جانور ذبح کیا گیا ہو اور جو گلا گھونٹ کے مار ڈالا گیا ہو۔ اور جو مار مار کے مار ڈالا گیا ہو۔ یا بلندی سے گر کے مر گیا ہو۔ یا آپس میں لڑ کے اور سینگ کھا کے مر گیا ہو۔ اور شیر چیتے وغیرہ درندے نے پھاڑ کھایا۔ اور اسکا کچھ حصہ بچ جائے۔ اور جو کہ بتوں کی قربانی میں چڑھایا گیا ہو۔ وغیرہ وغیرہ سب کو حرام کر دیا۔

مگر مری ہوئی مچھلی کھانے کی اجازت دی۔ اور فرمایا کہ اسکا پانی سے زندہ پکڑ لانا اسکے حلال ہونے کے واسطے کافی ہے۔ اور ٹڈیوں کو زندہ پکڑ لینا اسکے ذبح کرنے کے قائم مقام ہے۔

اسی وجہ سے مسلمان لوگ شکار میں اسبات کا ضرور خیال رکھتے ہیں کہ ایسی چیز سے شکار کرنا چاہیئے جس سے کچھ خون شکار کے بدن سے نکلے ایسا نہ ہو کہ چوٹ کھا کے مر جائے۔ مچھلیوں میں اسبات کی کوئی قید نہیں

حرم سے مراد مکہ معظمہ ہے جہاں بیت الحرام واقع ہے۔ اسکو
حرم مکی کہتے ہیں اور حرم مدنی سے مراد مسجد مدینہ ہے۔ وہیں صاحب شریعت
اسلامیہ کی ضریح مبارک ہے۔ ان دونوں کو حرمین شریفین بھی کہتے ہیں۔

چوتھی فصل

عرب کی تجارتی۔ زراعتی معدنی وصناعی آمدنی

عرب کے اصلی شہروں میں پھول اور میلیسان اور اکثر مختلف قسم کے
درخت اور خوشبودار جڑی بوٹیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اور اسی قسم کے
بہت سے درخت جنکے فوائد پر غور کرنے کیلئے ایک مدت درکار
ہے پہاڑوں اور وادیوں (پانی بہنے کا نشیب) میں اُگتی ہیں۔ مثلاً۔
طرفاء۔ دوم۔ صفصاف۔ حناء۔ زنجبیل۔ یاسمین۔
جھاؤ۔ گوگل۔ بید کا درخت۔ مہندی۔ ادرک۔ چنبیلی۔
فل۔ تمر ہندی۔ نخل۔ قصب۔ حنظلہ سقیر۔
نیلوفر۔ املی۔ درخت خرما۔ بانس۔ گھونگے درخت۔ جو۔
فوفہ۔ بن۔ تنبغ۔ نعنص۔ بیغ۔ فلفل۔ بادشاہ
میٹھا۔ معروف۔ تنباکو۔ ڈلی۔ بھنگ۔ مرچ۔ بینگن۔
سپیر۔ رمان۔ لعوز۔ فستق۔ هفشتی۔ تفاح۔ سفرجل
املیوا۔ انار۔ بادام۔ پستہ۔ مشمش۔ سیب۔ بہی
لیموں۔ تموت۔ ورد۔ شقائق۔ خزام بنفسج۔
لیمو۔ انجیر۔ گلاب۔ لالہ۔ سوسن یا چنبیلی دار گھاس بنفشہ

ترجیس ۔ بنیلہ ۔ خروع ۔
نرگس ۔ ارنڈ کا درخت

اور اسکے علاوہ کھیرا ککڑی وغیرہ جو ترکاریوں کی مد میں داخل ہیں اور سویز منقی ۔ طلح جس سے صمغ عربی نکلتا ہے ۔ اور ناریل اور کندرا دبیسر کے درخت بھی پیدا ہوتے ہیں۔

جبل سیناء کے اطراف میں ایک قسم کا کیڑا پیدا ہوتا ہے جیسے قرمز کے کیڑے ہوتے ہیں ۔ اور جھاؤ کے درخت میں سوراخ کر دیتے ہیں جنسے حزیران اور تموز (جیٹھ بیساکھ) کے مہینوں میں شیرہ ٹپکتا ہے نہایت خوش ذائقہ اور بامزہ خوشبودار اور فدسیہ کے راہب اور عباد اسے لیجاتے ہیں ۔ اور ہدیہ کے طور سے دوست احباب کے پاس بھیجتے ہیں اسکا نام منار رکھا ہے ۔ یعنے اوس من سے مشابہ ہے جو بنی اسرائیل کو خدا تعالی کیطرف سے عنایت ہوا تھا ۔

عرب کے جنگلوں میں اکثر لکڑیاں فقط جلانے کے کام کی ہوتی ہیں منجملہ اُنکے ایک غبلہ ہے ۔ یعنے اراک (پیلو) کا درخت ۔ اراک کی مسواک بنائی جاتی ہے ۔ دوسری ہتیسر جسمیں کثرت سے کانٹے ہوتے ہیں ۔ فقط اُسکو اونٹ کھاتے ہیں ۔

مشہور ہے کہ انار کی قدر عرب کے نزدیک اور قسم کے میووں کی بہ نسبت زیادہ ہے ۔ کیونکہ مسلمانوں کا یہ خیال ہے کہ ہر انار میں ایک دانہ بہشتی انار کا بھی ہوتا ہے ۔ اسی وجہ سے ضرورت ہوئی کہ کمال رغبت اسکی طرف صرف کیجائے ۔ اور کھاتے وقت ایک دانہ بھی زمین پر نہ گرنے پائے ۔

عرب کی زمین میں جواہر بھی پیدا ہوتے ہیں ۔ مثلاً زبرجد اور زمرد حدید وغیرہ کی کانیں وہاں موجود ہیں ۔ جغرافیہ والوں نے لکھا ہے کہ

بسبب سابق کے اس زمانے میں اس قسم کی کانیں بہت کم ہو گئی ہیں
قدیم زمانے میں یمن سے بلاد سونے اور چاندی کے معدن کان تھے اور
آہنک بھی لوہے تانبے رانگے - جزع یمانی - عقیق یمنی یمن میں پیدا ہوتے
ہیں - موتی خلیج فارس سے عمان اور بحرین کے شہروں میں نکلتا ہے -
علاوہ یمن کے بھی عرب کے بلاد میں ایسی کانیں موجود ہیں جہاں سے
سونا چاندی وغیرہ نکلتا ہے - مگر کسی نے انکی طرف توجہ نہیں کی ہے

عرب کی تجارت کے طریقے یہ تھے کہ مصر اور شام کے شہروں میں
اپنے شہروں سے لوبان اور عطر اور بخور کے سوا کپڑا گنج وغیرہ اور مختلف
قسم کے پھول اکثر ہندوستان سے منگاتے تھے - اور کچھ خاص انکے
شہروں میں پیدا ہوتے تھے - اس سبب سے کہ تمام عرب تو جنگجو اور خونخوار
تھے ہی بدویوں کو چھوڑ کے جو شہری ہو گئے تھے آپس میں چونکہ لڑائی
جھگڑے کا بازار اکثر گرم رہتا تھا تو اسکے سوا وہ بھی تجارت کیا کرتے تھے
بعض لوگوں نے یہاں تک لکھا ہے کہ عرب کے بلاد قدیم زمانے میں تجارت
کیواسطے مرکز سمجھے جاتے تھے - اسی سبب سے سکندر اکبر نے کہا تھا کہ اپنے
ملک کا قاعدہ اور مرکز وسط بلاد عرب کو بنائے -

اسلام نے بھی سلسلہ تجارت کو جاری رکھا بلکہ سخت تاکید اور
صاحب شریعت نے یہ حدیث فرمائی تسعۃ اعشار الرزق فی التجارۃ -
۹/۱۰ حصے رزق کے تجارت میں ہیں

ابن خلدون مغربی نے قریش کے وجہ تسمیہ میں لکھا ہے کہ قریش
کے لغوی معنے کسب و جمع کے ہیں - چونکہ یہاں والے تجارت اور کسب
زیادہ کرتے تھے اسوجہ سے انکو قریش کہا گیا -

قریش تجارت کی غرض سے شام کے ملکوں میں گرمی کے فصلوں
میں جایا کرتے تھے - کیونکہ گرمی کا زمانہ شام میں نہایت آرام سے گذرتا ہے

اور ہوا اس فصل میں وہاں اچھی ہوتی ہے۔ اور جاڑوں کے زمانے میں یمن کا سفر کرتے تھے کیونکہ عرب کی بہ نسبت یمن کا ملک گرم ہے اور اسی وجہ گرمیوں میں وہاں رہنا نہایت دشوار سمجھا جاتا ہے۔

ابو محمد عبد الملک بن ہشام نے بیان کیا ہے کہ پہلے پہل جس نے یہ دو سفر مقرر کئے ہاشم بن عبد مناف صاحب شریعت اسلامیہ کے جد امجد ہیں اور انتقال اُنکا شہر غزہ میں ہوا اسی وجہ سے اُسکو غزۂ ہاشم کہتے ہیں۔ مگر ابن خلدون نے اس قول کی تکذیب کی ہے۔ اور کہا ہے کہ یہ رسم عرب میں ابتدائے زمانہ آبادی سے تھا کیونکہ قبل از ابتدائے تجارت اونٹوں کے چرانے اور اُنکی نگہداشت کے واسطے ہر فصل میں تبدیل مکان کیا کرتے تھے۔

بخورات کی تجارت کا جو پہلے ذکر آچکا ہے اُسکی بابت ایک مورخ لکھتا ہے کہ اصل میں یہ وہی چیزیں ہیں جنسے یونانی لوگ اپنے بتکدوں اور عبادتگاہوں کو اور رومانی اپنے کاہنوں کی قبروں پر دھونی دیتے تھے۔ مصر کے بطلیموسی اور رومی بادشاہوں کے زمانے میں مصر کے باشندے ان بخورات کو عرب کے تجار سے جو بحر احمر کی راہ سے آتے خرید کرتے تھے۔ اور عرب لوگ اُسکے بدلے میں روم و عجم سے جواہرات اور عمدہ عمدہ قسم کے معدنیات لیتے جس سے اپنے شہروں اور ہیکلوں اور عمارتوں کو سجاتے تھے۔ یہ سلسلہ تجارت کا اُسوقت تک جاری رہا جبتک کہ مغربی اور ہندی ملکوں میں آمد و رفت کے راہ نہیں کھلے تھے۔ لیکن جس دن سے یہ راہ ۸۹۳ھ ہجری مطابق ۱۴۸۷ء سے مفتوح ہوئی ہے اُسوقت وہ سلسلے بھی منقطع ہو گئے۔

زمانہ جاہلیت میں عربوں نے اپنے واسطے علاوہ اس بڑے سلسلۂ تجارت کے چند بازار بھی کھول لئے تھے۔ جنہیں مخصوص مخصوص اوقات میں

خرید و فروخت کی غرض سے آتے تھے۔ اور وہیں باہمی تفاخر اور شعر خوانی
کا بازار بھی گرم ہوتا تھا۔ منجملہ ان بازاروں کے ایک مشہور بازار عکاظ تھا۔
یہ بازار ہر اتوار کے روز کھلتا تھا جہیں قریب قریب کے لوگ آتے جاتے
تھے۔ پھر سال میں ایک مرتبہ عرب کے تمام قبیلے ماہ ذیقعدہ کی پہلی تاریخ
کو آجاتے تھے اور پورے ایک مہینہ بیس روز تک وہاں مقیم رہ کے
اپنی تمام اغراض پوری کرتے تھے۔ لیکن اسلام کے دور میں اس
بازار کا چلنا چلانا بند ہو گیا۔ مگر اس کے بدلے میں مربد بصرہ بازار کیواسطے
تجویز ہوا۔ پھر اسی مقام پر آتے جاتے قافلے ٹھیرنے لگے۔ اور اطراف و
اطراف سے لوگ جمع ہو ہو کے اشعار خوانی اور خرید و فروخت کرنے لگے۔
بازار تحصیلی کا رسم جاہلیت میں بھی تھا۔ سودا بیچنے والے جو آیا کرتے تھے
انہیں بطور ٹیکس کے کچھ درہم مقرر کئے جاتے تھے۔ تو ضروری طور سے انکو
دینا پڑتے تھے۔ انکی زبان میں اس ٹیکس کو مکس کہتے تھے۔

عرب کے تجارتی لوازم میں سے یہ بھی تھا کہ جب کوئی شخص کسی چیز کو
خریدتا تھا تو بیچنے والے کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ مارتا یعنی اب یہ بیع لازم ہوگئی
اسی وجہ اس قسم کی بیع کو بیع صفقہ کہتے ہیں۔ (صفقہ کے معنے تالی بجانا)
ربحت صفقتك شرآ، یا صفقہ رابحہ یا صفقہ خاسرہ یا تصافق
القوم عند البیع وغیرہ سب اسی لفظ سے مشتق ہیں۔

اقسام بیع (بیچنا)

اول قسم بیع ملامسہ ہے اسکا طریق یہ ہے کہ خریدنے والا یا بیچنے
والا کہے اذا لمست ثوبك او اذا لمست ثوبي فقد وجبت البيع
بكذا۔ اور پھر خریدشدہ مال کو اپنے کپڑے کا اوٹ کرکے چھو دے
مگر اسے دیکھے نہیں۔ یا یوں کہے انبیعك هذا المتاع بكذا فاذا

لمستك وجب البيع - یا خریدار انہی الفاظ کو اپنی زبان پر جاری کرے بہرحال بیع لازم ہو جائے جب وہ شرط پائی جائے۔

بیع منابذہ - اور بیع نبّاذ اسکی صورت یہ ہے کہ خرید نے والا کہے انبذ الی الثوب یا انبذ الیك وقد وجب البیع بکذا یا یوں کہے اذا نزعی الیه بالثوب وید می الیك بمثله وجب البیع یا یوں کہے اذبذت الحصاة وجب البیع یا مثلاً کوئی شخص اپنی بھیڑوں کو کنکری مارے۔ اسوقت خریدنے والا کہے ان ما اصاب الحجر فهولی بکذا۔

بیع محاقلہ - کسی زراعت کو قبل تیار ہونے کے فروخت کرنا یا کھڑا کھیت تیار شدہ بیچنا۔ یا بالع کے سامنے بھائی یا چوتھائی کا شریک بنجانا۔

بیع حبل الحبلی۔ یعنے اونٹنی کے پیٹ میں جو بچہ ہے قبل اسکے پیدا ہونے کے بیچنا۔ یا مثلاً اس اونٹنی کے بچہ کا جو بچہ ہوگا اسکو بیچنا یا اسوقت جو بچہ حمل میں ہے اسکے پیدا ہونے اور بعد جوان ہو جانے اور بچے دینے کے اسکے بچہ کو بیچنا بیع محاقلہ ہے۔ اور عجب حماقت کی بیع ہے۔ مگر اسلام نے اس قسم کی تمام خرید و فروخت کو باطل کر دیا۔ بلکہ خریدنے والے کو اختیار دیا ہے اور چند طریقے مقرر کر دیئے ہیں کہ ان طریقوں سے اسکو اختیار واپس دینے کا بشرط ناپسندی کے ہو سکتا ہے مثلاً اگر مبیع (مال فروخت شدہ) میں کوئی عیب ہو تو خریدار کو اسبات کا حق باقی ہے کہ خیار عیب کی بناپر مال واپس کر دے۔ دوسری صورت اختیار واپسی کی خیار تعیین ہے۔ مثلاً دو قسم کے کپڑے رکھے ہوں اور دونوں ایک قیمت کے ہوں اور بلا تعیین قیمت کسی ایک کو خرید لے تو اسکو اختیار ہوگا کہ جسکو چاہے پسند کرے۔ تیسری صورت اختیار واپسی کی خیار رویت ہے یعنے اگر چیز کو بغیر دیکھے ہوئے مول لیلیا

اور دیکھنے کے بعد اسمیں کوئی عیب معلوم ہوا تو اسکو اختیار ہوگا کہ فوراً واپس کردے۔ چوتھی صورت خیار شرط ہے۔ اسکی صورت یہ ہے کہ پہلے ہی سے بایع یا مشتری کسی امر کی شرط کرلیں جسکے نہ پورے ہونے پر تین دن خریدار کو اختیار ہوگا کہ مال واپس کردے۔ اور بایع کو بھی اختیار ہوگا کہ شرط نہ پوری ہونے کی صورت میں اپنا مال واپس لے لے۔

مال رہن رکھنے کی صورت یہی یہ تھی کہ راہن کہتا تھا اگر میں فلاں وقت مال لینے اور قرض دینے نہ دوں تو یہ مال تیرا ہوجائیگا۔ اب اگر قرضدار قرض کے روپے اتنی مدت گذرنے کے بعد لاتا تو مرتہن کہدیتا کہ اب جلد لیجیئے غلق الرھن (رہن کا دروازہ بند ہوگیا ہے یعنے رہن لازم ہوگیا ہے۔)

مگر اسلام نے اس عادت کو بھی کھودیا۔ اور صاحب شریعت نے فرمادیا لا یغلق الرھن یعنے اگرچہ وعدے کی مدت ختم ہوجائے مگر مرتہن اسکا مالک نہیں ہوسکتا۔

یمن کے شہروں کی تجارت اکثر بن کی ہوتی تھی۔ اور وہاں کی سلطنت کا خراج اسی کی آمدنی کے ٹیکس سے تھا۔ اسی وجہ سے وہاں کی سلطنت میں رعایا کو سخت ممانعت تھی کہ بن کی زراعت کو ملک سے باہر نہ جانے دیں اور اگر کوئی شخص لیجاتا اور باہر والوں کو بتادیتا تو اسکو سخت سزا بھگتنی پڑتی۔ مگر باوجود اسکے بھی فرانس اور فلمنک اور انگلینڈ نے آخر بن کی زراعت اپنے ملکوں میں قائم کرہی لی اور اسکی وجہ سے بہت سخت نقصان یمن کی تجارت کو پہونچا۔ اگرچہ اب بھی انگریزی اور یمنی بن میں بڑا فرق ہے

عرب یہ کہتے ہیں کہ ہم نے بن کا تخم حبش کے ملک سے لیا ہے

اور خیال بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ پہلے پہل بن کے نفع اور ضرر سے حبش کے ہی لوگ واقف ہوتے تھے۔ عجیب بات یہ ہے کہ بن کی زراعت اگرچہ خاص یمنیوں کی ہے اور اسقدر اسکے ذریعے سے نفعے اُٹھاتے مگر پھر بھی خود نہیں استعمال کرتے۔ بلکہ اُسکے بدلے بن کے چھلکے کو جوش دے کے چائے کی طرح پیتے ہیں۔ البتہ بعض لوگ مخدرات کا استعمال ضرور رکھتے ہیں۔ مثلاً بھنگ وغیرہ۔

یمن کا ملک قدیم زمانے میں اگرچہ ایک عظیم تجارت گاہ تھا اور عطریات اور ہاتھی دانت اور سونے وغیرہ کے معاملات حبش سے اور یمن سے زیادہ تھے۔ یورپ سے بھی قسم قسم کی معدنیات اور اسلحہ اور آلات شیشہ آتے تھے۔ اور یمن میں کپڑے کے کارخانے اور شیشہ بنانے کے آلات کے بھی کارخانے تھے مگر اُنکی بنائی ہوئی چیزیں ذرا بھدی اور بد نما ہوتی تھیں ہاں چاندی سونے کے زیور یا ظروف البتہ بہت حسین اور قابل قدر بنا لیتے تھے۔ اسکے بنانے والے اکثر یہود قوم کے لوگ تھے۔ یہانتک کہ صنعا کے یمن میں جو سکہ ڈھلتا تھا وہ بھی یہودیوں ہی کی کارستانی تھی۔ اُنکے ہاں موسیقی کے آلات میں سے فقط طنبورہ اور ستار تھا کشتیاں اُنکی عجیب بیہودہ اور بھدی ہوتی تھیں۔ اور کشتی کا بادبان ایک قسم کی چٹائی کا بنایا جاتا تھا۔ اور پہاڑی مکانات اُنکے پہاڑوں ہی کو کاٹ کے بنائے گئے تھے۔ اُن کی صنعتوں میں سے زنبیل بھی ہے۔ مگر کچھ اچھی نہیں بناتے تھے۔

مگر اسلام کے بعد جن شہروں کو مسلمانوں نے فتح کیا مثلاً اندلس افریقہ وغیرہ اُنھیں زراعتی اور تجارتی سامان بہت ہی اعلیٰ درجے کے جمع کئے۔ اسکا سبب یہ تھا کہ قدیم یونانی کتابوں کا ترجمہ کرایا اور اُن علوم کو بہت غور اور فکر سے پڑھا اور دیکھا۔ اور اصل میں زراعت کا فن تو خاص دیوسقریدیس یونانی فلسفی سے لیا۔ اسکے علاوہ یونانی کتابوں کے ترجمے

کرنے سے بے انتہا فوائد اُنہیں پہونچے ہیں۔ جیساکہ ایک مورخ نے لکھا ہے
کہ "عرب کی تاریخ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عربوں اور اندلسیوں کی تجارت
نے خلفائے بنی امیہ اور عباسیہ کے زمانے میں اطراف عالم کو گھیر لیا تھا۔ اور
زراعت میں اُنکو تمام دنیا کے باشندوں پر فوق حاصل تھا۔ معدنیات کے
نکالنے اور اُسکی اصلاح میں اُنھیں ید طولیٰ تھا۔

کپڑا بننے۔ کپڑا رنگنے۔ برتن اور زیور بنانے چمڑا صاف کرنے نقش و نگار
بنانے۔ روغن پھیرنے۔ ملمع کرنے سونا چڑھانے میں بھی جسطرح اُنکو کمال حاصل
تھا شاید اُن سے قبل اور بعد کی سلطنتوں میں نہیں پایا جاتا۔ البتہ اب
یورپین سلطنتوں میں ان چیزوں کی ترقی ہورہی ہے۔ اندلس میں ایک
شہر مالقہ نامی تھا۔ وہاں مٹی کے برتن رنگین اور روغنی اسطرح کے بنتے تھے
کہ آدمی دیکھ کے حیرت میں رہ جائے۔ اور اُسکو اطراف عالم میں تجارت کے
طور سے لیجا کے کثیر نفع اُٹھاتے تھے۔ شہر جیرات کا انگور۔ انجیر۔ بادام۔
انار۔ مرسی۔ یاقوتی۔ نہایت مشہور ہے۔ اشبونہ کا عنبر اور مشک اشبیلیہ
کی تجارت اور زیتون اور انجیر بہت مشہور ہے۔ یہاں اسقدر زیتون اور
انجیر کے درخت تھے کہ چالیس میل طول اور بارہ میل عرض کے اندر میں آدمی
فقط انہی درختوں کے سایے میں چل سکتا تھا۔ انہی کے باشندے نکالنے اور
سجانے اور ظرافت میں بے مثل تھے۔ کورہ باجہ میں چاندی کی کان تھی۔
چمڑے کی دباغت اور اصلاح خوب ہوتی تھی۔ کتان کا کپڑا اعلیٰ درجے کا
بنا جاتا تھا۔

مریہ میں جیسا دیبا کا کپڑا بنا جاتا تھا ویسا کسی شہر میں آجتک نہیں بنا جا سکا
اور روشنکاریاں اس شہر کی عالم کے شہروں پر فوق لیگئی تھیں۔ ایک مورخ
نے لکھا ہے کہ فقط مریہ میں آٹھ سو ریشمی کپڑے بننے کے کارخانے تھے۔
اور دیبا وغیرہ نفیس کپڑوں کے ایک ہزار۔ جرجانی کپڑوں کے بننے کے واسطے بھی

ایک ہزار کارخانے تھے۔ اسیقدر اصفہانی اور عنابی اور اوڑھنیاں اور زردوزی پردے بنانے کے بھی کارخانے تھے۔ یہاں لوہے تانبے شیشے کی چیزیں ہر قسم کی ایسی ایسی بنتی تھیں کہ بیان سے باہر ہے۔ مریہ کے میوے بھی جیسے ہوتے تھے اُنکی تعریف قلم کی قوت سے باہر ہے۔ مریہ کا وادی چالیس میل کا تھا جسمیں ہر قسم کے باغ اور نہریں اور درخت اور خوش آواز پرندے تھے۔ کہتے ہیں کہ مریہ کے باشندے جسقدر مالدار اور تجارت پیشہ اور صاحب خزانہ تھے ویسے اندلس کے اور کسی شہر میں نہ تھے۔ ایک ہزار حمام اور مہمانسرائیں تھیں۔

شنترہ کی زمین ایسی عمدہ اور قوت دار تھی جسکی تعریف میں کہتے تھے۔ کانما غربلت من تداب۔ اسکے پیداوار کی کیفیت میں ابن لیع نے لکھا ہے کہ فقط سیب وہاں کے تین بالشت کے دور میں ہوتے تھے۔ جسکا قطر تقریباً ایک بالشت سے کچھ کم ہوگا۔ اور بعض اس سے بڑے ہوتے تھے۔ اور اسی مورخ نے ابو عبد اللہ بالوری سے نقل کیا ہے۔ جو ایک ثقہ اور معتبر آدمی تھا کہ شنترہ والوں نے معتمد بن عباد کو تحفہ میں چار سیب دیئے تھے۔ جنکا وزن اسقدر تھا کہ اگر ایک اور اُس آدمی کے سر پہ رکھدیا جاتا جو اُسے اُٹھائے ہوئے تھا تو یقیناً اُس سے ہلا ہی نہ جاتا۔ اُن میں سے ہر ایک سیب کا دور پانچ بالشت کا تھا۔ مگر عام طور سے اس سے چھوٹے پھل ہوتے ہیں لیکن اسقدر بڑے بنانے کی ترکیب یہ ہے کہ اُسکی جڑ حد کاٹ دیتے ہیں اور دس بالشت یا کچھ چھوڑ کے نیچے اُسکی لکڑی کے تھونیاں لگا دیتے ہیں۔

مریہ کے قریب میں توت کے درخت بکثرت سے تھے۔ وہیں سے ریشم کے کپڑے اور ریشم آتا تھا۔

مریہ میں اس کثرت سے باغ تھے کہ آخر اسی کو بستان کہنے لگے تھے۔ بلنیہ کے قریب ایک مقام شاطبہ تھا وہاں سکے بنائے جاتے تھے

بالجملہ اندلس کے باشندے ہر فن میں نہایت ماہر اور کامل تھے۔ دوائیں معجونات بہت اعلیٰ درجے کی بناتے تھے۔ عطریات بے مثل تیار کرتے تھے معدنیات کے استخراج میں بھی اُنکو انتہا کی دستگاہ تھی۔ مثلاً عنبر۔ عود۔ بحلاف۔ قسط۔ سنبل۔ جنطیانہ۔ سمر۔ کہربا۔ قرمز۔ لاجورد۔ سنگ بجادی۔ بلور۔ یاقوت۔ مقناطیس۔ سنگ شادنہ (جس سے سنہرا رنگ چڑھاتے تھے) چاندی۔ قصدیر۔ پارہ۔ توتیا۔ تانبا۔ لوہا۔ پھٹکڑی۔ سنگ سرما وغیرہ۔ کہتے ہیں کہ وہ لوگ تانبے کو توتیا کے رنگ دیتے تھے۔

زعفران اور زنجبیل کی تجارت بھی بکثرت وہاں ہوتی تھی۔ مرجان بھی کثرت سے دریاؤں کے کنارے سے نکال کے لیجاتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ انکی ترقیاں انتہا کو پہونچ گئی تہیں۔ اگر آدمی ان چیزوں میں غور کرے اور دیکھے کہ کس حد پر انکے کمالات تھے۔ اور کیا چیزیں عجائبات دنیا سے اس قبضے میں اور کیسی کیسی ایجادیں ان سے ہوئیں۔ اور کیسی کیسی عمارتیں بنائی ہیں۔ جنکا مثل چشم فلک نے بھی نہ دیکھا ہوگا۔ اور اُسکے ساتھ عرب کی نخوت اور تکبر بھی اور اُنکے انداز اور اخلاق پر نظر کرے تو سمجھا جاسکتا ہے کہ کسی زمانے میں اندلس کیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اب بھی یورپ کے کسی ملک کو کسی طرح اُسپر فوق نہیں حاصل ہے۔ اور جو کچھ بھی اندلس کی تعریف میں شعرا نے کہا ہے سب سچ ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

وکیف لا یبھج الابصار رؤیتھا	کیوں کر اُس شہر کے دیکھنے سے آنکھوں
وکل روض بھا فی الوشی صنعا	کو سرور نہ ہو جسکا ہر باغ گلکاری میں
انھارھا فضۃ والمسک تربتھا	صنعا کی مثل ہے اور جسکی نہر چاندی
والخز روضتھا والدر حصباء	کی ہے اور مٹی جس زمین کی مشک ہے۔
وللھواء بھا لطف یدق بہ	اور سبزہ باغ کا خز و سنجاب ہے اور
من لا یرق وتبدو منہ اھواء	سنگریزے جہاں کے موتی ہیں۔

لیس النسیم الذی یهفو بها سحرا
ولا انتثار لآلی الطل انداء
وانما ارج الند استثار بها
فی ماء ورد فطابت منه ارجاء

اُسکی ہوائیں ایسا لطف ہے کہ جنکے دل پتھر کے ہوں وہ بھی وہاں نرم دل ہو جاتے ہیں۔ وہاں کی نسیم جو سحر دم چلتی ہے وہ نسیم نہیں ہے اور نہ بارش وہاں کی بارش ہے بلکہ ند (ایک قسم کا عطر ہے) کی خوشبو گلاب کے عرق میں مل کے پھیل گئی ہے جس سے تمام اطراف مہک اُٹھے ہیں"۔

لیکن زیادہ مستحکم کارگذاری اور صناعی اُنکی اُن عمارتوں سے ظاہر ہوتی ہے جنہیں کمال خوبی سے بنایا گیا ہے اور علوم ریاضیہ اُن میں صرف ہوئے ہیں یہی وجہ ہے کہ اِبتک کاملین اور ماہرین ریاضی اور اہل ذوق جو اسطرف جاتے ہیں اُنکو مجبور ہو کے اقرار کرلینا پڑتا ہے کہ البتہ یہ تعمیریں عجائب دنیا سے ہیں اور یہ اُسوقت کی حالت ہے کہ اہل یورپ سوائے جھونپڑیوں میں رہنے کے عمارت کا نام بھی نہ جانتے تھے۔

اندلس میں سب سے مشہور اور عمدہ وہ عمارتیں ہیں جنہیں خلیفہ ناصر نے بنوایا (دیکھو پانچویں باب کی پہلی فصل)

مراکش کی سلطنت کی آمدنی اور تجارت ابتک وہی ہے جو اُس زمانے میں تھی۔ اور جو شخص مصر کے شہروں کو دیکھیگا اُسکو اگلے زمانے کا حال بھی معلوم ہو جائے گا۔ کیونکہ اُنکی حالت ابتک تقریبًا وہی ہے جو پہلے تھی۔ اور کوئی نئی ترقی نہیں ہوئی ہے۔ حریر اور صوف اور قالین اور چمڑے کی چیزیں اُن کے اصول تجارت میں سے ہیں۔ اور خرید فروخت کے سلسلے جنوبی افریقیہ کے شہروں سے رہتے ہیں۔

آٹھواں باب

عرب کے لشکر اور اسلحہ و واقعات جنگ ۔ فتوحات بری و بحری ۔ اس میں تین فصلیں ہیں

فصل اول

عرب کا لشکر اور اُن کے جنگ کی کیفیت

کہتے ہیں کہ نعمان بن منذر (بادشاہ حیرہ) کے پانچ رسالے تھے ۔ ایک رسالے کا نام دوسر تھا ۔ یہ رسالہ نہایت سخت اور بہادر عربوں کی جمعیت سے تیار ہوا تھا ۔ تقریباً عرب کے تمام قبیلوں سے دو دو چار چار آدمی اس رسالے میں بھرتی کیے گئے تھے ۔ مگر زیادہ تعداد ربیعی قبیلے والوں کی تھی ۔ (دوسر کا لفظ دوسر سے مشتق ہے جسکے معنے نیزہ بازی اور مار بھگا لینے کے ہیں ۔)

دوسرے رسالے کا نام رہائن تھا ۔ اس رسالے میں پانچسو آدمی مختلف قبیلوں کے بطور رہن کے تھے ۔ اسکا قاعدہ تھا کہ ہر سال پانچسو آدمی نئے بھرتی کیے جاتے تھے ۔ اور وہ خاص دروازہ شاہی کے سامنے رہتے تھے جب ایک سال ختم ہو جاتا تو اسی قدر اور آدمی مختلف قبیلوں سے آجاتے اور یہ پانچسو رخصت کر دیے جاتے ۔ بادشاہ کو اس فوج پر بڑا بھروسا رہتا تھا ۔ اگر کوئی مہم در پیش ہوتی تو انہی کو اسکے سر کرنے کو بھیجتا ۔ اس رسالے کی

بدلی کا یہ طریقہ تھا کہ ابتدائے سال میں عرب کے سرداران قبیلہ بادشاہ کے دربار میں آتے اور اپنے ساتھ پانچسو آدمی چیدہ چیدہ لاتے۔ بادشاہ اُنکی بڑی خاطر و مدارات کرتا۔ اور ایک مہینے تک اُنکو مہمان رکھتا۔ ختم ماہ پر اپنے اگلے پانچسو آدمیوں کو مع بھتے اور خوراک کے واپس لیتے اور یہ پانچسو آدمی یہیں چھوڑ جاتے۔ اسی طرح سے سلسلہ جاری تھا۔ ہر سال تبدیلی اس رسالے کی ہوا کرتی تھی۔

تیسرا رسالہ صنائع تھا۔ اس میں تغلبہ کی نسل سے بنی قیس اور بنی تیم لات کے لوگ تھے۔ یہ رسالہ بادشاہ کے خواص میں سے سمجھا جاتا تھا کبھی دروازہ شاہی سے علیحدہ نہیں ہوتا تھا۔

چوتھا رسالہ وضائع۔ اس رسالے میں ایک ہزار آدمی ہوتے تھے۔ مگر سب ایرانی۔ انکو نعمان نے فقط شان و شوکت کی غرض سے حیرہ میں رکھا تھا۔ انکا بھی یہی قاعدہ تھا کہ ہر سال ایک ہزار نئے آدمی آجاتے اور یہاں والے اپنے اپنے گھروں کو واپس جاتے۔ اور پھر سال ختم ہونے پر یہ ایک ہزار آدمی واپس جاتے اور انکی جگہ اور ایک ہزار آجاتے یہ سلسلہ قائم تھا

پانچواں رسالہ اشاہب۔ اس رسالے میں بادشاہ کے بھائی بند عزیز و اقارب نوکر چاکر ملازم تھے۔ انکو اشاہب اسوجہ سے کہا گیا کہ جسقدر آدمی اس رسالے میں تھے وہ سب گوری گوری رنگتوں کے تھے

رئیس قوم کو عریف کہتے ہیں کیونکہ وہ رئیس کے نام سے معروف ہوتا تھا نقیب کا مرتبہ رئیس سے کم تھا۔ مگر بعض اہل لغت نے لکھا ہے کہ عریف چند آدمیوں کا سردار ہوتا تھا۔ اور منکب پانچ عریف کا افسر سمجھا جاتا تھا۔ امیر کا مرتبہ ان سب سے زیادہ تھا۔ فوج کے سردار (کرنیل)

جند اُن آدمیوں کو کہتے ہیں جو کسی لڑائی کے واسطے تیار کئے گئے ہوں۔ عسکر۔ اعوان۔ فئۃ۔ الفاد۔ تقریباً سب لشکر کے معنے میں ہیں۔

حصیص فقط عدد کو کہتے ہیں۔ حصیصہم کذا کے معنے عدد ہم کذا۔ اسکا پہلا نمبر صنوت ہے جسکے معنے فرد واحد (ایک) ہے۔ دوسرا نمبر زوج ہے جسکے معنے دو کے ہیں۔ (اس زوج سے مراد زوجہ کا مقابل نہیں کیونکہ اسکو زوجان کہتے ہیں۔ اور اسکی جمع ازواج ہیں۔

النیف ایک سے لیکر تین تک۔ نیف زیادتی ہے کے بعد جو عدد زائد ہو مثلاً نمبرہ کو کہینگے عشرۃ ونیف (کچھ اوپر دس)۔

البضع تین سے لیکر نو تک۔ یا چار سے پانچ تک۔ یا ایک سے چار تک یا چار سے نو تک یا فقط سات۔ یا ایک سے لیکر دس تک اور گیارہ سے لے کر بیس تک اور اکیس سے لیکر تیس تک اور علی ہذا القیاس سو تک۔ مذکر میں بضعۃ وعشرون وجلاً کہینگے اور مونث میں بضع وعشرون۔ یا مطلق عدد کو بضع کہتے ہیں۔ (اس لفظ میں اختلاف ہے)

مجر۔ عدد کثیر۔ نقد تین سے دس یا سات تک۔ دس سے زائد کو نقر نہیں کہینگے۔ وتیرہ ایک عقد کو کہتے ہیں۔ یعنے جب کوئی عدد ایک بڑھ کے ایک سے دس تک پہونچے تو وتیرہ ہوا۔

عصابۃ چالیس تک جھمہ نوے سے سو تک ھنیدۃ ایک سو اوپر جماعۃ ایک سو سے ہزار تک۔ جمرۃ ایک ہزار۔ بعضوں نے کہا ہے کہ تین سو سواروں کے مجموعے کو بھی جمرہ کہتے ہیں۔

بعضے کہتے ہیں کہ جو قبیلے متفقہ ہوں انکو جمرات کہتے ہیں مثلاً بنی ضبہ حرث عبس۔ انہیں جمرات العرب کہا گیا ہے۔

حضیرۃ فوظر کی جماعت یا چار یا پانچ یا آٹھ یا نو یا دس یا اتنے آدمی جنکے ذریعے سے جنگ کیا جا سکے۔ اور مقدمۃ الجیش کو بھی حضیرہ کہتے ہیں۔

ثبۃ جماعت۔ عصبۃ بہت سے شہسوار۔ اثبیہ جماعت کثیرہ جماعت مشنۃ آدمیوں کی ایک جماعت۔ مساینۃ پانچ سے لیکر تین یا چار سو تک۔ اسکو

سریہ اسوجہ سے کہتے ہیں کہ اسکے معنے ستر اہ یعنے مخفی کے ہیں۔ بعضوں نے
کہا ہے کہ نو سے اوپر تک سے عدد کو سریہ کہتے ہیں یا لشکر کے ایک حصہ کو۔
سہابہ آدمیوں کی جماعت۔ گھوڑوں کی جماعت۔ بیس سے ایک تیس تک
طلیعۃ تین یا چار آدمی ہوتے ہیں جنکے متعلق قلعہ وغیرہ کی دیدبانی
ہوتی ہے۔ عدقۃ دس اور پچاس کے درمیان میں آدمیوں کا گروہ
مقناب تیس سے چالیس تک گھوڑوں کی جماعت یا تقریباً تین سو۔
قنبلہ آدمیوں کا ایک بڑا گروہ اور گھوڑوں میں پچاس تک کا عدد۔ یا تین
اور چار سو کا درمیانی عدد۔ منسر۔ منسرہ تیس سے چالیس تک گھوڑے
یا چالیس سے پچاس تک یا ساٹھ سے سو اور دو سو تک۔ اور لشکر کا ایک حصہ
جو کسی بہت بڑے لشکر کے آگے آگے روانہ ہو۔ وقتیمہ دو سو یا تین سو
کا گروہ۔ بعد آدمیوں کی ایک جماعت اور گھوڑوں کی ایک سو یا کچھ
زیادہ مقدار۔ بدا زیق آدمیوں کی کئی کئی جماعتیں بہت سے شہسوار
گھوڑوں کی بڑی جماعت۔ مگر ایک موکب رسالے سے کم۔ بدیم لشکر۔ لعاب۔
دیدبان جو لشکر کے آنے سے قبل موقع پر پہونچ جائیں۔ خمیس لشکر کا ایک
حصہ جو علیحدہ تعینات کیا گیا ہو۔ کتیبہ لشکر۔ لہام۔ فیلق۔ عرمرم بہت بڑا
لشکر۔ بعضوں نے کہا ہے کہ فیلق پانچ ہزار کے رسالے کو کہتے ہیں۔ مٹا
دس ہزار کا لشکر۔ جحفل بڑا لشکر۔ جیش جرار جو لڑائی میں غبار اڑاتا ہوا
چلے۔ کتیبہ کثرت کے سبب آہستہ آہستہ اور بوجھل رفتار کا لشکر طحون
عظیم الشان فوج۔ جمعیہ چھوٹا لشکر۔ جول بہت بڑی فوج۔ اور تیس
سے چالیس تک کے گھوڑوں کی جماعت کو بھی جول کہتے ہیں۔ جیتنو
چار سو یا چار ہزار کا لشکر۔ نعی بڑا لشکر۔ تکمنہ قلب لشکر اگرچہ وہاں تمام فوج ہو
حومۃ الحرب بہت بڑی لڑائی۔ وقعۃ وقیعۃ لڑائی کا صدمہ
جنگ۔ ملحمۃ سخت لڑائی۔ حرب عوان نہایت سخت گھمسان کی لڑائی۔

جبار۔ ایسی لڑائی جسمیں دیت نہ لیجائے۔ اسی سے مشتق ہے جرحہ جبار
یعنے اُسکے زخم کا قصاص نہیں ہے۔ الحرب سجال یعنے کبھی ایک قوم دوسری
قوم سے لڑنے جاتی ہے اور غالب رہتی ہے کبھی کوئی دوسری قوم اس
قوم پر غالب آتی ہے۔ وغی۔ وغی لڑائی میں فوج کا غوغا۔ مگر اب مجازاً
لڑائی کو وغی کہنے لگے ہیں۔ لجب چھوٹے بڑے لشکر کے ادار۔ وغا بہت
لشکر کا ہمہمہ اور گھوڑے دوڑانا۔ مجعجعہ۔ تمام آوازوں کا ایک میں ملکے
ایک آواز ہونا۔ اور کچھ سمجھ میں نہ آنا کہ کیا بات ہو رہی ہے۔
اجلب القوم۔ یعنے چاروں طرف سے سمٹ کے لڑنے کیواسطے
لوگ آ گئے۔ جلب مختلط ہو کر آوازوں کا بلند ہونا۔ جلاد جلاد ایک
دوسرے کو تلوار مارنا۔ جبو کری لڑائی کے ختم ہونے پر صبر کرنا۔ توغن
لڑائی میں آگے بڑھنا۔ ذم لڑنے مرنے پر فوج کو آمادہ کرنا۔ احرنبی القوم
احرنبائً غیظ و غضب کے لئے قوم تیار ہوگئی۔ حزفز القوم لڑنے پر قوم
آمادہ ہوگئی۔ حملہ کرّۃ۔ یکبارگی حملہ (مشہور ہے)
عرب نے لڑائی کے تین کنایہ مقرر کیے تھے ایک ثوب محارب
محارب قیس عیلان کے قبیلے کا ایک شخص وہی زرہیں بناتا تھا اسی کیطرف
ایک لباس کو منسوب کر کے اُس سے لڑائی مراد لے لی۔
دوسرا کنایہ ثوب فاخر فاخر بھی تمیم کے قبیلے کے ایک شخص رہے کہ
پہلے پہل اسی نے زرد ورزی کی چادر اوڑھی تھی۔ ثوب
تیسرا کنایہ عطر منشم مثل میں کہتے ہیں دقوا ... تے ہیں مثلاً بنی ضبہ
ہیں کہ منشم ایک عورت عطر فروش تھی۔ جب کبھی لڑائی ... ہیں یا اپنے آدمی جنگ
تو اسی سے عطر مول لیکے اپنے اپنے ہاتھوں کو خوب ... کہتے ہیں۔
کہ اگر مر بھی جائیں تو لڑائی سے منھ نہ پھیرینگے آخر وہ ... عت کثیرہ جا ... تند
کا کنایہ ہوگیا۔ اور خود جنگ کو عطر منشم کہنے لگے ... ہوتا ہے اسکو

خاص کر اس عورت کے عطر میں ہاتھ ڈبونے کی یہ غرض تھی کہ عموماً جب کبھی عرب کو لڑنے کا موقع آتا تھا تو خلوق (ایک قسم کا عطر ہے) میں ہاتھ ڈبو لیتے تھے۔ اس سے یہ مطلب ہوتا تھا کہ سب نے لڑنے پر قسم کھائی ہے۔

ایک قسم انکی حرب کی مقام پر حلف فضول ہے۔ اسکا ابتدائی قصہ اصبہانی نے یوں لکھا ہے کہ قریش کے چند آدمی عبداللہ بن جدعان کے مکان میں جمع ہوئے۔ اس نے ان لوگوں کے واسطے کھانے کی تیاری کی۔ انکے ساتھ صاحب شریعت اسلامیہ بھی تھے۔ اسوقت آپ کا سن کل پچیس برس کا تھا۔ جب تمام بنی ہاشم اور بنی اسد اور زہرہ اور تیم جمع ہوگئے تو سب نے قسم کھائی کہ مکے میں جس شخص پر کوئی ظلم کرے گا خواہ وہ بیچارہ مسافر ہو یا عزیز۔ قریبی ہو یا آزاد یا غلام ہم لوگ اسکا ساتھ دینگے۔ اور اسکا انتقام دلوائینگے۔ بعد اسکے چاہ زمزم کا تھوڑا سا پانی منگا کے خانہ کعبہ میں بھیجا اور اس سے خانہ کعبہ کے ستون وغیرہ دہلوا کے پھر اسی پانی کو سب نے پی لیا۔ یعنے اب یہ قسم لازم العمل ہوگئی۔ مگر واقدی نے اسکو یوں لکھا ہے کہ جرہم کے قبیلے والے یعنے فضل اور فضال اور مفضل نے اسی طرح کی قسم کھائی تھی۔ اور انکی حلف کا نام حلف فضول رکھا گیا تھا۔ جب یہ قسم واقع ہوئی تو اسکو بھی حلف فضول ہی کہا گیا۔

لشکر۔ ایک اور حلف عرب کا۔ احابیش قریش ہے۔ اسمیں بھی کئی قبیلوں کے دس ہزار کا لشکر جمع۔ مثلاً کنانہ۔ قریش۔ خزیمہ۔ خزاعہ۔ وغیرہ۔ اور سب نے جبل حبشی چلے۔ کلثبہ کثرت کے کھائی تھی کہ ہم لوگ ہمیشہ متفق رہینگے۔ اور کبھی ایک دوسرے عظیم الشان فوج۔ جمعیت۔ اور ضرورت پر ایک دوسرے کی مدد کرینگے۔ دن ہو سے چالیس تک کے کھانا۔ بلکہ جبتک جبل حبشی قائم رہے۔ انکو احابیش قریش چار سو یا چار ہزار کا لشکر

جو مثلاً عرب ابھی لڑائی پر جانے تو اپنی بیوی بچوں اور تمام مال اسباب جنگ۔ ملحمۃ سخت

گھر بار کنبے قبیلے کو سمیٹ کے لیجاتے تھے۔ اسی وجہ سے انکا لشکر بڑے بڑے وسیع میدان میں پھیلتا تھا۔ اور فاصلے فاصلے سے خیمے نصب کرتے تھے۔ جس سے ایک قبیلہ دوسرے قبیلے سے بالکل علیحدہ معلوم ہوتا تھا۔ ذورنی نے لکھا ہے کہ لڑائیوں میں عورتیں مردوں سے پیچھے رہا کرتی تھیں۔ تاکہ اپنے حرم کی حفاظت کے خیال سے جی کھول کے خوب لڑیں اور اپنے حرم کو بچائیں۔

ایرانی یا اور ملکی لڑائیوں میں جسطرح مختلف قسم کے باجے فوجیوں کے دل بڑھانے کے واسطے بجائے جاتے تھے۔ اعلیٰ اعلیٰ درجے کے گویے ساتھ ہوتے تھے۔ اور اپنے گانے سے بہادروں کے دلوں کو بڑھاتے تھے۔ اسی طرح عربوں میں باجوں اور سیفی والوں کی جگہ پر غیرت دلانے والے اشعار اور جوش پیدا کرنے والے قصیدے اور غصہ دلانیوالے آبرو کے متعلق مضامین پڑھے جاتے تھے۔ جس سے انکی ہمتیں چوگنا بڑھ جاتی تھیں۔ اور لڑنے پر اسطرح آگے بڑھتے جیسے کوئی شادی کے لئے جاتا اور خوشی مناتا ہے۔ یہ رسم اسی طور سے اسلام کے بعد بھی بعض بعض قبیلوں میں باقی رہی۔ مثلاً اندلس کے لوگ جب کسی لڑائی پر جانا چاہتے تھے۔ تو ایک شاعر انکے آگے چلتا تھا۔ اور اسطرح سے اشعار پڑھتا کہ اگر پہاڑ بھی سامنے آتا تو ٹل جاتا۔ ان سے سپاہیوں کے دل بڑھتے اور کٹ مرنے پر تل جاتے۔ اس زمانے تک کہیں بوق سوق کا نام بھی نہ تھا۔ یہ تو عباسی اور عبیدی بادشاہوں کے دور سے شروع ہوا۔ جب وہ مشرق میں حکمران ہوئے۔ اور یہ مغرب میں۔ پھر تو اشعار کی جگہ مختلف قسم کے باجے بجائے جانے لگے۔ جیسے آجکل یورپین فوجوں میں باجے بجتے ہیں۔

لڑائیوں میں اپنے گھروں کے دروازے پر جھنڈے کھڑے کرتے تھے۔ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ یہاں جنگ کے سامان ہیں۔ اور جس کسی کا زرد جھنڈا

کا علم ہوتا وہ زیادہ فخر کرتا کیونکہ یہ رنگ خاص یمن کے بادشاہوں کا تھا۔ مگر اہل حجاز نے بھی علم کے پھریرے کا رنگ سرخ رکھا۔ اور بنی عباس نے سیاہ۔ اسی وجہ سے اُنکو مسودہ کہنے لگے تھے۔ انتہا یہ تھی کہ ان علموں کو اپنے منبروں پر بھی نصب کرتے تھے لیکن جب سے کہ مامون نے اپنے سیاہ کپڑے اُتار دیئے اور پہلا شعار بدل دیا (دیکھو پانچویں باب کی دوسری فصل) اور اپنے لباس کا رنگ سبز اختیار کیا تب سے جھنڈوں کا رنگ بھی سبز ہو گیا۔ مگر جب طالبیین نے عباسیوں پر خروج کیا تو اپنے پھریروں کا رنگ سفید رکھا۔ اسی وجہ سے اُنکو مبیضہ کہنے لگے۔ یہی رنگ عبیدی اور قرامطہ وغیرہ میں قائم رہا۔

جاہلیت کی لڑائیوں میں ایک رسم یہ بھی تھا کہ جب دشمن پر غالب پا جاتے اور اُسکے عیال و اطفال کو قید کر لیتے تو پھر ایک سرے سے سب کو مار ڈالتے۔ اسی وجہ سے یہ مثل مشہور ہو گئی لیس بعد السلب الا الاسار ولیس بعد الاسار الا القتل۔ لیکن جب قیدیوں میں کوئی شخص انکے کھانے میں سے کچھ کھا لیتا تو پھر اسکو نہیں قتل کرتے تھے۔ اور جسپر مہربانی کر کے چھوڑ دینا چاہتے اُسکے سر کے بال (زلفیں) تراش دیتے تھے۔ اور اگر کوئی شریف قوم قید ہو جاتا تو اُسکا فدیہ دو سو اونٹ ہوتا۔ اسی فدیہ (معاوضہ) کو عقال کہتے تھے۔ مگر اسلام نے اسیری کی رسم عرب سے اُٹھا دی اور کہہ دیا لا سباء علی عربی ولا سباء فی الاسلام ولا رق علی عربی فی الاسلام اسی وجہ سے غلام وہی بنائے جاتے تھے جنکا غلام بنانا جائز تھا۔

جاہلی عرب کی لڑائی کر و فر (حملہ اور جولانی) سے ہوتی تھی۔ یعنے ایک ایک آدمی میدان میں نکل کے لڑتا تھا۔ صف بندی کی لڑائی جو اور قوموں میں رائج تھی وہ اس قصہ میں نہ تھی۔ مگر یہ ضرور کرتے تھے کہ اپنے اونٹوں کو قطار باندھ صف کی صف لشکر کے پیچھے کھڑے کر دیتے تھے۔ (اُسکا نام مجبوذ رکھا تھا) اور جب لڑ کے واپس آتے تو [illegible] بیٹھتے تھے۔ اور راستے [illegible] سے میدان میں

اپنی ثابت قدمی رکھتے تھے۔ مگر ابتدائے اسلام میں صف بندی سے لڑائی شروع ہوئی۔ اور کر و فر کو چھوڑ دیا گیا۔ اسکا ایک سبب تو یہ تھا کہ مخالف کا مقابلہ اسکے برابر کی فوج سے ہونا چاہئے۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ وہ لوگ شہید اور کٹ کے مرجانے کو فخر سمجھتے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ اجتماعی اور صف بندی کی لڑائی میں زیادہ آدمی مقتول ہوتے ہیں۔ قرآن میں بھی صف بندی کی تعریف کیگئی ہے کہ خدا تعالے اُن لوگوں کو بہت پسند کرتا ہے جو اُسکی راہ میں اسطرح سے صف باندہ کر لڑتے ہیں گویا کہ ایک مستحکم عمارت کھڑی ہوئی ہے۔

مگر جب مروان بن حکم متولی خلافت بنا تو یہ طریقہ بھی چھوڑ دیا۔ اور ایک دوسرا طریقہ کرادیس کا اختیار کیا۔ یعنے لشکر کے کئی حصے کر دیئے۔ ایک کو میمنہ بنایا دوسرے کو میسرہ تیسرے کو ساقہ (جو بادشاہ کے پیچھے ہوتا تھا) چوتھے کو قلب یعنے وسط۔ اسطور سے لڑائی کی صف آرائی میں بادشاہ بیچ میں ہوتا تھا۔ اور اُسکے ساتھ ایک بڑا حصہ لشکر کا رہتا تھا۔ اور چاروں طرف چار حصے فوج کے میمنہ میسرہ مقدمہ ساقہ کھڑے ہوتے تھے۔

پہلے پہل جن لوگوں نے گوروں کو فوج میں بھرتی کیا بادشاہان اندلس (مغرب) تھے۔ تاکہ عربی قوموں میں سے جو کوئی خروج کرے اُن سے برابر کا مقابلہ کرسکیں۔ کیونکہ گوروں کی فوج بہت جفاکش اور بہادر اور میدان میں ثابت قدم ثابت ہوئی ہے۔ اور اُنکو صف بندی کی لڑائی کا ڈھنگ بھی آتا ہے۔ مگر جب کبھی اُنکی لڑائی نصاریٰ سے ہوجاتی تھی تو پھر گوروں کی مدد نہیں لیتے تھے۔ کیونکہ اُنکے پھر جانے اور اُلٹا انہی کو نقصان پہونچانے کا خوف تھا۔

اگرچہ جنگ کے متعلق بہت سی لطیف باتیں اور بڑے بڑے نکات ورموز ہیں مثلاً لڑائی کے حالات اور اُسکا تہیہ اور اُسکے آلات اور تمام متعلقات جنگ مثلاً سوار کو پیادہ پر کیا فضیلت ہے اور پیادے کو سوار پر کیا فضیلت

پیدلوں کے لباس کیسے ہونے چاہئیں سواروں کی وردیاں کیسی ہونی چاہئیں اُسکے اقسام کتنے ہیں اور کس کس کے آلات حرب فوجیوں کے پاس رہنے لازم ہیں۔ اور علاوہ آلات کے کون کونسی ضروری چیزیں ہر شخص کو اپنے ساتھ جنگ کے موقع پر رکھنی چاہئیں۔ آلات حرب کتنے قسم کے ہیں۔ اسلام کے بعد کون کونسے جنگی اسلحہ ایجاد ہوئے۔ وغیرہ وغیرہ۔ مگر چونکہ ان کے جمع کرنیکے واسطے دس بیس جلدیں درکار ہیں اور سوائے دردسری کے نتیجہ کچھ بھی نہیں اسواسطے اُنکو اس موقع پر نظرانداز کیا جاتا ہے۔

دوسری فصل

عرب کے اصلی اسلحہ جنگ

چونکہ عرب کو بہادری کا حصہ بہت کچھ ملا تھا اور ہمیشہ کارزاروں اور لڑائیوں ہی میں رہا کرتے تھے اسوجہ سے جتنی مشق اُنکو شہسواری میں اور گھوڑے کی داشت میں تھی اتنی ہی مشق اسلحہ جنگ کی داشت اور اُنکے لگانے اور اُنکے استعمال کرنے میں تھی۔

عرب جب لڑائی پر چلتے تو پہلے سلوقی زرہیں پہنتے (سلوق ایک قصبہ ہے یمن کے اضلاع میں وہاں کی زرہ اور کتے مشہور ہیں۔) اور نیزہ خطی موزے کے قلابے میں لگانے اور کندھے پہ کمان رکھتے۔ اور مشرفی تلواروں سے پہلے دشمن کا مقابلہ کرتے۔

رماح خطیہ۔ نیزہ خطی (بحرین میں ایک جزیرہ ہے جسے خط کہتے ہیں وہاں کے نیزے مشہور ہیں)

رماح سمہریہ۔ رماح ردینیہ۔ سمہر ایک شخص تھا جو جزیرۂ خط میں رہتا تھا۔ اسکی بیوی کا نام ردینہ تھا۔ نیزے کے سیدھا کرنے اور درست بنانے میں اُن دونوں کو کمال تھا۔

ایک شخص قعضب بھی گذرا ہے جسکا نیزہ بہت مشہور ہے۔

نیزہ بازی میں جاہلیت کے زمانے میں عامر بن مالک بہت مشہور اور کامل تھا۔ اسکی والدہ کو امّ البنین الاربعہ کہتے تھے۔ یہ عورت جاہلیت عرب کے زمانے میں نہایت شریف اور نجیب سمجھی جاتی تھی۔ اسکے چار بیٹے تھے۔ ربیعہ۔ ابو ثمام۔ عامر۔ طفیل۔ چنانچہ ربیعہ اپنے فخر میں کہتا ہے نحن بنو امّ البنین الاربعہ۔ ہم چار بیٹوں والی ماں کے بیٹے ہیں۔ یعنے ہم چار بھائی بہادر موجود ہیں کسی سے دب نہیں سکتے۔

عامر مذکور الصدر نیزہ بازی میں اسقدر کامل تھا کہ اسکی مثل دیتے تھے اور کہتے تھے فلان العب بالاسنۃ من عامر بن مالک۔

جسطرح تیر اندازی میں ابن نقن ضرب المثل تھا۔ اور بعض کہتے ہیں وہ نقن تھا جو عاد کی قوم میں گذرا ہے۔ اپنے زمانے میں وہ بھی تمام تیر اندازوں میں فرد تھا۔

تیر اندازی میں بنی ثعل بھی بڑے کامل تھے۔ مگر ان میں ایک شخص مسمی عمر بن سنخ بہت ہی ماہر تھا۔

عرب کو جب کسی شخص پر غصہ آتا تو اپنے تیر سے زمین کو کھودنے لگتے یہانتک کہ اُسکے ارغاط (سوراخ) الُوٹ جاتے۔ اسی سے یہ مثل نکلی ہے فلان یکسر ارعاظہ علی غضبًا (یعنے فلاں شخص غصے میں اپنے ارغاط بھی توڑتا ہے۔)

ترکش میں آخری تیر جو رہجاتا ہے خواہ اچھا ہو یا برا اُسکو اھزع کہتے ہیں۔ مگر دوسری تقسیم میں اچھے تیر کو ذخر اور ردّی تیر کو ترک کہتے ہیں

نمر بن تولب کہتا ہے۔

فارسل سہا مالہ اھزعا   فشنک نوا ھفد والقیما

تیروں کے نام اور اوصاف وکیفیت

حرماۃ۔ نشانے کے تیر۔ خصب کمان کی آواز۔ مشقص۔ تیر کا چوڑا پھل جس سے وحشیوں کو شکار کرتے تھے۔ نافذ جو تیر کہ ٹھیک نشانہ پر جاکے بیٹھے۔ زلخ تیر مارنے کے واسطے ہاتھ اٹھانا۔ جہانتک اٹھ سکے۔ سہم زالج جو تیر کہ نشانہ سے خطا کر جائے۔ اور کسی پتھر پر لگ کے اُچٹ جائے۔ اور نشانہ تک بلند ہو۔ قرطاس تیر لگانے اور مشق کرنیکا نشانہ۔ مقرطس وہ شخص ہے جو قرطاس پر تیر مارے۔ حبض وہ تیر ہے جو تیر مارنیکے آگے ہی گر پڑے۔ مخط وہ تیر ہے جو نشانہ کو توڑ کے نکل جائے شداد وہ تیر ہے کہ جسمیں پھل اور پر نہ ہوں۔ مفرو پر دار تیر۔ ناصل وہ تیر ہے کہ جسکی نوک گر گئی ہو۔ افوق جسکا سوفار ٹوٹ گیا ہو۔ سہم شبیع تیر قاتل۔ اصمی الرامی ٹھیک نشانے پر تیر انداز نے تیر مارا۔ انمی نشانہ پر پہونچا تو نگ چھیلتا ہوا نکل گیا۔ صرد السہم جبکہ نشانہ میں گھس جائے۔ خزق السہم۔ خسق السہم جبکہ نشانہ میں گھس جائے۔

احبض وہ تیر ہے جو نشانہ میں نہ گھسے۔ معراض بے پر کا تیر۔ قدح جسمیں ابھی پر نہ لگایا گیا ہو۔ اور نہ پھل اسمیں جمائی گئی ہو۔ حرات جو ابھی اچھی طرح نہ تراشا نہ گیا ہو۔ حابٍ جو قرطاس کے طرف پڑے اور ٹھیک نشانہ پر نہ پہونچے۔

زج نیزے کی ڈانڈ کے نیچے کا لوہا۔ (یعنے ٹھیکا)

عرب کی عادات میں سے یہ بات تھی کہ جب لڑنے کے واسطے دونوں گروہ ایکدوسرے کے مقابل میں آتے تو پہلے الٹے نیزے لیکے ایک دوسرے

کیطرف دوڑتا اُسوقت صلح کرلینے والے جمع ہوجاتے۔ اگر صلح ہوجاتی
تو خیر نہیں تو نیزے سیدھے کرکے ایک پہ دوسرا حملہ آور ہوتا۔ اسی وجہ سے
مثل ہیں ہے من عصی اطراف الزجاج اطاع عوالی الرماح۔ جس نے
زجاج نیزہ کی بے فرمانی کی اُسکو نیزوں کی نوکوں کی ضرور اطاعت کرنی
پڑی۔ عالیۃ الرمح۔ نوکِ نیزہ (عالیہ کی جمع عوالی ہے) سنان۔ لهزم۔
لمبے نیزے۔ خباع جس تیر میں پھل نہو۔
جوب۔ مجن۔ ترس۔ سپر۔ جرخ جنہیں تیر اور ڈھیلے رکھ کے پھینکے
جاتے ہیں۔ تجفاف پاکھر۔ جلبابُ تلوار کا میان۔ یا تلوار کی دھار۔ حربار
زرہ کی کانٹیاں یا حلقے ہیں جو کیلوں کی نوکیں ہوتی ہیں۔ حطمیات زرہیں
حطمہ بن محارب کیطرف منسوب ہیں یہ شخص زرہ بنانے میں مشہور تھا۔ یا وہ
زرہیں جنپر تلواریں پڑکے ٹوٹ جائیں یا چوڑی اور بھاری زرہیں۔
سیوف مشرفیہ۔ مشرفی تلواریں۔ مشارف کیطرف منسوب ہیں۔
مشارف یمن میں ایک گاؤں کا نام ہے۔ یا شام کے ایک قصبہ کا۔ مگر صاحب
قاموس لکھتے ہیں کہ سیوف مشرفیہ سے مراد قیمتی تلواریں ہیں۔
سیوف بصریہ بصری کی تلواریں (بصری ایک موضع کا نام ہے
جو شام میں واقع ہے)
سیوف بیلمانیہ بیلمان کی تلواریں۔ بیلمان یہی یمن یا سندھ یا ہند کا
ایک قصبہ ہے
سیوف حنیفیہ۔ احنف بن قیس کی تلواریں۔

تلوار کے اوصاف

باتر۔ ابتر۔ بتار۔ مخذم۔ خاروقہ۔ حسام۔ مختضد۔ خذوم
مخذم۔ خاشق۔ خضم۔ مرقم۔ صارم۔ صلت۔ اصمع۔ قباب

قرضاب۔ قرضوب۔ قضاب۔ صُبیک بہت تیز تلواریں۔ عضب یا منلک۔ یصنوک۔

اقرع چمکیلے لوہے کی تلوار۔ اور ہندی تلوار کے مشابہ نہایت تیز۔ یا خاص ہند کی بنی ہوئی۔ صمصام جو تلوار کہ دوسری نہ ہو سکے صمصامہ اسی کا مبالغہ ہے۔ خار وفہ اور ناصل جنہیں پیروں کی صیقل کی ہوئی ہو ابریق چمکدار تلوار یا رقیقہ تلواریں۔ ابیض مصفحۃ تلوار۔ صافی ظالم تلوار یا جوہر تلوار۔ خبیض عمدہ لوہے کی تلوار۔ رقارق نہایت آبدار تلوار صموت گھس جانے والی تلوار۔ معضوب لطیف اور ہلکی تلوار۔ مہا سیف باریک دھار کی تلوار۔ کشو تیج ان سات تلواروں میں سے ایک تلوار کا نام ہے جو بلقیس نے بادشاہ بنی اسرائیل کو ہدیہ میں دی تھیں۔ اختم چوڑی تلوار خشیب بے صیقل کی ہوئی تلوار۔ معضد ردی اور خراب تلوار جس سے درخت کاٹے جائیں۔

عرب کی مشہور تلوار مخذوب۔ ذوالحیات ہیں یہ دونوں تلواریں حرث بن ظالم مری کے پاس تھیں۔

بالک۔ جماد۔ مالک بن کعب ہمدانی کی تلواروں کا نام ہے۔

لسان الکلب تبع بن حسان حمیری کی تلوار تھی جو یمن کے بادشاہوں میں سے ہے۔

ذوالفقار عاص بن منبہ کی تلوار تھی۔ جب وہ مارا گیا تو صاحب شریعت اسلامیہ نے لیکے اپنے بھائی اور داماد اور وصی خاص کو دیدی۔ (شعراء اسلامی اکثر اپنے شعروں میں معشوقوں کی تیز نگاہوں کی تشبیہ ذوالفقار سے دیتے ہیں)

قلزم۔ صمصام عمرو بن معدی کرب زبیدی کی تلواریں تھیں۔ عرب کی تمام تلواروں سے زیادہ مشہور تھیں۔ شاعر کہتا ہے۔

اخ ماجد ما خانني يوم مشهد	ایسا بزرگ بھائی ہے جس نے کبھی
كما سيف عمرو لم تخنه مضاربه	کسی جنگ میں میرے ساتھ خیانت

نہیں کی جس طرح عمرو کی تلوار نے کبھی خطا نہیں کی۔ اور اسکی باڑھیں ہمیشہ کام دیتی رہیں"۔

اصبہانی نے لکھا ہے کہ عمرو مذکور نے رستم کے مارے جانے کے دن یہ شعر پڑھے تھے۔

انا ابو ثور وسیفی ذوالنون　　اضربہم ضرب غلام مجنون
یال زبید انہم یموتون

دلدل۔ ذوالکف ذی جدن نامی ایک یمنی بادشاہ کی تلوار ہے۔

ذوالنون۔ مالک بن زہیر عبسی کی تلوار کا نام تھا۔

لج۔ عبدالرحمان بن عتاب بن اسید بن ابوالعاص کی تلوار کا نام تھا۔

خذوم۔ مخذم حرث بن ابی شمر غسانی کی تلوار تھی۔

اضہس۔ حرث بن ہشام کی تلوار۔ ،،

زائدا۔ خبیب بن اساف کی تلوار۔ ،،

مصمم۔ زہیر بن جذیمہ عبسی کی تلوار ،،

صارد۔ عاصم بن ثابت بن ابی افلح کی تلوار ،،

مصمت۔ وشاح۔ شیبان ہندی کی تلوار ،،

عطشان۔ ابن عبدالمطلب بن ہاشم کی تلوار ،،

غمام۔ جعفر طیار کی تلوار ،،

فرد۔ عبداللہ بن رواحہ انصاری کی تلوار ،،

ذوالفقق۔ مفرق ابی عبدالمسیح ربانی کی تلوار ،،

فحفاف۔ منذر بن ماء السماء کی تلوار ،،

ذوالقرط۔ خالد بن ولید مخزومی کی تلوار ،,

ذو النونین۔ معقل بن خویلد کی تلوار تھی۔
مصمم۔ ذو الوشاح۔ عمر بن الخطاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی تلوار تھی۔

تیسری فصل

جاہلی عربوں کے حروب اور اُنکے فتوحات

جاہلی عرب کی لڑائیوں کا اگر مفصل ذکر کیا جائے تو نہایت طول طویل و فن بنجائے کیونکہ فقط اصبہانی نے جو ایک کتاب علیحدہ ان واقعات کے جمع کرنے میں مرتب کی ہے اسمیں ایک ہزار سات سو لڑائیوں کا ذکر ہے۔

اُنکے جنگوں کے اسباب بھی کچھ ایسے تھے کہ نہ جنکا سر نہ پیر۔ خواہ مخواہ بات بات پر تلوار چلا کرتی تھی۔ لیکن اسمیں اعلیٰ سے اعلیٰ سبب یہ تھا کہ اُنھوں نے اپنی معاش ہی اس بات پر منحصر کی تھی کہ آپس میں لڑیں۔ ایک فریق دوسرے فریق پر غلبہ پائے اور جو کچھ لوٹ کھسوٹ میں ملجائے اُس سے اوقات بسری کریں۔

مگر میں فقط اسوقت اُنہی لڑائیوں کو بیان کرونگا جنھیں ادیب فاضل شیخ ناصیف نے اپنے شعروں میں جمع کر دیا ہے۔ فقط اسمیں نوسے لڑائیاں نظم ہیں۔

قد ذکر القوم لایام العرب	مواقعاتٍ عن یمینٍ کالعقب
من مالك الكلابِ والبيداء	بعاثٍ والعنزة والهباء
كذا كلابٌ منعج الجفار	والجحی والرخيخ والستار
شمطة والزور غبيط المدرة	لذ الغبيطان اللوی و بتره
جو نطاع ذو طلوح والعنب	درنی الكحيل والعذيب ذو وجب

غزالۃ قبین الربیح قرن فلج	طوالۃ وقبی زرود المراج
عریض الحدائق النسار	قناوۃ کماظۃ سنجار
ذرحریح خو خوی داب	عین اباغ قادم الاب
عراعر الہی الربیح ملہم	بحرات والعینان عول رقم
ذوالاثل ذات الرم النثاش	عبیرۃ عقیلۃ اعشاش
وواردات الجنو رحرحان	والدرک السوبان والسلان
شعب خزازی والعظالی حاجب	قراقر الدثینۃ الذنائب
جبلۃ القرعاء والصلیب	ظہر وذات الحرمل الکثیب
اوارۃ لہایۃ ذو قار	اقرن وج حیرۃ سفار
شنواء والمبائۃ المرتقب	قطن ذو وحشی المزوق یحسب
بسیان والحریر ذو اثال	وما عسی نحصی من الرمال

یہ سب تو فضول اور بے مصرف لڑائیاں تھیں مگر جن لڑائیوں سے کچھ فائدہ پہونچا ہے۔ اور جن سے گروہ عرب کی شان و شوکت بڑھی سلطنت کا رکن جنسے قائم ہوا ہے۔ عرب کا ملک بھی آدمیوں کا ملک سمجھا جانے لگا ہے۔ وہ اسلامی لڑائیاں ہیں۔ جو صاحب شریعت اسلامیہ کے عہد سے قائم ہوئیں۔

اسلام کی پہلی لڑائی غزوۂ بدر کے نام سے مشہور ہے۔ اس جنگ میں صاحب شریعت اسلامیہ کے ساتھ کل تین سو اصحاب تھے۔ اور قافلہ قریش کے ساتھ (جنسے لڑائی ہوئی تھی) ایک ہزار آدمی تھے۔ جنکا کمانڈر ابوسفیان تھا۔ مگر پھر بھی پوری کامیابی ہوئی۔

غزوۂ احد پہلی لڑائی (جنگ بدر) سے ایک سال بعد ہوا۔ اس جنگ میں ابوسفیان نے تین ہزار آدمی جمع کئے تھے۔ مگر مسلمانوں نے انکو مار گرایا۔

غزوۂ طائف۔ اس جنگ میں قریب دس ہزار یہودی کے قتل ہوئے۔

یہ واقعہ ۵ھ ہجری مطابق ۶۲۶ء کا ہے۔

غزوۂ خیبر۔ خیبر یثرب سے مشرق اور شمال کے کونے پر واقع ہے اور یہاں کے رہنے والے عموماً یہودی ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ ابتک بھی وہاں یہودی رہتے ہیں۔ مگر ان میں اور بلادِ عرب کے یہودیوں میں کسی قسم کی قرابت نہیں ہے۔ اور شاید انکا فرقہ قرائین والوں میں سے ہے۔ ان میں اور باقی یہودیوں سے سخت بغض ہے۔ انہیں کوئی شخص بادشاہ نہیں ہے بلکہ فقط انکے بڑے بوڑھے معزز لوگ آپس کے جھگڑوں کا فیصلہ کر دیتے ہیں۔ خیبری یہودیوں کی رذالت ضرب المثل ہے۔ جب کسی اور یہودی کی رذالت کی مثل دیتے ہیں تو کہتے ہیں۔ ھذا خیبری۔

خیبر نہایت مضبوط اور مستحکم عرب کے قریوں میں تھا۔ صاحب شریعت اسلامیہ نے یہاں کے یہودیوں سے ۷ھ ہجری مطابق ۶۲۸ء میں جنگ کی۔ اور فتحیاب ہوئے۔

وقعۂ موتہ (جنگ موتہ) یہ لڑائی ملک شام کے اطراف میں ہوئی اس جنگ میں کل تین ہزار مسلمان تھے۔ مگر تیس ہزار رومیوں پر غالب آئے۔ مگر انگریزوں کو اس لڑائی کا اعتبار نہیں ہے۔

غزوۂ حنین۔ یہ سب سے پچھلا غزوہ ہے۔ اسی جنگ میں اسلامیوں کو عرب کے تمام شہروں پر پورا قبضہ ملگیا۔

مسلمانوں میں جو عام الوفود مشہور ہے اس سے وہ سنہ مراد ہے جسمیں عرب کے امرا اور رؤسا مسلمان ہوئے تھے۔ یعنے ۹ھ ہجری مطابق ۶۳۰ء۔ انمیں سب سے زیادہ معزز اور بزرگ شخص جو مسلمان ہوا باذان اور اسکا بیٹا صحار تھا۔ جو یمن کا آخری بادشاہ تھا۔

اسکے بعد آنحضرتؐ کا قاعدہ یہ تھا کہ عام غیر مسلمانوں سے علم اور مہربانی سے پیش آتے تھے۔ اور عہد و میثاق کر کے اور انکو امن و امان دے کے

پھر اُنکا ملک مفتوح اُنکو واپس دیدیتے تھے۔ چنانچہ ایک عہدنامہ کعب بن اشرف کے قتل ہو جانے کے بعد مسلمانوں اور یہودیوں میں بیٹھ کے لکھا اور یہودیوں کو دیا تھا۔

دوسرا عہدنامہ منذر بن نولب کو لکھدیا تھا۔ مگر ہمکو اصل تحریر نہیں ملی۔ ہاں ایک عہدنامہ حضرت کا جو دیر قدیسہ کاترینا کے رہبان کو دیا تھا۔ اُسکا ترجمہ ترکی زبان میں ملتا ہے اور اصل نسخہ خزانہ سلطانیہ میں موجود ہے۔ اور اسلامی شہروں میں جہاں کہیں دیر ہے اسمیں اس عہدنامے کی نقل کا ایک نسخہ ضرور موجود ہے۔ اور تمام خلفائے راشدین اور اون کے بعد کے بادشاہوں کے دستخط اور اجرا موجود ہے جسکے مطابق عملدرآمد کیا جاتا ہے۔

اُسکا ترجمہ یہ ہے:

"یہ عہدنامہ محمدؐ بن عبداللہ بشیر و نذیر نے لکھا ہے جو خدا تعالیٰ کی امانت کو خلق تک پہونچا دینے کا امین ہے۔ تاکہ کوئی شخص انبیاء کے آنے کے بعد خدا تعالیٰ پر کسی قسم کی حجت نہ لاسکے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ بادشاہ غالب ہے۔

یہ کاغذ اُن لوگوں کے واسطے لکھا جاتا ہے جو اُسکے دین پر ہیں۔ (یعنے مسلمان ہیں) تمام نصرانیوں کی قوم کی رعایت کرنے کی غرض سے خواہ دنیا کی مشرق میں ہوں یا مغرب میں ہوں۔ نزدیک ہوں یا دور۔ عربی ہوں یا عجمی۔ معلوم الحال ہوں یا مجہول الحال۔ یہ تحریر بطور عہدنامے کے ہے۔ جو مسلمان اسکی مخالفت کریگا وہ رسولِ خدا کا مخالف اور اُسکے حکم سے سرتابی کرنے والا سمجھا جائے گا۔ بلکہ جو مخالفت کرے گا اُس نے گویا خدا کے عہد کو باطل کر دیا۔ اور اُسکے میثاق کی تصدیق نہیں کی۔ اور نہ اُسکے سامنے جھکا اور اپنے آپ کو اُسکا بندہ سمجھا۔ اور گویا اُس نے دینِ خدا کے ساتھ مخول کی۔ اور اسکی لعنت کا مستحق بنگیا۔ چاہے وہ بادشاہ ہو یا عام۔

کوئی بھی مسلمان ہو۔

پس جہاں کہیں کوئی راہب ہو یا گرجا کا مجاور عبادت گذار ہو ہم اسکی پشت پناہ ہیں اور ہر قسم کی مصائب کو حتی الامکان خود اور اپنے اعوان وانصار کے ذریعے سے اُنپر سے ہٹا ئینگے۔ اور اُنکے مال واسباب کی نگہداشت کرینگے کیونکہ اب وہ لوگ ہماری رعیت ہوگئے۔ اور ہماری ذمہ داری میں آگئے ہیں۔ اور جس قسم کا بار اُنپر پڑیگا جو عموماً وہ لوگ دیا کرتے ہیں جنسے معاہدہ کیا جاتا ہے اُسکو ہم اُنپر سے ہٹا ئینگے۔ پس جو کچھ اُنکا جی چاہے خراج میں دیں اُنپر کسی قسم کا جبر نہیں ہے اور نہ زبردستی ہے۔ اور کسی کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ اُنکے فرائض سے اُن کو روکے یا اُن راہبوں کو رہبانیت کے امور سے روکے۔ اور نہ زاہد گوشہ گیروں کو اپنے گرجاؤں میں رہنے سے روک ٹوک کرے۔ اُنکے سیاحوں کو راہ میں کوئی نہ لوٹے۔ اور نہ اُنکی عبادت کے مکانات کو منہدم کرے۔ اور نہ کوئی چیز اُن کے گرجاؤں سے ضبط کرکے اپنے گھروں میں لا رکھے۔ جو کوئی ایسا کریگا اُس نے گویا عہد خدا کو توڑ دیا۔ اور اُسکے رسول کی مخالفت کی۔ اور کسی قسم کا خراج ان کے لارڈ پادریوں اور راہبوں سے لیا جائے اور نہ اُن لوگوں سے جنکا کام فقط عبادت خدا میں شب وروز مشغول رہنا ہے اور کوئی چیز بھی اُن سے نہ لیجائے گی تاوان کے طور سے ہو یا خراج کی صورت سے یا کسی اور مد میں شامل کرکے۔ کیونکہ میں اُنکا ہر حال ذمہ دار ہوں چاہے وہ دریا میں ہوں یا جنگل میں مشرق میں ہوں یا مغرب میں شمال میں ہوں یا جنوب میں۔ جو رہبان اور عبادگذار کہ پہاڑوں میں گوشہ گیر ہیں اُن سے خراج اور اعشار (غلے کی پیداوار کا دسواں حصہ) نہ لیا جائیگا۔ اور نہ اُن لوگوں سے جو ان اراضی مبارک میں زراعت کرتے ہیں۔ اور نہ کوئی مسلمان اُنکی راہ میں شرکت کریگا اور نہ کسی وثیقہ میں۔ اور سو تم حج میں ہزار دب

(ایک پیمانہ ہے جو چوتھ صاع کا ہوتا ہے) کے عوض میں اُنکے کھانا کھانیکے واسطے ایک پیالہ دیا جائیگا۔ اور خراج والوں اور تاجروں اور دولتمندوں سے بھی بارہ درہم سے زیادہ سالانہ نہ لیا جائیگا۔ اُنکے بوڑھوں کو اُنکی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دیجائے گی۔ اور نہ اُنکو سفر کی ایذا پہونچائی جائے گی۔ اور نہ اُن کو لڑائی پر جانیکے لئے مجبور کیا جائے گا۔ نہ ہتھیار باندھنے پر۔ بلکہ مسلمان اُنکیطرف سے لڑینگے۔ اور جب خود اُن سے مسلمانوں کو مجادلہ کرنے کی ضرورت ہوگی تو نہایت عمدگی کے ساتھ جسمیں کوئی فتنہ و فساد نہ ہو مجادلہ کرینگے۔ پس وہ اپنی زندگی بآرام بسر کریں۔ اور جو اُنکی زحمت کی بات ہوگی وہ اُن سے زائل کیجائے گی۔ وہ جہاں کہیں ہوں اور اگر کوئی مسلمان کسی عیسائی عورت سے تزویج کرنا چاہے گا تو بغیر اُس عورت کی رضامندی کے تزویج نہ ہوسکیگی۔ اور اگر تزویج کے بعد بھی اپنے گرجاؤں میں جانا چاہیگی تو ہرگز اُسکو ممانعت نہ کیجائے گی۔ اور اُنکے گرجاؤں کا احترام کیا جائے گا۔ تازہ گرجا بنانے سے اُنکو روکا نہ جائیگا۔ اور نہ کسی ٹوٹے اور منہدم شدہ دیر کی مرمت کرنے سے اُنکو ممانعت کیجائےگی۔ اور مسلمان لوگ اُن کیطرف سے دشمنوں کو مار کے ہٹاتے رہینگے۔ کوئی امتی میرا اس عہد کی قیامت تک مخالفت نہ کرے۔ اس عہد نامے کو خدا کے پیغامبر نے نصاریٰ کو لکھ کے دیا ہے۔ اور شرط کی ہے کہ اس تحریر کی وفا کرے گا۔ اور یہ لوگ جنکے نام ذیل میں درج ہیں۔ اس تحریر کے گواہ ہیں۔

علی ابن ابیطالبؓ۔ ابوبکرؓ بن قحافہ۔ عمرؓ بن خطاب۔ عثمانؓ بن عفان ابوالدرداء۔ ابوہریرہ۔ عبداللہ بن مسعود۔ عباس بن عبدالمطلب۔ فضل بن عباس۔ زبیر بن عوام۔ طلحہ بن عبداللہ۔ سعید بن معاذ۔ ابوحذیفہ بن عتبہ۔ ہاشم بن عبید۔ معظم بن قریش۔ حارث بن ثابت۔ عبدالعظیم بن حسن۔ عبداللہ

بن عمرو بن العاص - عمار بن یاسر

اس تحریر کو اپنے خط سے مسجد نبوی میں بیٹھ کر علی بن ابیطالب نے تیسری تاریخ محرم الحرام سنہ ہجری میں لکھا ہے"۔

مگر صاحب شریعت اسلامیہ کے بعد تو ایسے ایسے بیہودہ امور پیش ہوئے جن سے سخت خوفناک حالت اسلام کے واسطے پیدا ہو گئی تھی۔ اگر ابوبکر بن قحافہ کی چلتی ہوئی تدبیریں کام نہ کرتیں تو بڑا فتنہ پڑ چکا تھا۔ کیونکہ اکثر قریشیوں نے ملکے انکو مسند خلافت کے لئے منتخب کیا تھا۔ اور کچھ لوگوں نے امام ابن ابیطالب کو خلافت کے واسطے تجویز کیا تھا اور آپس میں بہت ہی اختلاف برپا ہو گیا تھا۔ مگر جن لوگوں نے کہ ابوبکر الصدیق بن قحافہ کو ہی خلافت کے واسطے منتخب کیا تھا انکا یہ خیال تھا کہ اگر علی ابن ابیطالب کو خلافت دیجائے گی تو پھر بنی ہاشم کی چڑھ بنیگی۔ اور ہم لوگوں کی کچھ دال نہ گلے گی۔ اسی تفرقہ اور مخالفت کا نتیجہ آخر میں یہ نکلا کہ مختلف طرح کی بدعتیں اسلام میں پھیل گئیں۔ جسکا روکنا اہل سنت سے ممکن نہ ہوا۔

پہلا کام جو ابوبکر الصدیق بن ابی قحافہ مذکور الصدر نے کیا یہ تھا کہ ابو عبیدہ بن جراح کو بلوایا۔ اسوقت عمر بن خطاب بھی حاضر تھے۔ اور کہا اے ابو عبیدہ تمہاری پیشانی کسقدر مبارک معلوم ہوتی ہے اور تمہارے رخساروں سے خیر ٹپکتا ہوا نظر آرہا ہے۔ رسول کریم بھی تمہاری بڑی عزت کرتے تھے اور ایک روز تمہاری بابت حضرت نے فرمایا بھی تھا کہ ابو عبیدہ امت کا امین ہے۔ اور حقیقت میں اکثر مرتبہ خدا تعالی نے تمہاری وجہ سے اسلام کو قوت دی ہے اور اسکے فتنہ کو زائل کیا ہے۔ اور ہمیشہ تمہاری ذات شریف دین اور مومنین کے لئے ملجا و ماوی رہی ہے اور اپنے بھائی بندوں کے لئے تم ایک مضبوط رکن بنے رہے

اسوقت میں نے تمکو ایک ضرورت سے بلوایا ہے۔ مگر سمجھ لو کہ یہ بات بہت ہی خطرناک ہے۔ اور اسکی اصلاح کرنا عین نیکی ہے۔ اگر اس زخم تم سے نہ بہر سکا اور اسکے اثر وہاں سے زہر دار پر تمہارا منتر کارگر نہ ہوا تو سمجھ لینا کہ پھر مجھے اسپنے کام میں نا امیدی ہو جائے گی۔ اور سختی میری انتہا کو پہونچ جائیگی۔ اور پھر آخر کار نہایت ناگوار امور کرنے پڑینگے۔ جنکا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ میں خدا سے سوال کرتا ہوں کہ تمہارے ذریعہ سے یہ کام درست ہو جائے پس اسے عبیدہ ذرا تم نرمی اور بلا طفت سے کام لینا۔ اور خدا اور رسول کے واسطے خلوص کا برتاؤ کرنا۔ اور ہمارے گروہ کے واسطے کسی قسم کی کوشش اٹھا نہ رکھنا۔ خدا تمہارا ناصر اور مددگار رہیگا۔

ذرا تم اسوقت امام ابن ابیطالب کے پاس چلے جاؤ اور انکے سامنے بہت ہی انکسار اور عاجزی اور میٹھی میٹھی طرح سے بات کرنا (یہ جان لو کہ وہ ابوطالب کے بیٹے ہیں اور جو کل ہم سے جدا ہوا ہے (رسولخدا صلعم) اسکے قائم مقام اور قریب المرتبہ ہیں) اور انکی خدمت میں یہ کہنا جسے میں آگے کہتا ہوں۔

التماس مترجم۔ چونکہ یہ کلام جسے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوعبیدہؓ سے کہا ہے نہایت عمدہ عربیت پر شامل ہے۔ لغات بھی اسمیں بہت اچھے اچھے ہیں۔ لہذا میں اسکو اس مقام پر بعینہ نقل کرنا چاہتا ہوں۔ اور علی ہذا القیاس جواب بھی بعینہ لکھونگا تاکہ ناظرین کو معلوم ہو کہ اس زمانے کی عربی زبان اور فصاحت و بلاغت کس حد پر تھی۔ وہ یہ ہے:۔

حضرت ابوبکر صاحبؓ کا کلام

البحر مغرقة والبر مفرقة والجو اكلف والليل اغلف والسماء جلواء والارض صلعاء والصعود متعسر والهبوط متيسر والحق رؤوف عطوف

والباطل عنيف مشنوف والصغن رائد البوار والتعريض شعار الفتنة والعفلة تقوب العداوة هذا والشيطان متكى على شماله متخيل بيمينه نافخ حضنيه لاهله ينتظر بهم الشتات والفرقة ويدب بين الامة بالشحناء والعداوة عناداللرب ولرسوله ولدينه - فهو ثالب يوسوس بالفجور ويدلى بالغرور ويمنى اهل الشرور ويوحى الى اوليائه بالباطل دابا له مذ كان على عهد ابينا الى البشر وعادة منه اهانه ربه فى سالف الدهر لاينجى منه الا الناجد على الحق وغاض الطرف عن الباطل وواطى هامة عدواه وعدو الدين بالاشد فالاشد والاجد فالاجد وسالم اليقين لربه عزوجل فيما يوجب رضاه ويجنب سخطه ولابد الآن من قول ينفع اذاضر السكوت ويخيف غبه ولقد ارشدك من قاد ضالتك وصادقك من اجى مودته لك بعيالك واراد الخير بك من آثر البقاء معك ماهذا الذى سولت لك نفسك ويدوى به قلبك ويلتوى به عليك ويتخاوص دونه طرفك ويسرى به طعمك ويتزاد به نفسك وتكثر معه صعداؤك ولايفيض به لسانك اعجمة بعد افصاح اتلبيس بعد ايضاح ادين غير دين الله عزوجل اخلق غير خلق القرآن اهدى غير هدى النبى امثلى يمشى اليه الضراء ويدب اليه الخمراء ام مثلك ينقبض عليه الفضاء ويكسف فى عينيه الضمراء فما هذه القعقعة بالشنان وهذه الوعوعة باللسان انك جد عارف باستجابتنا لله ولرسوله وخروجنا عن اوطاننا واموالنا واحبتنا هجرة الى الله تعالى ذكره ونصرة لنبيه صلعم فى زمان انت فيه فى كن الصبا وخدر العذراء غافل عمايشيب ويريب لاتعى مايراد ويشاد ولاتحصل مايساق ويقاد سوى ما انت جار عليه الى غايتك التى اليها وصلت وعندها حططت رحالك اذ ذاك غير مجهول القدر ولا مجحود الفضل ونحن فى اثناء ذلك نعانى احوالا تزيل الرواسى

ونفاسی اهوال تشیب النواصی خائضین غمارها راکبین تیارها۔ نتجرع صابها ونشرح عبابها ونکرع عبابها ونحکم اساسها ونبرم امراسها والعیون تطرف بالحسد والانوف تعطس بالکبر والصدور تستعر بالغیظ والاعناق تتطاول بالفخر والشفاه تشحذ بالمکر والارض تمید بالخوف ولا ننتظر عند المساء صباحا ولا عند الصباح مساء۔ ولا ندفع فی نحر امر الا بعد ان حسونا الموت دونه ولا نتبلغ الی شئ الا بعد رجع الغصص معه ولا یقوم منا احد الا بعد الیاس من الحیاة عنده وقد فادینا فی کل ذلک رسول الله صلعم بالاب والام والخال والعم۔ والنشب واللبد والهیبة والبلة والسبد بطیب نفس وقرور عین ورحب اعطان وثبات عزائم وصحة عقول وطلاقة اوجه وذلاقة السن اهذا الی خفیات اسرار ومکنونات اخبار کنت عنها غافلا ولولا حداثة سنک لم تکن عن شئ منها ناکلا کیف وفوادک مشهوم وعودک مجموم وعیبک مجبور والقول فیک مشهور والآن قد بلغ الله بک وجعل مرادک بین یدیک وعن علم اقول ماتسمع فارتقب زمانک وعقلک بین غبیک وقلص الیه اراذلک ودع التجسس والتعیس لمن لا یطلع لک اذا اختطی ولا یتزحزح عنک اذا انقطی فالامر غض والنفوس فیها مض وانک ادیم هذه الامة فلاتحلم لجاجا وسیفها العضب فلاتنبب اعوجاجا وماء ها العذب فلا تحیل اجاجا والله لقد سالت رسول الله صلعم عن هذا الامر فقال یا ابابکر هو لمن یرغب عنه لا لمن یرغبه فیه ویجاحش علیه ولمن یتضاءل له لا لمن یتنفخ الیه۔ فقال هو لک لا لمن یقول هولی۔ والله لقد شاورنی رسول الله صلعم فی الصهر فذکر فتیانا من قریش۔ فقلت له این انت من ابن ابی طالب فقال انی لاکره لفاطمة میعة شبابه وحداثة سنه۔ فقلت له متی کنفته یدک

ورعته عينك حفت بهما البركة واسبغت عليها النعمة مع كلام
كثير خطبت به عنك ورغبته فيك وما كنت عرفت منك في ذلك
حوجاء ولا لوجاء فقلت ما قلت وانا ارى مكان غيرك واجد رائحة سواك
وكنت اذ ذاك خيرا منك الآن لي وان كان عرض بك رسول الله فقد
كنى عن غيرك وان كان قال فيك فما سكت عن سواك وان يختلج في
نفسك شيء فهلم فالحكم مرضي والصواب مسموع والحق مطاع ولقد
نقل رسول الله صلعم الى ما عند الله تعالى وهو عن هذه العصابة
راض وعليها حدب يسره ما يسرها ويكيده ما يكيدها ويرضيه ما يرضيها
ويسخطه ما يسخطها اما تعلم انه لم يدع احدا من اصحابه وخلطائه
واقاربه وشجرائه الا انابه بفضيلة وخصه بكرمة وافرده بجلالة لو
اصفقت الامة عليه لكان عنده ايالتها وكفالته وكل منها وعزازته
الظن انه صلعم ترك الامة بشر سدى بددا عدى عباهل طلاحي مناهل
مفتونة بالباطل مغبونة عن الحق لا ناكل ولا حائط ولا ساقي ولا واقي ولا
هادي ولا حادي كلا والله ما اشتاق الى ربه ولا سأله المصير الى رضوانه
حتى ضرب الصوى واوضح الهدى وامن المهالك والمطارح وسهل
المبارك والمهائج - وبعد ان شرخ يافوخ الشرك باذن الله عز وجل
وشرم وجه النفاق لوجه الله تعالى وجدع الف الفتنة في ذات الله
تبارك اسمه وتفل في وجه الشيطان وصدع بملء فيه ويده امر الله
عز وجل - وبعد فهؤلاء الانصار والمهاجرون عندك ومعك في دار
واحدة وبقعة جامعة ان استقاموا لي لك واشاروا اصدى بك فانا
واضع يدي في يدك وصائر الى رايهم فيك وان تكن الاخرى فادخل
فيما دخل فيه المسلمون وكن العون على مصالحهم والفاتح لمغالقهم والمرشد
لضالهم والرادع لغاويهم فقد امر الله بالتعاون على البر والتاهب الى التناصر

علی الحق ودعنا نقضی هذه الحیوة الدنیا بصدور بریئة من الغل و
نلقی الله بقلوب سلیمة من الضغن وبعد فالناس عامة فارفق بهم
واحنن علیهم ولن لهم ولا تشق نفسك بنا خاصة فیهم واترك
ناجم الحقد حصیدا وطائر الشر واقعا وباب الفتنة مغلقًا فلا قال ولا
قیل ولا لوم ولا تبیع والله عزوجل علی ما نقول شهید وبما نحن علیه بصیر

ابو عبیدہ کہتا ہے کہ میں چلنے کے واسطے اُٹھا ہی تھا کہ عمر نے کہا ذرا دروازہ پر ٹھہر جاؤ مجھے بھی کچھ کہنا ہے۔ میں ٹھہر گیا مگر کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اسکے بعد کیا کہینگے مگر فوراً میرے پاس پہونچ گئے اور خوشی کے آثار اُنکی صورت سے ظاہر تھے اور مجھے کہا میری طرف سے ابن ابیطالب کو یہ پیغام دو۔

الوقار محلة والجاج ملجة والهوی مقحمة ومامنا الا وله مقام معلوم وحق شائع او مقسوم وبناء ظاهر او مکتوم وان اکیس الکیس من منح الشارد تألفه وقارب البعید تلطفه ووزن کل امر بمیزانه ولم یخلط خبره بعیانه ولم یجعل فتره مکان شبره ولا حبره فی معرفة مشوبة بنکره فلا خیر فی علم معتقل فی جهل ولسنا کجاذة عقر البعیر بین العجان والذنب وکل صال فباره وکل مسیل فالی قراره وما کان سکوت هذه العصابة الی هذه الغایة لعی ولا شیء وکلامها الیوم لفتق او رتق فقد جدع الله بمحمد صلعم انف کل ذی کبر وقصف ظهر کل جبار وقطع لسان کل کذوب فماذا بعد الحق الا الضلال فما هذه الخنزوانة التی فی فراش رأسك وما هذه الشجی المعترض فی مدارج انفاسك وما هذه الوحرة التی اکلت شراسیفك والقذاة التی اغشت ناظریك وما هذه الدمس والدفس اللذان یدلان علی ضیق الباع وخور الطباع وما هذا الذی لبست بسببه جلد النمر واشتملت علیه بالشحناء والنکر اشد ما استشریت الیها وسریت سیری ابن القذ الیها

ان العوان لا تعلم الخمرة وان الحصان لا تكلم خبيرة وما احوج الصلعاء
الى حال وما افقر الفرعاء الى فالى لقد خرج رسول الله صلعم والامر مقيد
محبس ليس لاحد فيه ملمس ولا مالنا لم يسبر فيك قولا ولم يتنزل
فيك قرانا ولم يجزم فى شانك حكما ولسنا فى كسروية كسرى ولا قيصرية
قيصر ولسنا كاخذان فارس وابناء الاصفر قوم جعلهم الله خرزا لسيوفنا
وحرزا لرماحنا ومرمى لطعاننا وتبعا لسلطاننا بل نحن فى نور نبوة وضياء
رسالة وثمرة حكمة واثرة رحمة وعنوان نعمة وظل عصمة بين امة مهدية
بالحق والصدق ماموتة على الفتق والرتق لها من الله عز وجل قلب ابى
وساعد قوي ويد ناصرة وعين باصرة - اتظن ان ابا بكر الصديق وثب
على هذا الامر مفتاتا على هذه الامة خادعا لها متسلطا عليها تراه امتلخ
احلامها وازاغ ابصارها وحل عقدها واحال عقولها واستل من صدورها
حينها وانتزع من اكبادها عصبتها وانتكث رشاها وانتضب ماءها واضلها
عن هداها وساقها الى رداها وجعل نهارها ليلا ووزنها كيلا ويقظتها رقادا
وصلاحها فسادا وان كان هكذا فان سحره لمبين وان كيده لمتين - كلا والله بأي
خيل ورجل وبأي سنان ونصل وبأي قوة منه وبأي ذخر وعدة وبأي ايد
وشدة وبأي عشيرة واسرة وبأي تدارع وبسطة ولقد اصبح عندك بما
وسمته منيع العقبة رفيع العتبة لا والله لكن سلا عنها فولهت به وتطامن
لها فلصقت به ومال عنها فمالت اليه واشتمل دونها فاشتملت عليه حبوة حباه
الله بها وعاقبة بلغه الله اياها ونعمة سربله الله جمالها - وبدو جب عليه
شكرها وامة نظر الله به لها ولطالما حلقت فوقه فى ايام رسول الله صلعم
وهو لا يلتفت اليها ولا يرتقب وقتها والله اعلم بخلقه وارأف بعباده يختار ما
كان لهم الخيرة وانك بحيث لا يجهل موضعك من بيت النبوة ومعدن الرسالة
وكهف الحكمة ولا يجحد حقك فيما اتاك ربك ولكن . . . لك من يزاحمك

بمنکب اضخم من منکبک وقرب اسی من قربک وسن اعلی من سنک وشیبة ارفع من شیبتک وسادة لها عرف فی الجاهلیة وفرع فی الاسلام والشریعة وموقف لیس لک فیهما من جمل ولا ناقة ولا تذکر فیهما فی مقدمة ولا ساقة ولا تضرب فیها بذراع ولا اصبع ولا تخرج منها بازل ولا هبع فان عذرت نفسک فی ما انفذ ریه شقشقتک من صاغیتک فاعذرنا فیما تسمع منا فی لین وسکون مما لا نبعد منه ولا نتناضل علیه ولکن خذ بیت بهذا نفسک لیتخمس علیک ما ینسینک الاولی ویایسک عن الاخری ولکوعلم من ظن بک بما فی انفسنا له وعلیه لما سکن ولا تعذت ولعجلة الی بعض الا

فاما ابوبکر الصدیق فلم یزل حبه فی سویداء قلب رسول الله صلعم وعلاقة هد وعیبة سره ومثوی حزنه ومفزع رائه ومشورته وراحة کفه ومرمی طرفه وذالک کله بحضر الصادر والوارد من المهاجرین والانصار وشهرته مغنیة عن الدلالة علیه ولعمری انک اقرب الی رسول الله صلعم قرابة ولکنه اقرب قربة والقرابة لحم ودم والقربة روح ونفس و هذا فرق قد عرفه المؤمنون ولذالک صاروا اجمعین ومهما شککت فیه فلا تشک ان ید الله مع الجماعة ورضوانه لاهل الطاعة فادخل فیما هو خیر لک الیوم وانفع لک غدا والفظ من فیک ما تعلق بلهاتک وانفث سخیمة صدرک عن تفاتک فان یکن فی الامل طول وفی الاجل فسحة فستاکله مریئا او غیر مری وستشرب هنیئا او غیر هنی حین لا راد لقول الله الامن کان منک ولا تابع لک الامن کان طامعا فیک یمض اهابک ویفری علی قادمتک ویلاری علی هدیک هنالک تقرع السن من ندم وتجرع الماء ممزوجا بدم وحینئذ تاسی علی ما مضی من عمرک ودارج قومک فتود لوان سقیت الکاس التی ابیتها ورددت للحال التی استبریتها ولله فینا وفیک امر هو بالغه و غیبه هو منتهاه وعاقبة هو المرجو لضرائها وسرائها وهو الولی الحمید الغفور الودود

ابو عبیدہ کہتا ہے کہ مجھپر اُسوقت ایسا خوف غالب تھا کہ میں پیغام لیکے جا تو رہا تھا مگر پاؤں میں لغزش تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں سر کے بل چل رہا ہوں غرض خدا خدا کرکے امیر المومنین کے پاس پہونچا اور خلوت میں تمام بیان سنا دیا اور ڈانٹ سے بری ہو گیا۔ مگر نہایت نرمی سے باتیں کرتا رہا۔ جب آپ سن چکے تو جواب میں یہ تقریر کی۔

حلت معلوطة و ولت مخلوطة ۔ حل لاحلیت النفس ادنی لها من قول لغا ۔

احدی لیالیك فهیسی هیس لاتنعمی اللیلة بالتعریس ۔

نعم یا ابا عبیدة اکل هذا فی النفس القوم یحثون علیه ویطیعون بك ۔

ابو عبیدہ نے کہا جی میرے پاس آپکے کلام کا جواب نہیں ہے میں فقط پیغام پہونچانے آیا ہوں ۔ اور اسلام کی شکستگی کو جوڑنا چاہتا ہوں۔ اور امت میں جو رخنہ پڑ گیا ہے اُسکے مرمت کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں اور اسبات کو خدا خوب جانتا ہے کہ میرے دل میں کسقدر اس سبب سے اختلاج ہو رہا ہے ۔ اور میرے نفس کو کسقدر تلخی گذرتی ہے ۔

(حضرت علی رضؓ نے) کہا : ۔ واللہ ما کان قعودی فی کسر هذا البیت قصدا للخلافة ولا انکارا للمعروف ولا زریة علی مسلم بل لما وقدنی به رسول الله صلعم بفراقه واودعنی من الحزن بفقده وذالك انی لما شهدت بعده مشهدا الاجدد لی حزنا و ذکرنی شجوا وان الشوق الی اللحاق به کاف عن الطمع فی غیره فقد عکفت علی عهد الله النظر فیه واجمع ما تفرج منه رجاء ثواب معد لمن اخلص عمله وسلم لعلم ومشیئة ربه علی انی ما علمت التظاهر علی واقع ولا عن الحق الذی سیق الی دافع واذ قد افعم الوادی بی وحشد النادی من اجلی فلا مرحبا بما سار احدا من المسلمین وفی النفس کلام لولا سابق قول وسالف عهد لشفیت

غيظي بخنصري وبنصري وخضت لجنة باخمصي ومفرقي لكي ملجم الى ان القى ربي عز وجل وهذا احتسب ما نزل بي وانا عادل الى جماعتكم ومبائع لصاحبكم وصابر على ما سائني وسركم ليقضي الله امرا كان مفعولا وكان الله على كل شئي شهيدا۔

ابوعبیدہ یہ جواب سن کے ابوبکرؓ کے پاس واپس آیا اور پورا قصہ بیان کردیا اور کوئی حرف بھی چھپا نہیں رکھا۔ اور یہ بھی کہدیا کہ کل وہ مسجد میں آئینگے۔

جب صبح ہوئی تو ابن ابیطالبؓ صفوں کو چیرتے ہوئے ابوبکرؓ کے پاس آئے اور بیعت کرلی۔ اور کچھ کلمات تعریفی کہے۔ پھر وہاں سے اُٹھے تو عمرؓ حضرت کے نکلنے کیلئے دروازہ تک گئے۔ ابن ابیطالبؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ میں جو اسوقت تک بیعت کرنے نہیں آیا تھا۔ تو مجھے کچھ کراہت نہ تھی اور نہ اب کچھ ابوبکرؓ سے ڈر کے آیا ہوں۔ اور جو کچھ بھی میں کہتا ہوں وہ بات ٹالنے یا اپنے آپ کو طمع دلانے کی غرض سے نہیں کہتا بلکہ میں اچھی طرح اپنی حد نظر اور رفتار قلم اور کشش کمان اور نشانہ تیر سمجھتا ہوں لیکن میں نے محض خدا پر بھروسا کرکے اپنی تلوار روک رکھی ہے کہ وہ مجھے دنیا اور آخرت میں اسکا اچھا ثمرہ دیگا۔

حضرت عمرؓ نے اسکے جواب میں فرمایا: كفكف عزمك واستوقف سربك وادع العصا بلحائها والدلاء برشائها فانا من خلفها وورائها ان قدحنا اوريا وان متحنا اروينا وان جرحنا ادمينا وان نفحنا اربينا ولقد سمعت اما نيك التي لغوت بها عن صدرا كل بالجوى ولو شئت قلت على مقالتك ما اذا سمعته ندمت على ما قلته زعمت انك قعدت في كسر بيتك لما وقدك به رسول الله صلعم بفراقه افراق رسول الله وفدك وحدك ولم يفد سوالك بل مصابه اعظم واعز من ذالك

ومن حق مصابه ان لا ینصدع شمل الجماعة بكلمة لا اعتصام لها ولا يذرى
على اخبارها بما لا يؤمن من كيد الشيطان فى عقباها هذه العرب حولنا
والله لو تداعت علينا فى صبح يوم لم نلتق فى ممسى وزعمت ان الشوق
الى اللحاق به كاف عن الطمع فى غيره فمن الشوق اليه نصرة دينه وموازرة
اولياء الله تعالى ومعاونتهم فيه وزعمت انك عكفت على عهد الله
عز وجل تجمع ما تبدد منه فمن العكوف على عهد النصيحة لعباده
والرأفة على خلقه وبذل ما يصلحون به ويرشدون اليه وزعمت
انك لم تعلم ان التظاهر عليك واقع ولا عن الحق الذى سيق اليك
دافع فاى تظاهر وقع عليك واى حق لك ليم دونك قد علمت
ما قال الانصار لك بالامس سرا وجهرا وما تقلبت اليه بطنا وظهرا فهل
ذكرتك واشارت بك او وجدت رضاها عنك هولاء المهاجرون من
الذين قال بلسانه نصلح لهذا الامر او اومى بعينيه او همهم فى نفسه أتظن
ان الناس قد ضلوا من اجلك وعادوا كفارا زهدا فيك وباعوا الله
عز وجل ورسوله صلعم تحاملا عليك لا والله لا يقال انك اعتزلت
تنتظر الوحى وتتوكف مناجاة الملك لك فذلك امر طواه الله عز وجل
بعد محمد صلعم كان الامر معقودا بانشوطة او مشدودا باطراف
ليطة كلا والله ان الغاية لمحققة وان الشجرة لمورقة ولا عجماء بعد
حمد الله الا وقد فصحت ولا عجفاء الا وقد سمنت ولا بلهاء الا وقد فطنت
ولا شوكة الا وقد نقحت ومن اعجب قولك انك لولا سالف قول وسالف
عهد لشفيت غيظك وهل ترك الدين لاحد من اهله ان يشفى غيظه بلسانه
وبيده تلك جاهلية قد استأصل الله شافتها ودفع عن الناس آفتها وقلع
جرثومتها وهول ليلها وغور سيلها وابدلنا منها الروح والريحان والهدى
والبرهان وزعمت انك ملجم فلعمرى ان من اتقى الله عز وجل وانزرضاه

وطلب ما عنده امسك لسانه واطبق فاه وجعل سعيه لما واراه -

حضرت ابن ابیطالبؑ نے فرمایا واللہ ما بدلت عزمی وانا ارید فلتة ولا اقررت وانا ارید حولا عنده وان اخسر الناس صفقة عند اللہ من آثر النفاق واحتضن الشقاق وبا اللہ سلوة من کل کارث وعلیه التوکل فی کل الحوادث ارجع یا ابا حفص نافع القلب فسیح البال مبرود الغلیل فصیح اللسان فلیس وراء ما سمعته وقلته الا ما یشد الازر ویحط الوزر ویجمع الالفة ویرفع الکلفة ویوفع الزلفة بمعونة اللہ عز وجل وحسن توفیقه -

ابو عبیدہ کہتا ہے کہ بعد وفات رسول کریمؐ کے کوئی امر اس سے زیادہ سخت مجھ پر نہیں گذرا جیسا کہ اس سوال وجواب کے لئے آنے لیجانے اور باہمی مکالمہ میں گذرا ہے -

ابو منصور نے یہی روایت کی ہے کہ عمرؓ سے مکالمہ کے بعد ابن ابیطالبؑ ابو بکرؓ کے پاس واپس آئے اور کہا کہ یا ابا بکر ان عصابة انت فیها المعصومة وان امة انت فیها المرحومة ولقد اصبحت عزیزاً علینا کریما لدینا نخاف اللہ اذا سخطت ونرجوه اذا رضیت ولولا انی شرهت لما اجیب الیه ولقد حط اللہ عن ظهری ما اثقل به کاهلك وما اسعد من نظر اللہ الیه بالکفایة وانا الیك لمحتاجون وبفضلك عالمون والی اللہ عز وجل فی جمیع الامور راغبون -

غرض رشتہ سلطنت ابو بکر مذکور الصدر کے ہاتھ میں مستحکم ہوگیا - اور اور نہایت اطمینان سے تخت خلافت پر ۱۱ھ ہجری مطابق ۶۳۲ء میں بیٹھے پھر کوئی جھگڑا باقی نہ رہا -

جس زمانے میں کہ ابو بکرؓ تخت خلافت پر بیٹھے تھے وہ ایسا سخت وقت تھا کہ ارتداد عام طور سے پھیلا ہوا تھا - اور ادھر ادھر مدعیان نبوت

پھر رہے تھے۔ اسی وجہ سے پہلا کام تو ابوبکرؓ نے یہی کیا کہ مرتدین سے لڑائی شروع کی اور مسیلمہ کذاب (مدعی نبوت) پر فتحیاب ہوئے۔ اسکے بعد فلسطین اور بر شام پر چڑھائی کی۔ اور انکو مار کے تمام جانیں انکی نکالیں اور ناحق لوٹ مار قتل و قتال کی عادت جو انہیں جاہلیت کے زمانے سے چلی آتی تھی دور کر دی اور ہر محفل و مجلس میں دین اسلام کو رونق دیدی لیکن چونکہ تمام آرزوؤں پر کامیابی حاصل ہونے لگی۔ بہت بڑی رد ک موت کی ہے۔ لہذا دو سال تین مہینے حکومت کرکے اور رجو کام شروع کئے تھے یونہی معطل چھوڑ کے عالم بقا کو چلے گئے۔ مگر انکی حیات تک حیرہ فتح ہوچکا تھا۔ اور وہاں کے لوگوں کو امان دیدی گئی تھی۔

اسکے بعد خلیفہ عمرؓ نے بیت المقدس کو امان کے ساتھ فتح کر لیا۔ اور اراضی فلسطین پر بھی قابض ہوئے۔ پھر تمام مصر کے ممالک کو چار ہزار مسلمانو سے عمرو بن عاص کی کمان میں فتح کیا۔

امام مقریزی لکھتے ہیں کہ مصر کا ملک ایک عربی قافلے نے فتح کیا تھا۔ باوجودیکہ مصر میں اسوقت ایک لاکھ لشکر رومیوں کا علاوہ قبطیوں کے رہتا تھا۔

مورخین اسلام نے لکھا ہے۔ کہ عمرؓ نے جب بیت المقدس کو فتح کر لیا تو ایک عہدنامہ صفرونیوس بطریق (لارڈ پادری) کو لکھا۔ اس کا مضمون یہ تھا کہ:۔ نصاریٰ اپنے دین پر قائم رہیں اور اچھے اپنے فرائض ادا کرتے رہیں مگر کوئی نیا گرجا نہ بنائیں نہ دیر کی تعمیر کریں نہ قلایہ بنائیں۔ نہ راہبوں کے واسطے علاحدہ عبادت خانہ تیار کریں اور جو صومعہ گر گیا ہو۔ یا مسلمانوں کی آمد و رفت کی راہوں میں ہو اسکی دوبارہ مرمت نہ کریں جو مسافر اور راہگیر گرجاؤں میں ٹھیرنا چاہیں تو انہیں ٹھیرنے دیں۔ اور اگر کوئی مسلمان وہاں جائے تو تین شب تک اسکو مہمان رکھیں اور دعوت دیں۔

کسی جاسوس کو اپنے عبادت خانوں میں نہ رہنے دیں۔ مسلمانوں سے اسکو نہ چھپائیں۔ اپنی اولاد کو قرآن مجید نہ پڑھائیں۔ اپنی شرع کو لوگوں پر ظاہر نہ کریں۔ اور نہ کسی کو نصاریٰ ہونیکی رغبت دلائیں۔ اپنے قرابتداروں کو مسلمان ہونے سے روکیں۔ مسلمانوں کا اعزاز کریں۔ اگر کوئی مسلمان اُنکے پاس آجائے تو اپنے پاس اُسکو جگہ دیں۔ مشابہت مسلمانوں سے کسی بات میں نہ کریں۔ نہ لباس ویسے پہنیں۔ نہ کلاہ ویسی دیں۔ نہ نعلین ویسی پہنیں۔ نہ اُنکی طرح بات کریں نہ اُنکی جیسی کنیت اپنی رکھیں۔ نہ زین پر سوار ہوں نہ گردن میں تلوار لٹکائیں۔ نہ اپنے ساتھ کسی قسم کا ہتھیار لیکے چلیں۔ نہ اپنی انگوٹھیوں پر عربی زبان میں مہر کندہ کرائیں۔ نہ شراب بیچیں۔ اور اپنے سر کے بال آگے سے ترشوا ڈالیں۔ اپنے قدیم لباس پر باقی رہیں جہاں کہیں رہنا چاہیں۔ کمر میں زنار باندھیں۔ اپنی صلیبیں ظاہر نہ کریں نہ اپنی کتابیں مسلمانوں کے بازار اور راہوں میں کسی کو دکھلائیں۔ ناقوس زور سے نہ بجائیں۔ اپنی میتوں کے ساتھ آواز بلند سے شور کرتے نہ چلیں مسلمانوں کی آمد و رفت کی راہ میں آگ نہ روشن کریں۔ مسلمانوں کے مقبروں کے قریب اپنے مقبرے نہ بنائیں۔ جن غلاموں پر مسلمانوں کا حصہ ہو گیا ہے اُنکو نہ خریدیں۔ اپنے مکانات کی چھتوں پر نہ چڑھیں۔ ان شروط میں سے اگر کسی شرط کی مخالفت کرینگے تو پھر مسلمان اُن کے ذمہ وار نہ رہیں گے۔

اسکے بعد یہ دو شرطیں بڑھائیں کہ نصاریٰ مسلمانوں کے قیدیوں کو نہ خریدیں۔ اگر کوئی مسلمان اُنکے ہاتھ سے مارا جائیگا۔ تو یہ عہدنامہ منسوخ سمجھا جائے گا اور مسلمان ذمہ وار نہ ہونگے۔

کہتے ہیں کہ ان شروط پر امام ابن ابیطالب نے صاحب شریعت اسلامیہ کی ایک حدیث کے مطابق یہ شرطیں اضافہ کیں۔

کوئی مسلمان کسی نصرانی مریض کی عیادت کو نہ جائے۔ جلسہ میں برابر اپنے

نہ بٹھلائے۔ اُنکے جنازے کی مشایعت نہ کریں۔ اگر وہ کسی مسلمان کو گالی دیں اور اُسکے بدلے میں مارے جائیں۔ اگر کسی مسلمان کو ماریں تو اُسکے عوض میں قتل کیئے جائیں۔

عمر بن عبد العزیز نے یہ شرط اضافہ کی پالان پر عرضاً ایک شق سے سوار ہوں۔ یعنے دونوں پاؤں ایک طرف رکھکے پالان پر بیٹھیں۔ اور اپنے تمام عاملوں کو لکھ بھیجا کہ نصاریٰ سوائے اہل قرآن کے اور کسی کو نوکری نہ دیں۔

شافعی کے تابعین نے یہ شرطیں اضافہ کیں کہ نصاریٰ اسطرح کی ٹوپیاں پہنیں کہ مسلمانوں کی ٹوپیوں سے تفرقہ رکھتی ہوں۔ اور اپنے اپنے گلوں میں تانبے یا رانگے کی انگوٹھی یا گھنٹی ڈالے رہیں تو حمام میں داخل ہوں۔ عمامے نہ باندہیں۔ طیلسان نہ اوڑہیں۔ عورتیں اُنکی چادر کے اوپر یا نیچے زنار باندہیں۔ اور جب حمام میں جانے لگے تو اُسکے گلے میں انگوٹھی بھی ضرور ہو۔ ایک پاؤں کا جوتا سیاہ اور دوسرے پاؤں کا سفید ہو۔ کسی مجلس میں آکے صدر میں نہ بیٹھیں۔ پہلے سلام نہ کریں۔ تنگ راہوں میں چلا کریں مسلمانوں کے مکانوں سے اپنے مکانات اونچے نہ بنائیں۔ البتہ برابر بنا سکتے ہیں کسی اونچے مکان کو خریدیں بھی نہیں۔ شراب سور ناقوس وغیرہ مکروہ چیزوں کو ظاہر نہ کریں۔ توریت اور انجیل کو بلند آواز سے نہ پڑہیں۔ حجاز کی سرحدیں نہ رہیں۔ (یعنے مکہ۔ مدینہ۔ یمامہ) اگر جزیہ دینے سے انکار کریں تو اقرار نامہ منسوخ سمجھا جائیگا۔ اور اگر کسی مسلمان عورت سے زنا کرینگے یا نکاح یا کسی کافر حربی کو پناہ دینگے یا مسلمانوں کے عیوب کو کسی سے بیان کرینگے یا کسی مسلمان کو دہوکا دیکے عیسائی کرینگے۔ یا کسی مسلمان کو قتل کرینگے۔ یا کسی مسلمان کو لوٹ لیں گے تو بھی عہد نامہ باطل سمجھا جائیگا۔ اور مسلمانوں کی ذمہ واری نہ رہیگی۔

مندی نے ایک کتاب نصاریٰ کے رد میں لکھی ہے اُسمیں امان نامہ عبداللہ بن عمر کا اس طور سے نقل کیا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ھذا ما اعطی عبد اللہ ابن عمر امیر المؤمنین اھل ایلیا (او رشلیم بیت المقدس) من الامان امان لانفسہم وکنائسہم وصلبانہم سقیمہا وبریھا وسائر ملتہا ان لا تسکن کنائسہم ولا تھدم ولا ینقض منہا ولا من صلبانہم ولا شیئ من اموالھم ولا یکرھون علی دینہم ولا یضار احد منہم ولا یسکن ایلیا احد من الیہود وعلی اھل ایلیا ان یعطوا الجزیۃ کما اعطوا اھل المدائن وعلیھم ان یخرجو منہا الروم واللصوص فمن خرج منہم فھو امن علی نفسہ ومالہ حتی یبلغوا ما منہم ومن اقام منہم فھو امن وعلیہ مثل ما علی اھل ایلیا من الجزیۃ ومن احب من ایلیا ان یسیر بنفسہ ومالہ مع الروم ویخلی بیعتہم وصلبانہم فانہم امنون علی انفسہم وعلی بیعتہم وعلی صلبہم حتی یبلغوا مامنہم ومن کان فیہا من اھل الارض فمن شاء قعد وعلیہ مثل ما علی اھل ایلیا من الجزیۃ ومن شاء رجع الی ارضہ وانہ لا یؤخذ منہم شیئ حتی یحصد وا حصادھم وعلی ما فی ھذا الکتاب عھد اللہ وذمتہ وذمۃ رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم وذمۃ الخلفاء وذمۃ المؤمنین اذا اعطوا الذی علیہم من الجزیۃ شہد علی ذالک من الصحابۃ رضی اللہ عنہم خالد بن الولید وعمرو بن العاص وعبد الرحمن بن عوف ومعاویۃ ابن ابی سفیان۔

الغرض عمرؓ کے بعد عثمانؓ بن عفان کی خلافت کا دور دورہ ہوا۔ اور فارس کے ممالک فتح کیے گئے۔ کسریٰ اکبر کے تخت وتاج و بیرق پر قبضہ لگیا۔

عبد الملک بن مروان کے زمانے میں افریقیہ کی لڑائی فتح ہوئی۔ قرطاجنہ وغیرہ بحری بلاد سرہو گئے۔ ہسپانیہ فتح ہوگیا۔ طارق ابن زید نے جبل طارق کو فتح کرلیا۔

ایک مورخ نے لکھا ہے کہ صاحب شریعت اسلامیہ کی وفات کے بعد بارہ برس کی مدت میں مسلمانوں نے چھتیس ہزار شہر اور قلعے اپنے قبضے میں کر لئے۔ چار ہزار گرجا علاوہ ہیاکل عبادت اور شہروں کے ویران اور منہدم کر دیئے۔

"تاریخ القرون میں لکھتے ہیں کہ عرب نے جو فتوحات اسی برس کی مدت میں کیں۔ رومانیوں کو وہ فتوحات آٹھ قرن میں بھی نصیب نہ ہوئی تھیں۔ یہ تو عرب کی برّی قوت کا حال تھا اب بحری قوت کا حال سنئے۔

پیشتر کے زمانے میں عموماً عرب دریاؤں کا سفر کرتے تھے۔ اور اسی ذریعے سے ہند میں آتے اور تجارتی اسباب لاتے اور بیچ باچ واپس چلے جاتے۔ مگر انکو بحر متوسط کا حال بالکل نہ معلوم تھا۔ انکی کشتیاں چھوٹی چھوٹی ہوتی تھیں اور چپڑے سے منڈھی جاتی تھیں۔ کیلوں کا استعمال بالکل نہیں ہوتا تھا۔ اسکے ذریعے سے پانچ برس کی مدت آنے اور جانے میں صرف ہو جاتی تھی۔

کشتی انکی کنارے کنارے چلا کرتی وسط سے کبھی نہ جاتے تھے کیونکہ طوفانی ہوائیں کشتیوں کو غرق کر دیتی تھیں۔ البتہ تاریخ مسیحی کے قرن اول میں وسط دریا سے بھی کشتی لیجاتے تھے۔ (شاید انکی کشتیاں طوفانی ہواؤں اور سمندر کی موجوں کا مقابلہ کر سکتی ہونگی۔)

ابن خلدون نے لکھا ہے کہ مسلمانوں نے جب مصر کے شہروں کو فتح کیا تو عمر و بن خطاب نے عمرو بن عاص کو خط لکھا کہ ذرا مجھکو دریا کی کیفیت لکھو۔ عمرو بن عاص نے جواب یوں لکھا۔

ان البحر خلق عظیم یرکبہ خلق ضعیف دود علی عود فاوعز حینئذ یمنع المسلمین من رکوبہ فلم یرکبہ احد الامن افتات علی عمر

(دریا ایک عظیم الشان خدا کا مخلوق ہے اور اسپر خدا کا کمزور مخلوق

سوار ہوتا ہے۔ گویا وہ کیڑے ہیں جو لکڑیوں پر سوار ہیں۔ لہذا اے خلیفہ مسلمانوں کو دریا کے سفر سے روک دو) اسوقت سے سخت ممانعت ہوگئی کہ کوئی مسلمان دریا کا سفر نہ کرے۔ اور جو کوئی سفر دریا کرتا اپنے کیئے کی سزا بھگتتا۔ جب عرفجہ بن ہرثمہ اسدی کے ساتھ یہ کیا گیا جبکہ اُس نے عمان کی جنگ دریا کے ذریعے سے کی۔

جب معاویہ بن ابو سفیان کا دورہ ہوا تو مسلمانوں کو عام اجازت بحری سفر اور جہاد کی دیدی گئی۔ اُسوقت لوگوں نے بحری مزدوروں سے کچھ ملاح ملازم رکھے اور اُن سے سیکھتے رہے۔ تھوڑے دن بعد خود بھی ماہر ہوگئے اور نئی نئی قسم کی کشتیاں بنوائیں۔ یہانتک کہ فقط معاویہ کے عہد میں ایک ہزار سات سو کشتیاں آلات حرب اور فوج سے بھری ہوئی موجود تھیں۔ اور جو شہر اور ثغور کہ دریا سے قریب تھے یا کنارہ دریا پر واقع تھے۔ مثلاً شام افریقہ، مغرب اندلس وغیرہ کہ وہاں جنگی کشتیاں رہنے لگیں۔

عبد الملک بن مروان نے یہ زیادتی کی کہ ٹیونس میں بحری آلات حرب کی تیاری کے واسطے کارخانہ کھولنے کا حکم دیا۔ اُس مکان کو صاحبِ قیادۃ الاساطیل کہتے تھے۔ جسکو اب قیودان پاشی کہتے ہیں اور انگریزی میں ملند

اسی طرح سلسلہ وار بحری قوت عربوں کی یکے بعد دیگرے بڑھتی رہی یہانتک کہ یہ قوت بھی انکی اعلیٰ درجے پر پہونچگئی اور بہت سے قارہ کے سواحل کو فتح کرلیا۔ اور تجارتی دنیا انکی بہت اعلیٰ درجے سے آباد ہوگئی۔ ایک مدت دراز تک شمالی افریقہ میں دول عرب کی قوت رہی۔ انگریزی کشتیاں جو دیائے روم کیطرف سے آتی تھیں لوٹ لیجاتی تھیں اور نصاریٰ قید کرلئے جاتے اور غلام بناکے فروخت کیئے جاتے تھے۔

اُس زمانے میں مقام ٹیونس اور الجزائر تمام عیسائیوں سے بھرا پڑا تھا۔ جس عزت سے کہ اپنے شہروں میں رہتے تھے اُسکے مقابلے میں

یہاں ذلت اُٹھاتے تھے۔

یہی دستور ایک مدت تک رہا۔ آخر جو جب ہر کمالے را زوالے ہر بہارے را خزاں۔ جب بنی امیہ اور عبیدیہ سلطنتوں کا زوال شروع ہوا۔ اور عیسائیوں نے اپنے ہاتھ بحر شرقی کے جزیروں کی جانب بڑھائے۔ اور اپنے قبضے میں کر کے شام کے سواحل کو بھی جنگ صلیبی کی اثنا میں لے لیا۔ اور اُنکی وہی اصلی قوت پھر پلٹ آئی۔ اُسوقت عرب کی بحری قوت بالکل ٹوٹ گئی۔ اور سنہ ہجری مطابق ۱۳ قرن میلادی میں تو بالکل خاتمہ ہی ہوگیا۔

اس کے بعد جب فرانس نے الجزائر کے شہروں پر ۱۲۳۰ ہجری مطابق سنہ ۱۸۳۰ء میں قبضہ کر لیا تو رہے سہے جو آثار تھے بھی وہ بھی تشریف لے گئے۔ کیونکہ فرانس نے ۱۱۵۳ ہجری مطابق سنہ ۱۷۴۰ء میں دولت عثمانیہ کے ساتھ شرط کر لی تھی کہ ہم ضرور اُن سختیوں کا بدلہ لینگے جو اہل مغرب نے ہمارے ساتھ کی ہیں۔ کیونکہ وہ کشتیاں لوٹ لیا کرتے تھے۔ اور اس میں کسی قسم کی توہین دولت عثمانیہ کی نہیں ہوگی۔

نواں باب

عرب کے دول قدیمہ وجدیدہ اور مومنین کی امارت وخصوصیات اور ترتیب عدالت ودیوان اور چند مالی امور

اسمیں تین فصلیں ہیں

فصل اول

قدیم زمانے میں بھی عرب میں حکومتیں رہی ہیں اور بڑے بڑے حکمران ہوچکے ہیں مگر اُن کے آثار تک اب ایسے مٹ گئے کہ متاخرین کو سوائے اسکے کہ وہ اتنا جان لیں کہ ہاں پیشتر بھی بنی اسرائیل کے مصر اور کنعان میں داخل ہونے سے قبل یہاں بادشاہ تھے اور کچھ نہیں معلوم ہوسکتا۔ ہاں چند کتابوں میں اُنکے حالات مندرج ہیں مگر اُنپر پورا وثوق نہیں کیا جاسکتا۔

صنعاءیمن۔ جسے قدیم زمانے میں ازال کہتے تھے۔ جب حبشیوں کے تصرف میں آباد اور اُنھوں نے وہاں عمارتیں اور قلعے وغیرہ بنوائے تو کہنے لگے انا صنعۃ (میں نے اسے بنایا) اسی وجہ سے اسکو صنعاء کہنے لگے۔ جاہلیت کے

زمانے میں یہ مقام اور قلعہ تعز جو جدہ سے جنوبی سمت میں واقع ہے۔ بادشاہ یمن یعنے تبابعہ اور اذوا کا دار السلطنت تھا۔ (تبابعہ یعنے جنمیں سے ہر ایک بادشاہ کو تبع کہتے تھے۔ اور اذوا وہ ہیں جنکے نام میں ذو کا لفظ بہت استعمال ہوا جیساکہ پانچویں باب کی چوتھی فصل میں بیان ہو چکا ہے۔) یہ سلطنت عرب کی بڑی مملکت اور حکومت سمجھی جاتی تھی۔ اور تھوڑے دن قبل تک یہ حکومت مستقل بغیر کسی کی ماتحتی کے قائم تھی۔ کیونکہ اسلام میں اگرچہ اسکو فتح کرلیا۔ اور ایوبی کردیوں کے قبضے میں رہے۔ مگر آخر میں پھر سنہ ۹۳۲ ہجری کے قریب مستقل ہو گئی تہی۔ پھر سنہ ۱۰۴۰ ہجری مطابق سنہ ۱۶۳۰ء میں سلطان مراد رابع نے سید حسن بن محمد علی کو صنعا کے تخت پر بٹھلایا۔ مگر سلطنت عثمانیہ کے ماتحت ہی رکھا۔ تمام احکام انکے بجائے خود جاری رہتے تھے۔ اسکے بعد بھی برابر بالاستقلال حکومت چلی آتی تہی۔ مگر بہت سے شہر شمالی اور مشرقی حصے میں یمنی حکومت کے قبضے سے نکل گئے تھے اور وہ لوگ خود سر بنگئے تھے۔ تھوڑے دن ہوئے ہیں کہ سلطنت عثمانیہ نے یمنی حکومت کے استقلال کو توڑکر اپنے قبضے میں کرلیا ہے۔

عرب کا دوسرا دار السلطنت حیرہ تھا یہاں لخمی بادشاہ رہاکرتے تھے انہی میں سے جذیمہ ابرش بہی تھا۔ در اصل یہ شخص ابرص تھا۔ مگر ادب کی وجہ سے اُسکو ابرش کہتے تھے۔ اور وضاح بھی کہتے تھے۔ (کیونکہ وضح کے معنے بھی برص ہے) یہ بادشاہ ازدی الاصل تھا۔ اس نے پہلے پہل قضاعہ پر قبضہ کیا۔ اور جوتا پہننے کا رسم نکالا۔ اور رات کا سفر مقرر کیا۔ اور شمع بنوائی۔ مگر پہلے پہل جس نے حیرہ کو اپنا پائے تخت قرار دیا وہ اسکا بہانجا عمرو بن عدی تھا۔ جسکا ذکر چند مقام پر آ چکا ہے۔

اور پہلے پہل یہاں کے بادشاہوں میں سے جس نے عیسائی مذہب اختیار کیا وہ امرأ القیس بن عمرو مذکور الصدر تھا۔ اور ان بادشاہوں کا اصلی

قیام گاہ انبار میں تھا۔ (دیکھو پہلے باب کی تیسری فصل)
تیسرا دار السلطنت شام تھا۔ یہاں غسانی بادشاہ رہتے تھے جو دراصل
قیصر روم کیطرف سے عامل تھے۔ انہی میں سے حارث بھی تھا۔ جس نے پولس
رسول کی گرفتاری کا ارادہ کیا تھا۔ (۲ کو ۱۱ ۲۲ و ۲۳)
انکے علاوہ بھی عرب کے چند بادشاہ تھے۔ مثلاً بادشاہان جرہم۔ بادشاہان کندا
بادشاہان حجاز وغیرہ۔ مگر ہمکو انکا ذکر کرنا یہاں مقصود نہیں ہے۔

اسلام کے بعد کئی ایک سلطنتیں گذری ہیں۔
بلاد مشرق میں جنکے راس و رئیس خلفائے اربعہ تھے۔ انکے بعد بنی امیہ
ہوئے۔ پھر بنی عباس۔ انکی سلطنت ابتداء تو مغربی بلاد پر تھی لیکن جب
یہ سلطنتیں انکے قبضے سے نکل گئیں تو دوسری سلطنتیں انکی قائم مقام
بنیں یعنے بنی امیہ کے بعض اشخاص نے اندلس پر قبضہ کر لیا۔ اور علٰحدہ ایک
سلطنت بنالی۔ افریقیہ اور قیروان میں عبیدیوں نے حکومت جمائی۔
ہسپانیہ میں موحدین نے۔ اور ایک علیٰحدہ سلطنت عبیدیوں کی مصر
میں قائم ہوئی۔ بنی حفص کی ٹونس میں۔ زناتہ کی مغرب میں۔

بیعت کا طریقہ جو بادشاہوں میں جاری ہوا تھا۔ بظاہر یہ طریقہ جاہلیت
کے زمانے میں بھی تھا۔ مگر اسلام نے اسکو پسند کیا۔ بیعت کا طریقہ یہ تھا۔ کہ
حاکم ماتحت اپنے بالا دست بادشاہ سے اقرار کرتا تھا کہ میری جان اور میرا
مال سب آپکے حوالے ہے اور حکومت کے امور بھی آپ کے قبضہ میں ہیں
اور میں کبھی آپ کی عدول حکمی نہ کرونگا۔
مگر صدر اسلام میں بیعت کا طریقہ یہ ہوگیا کہ پہلے معاہدے کرتے تھے اسکے
بعد افسر کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیتے تھے۔ گویا اسکے معنے یہ تھے کہ معاہدہ پختہ
ہوگیا۔ جسطرح سے کہ بائع اور مشتری میں ہوتا ہے (بیعت کے معنے بیچ دینا یعنے
گویا اپنی جان و مال کو بادشاہ کے ہاتھ بیچ ڈالا۔)

اسلام میں پہلے پہل بیعت کا رسم صاحب شریعت اسلامیہ نے لیلۃ العقبہ میں ۔ اور ایک درخت کے نیچے جاری کیا ۔ اسکے بعد اسلام میں عام ہو گئی ۔ موقع بے موقع جہت بیعت موجود ۔ مگر خلفا جب اپنے بعد کسی کو ولیعہد بناتے تھے تو اُس سے عہد لے لیتے تھے اور بہت سی قسمیں خلافت اور ولیعہدی کے بارے میں دیتے تھے ۔ اور ایک دستاویز بھی اُسے لکھ کے دی جاتی تھی ۔

تحقیق الفاظ

جاہلیت کے زمانے میں ردف قیل کے خلیفہ کو کہتے تھے اور قیل اور خرمز ۔ صَیدَق اور صیدن بادشاہ کو کہتے تھے مگر جو عاہل (ملک اعظم) سے کم درجہ میں ہو ۔ قبطن اولاد ۔ حشم ۔ قنق ۔ قتا بادشاہ کی عمدہ خدمت کرتا ۔ مقتوون بادشاہی ملازمین ۔ واحد اسکا مقتوی ۔ مقتی ۔ مقتوین ہے ۔ حبابذ بادشاہ کا جلیس جمع احبا ۔

جاہلیت میں ردف کا مرتبہ وہی تھا جو اسلام میں وزیر کے لئے سمجھا جاتا تھا ردوف کی دو قسمیں تہیں ۔ ایک تو وہ جسکو بادشاہ اپنے گھوڑے پر پیچھے بٹھلا لیتا تھا ۔ دوسرے وہ جسکو داہنے ہاتھ جگہ دیتا تہا ۔ اور یہ بہی قاعدہ تھا کہ جب بادشاہ شراب پیتا تو بعد اسکے وزیر پیتا تہا ۔ اور جب بادشاہ کسی لڑائی پر جاتا تو وزیر اسکی جگہ پر قائمقامی کرتا اور تمام کام سلطنت کے انجام دیتا ۔ اور جب فتحیابی کے بعد لشکر واپس آتا تو مال غنیمت میں سے چوتھائی حصہ (ردف) وصول کر لیتا ۔

وزارت کا مرتبہ اسلامی سلطنتوں میں بہت ہی بڑا مرتبہ تہا ۔ اور تمام بادشاہی اعزازوں میں اسکا حصہ ہوتا تہا ۔ وزیر کے لفظی معنے معاون مددگار کے ہیں ۔ موازرۃ سے مشتق ہے جسکے معنے پشت پناہی کرنیکے ہیں ۔

یا وزر سے مشتق ہے جسکے معنے بوجھ کے ہیں۔ یعنے تمام سلطنت کا بوجھ اسی کی پیٹھ پر ہے۔

بادشاہان سابق جب کسی وزیر بناتے تھے تو پہلے اسکو خلعت دیتے تھے جسمیں ایک جبہ اور ایک عمامہ ہوتا تہا۔

وزارت کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ اول یہ کہ وزیر کے متعلق حمایت سلطنت کے تمام امور اور اسکے اسباب مثلاً فوج کی دیکھ بھال آلات حرب کی درستی لڑائیوں کا انجام اور انتظام وغیرہ ہوں۔ اس قسم کی وزارت تو قدیم اسلامی سلطنتوں میں تھی۔ اور اسی کے پاس شاہی مہر بھی رہا کرتی تہی۔

دوسری وہ جسکے متعلق بیرونجات کے کاموں کا انجام دینا مثلاً دول خارجہ سے کسی امر میں گفتگو۔ تجارتی مالوں کی آمد ورفت کی دیکھ بھال وغیرہ ہوں۔ اسکو کاتب کہتے تھے۔

تیسری جسکے متعلق مال کا جمع کرنا اسکی تحصیل وصولی خزانہ کی محافظت اسکا صرف کرنا ملازمین کو سلطانی تنخواہ تقسیم کرنا۔ وغیرہ وغیرہ ہوں۔ اسکو صاحب المال والجبایۃ کہتے تھے۔

چوتھی بادشاہ تک آنے سے لوگوں کو روکنا تاکہ ازدحام کرکے اسکو تکلیف نہ پہونچائیں۔ جسکے متعلق ہو وہ حاجب ہیں۔

پہلے پہل معاویہ بن ابو سفیان نے حاجب مقرر کیا اسکے بعد پھر یہ رسم ہی ہوگیا۔ لیکن آخر میں جبکہ سلطنت کا زوال شروع ہوگیا تو یہ دربانی بجائے سنگین پہرے کے ہوگئی۔ ناکے بندیاں اور محصولات مخصوصہ اور کھانے پینے کا حساب کتاب انہی لوگوں کے متعلق اور عام کاموں کی انجام دہی ہوتی

اسلام میں صاحب شریعت اسلامیہ کا وزیر ابوبکرؓ کو جانتے تھے جیساکہ دول قیصر وکسریٰ ونجاشی میں دیکھا تہا۔ کیونکہ اسوقت تک یہ قیود اور شرائط وزیر کے واسطے نہ تھے۔ تو خلفاء نے رفتہ رفتہ پیدا کر لیے تھے۔

عرب کی ایک یہ بھی رائے تھی کہ تلوار کے سامنے علم کی ضرورت نہیں ہاں مال اور تحریر کے لئے علم ضرور درکار ہے۔ مال میں تو حساب کتاب کے واسطے اسکی ضرورت ہے اور تحریر میں بلاغت و فصاحت کے برتنے کی وجہ بے علم کے ہو نہیں سکتی۔ لہذا وہ غرضیں پوری کرنیکے واسطے ایک آدمی پڑھا لکھا اپنے ہاں مقرر کر لیتے تھے۔ اور وہی انکا وزیر و منشی ہوتا تھا۔

انکے ہاں دفتر مراسلات کی ضرورت نہ تھی کیونکہ اس زمانے میں خط و کتابت کو کون پوچھتا تھا۔ انکی بدویت کب رخصت دیتی تھی کہ شہری مذاق پیدا کریں۔ البتہ اسکی ضرورت اسلامی سلطنتوں میں بہت ہوئی۔ اسیوجہ سے بڑے بڑے منشی ان سلطنتوں میں رہتے تھے۔ اور اکثر کاتب یا منشی وہی شخص ہوتا تھا جو بادشاہ کا قرابت دار ہو اور اسکے قبیلے کے معزز لوگوں میں شمار کیا جاتا ہو۔ جیسا کہ خلفا کے زمانے میں تھا اور شام و عراق کے امرائے صحابہ میں بھی یہی طریقہ تھا کیونکہ ایسے لوگوں پر امانت داری اور راز داری پر بہ نسبت اوروں کے زیادہ بھروسا ہو سکتا ہے۔

امیر المسلمین ملک موسیٰ بن یوسف ابی حمو بن زیان العبد الوادی نے اپنے ولی عہد کو جو جو وصیتیں کی تھیں منجملہ انکے منشی کی بابت بھی وصیت تھی جسکی بعینہ عبارت یہ ہے۔

واما كاتبك فليتخذ منهم اسرارك كاتبا من وجوه بلدك موثقا للعز منك ومقصدك فصيح اللسان جري الجنان بليغ البيان عارفا بالآداب سالكا طريق الصواب بارع الخط حسن الضبط عالما بالحل والربط ... مغلبا على الوقار ذا عقل وافر وفهم حاضر وذهن ثاقب وفكر صائب حلو الشمائل موصوفا بالفضائل جميل الهيئة واللباس والمؤالف للناس لان الكاتب عنوان المملكة ويستنبط الامور المشكلة ومن كتابك يستدل على عقلك ويعرف بمعرفتك وفضلك فهذا اقل ما يشترط للكاتب

ویکون فی حفظہ وحقک من الواجب فانہ اذا کان الکاتب بہذہ الثنایۃ صلح ان یکون اھلا للکتابۃ وان اخل بہذہ الشروط کان جدیرا بالتأخر والسقوط لاخلالہ بکتابتہ وعدم اصابتہ وکان ذلک وصما فی حق مخدومہ ودلیلا علی جہلہ فی تقلیدہ۔ (اپنے لئے منشی ایسے منتخب کرو جو تمہارے راز سے لکھنے والے ہوں یعنی اپنے ہی شہر کے معزز لوگوں میں سے ہوں۔ تمہاری غرض اور مقصود کو اچھی طرح ادا کر سکتے ہوں۔ فصیح زبان ہوں۔ قوی دل۔ بلیغ۔ ادب دان ٹھیک رستے پر چلنے والے۔ خوشنویس۔ صاحب حافظہ پیچدار باتوں کے کھول دینے باندھنے والے۔ رازدار۔ صاحب عزت ووقار۔ ذی عقل ذی فہم۔ ذہین۔ صحیح الرای۔ نیک خصائل۔ صاحب فضائل۔ خوش وضع۔ خوش لباس لوگوں سے انس ومحبت پیدا کرنے والے ہوں۔ کیونکہ منشی سلطنت کا عنوان ہے اسی کے ذریعے سے پیچدار اور مشتبہ باتیں حل ہوتی ہیں۔ منشی ہی کی عبارت دیکھکے بادشاہ کی عقل کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ اور اُسی کی فضیلت سے بادشاہ کی بھی فضیلت اور معرفت وزبانت ہوتی ہے۔ پس کم از کم اتنی صفات منشی میں ہونی لازم ہیں اور اسی کی رعایت لازمی بات ہے۔ جب کاتب اس صفت کا ہوگا تو یقینا اچھی تحریر لکھ سکیگا۔ مطلب کو عمدہ طور سے اچھے لفظوں میں ادا کر سکیگا۔ اور اگر ان صفتوں سے عاری ہوگا تو لامحالہ اُسے لغزشیں ہونگی۔ اور تحریر مضامین میں ٹھوکریں کھا کے گرے گا۔ اور ٹھیک راہ پر نہ پہونچیگا۔ جسکے سبب بادشاہ کی نہایت ذلت اور سبکی کا باعث ہوگا۔ اور اُسکی حماقت وجہالت کو ثابت کر دے گا۔)

لیکن جب عربی زبان بالکل فاسد ہوگئی اور وہ بلاغت وفصاحت جاتی رہی۔ اور انشا پردازی مستقل ایک فن بنگئی کہ جو کوئی جانتا ہو وہ تو لکھ سکتا ہے اور جو کوئی ناواقف ہو وہ بالکل ہی ادا نہیں کر سکتا۔ اسی وجہ سے متاخرین میں ویسے ہی لوگ منشی ہونے کے لئے منتخب کئے جانے لگے جن کو

اس فن سے خاص لگاؤ رہتا تھا۔ اور اسی عیب کے دفعیہ کے واسطے منشی عبدالحمید بن یحییٰ بن سعید نے (جو کہ ابوالعلاء کا دوست تھا اور فن انشاپردازی و بلاغت میں ضرب المثل بنگیا تھا۔ اور اسی نے اخیر زمانے میں انشاپردازی کے فن کو قوت دی اور بلاغت کے اسلوب کو درست کیا۔ اور مختلف رسالے نہایت حسن و خوبی سے لکھے۔ یہانتک کہ کاتب اور منشی کہے جانیکا مستحق ہوگیا) ایک رسالہ لکھا ہے جسمیں انشاپردازی کے شروط کو جمع کیا ہے۔ اور اہل قلم کو تحریر کا ڈھنگ سکھایا ہے۔ اگرچہ وہ رسالہ بہت لمبا ہے۔ مگر چونکہ تمام نفع رسانی کا خیال ہے اسوجہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

اصل رسالہ کا ترجمہ

بعد حمد خدا و نعت رسول صلعم کے۔ اے انشاپردازان دیوان سلاطین (خدا تمہاری حفاظت کرے اور اپنی حمایت میں رکھے تمکو توفیق دے۔ اور راہ راست پر لگائے۔) اس بات پر تمہیں مطلع ہونا چاہئے کہ خدا تعالیٰ نے بعد انبیاء و مرسلین اور بادشاہان دنیا کے رتبوں کے عام آدمیوں کی بہت سی قسمیں کی ہیں۔ اگرچہ فی الحقیقت انسان ہونیکی حیثیت سے سب برابر ہیں اور سب کے واسطے ایک ایک صنعت و حرفت مقرر کردی ہے اور خاص خاص طریقے معاش پیدا کرنے کے بتا دیئے ہیں۔ دروازے رزق کے کھول رکھے ہیں۔ منجملہ انکے تمہاری صنعت بڑی ہے۔ تمہیں خدا تعالیٰ نے اہل قلم اہل مروت بنایا ہے۔ تمہاری ہی وجہ سے سلطنت کے امور میں انتظام ہوتا ہے۔ تمہاری ہی اصلاح سے خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کو قوت اور غلبہ دیا ہے۔ اور شہروں کو آباد رکھتا ہے۔ کوئی ملک ایسا نہیں جسمیں تمہاری ضرورت نہو۔ اور کوئی شخص اپنا کام پورے طور سے انجام نہیں دے سکتا جبتک تم سے مدد نہ لے۔ تم لوگ بادشاہوں کے

کان اور آنکھ کے قائم مقام ہو۔ تمہیں سے وہ دیکھ سکتے ہیں اور تمہیں سے سُن سکتے ہیں۔ تمہیں اُنکی زبان ہو۔ وہ تمہیں سے بات کر سکتے ہیں۔ تمہیں اُنکے ہاتھ ہو۔ جنسے وہ اپنی بطش و ہیبت دکھلا سکتے ہیں کیونکہ پروردگار نے تمکو اور تمہاری صنعت کو خاص فضیلت دی ہے۔ اور جو کچھ ہم نے اوپر لکھا ہے وہ سب افضال خدائی ہے جو تمہیں دیا گیا ہے جیسی ضرورت بادشاہوں کو ہے اور جو جو خوبیاں تمہاری صنعت میں ہیں وہ اور کسی صنعت کو حاصل نہیں۔

اے منشیانِ کاروان اولاً تمکو چاہیے کہ مقامِ حلم اختیار کرو۔ اور کسی حکم لگانیکے وقت خوب سمجھ لیا کرو۔ آگے بڑھنے کے مقام میں آگے بڑھو۔ پیچھے ہٹنے کے محل پر پیچھے ہٹو۔ پرہیزگاری۔ عدل۔ انصاف کو اپنا طریقہ بناؤ۔ اپنے اور مالک کے راز کو پوشیدہ رکھو۔ سختی کے وقت میں وفا بجا لاؤ۔ واقعات و حوادث کے موقع پر اچھی طرح دیکھ بھال رکھو۔ ہر کام اُسکے موقع پر کرو۔ ہر ایک بات اُسکے محل پر صرف کرو۔ فنونِ علم میں سے ہر فن میں غور و تدبر سے کام لو۔ اور نہایت مضبوطی کے ساتھ اُسکو یاد رکھو۔ اور اگر اسکا کمال نہ پیدا کر سکے تو فقط بقدر کفایت ہی حاصل کرے۔ اور اپنی عقل اپنی اور دانائی اپنے تجربہ سے ہر نئے واقعے کو اُسکے وقوع سے پہلے ہی جان جائے۔ اور انجام اُسکا پہلے ہی سے سوچ رکھے۔ تاکہ جب وہ واقع پیش ہو اُسکے متعلق جو کچھ کرنا ہو کر سکے۔ اور ہر طور سے اُسکے پہلو و جوانب کو درستی سے انجام دے سکے۔

اے اہل انشا! تمہیں چاہیے کہ ہر قسم کے آداب کی تحصیل میں رغبت کرو۔ دین کے علوم میں دستگاہ پیدا کرو۔ پہلے پروردگار کی پاک کتاب کو پڑھو اور اُسکے فرائض کو سمجھو۔ پھر عربیت کے متعلق جو علوم ہیں اُنکو حاصل کرو۔ کیونکہ اُن سے تمہاری زبان کی اصلاح ہوگی۔ پھر خوشنویسی میں کمال پیدا کرو۔ کیونکہ

یہ تمہاری تحریر کا زیور ہے۔ اشعارِ عرب کی روایت کرو۔ اُنکے معانی اور لغات کو یاد کرو۔ عجم و عرب کی لڑائیوں کے واقعات تاریخیں اُنکے متعلق قصے دریافت کرو۔ کیونکہ اُنکے سبب تمہاری ہمتیں بڑھینگی۔ مگر حساب سیکھنے میں اپنا وقت نہ صرف کرو۔ کیونکہ وہ دفترِ خراج کا کام ہے اسلئے تمکو چاہیئے لالچ اپنی طبیعتوں سے نکال ڈالو کسی بڑی چیز کا لالچ ہو یا چھوٹی کا۔ ذلیل اور حقیر کاموں کیطرف توجہ نہ کرو۔ کیونکہ اسمیں تمہاری ذلت ہے۔ اور تمام منشیوں پر اس سے دھبہ لگیگا۔ اپنی اس صناعت کو دناءۃ اور رذالت سے نکالو۔ بدگوئی اور چغلخوری کی عادت کو اپنی طبیعتوں سے دور کرو۔ جن کاموں میں جہلا مشغول رہیں اس سے تم کنارہ کش رہو۔ تکبر کا کبھی نام بھی نہ لو کیونکہ اس سے لوگوں کو تم سے عداوت ہو جائیگی۔ خدا کی خوشی کے واسطے عام بندگانِ خدا سے دوستی اور محبت کا برتاؤ کرتے رہو۔ اور ایک دوسرے کو ان باتوں کی وصیت کرتے رہو۔ جو اہلِ فضل۔ اہلِ انصاف اہلِ بزرگی و جلالت کے واسطے لائق ہے۔ اگر تمہارے امثال میں سے کسی سے زمانہ برگشتہ ہو جائے تو اسپر مہربانی کرو۔ اسکی غمخواری کرو۔ یہانتک کہ وہ اپنی اصلی حالت پر آجائے۔ اور اپنا ذاتی کام کرنے لگے۔

اگر تم میں سے کوئی بوڑھا ہو جائے اور کسی قسم کا پیشہ نہ کرسکے۔ اپنے دوستوں سے ملاقات نہ کرسکے تو خود تم اسکی زیارت کو جاؤ۔ اسکی تعظیم و تکریم کرو۔ اُن سے مشورہ لیا کرو۔ اُن کے تجربوں سے فائدہ اُٹھاؤ۔ اور تم میں سے جو کوئی کسی سے مدد لے تو اسکی ضرورتوں کے اوقات میں بنسبت اپنی اولاد اور بھائیوں کے زیادہ احتیاط سے کام لو۔ اگر کام عمدہ انجام پاجائے تو اُس شخص کی تعریف کرے جس سے مدد لی ہے اور اگر بگڑ جائے تو اُسکو اپنے سر رکھے تمہیں لازم ہے کہ خواری و ذلت و ملال سے تغیرِ احوال کے اوقات میں بچتے رہو۔ کیونکہ تمہارے فرقے کو بہت جلد عیب لگایا جاتا ہے۔ اور یہ تمہاری عزت و آبرو

کھو دینا ہے۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ اگر کوئی شخص تم پر احسان کرے۔ روپے پیسے دے تو تمکو اُسکے ساتھ کیا کرنا چاہیئے۔؟

ضرور تمہیں لازم ہوگا کہ اُسکی وفاداری کا خیال رکھو۔ اُسکا شکریہ ادا کرو اُسکے غیظ و غضب و سختی کا تحمل کرو۔ اُسکو خبر پہونچا نے کا دہیان رکھو۔ اُسکی رازداری کرو۔ اُسکے کام کی اصلاح کرتے رہو۔ اور علاوہ بریں جو اُسکے حق کا عوض ہوسکے سب ادا کرو۔ پھر جس وقت تمہیں ضرورت ہوگی اور مضطرب ہوگے تو وہ ان باتوں کا خیال رکھیگا۔ اور ان باتوں پر اپنے آپ قیاس کرکے سختی و آسانی ہمدردی و غمخواری و احسان و خوشی تکلیف و رنج کی حالت میں دیکھو۔ پس جس شخص میں یہ عادتیں ہوں وہ کیسا پاک اور نیک بخت ہوگا۔

اور اگر تم میں سے کسی کو بندگان خدا و عیال خدا کے کام انجام دینے کے لئے اختیار دیا جائے تو ہر وقت خدا کا دہیان رکھے۔ اُسکی عبادت کو ہر کام پر مقدم رکھے۔ کمزور پر نرمی کرے۔ مظلوم کا انصاف کرے۔ کیونکہ جتنے بندگان خدا ہیں وہ سب عیال خدا ہیں۔ اور خدا کو بہت ہی پسند ہیں۔ وہ جو اپنے عیال کے ساتھ نرمی سے برتاؤ کرتا ہے۔ پھر چاہیئے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص حاکم مقرر ہو تو انصاف سے حکم کرے۔ اشراف کی تعظیم و تکریم کرتا رہے۔ ایسا میں دولتمندوں کے زیادہ ہونے سے فکر کرے۔ شہروں کو آباد کرے۔ رعایا میں الفت و اتحاد پیدا کرلے۔ کسی قسم کی ایذا نہ دے۔ اپنے حلیہ میں تواضع و انکسار سے بیٹھے۔ خراج کے دفتر اور حقوق کی تحصیل کے سر رشتہ میں نرمی سے برتاؤ کرے۔ اگر کسی کو دربار کا صاحب بنایا چاہے تو پہلے اُسکے عادات و اخلاق کا امتحان کرلے۔ اگر اُسکے اخلاق پاک ہیں تو اُسکے مطابق برتاؤ کرے اور بُرے ہیں تو اُسکی اصلاح اچھے عنوان سے کردے۔ ایسا نہ ہو کہ اُسکو ناگوار گذرے۔

تم خود جانتے ہو کہ اونٹ گھوڑوں کی داشت کرنے والا۔ جسکے متعلق
اُنکے تمام کام کی انجام وہی ہے۔ جب اچھی طرح اُسکی داشت کے طریقے جانتا
ہوگا۔ تو فوراً اپنے جانور کے اخلاق پر پہلے اطلاع حاصل کرے گا۔ پس اگر
اُسے لات مارنے کی عادت ہوگی تو ہرگز اُسکو غصہ نہ دلائیگا۔ جبکہ اُسپر سوار
ہوگا۔ اور اگر نہایت شوخی اور جوانی کی مستی پر چڑھا ہوا ہوگا تو کبھی اُسکے منھ
کے سامنے سے نہ جائیگا۔ اور اگر اُسکے بھاگنے سے ڈرتا ہوگا تو اُسکے لگام کا
زیادہ خیال رکھیگا۔ اور مضبوط پکڑے رہیگا۔ اور اگر بدمزاج ہوگا تو اُسکی
تندی کو نرمی سے کم کرے گا۔ اور اگر وہ ہمیشہ راہ سے کج چلتا ہو تو اُسکی باگ ڈور
کا انتظام کئے رہیگا۔

اسی طور سے جو شخص کسی آدمی یا کسی شہر و قصبہ پر حاکم ہو اُسکو بھی چاہیے
کہ اِسی سائیس سے سبق لے۔ اور موقع محل کے ساتھ اہل شہر و قصبہ کے ساتھ
نیک معاملہ کرتا رہے۔

منشی دیوان کا فن چونکہ نہایت شریف فن ہے۔ انسان کو اسی علم
کی بدولت اوروں پر فضیلت حاصل ہے۔ خود منشی کو جو شرف ہے وہ اوروں کو
نہیں ہو سکتا۔ اس نظر سے چاہیئے کہ جس سے بات کرے یا مناظرہ کرے
یا کچھ بات دریافت کرنی چاہتا ہے۔ یا اُسکے غصے اور سطوت سے ڈرتا ہو اُس
سے بہت ہی نرمی کے ساتھ برتاؤ کرے اُسکی مدارات میں کسی قسم کی کمی
نہ کرے۔ آہستہ آہستہ اُسکی کجی کو ٹھیک کرے۔ اور اُسکو بہ نسبت سائیس
حیوانات زیادہ ملاطفت کا استحقاق ہے۔ حالانکہ اگر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ
حیوانات بالکل بات نہیں کر سکتے۔ نیک و بد کو نہیں پہچان سکتے کسی
کی بات نہیں سمجھ سکتے۔ فقط اسی قدر سمجھ لیتے ہیں جیسے اُنکا سائیس اشارے
سے اُنہیں بتاتا ہے۔ باایں ہمہ اُنکے ساتھ ایسے برتاؤ کرنے پڑتے ہیں چہ جائیکہ
آدمی جو تمام نیک و بد حسن و قبیح کو سمجھ سکتا ہے۔ پھر کیونکر نہ اُسکے ساتھ

پوری سیاست بدلی جائے۔

اے کاتبانِ دیوان! خدا تم پر رحم کرے۔ جہانتک تم سے ہوسکے بندگانِ خدا کے امور پر غور کرنے میں رفق و ملاطفت سے کام لو۔ اور جہانتک ممکن ہو سوچ بچار۔ فکر و غور کو ہر کام میں دخل دیا کرو۔ تب البتہ اپنے ہمراہیوں کے ظلم و استنقال سے امن میں رہ سکتے ہو۔ اور وہ تمہارا موافق بن سکتا ہے تم اُسکے شفیق ہو سکتے ہو۔

تم میں ہر شخص کو لازم ہے کہ اپنے درجے اور قدر و عزت کے مطابق اپنی مجلس کے ہمیشہ اپنا لباس۔ سواری۔ اکل و شرب۔ خدم و حشم وغیرہ رکھے۔ حد سے تجاوز نہ کرے۔ کیونکہ اب بھی باوجودیکہ تمکو خدا نے بہت بڑی فضیلت اور عزت دی ہے مگر تاہم خدمتگاری ہی کی حد میں ہو۔ اگر کسی قسم کی تقصیر تم سے ہو جائے گی تو معاف نہ کئے جاؤ گے۔ اور ابھی تک تم ایک دیانتدار راز دار ہو۔ اگر کچھ ضائع کر دوگے تو ہرگز تمکو معاف نہ کیا جائیگا۔ پھر کیوں نہ اپنے مصارف میں حد وسط اختیار کرو۔ تمکو لازم ہے کہ جو کچھ ابھی اوپر لکھا گیا ہے اُسپر عملدرآمد رکھو اسمیں تمہارے لئے بچاؤ کی صورت ہے۔ اور ہمیشہ اسراف فضول خرچی کے انجام سے ڈرتے رہو۔ کیونکہ یقیناً اسکا انجام مفلسی ہے۔ بالضرور اسکی انتہا ذلت ہے۔ خصوصاً اہل انشاء و صاحب آداب کے واسطے تو حد کا ذلیل کرنے والا ہے۔

اور یہ بھی یاد رکھو کہ ایک چیز کے مشابہ بہت سی چیزیں ہوا کرتی ہیں بعضی اُن میں سے بعضی پر دلیل ہو جاتی ہیں۔ ان سے ایک کو دیکھکر دوسرے کا حال معلوم ہوسکتا ہے۔ لہٰذا کسی کام کے شروع کرنیکے وقت اپنے سابق تجربے سے کام لو۔ اور تدبیر کی راہ چلو۔ مگر جو راہ زیادہ واضح ہو اور جسکی دلیل زیادہ روشن ہو اور جسکا انجام قابل مدح ہو۔

یہ بھی جان لو کہ تدبیروں کے لئے بھی ایک آفت ہے۔ وہ یہ ہے

آدمی اپنے علم اور اپنی فکر سے کام نہ لے سکے تو چاہیئے کہ اپنی مجلس میں کلام کم کرے۔ یعنی میانہ روی اختیار کرے۔ نہ بالکل زیادہ نہ بالکل کم۔ ایجاز و اختصار سے کام لے۔ خواہ خود شروع کرے یا کسی کی بات کا جواب دیتا ہو۔ مگر اپنی کلام کو تمام حجتوں اور دلیلوں کا لحاظ رکھ لے۔ اسی میں اسکے لئے مصلحت ہے۔ اور زیادہ گوئی سے جو فکر کو نقصان پہونچتا ہے اسکے بچاؤ کی یہی صورت ہے۔

اور پروردگار کی جناب میں اسکی توفیق اور امداد عطا فرمانے کے عوض میں نہایت انکسار اور عاجزی سے سر جھکائے اور اپنے حال کی درستی کے لئے دعا کرے۔ تاکہ ایسی غلطی میں واقع ہونے سے بچے جس سے اسکو جسمانی یا روحانی نقصان پہونچتا ہو۔ کیونکہ اگر تم میں سے کوئی شخص ایسا خیال کرے گا کہ اس خوبی سے جو کام انجام پا رہا ہے یہ محض میری تدبیروں اور راے دانیوں اور قوت دماغیہ کا نتیجہ ہے۔ تو ضرور پروردگار عالم اپنی توفیق سلب کر لیگا۔ اور اس غرور کے عوض میں اسکو اسکی چال پر چھوڑ دیگا پھر وہ ایسا ہو جائیگا کہ کوئی تدبیر اسکی پیش نہ جائے گی۔ اور ہرگز تم میں سے کسی کو مناسب نہیں ہے کہ اپنی عقل و دانائی کا غرور کرے۔ اور یہ سمجھے کہ جتنی تدبیروں اور کوششوں کے بار ہیں وہ سب میں اکیلا اٹھا سکتا ہوں۔ عاقل وہی شخص ہے جو اپنے آپ کو بڑا نہ سمجھے بلکہ اپنے ساتھیوں کو اپنے سے زیادہ عقل والا جانتا ہو بہر حال ہر شخص کو لازم ہے کہ اپنے پروردگار کی نعمت کا اعتراف کرے۔ اپنے عقل پر مغرور نہ ہو جائے۔ اپنے ہم پیشہ پر فخر و مباہات نہ کرے نہ اپنے کسی دوست آشنا یا قبیلہ والوں پر۔ اور اسکی حمد و ثنا سے کبھی غافل نہ ہو۔ کیونکہ اسکی عظمت۔ شان وجلال قدس کا اعتراف لازم ہے ہمیشہ اسکے آگے انکسار و تذلل خضوع و خشوع کرتا ہے۔

اب میں اپنے کلام کو اس مثل پر ختم کرتا ہوں کہ من تلزمہ النصیحۃ یلزمہ العمل (جس شخص کو خلوص و نصیحت لازم ہے اسکو عمل بھی لازم ہے)

یہی ہمارے اس رسالہ کا جوہر ہے۔

غرض پروردگار عالم ہم اور تمکو اے اہل قلم و علم اپنی سعادت و ہدایت سے سرافراز کرے۔ کیونکہ یہ اسی کے ہاتھ میں ہے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ (انتہیٰ)

خلاصۂ کلام یہ کہ ایک زمانہ ایسا بھی گذرا ہے جسمیں اہل قلم کی بڑی قدر و منزلت تھی جعفر بن یحییٰ برمکی کو دیکھئے جو کہ ہارون رشید کا وزیر تھا۔ اسقدر اسکی قدر و عزت تھی کہ تمام کاغذات پر ہارون رشید کے سامنے توقیع لکھتا تھا۔ اور کاغذ کو صاحب کاغذ کے سامنے اٹھا کے پھینکدیتا تھا۔ اسکی توقیعات کے لینے پر بلغاء و فصحاء لوٹے پڑتے تھے۔ تاکہ جعفر کے اسلوب کلام اور حسن تحریر و فصاحت و بلاغت کو دیکھیں۔ کہتے ہیں کہ اسکی توقیعات ایک ایک اشرفی کو فروخت ہوتی تہیں۔

اس زمانے میں کاتب دیوان ہی فرمان جاری کرتا تھا۔ آخر میں اسکا اپنا نام اور نیچے بادشاہِ وقت کی مُہر ہوتی تہی۔ یہ مُہر کسی چیز پر کُھدی ہوتی تہی یا اسمیں بادشاہ کا نام کندہ ہوتا تہا یا اور کوئی علامت جس سے معلوم ہو کہ شاہی مہر ہے اسکو پانی میں گھلی ہوئی سُرخ مٹی میں تر کرکے فرمان اسکے کنارے پر اسکے بند کرنے اور چپکانے کے وقت چھاپ دیتے تھے۔

اسکے بعد فقط بادشاہ کے دستخط سے فرمان جاری ہوتا تھا۔ کاتب فقط اپنی ایک نشانی ابتدا یا آخر میں بنادیتا تھا۔ پھر اسی طرح سے رفتہ رفتہ کاتب کا مرتبہ گھٹنے لگا۔ کیونکہ انکی جگہ پیدا ور اور لوگوں کی زیادہ عزت ہونے لگی۔

آخری زمانے میں بجائے مُہر کے فقط نشان بنادیا جاتا تہا۔ کیونکہ انکا تکبر و غرور اسبات کو جائز نہیں سمجھتا تہا کہ دستخط میں اپنا نام لکھیں۔ عرب کے بادشاہوں اور وزیروں اور عام امراء کی یہی یہ ایک لازمی عادت

تھی کہ چند مصاحبین قصہ خوانی - داستان گوئی اور تمسخر کی غرض سے ملازم رکھے تھے۔ مگر وہ لوگ معمولی گپ اس کہو دلنے والے نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ اہل ادب خوش مذاق۔ شاعر شیریں بیان۔ اہل زبان ہوا کرتے تھے۔ وہ برابر اپنے مالکوں کے پاس حاضر رہتے اور ہر موقع پر مناسب کلام کرتے جس سے اُنکے دل پر کسی سبب سے صدمہ بھی اگر آیا ہوتا تو اُنکی شیریں کلامی سے زائل ہو جاتا تھا۔ اور جب بادشاہ یا وزیر کو یہ منظور ہوتا کہ اب جلسہ برخاست کر دیا جائے تو اُسکے واسطے ایک خاص اشارہ معین تھا۔ جسے اہل مجلس سمجھ کے فوراً اُٹھ جاتے تھے۔ مثلاً بادشاہ نے سندیل مانگی یا مسند پر لیٹ گیا تو اہل جلسہ سمجھ لیتے تھے کہ اب ہمکو چلے جانا چاہیئے

امیر یا بادشاہ جب کسی سے کہتا کہ عزمت علیک ان تقول کذا وکذا یا عزمت علیک ان تحدثنا بما تعلم من الشیٔ الفلانی تو اُس شخص کو لازم ہو جاتا تھا کہ جس واقعہ کی بابت بادشاہ نے قسم دی ہے اُسکو سچ سچ بیان کر دے۔ کیونکہ بادشاہ کی قسم کو وہ لوگ بہت ہی عظیم الشان سمجھتے تھے۔ عزمت علیک کے معنے یہ ہیں کہ میں تمکو قسم دیتا ہوں کہ فلاں امر کو مفصل بیان کرو یا جیسا جانتے ہو ویسا ہی بیان کرو۔

دوسری فصل

امیر المؤمنین کا ذکر - اور اُن کی چند خصوصیات

ہم نے پانچویں باب کی چوتھی فصل میں لکھدیا ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں عرب جاہلی صاحب شریعت اسلامیہ کو امیر مکہ - امیر حجاز کہتے تھے۔ جب اُنکا انتقال ہوا اور ابوبکرؓ اُنکے بعد متولی خلافت ہوئے تو اپنا نام خلیفہ کے نام سے

مشہور ہو گیا۔ پھر جب عمرؓ تخت نشین ہوئے تو اپنے نام کے ساتھ امیر المؤمنین کا لفظ بڑھایا۔ اسکا سبب یہ تھا کہ ابوبکرؓ کو تو عام طور سے لوگ خلیفہ کہتے تھے جب اُنکے بعد عمرؓ خلافت پر بیٹھے تو قاعدہ کے بموجب چاہیئے تھا کہ اُنکو خلیفۃ الخلیفہ کہا جاتا اور جو اُنکے بعد ہوں وہ خلیفہ خلیفۃ الخلیفہ کہے جائیں یہ بات عمرؓ کو ناگوار معلوم ہوئی۔ مغیرہ وہاں حاضر تھا کہنے لگا کہ ہم لوگ مؤمنین ہیں اور آپ اُنکے امیر ہیں لہذا آپ کو امیر المؤمنین کہنا چاہیئے۔ پس اُنھوں نے یہی لقب اپنے واسطے پسند کر لیا۔ اُنکے بعد کے خلفا کو بھی امیر المؤمنین ہی کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ مگر بعد تمادی زمانہ کے امیر المؤمنین کے معنے ملک الملوک یا شاہنشاہ کے ہو گئے تھے۔ کیونکہ خلفائے عباسیہ کے زمانے میں صوبہ دار وغیرہ یا اطراف کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے حکمران بھی سلطان یا ملک کہے جاتے تھے۔ لہذا امیر المؤمنین کے معنے سلطان السلاطین کے سمجھے گئے۔

جن خلفا کے فرائض میں سے حفاظت دین اور سیاست تھی اُنہی کے فرائض میں سے قضا (فیصلہ کرنا) بھی تھا۔ کیونکہ منجملہ دینی اخلاق کے جیسے نماز ہی۔ فتوے دینا۔ جہاد کرنا کسی کو امیر کا خطاب دینا۔ کسی کو وزیر بنانا مخالفین اسلام سے لڑنا۔ خراج وصول کرنا۔ بڑی بڑی مسجدوں کے معاملات پر نظر کرنی۔ سکہ بنوانا۔ اور رسی کو معاملات کا چلانا ہی تھا۔ اپنے نام کا سکہ بنوانے کی یہ ضرورت تھی کہ عام لوگ لین دین میں غش اور آمیزش رفتہ رفتہ سے تھے۔ اور جب بادشاہی سکہ ہوگا تو پھر کسی کو آمیزش ممکن نہ ہو گی۔ نہ نقصان پہونچے گا۔

منجملہ اُن کے فرائض کے یہ بھی تھا کہ جو شخص کسی فعل بد کا مرتکب ہو اُسکو سزا دیں۔ رہزنوں کو لوٹنے مارنے سے روکیں۔ حمالوں اور کشتیبانوں کو حد سے زیادہ بار لادنے سے منع کریں۔ جو مکانات قریب انہدام ہوں اُنکو

گروادیں۔ جس چیز سے ضرر پہونچنے کا خوف ہوا اسکو بیچ دیں۔ جو معلمین کہ مدرسوں میں چھوٹے چھوٹے بچوں پر زیادہ ظلم کرتے ہیں اُنکے اعضوں پر مارنا۔ مقدمات اور دعاوی غش اور تدلیس وغیرہ جو ترازو و باٹ پیمانہ وغیرہ کے متعلق ہوتے تھے اُنمیں حکم لگانا وغیرہ وغیرہ بھی تھا۔

لیکن اخیر میں خلفار نے ان تمام کاموں کی انجام دہی کے واسطے وزیر مقرر کیئے۔ اور سب جھگڑے اُنہی کے ذمے رکھے۔ پہلے پہل مقدمات کے فیصل کرنیکے واسطے خلیفہ عمرؓ بن خطاب نے قاضی مقرر کیا (ورنہ پہلے خلیفہ ابوبکرؓ تنفا کا کام خود ہی انجام دیتے تھے۔)

خلیفہ عمرؓ نے جسکو محکمہ قضا میں متعین کیا تھا اُسکے نام ایک خط لکہا تھا جسمیں یہ فقرات بہی تھے۔ البینة علی من ادعی والیمین علی من انکر۔ والصلح جائز بین المسلمین الا صلحا احل حراما اوحرم حلالاً وان یراجع لنفسه فیما یقضی ویرجع الی الحق وان المسلمین عدول۔ بعضهم علی بعض الا من کان مجلوداً فی حد او مجربا علیه شهادة زور۔ او ظنینا فی نسب او ولاء۔

اُس زمانے میں منصب قضار فقط مدعی مدعیٰ علیہ کے جھگڑوں کو فیصل کر دینے تک محدود تھا اُسکے بعد رفتہ رفتہ بہت ہی امور قاضیوں کے سپرد کیے گئے۔ مثلاً محجوز علیہم و بیوا ئے ایتام مفلسین بے عقل لوگوں کی نگرانی مسلمانوں کی وصیت اور اوقاف کی دیکھ بھال بیواؤں بیاہیوں کی تزویج جبکہ اُنکے اولیار موجود نہ ہوں۔ سڑکوں مکانوں صفائی و مرمت گواہوں کے حالات کی تحقیقات امین و نواب وغیرہ کو رکھتے رہنا۔ یہ بہی اُنکے متعلق کیا جاتا تھا۔

کبھی ایسا بہی ہوتا تہا کہ قاضی صاحب کے متعلق فوجکی کمان بہی کیجاتی تہی۔ (کہاں قاضی صاحب کہاں فوج کی کمان دبقال بتاؤ آج ہوا کہا بار کیتا ہے)

قاضی صاحب کو یہ بھی حق حاصل ہوتا تھا کہ تنبیہی سزائیں جرائم کے واقع ہونے سے پہلے کسی شخص کو دے سکیں۔ اور حدود جاری کرسکیں قصاص اور دیگر معاملات پر اپنا حکم نافذ کرسکیں۔ تعزیرات کا اُنکو پورا اختیار ہوتا تھا۔ غرض جو جو باتیں خلفاء کی خصوصیات میں سے تھیں وہ سب قاضی کے حوالے تھیں۔

صدر اسلام میں احکام کا اجرا وہی شخص کرسکتا تھا جو قرآن و حدیث کو اچھی طرح جانتا ہو۔ لہذا جو مقدمہ کہ خلیفہ ابو بکرؓ کے پاس پیش ہوتا تھا اُسمیں اپنے علم کے بموجب فیصلہ کرتے اور اگر نہ معلوم ہوتا تو اور کسی صحابی سے دریافت کرتے جو صاحب شریعت اسلامیہ کے زمانے میں فتویٰ دینے کے قابل تھے۔ اور اگر اُنکو بھی نہ معلوم ہوتا تو آپ ٹھیکے اجتہاد کرتے صاحب شریعت اسلامیہ کے زمانے میں قابل فتوے اشخاص یہ تھے ابو بکر۔ عمر۔ عثمان۔ علی۔ عبد الرحمان بن عوف۔ عبد اللہ بن مسعود۔ ابی بن کعب۔ معاذ بن جبل۔ عمار بن یاسر۔ حذیفہ بن الیمان۔ زید بن ثابت ابو الدرداء۔ ابو موسیٰ اشعری۔ سلمان فارسی۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

جب ابو بکرؓ کا انتقال ہو چکا اور عمر بن خطابؓ وارث خلافت ہوئے تو صحابہ رسول صلعم اول اُن شہروں میں بھیجے جاتے تھے جو ابو بکرؓ کے وقت میں فتح ہو چکے تھے۔ مگر مقدمات مدینہ ہی میں پیش ہوتے تھے۔ پھر اگر کوئی صحابی فیصلہ کرسکتا تھا تو بہتر ورنہ اُنہی شہروں کے حکام کے پاس بھیجدیئے جاتے تھے اور وہ اپنی رائے سے فیصلہ کرتا تھا۔ حالانکہ اکثر ان مقدمات کے احکام بعض بعض صحابہ کے پاس ہوتے تھے۔ جو دوسرے کو نہ معلوم ہوتے۔ یہی وجہ ہوئی کہ اسلامیوں نے حدیث کے جمع کرنے و بصورت کتاب لکھہ رکھنے کی ضرورت سمجھی۔ چنانچہ پہلے پہل جس نے حدیثیں جمع کیں محمد بن شہاب زہری تھا۔ اور پہلے پہل جن لوگوں نے علم حدیث میں کتاب تصنیف کی اور ابواب و فصلیں

علحدہ علحدہ کردیں۔ سعید بن عروبہ۔ اور ربیع بن صبیح بصری اور معمر بن راشد یمنی اور ابن جریج مکی ہے۔ انکے بعد سفیان ثوری کوفی۔ حماد بن سلمہ بصری ولید بن مسلم شامی۔ جریر بن عبد الحمید رئی۔ عبد اللہ بن مبارک مروی وخراسانی۔ اور ہشیم بن بشیر واسطی۔ ہوئے۔ مگر سب کی تصنیف سے بہتر تصنیف ابو بکر بن ابی شیبہ کوفی کی ہے۔ اس نے نہایت خوبی سے تصنیف و تالیف کے کام کو انجام دیا ہے۔ اسی وقت سے احادیث دور دور کے شہروں میں نقل ہوہو کے جانے لگیں۔ اور جسکے پاس پہونچیں اسپر ایک حجت قائم ہوگئی جسمیں عدم مسموعیت کا عذر نہیں قبول ہوتا تھا۔

پہلے پہل جس نے علم فقہ وغیرہ علوم بطور درس کے پڑھے ابو جعفر منصور عباسیین کا پہلا خلیفہ تھا۔ اسی نے امام مالک بن ابی عامر بن حرث اصبحی کو ہدایت کی تھی کہ فقہ میں ایک کتاب لکھو۔ اور یہ بھی کہا کہ اگر ایسا نہ کیا تو جان او کہ پھر فقہ کا علم دنیا سے اُٹھ جائیگا۔ کیونکہ آج اگر کوئی شخص عالم کے پردے میں عالم ہے تو یا میں ہوں یا تم ہو۔ لیکن چونکہ خلافت کے کاموں سے اتنی فرصت نہیں ملسکتی۔ لہذا تمہیں ایک ایسی کتاب لکھو جس سے لوگ فائدہ اُٹھاسکیں۔ مگر اسمیں ابن عباس کی عام اجازتیں اور ابو عمر کی سختیاں نہ آنے پائیں۔ یعنے احکام نہ تو بالکل سہل ہوں۔ نہ بالکل سخت۔ ووطئہ للناس توطئۃ۔ ایسی کتاب بناؤ جسپر سب بآسانی عمل کرسکیں۔

ابن مالک نے فوراً قبول کیا اور اُسی لفظ وطئہ سے مشتق کر کے اپنی کتاب کا نام موطا رکھا جو آج۔ موطا ابن مالک کے نام سے مشہور ہے مگر شہرت کے بعد خلافت ہارون رشید میں ۱۸۰؁ھ مطابق ۷۹۶؁ء میں انتقال کیا۔

امام مالک کے بعد ہارون رشید کے زمانے میں امام ابو حنیفہ کا ظہور ہوا اُنھوں نے ایک علحدہ ہی اپنا مذہب قائم کیا۔ جو آج تک مشہور ہے۔ اور اسی

مذہب کے ماننے والے زیادہ ہیں۔

امام شافعی (جسکا ذکر آیندہ ہوگا) نے کہا ہے کہ تمام دنیا کے لوگ پانچ آدمیوں کے عیال میں داخل ہیں۔ جو شخص فقہ میں کمال پیدا کریگا وہ ضرور ابوحنیفہ کے عیال میں ہوگا۔ جو شخص شاعری میں تبحر پیدا کریگا وہ زہیر بن ابی سلمہ کے عیال میں ہوگا۔ جو شخص مغازی میں تبحر پیدا کرے وہ علی محمد بن اسحاق کے عیال میں ہے۔ جو شخص نحو میں کمال پیدا کرنا چاہے وہ کسائی کے عیال میں داخل ہے۔ جو شخص علم تفسیر میں کمال پیدا کرے وہ مقاتل بن سلیمان کے عیال میں سے ہے"

ابوحنیفہ اسی خلیفہ کے عہد حکومت میں منصب قضا کے نہ قبول کرنے پر قید کیا گیا۔ اور ہر روز دس کوڑے لگائے جاتے تھے۔ یہانتک کہ قید ہی میں مر گیا۔ بعضوں نے کہا ہے کہ زہر دیکے ۱۵۰ھ میں مار گیا۔

انکے بعد امام محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع قرشی معروف بہ امام شافعی کا مذہب مامون کی خلافت کے زمانے میں ۲۰۴ھ مطابق ۸۱۹ء میں مشہور ہوا۔

انکے بعد امام احمد بن حنبل بن ہلال بن اسد شیبانی نے اپنا مذہب الگ قائم کیا۔ اور متوکل عباسی کے عہد میں جان بحق تسلیم ہوئے۔ انکے انتقال کا سن ۲۴۱ھ مطابق ۸۵۵ء ہے۔

یہی چار مذاہب عام اسلامی شہروں میں رائج ہیں۔ انکے واسطے مدرسے اور خانقاہیں وغیرہ بنائی گئی ہیں۔ طلبہ انہیں پڑھتے ہیں۔ جو شخص ان مذاہب میں سے کسی پر اگر مطلع نہ ہو تو اسکو محکمہ قضا میں جگہ نہیں دیجاتی نہ اسکی گواہی معتبر سمجھی جاتی ہے۔ نہ خطبہ خوانی اور پیش نمازی کے واسطے منتخب ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ان چار مذہب والوں نے بڑی کوشش صرف کرکے احکام جمع کئے ہیں۔ اور اپنے احکام کے تین حصے بنائے ہیں۔

ایک عبادات ہیں۔ دوسرا معاملات ہیں۔ تیسرا فرائض ہیں۔ یعنے تقسیم ترکہ وغیرہ ہیں۔

ہارون رشید عباسی کے زمانے میں جب ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم بن حبیب انصاری (جو کہ ابو حنیفہ کا رفیق اور زبردست عالم تھا) کو منصب قضا ملا تو اُسی کے ساتھ خطاب بھی قاضی القضاۃ کا دیا گیا۔ پہلے پہل انہی کو یہ خطاب حاصل ہوا ہے۔ انہی نے علمائے عرب کی لباسی ہیئت کو تبدیل کر دیا۔ جو اس وقت تک باقی ہے۔ ورنہ پہلے عالم و جاہل سب کے لباس ایک طرح کے ہوا کرتے تھے۔ اسکا انتقال ۱۸۲ھ مطابق ۷۹۸ء میں ہوا۔

تیسری فصل

تدوین دواوین اور ترتیبات مالیہ

ابن خلدون مغربی نے فتوحات اسلامیہ کی غنیمتوں کی بابت لکھا ہے کہ جسقدر لوٹ کا مال ان فتوحات سے حاصل ہوتا تھا کبھی ایک ایک فوجی آدمی کو تیس تیس ہزار اشرفیاں ملتی تھیں۔ اور فوج کا یہ قاعدہ تھا کہ جسقدر مال غنیمت ملتا تھا اُسکا پانچواں حصہ جسکو خمس کہتے ہیں خلفا کے پاس بھیجدیتے تھے۔ تاکہ وہ اپنی اور اور ضرورتوں میں صرف کریں۔ جب مال کا خمس خلفا کے پاس آجاتا تھا تو اسکے حصے کر کے اہلبیت رسول صلعم۔ صحابہ۔ مہاجرین اور انصار کو دیئے جاتے تھے۔ اور علیٰ ہذا القیاس جو کوئی صلاح و مشورے وغیرہ میں جہاد کے شریک ہوتا اُسکو بھی حصہ ملتا۔ اور خود جتنا کم اپنے پاس

رکھتے۔ چنانچہ عمرؓ کی بابت لوگوں نے لکھا ہے کہ اُنکے کپڑے میں چمڑے کے پیوند لگے ہوتے تھے۔ مگر جب بحرین کی فتح کے بعد ابوہریرہ پانچ لاکھ درہم خمس کی تدبیر لیکے عمرؓ کے پاس آیا تو خیال کیا کہ اگر اسقدر درہم خزانہ میں جمع ہوں تو بہت مناسب ہو۔ چنانچہ ممبر پہ جاکے کہا ایها الناس جاءنا مال کثیر ان شئتم کلنا لکم کیلا وان شئتم عددنا لکم عدا

غرض جب اس مال کی تقسیم میں تکلیف بہت ہوئی تو ہرمزان فارسی کو بلوایا اور دریافت کیا کہ تمہارے ہاں روزنامچہ اور حساب کتاب کا کاغذ کیونکر لکھا جاتا ہے۔ ہرمزان نے بیان کیا کہ ہمارے ہاں ایک قسم کا بھی کھاتا ہوتا ہے جسکو ماروز کہتے ہیں۔ اسمیں تمام حساب لکھے جاتے ہیں۔ اسی کے مطابق عربی میں اسکا نام مورخ رکھا گیا۔ اور برابر استعمال ہونے لگا اسکے بعد یہ تلاش ہوئی کہ ابتدا کس زمانے سے کیجائے۔ غرض بحث کے بعد طے ہوا کہ سنہ ہجری سے ابتدا ہونی چاہیئے۔ چنانچہ اسی کے مطابق عملدرآمد ہونے لگا۔ اور ہر چیز سنہ ہجری کے مطابق لکھی جانے لگی۔

اسکے بعد خلیفہ مشار الیہ نے اسی ہرمزان مذکور الصدر کی صلاح سے بیت المال کھلوایا۔ اسی وقت سے دیوان (دفتروں) کی ابتدا ہوئی۔ چند روز بعد فوج کے انتظام کا دیوان (دفتر) کھلا۔ جیسا کہ ایران کے ممالک میں تھا۔ اور کچھ تبدیلی فوج کی تعداد لکھنے اور اُنکی بھرتی کرتے وقت اُنکے نام لکھنے کیواسطے مقرر ہوئے۔

دیوان کا لفظ دراصل فارسی ہے اور دیوانہ (مجنون) کے لفظ سے لیا گیا ہے۔ اسکی وجہ تسمیہ یوں بیان کیجاتی ہے کہ کسی ایرانی بادشاہ نے اپنے حساب کے دفتر میں کچھ لوگوں کو حساب کرتے دیکھا تو انکی یہ فطرت تھی کہ اپنی انگلیوں پر زبانوں سے کچھ جوڑتے کچھ لکھتے۔ کبھی اپنے آپ سے مخاطب ہوکے کہا کرتے (مثلاً ہاں۔ یہ ٹھیک۔ اب پورا ہوا۔ اف اف

اتنی مشکل سے بعد توسطے سہا) بادشاہ نے کہا یہ سب دیوانے ہیں۔ اُس وقت سے حساب کے دفتر کا نام دیوان پڑگیا۔ فقط حرف (ہ) اسمیں سے نکال دیا گیا ہے جمع اسکی دواوین ہے۔ مگر ایک اور شخص نے یوں بیان کیا ہے کہ اصل میں یہ لفظ فارسی میں دیو (بھوت) کی جمع ہے۔ تو گویا مطلب یہ ہوا کہ منشی اور حساب کتاب والے لوگ دیو بھوت ہیں کیونکہ جسطرح دیو بھوت بہت جلد جس چیز میں چاہتے ہیں سما جاتے ہیں اُسی طرح یہ لوگ ہر بات کی تہ تک پہونچ جاتے ہیں اور متفرق کو یکجا کر لاتے ہیں۔

اور پہلے پہل جس نے دیوان مہر اور خط و کتابت کا دفتر الگ مقرر کیا معاویہ بن ابی سفیان ہے۔ اُسوقت تک خطوط کی نقل نگہداشت نہیں ہوتی تھی۔ اسکا سبب یہ ہوا تھا کہ ایک مرتبہ معاویہ نے عمر بن زبیر کو زیاد سے ایک (مائۃ الف) ایک لاکھ درہم یا دینار دلواے تھے اور خط اُسکو لکھ کے دیا تھا عمر نے یہ چالاکی دکھلائی کہ جھٹ خط کو کھول مائۃ کو مائتین یعنے ایک لاکھ کے دو لاکھ بنا دیئے اور کوئی جا کے زیاد سے دو لاکھ اُسی خط پر وصول کر لئے زیاد نے جب سال تمام کا حساب پیش کیا۔ تب معاویہ نے سمجھا کہ یہ عمر کی چالاکی ہے اُسوقت سے خطوط کا بند کرنا اور مہر لگانا مقرر ہوا۔

معاویہ کے ہی زمانہ سلطنت میں چٹھی رسان بلاد اسلامیہ کے واسطے مقرر ہوئے اُسکی ابتدا سنہ ۴۲ ہجری مطابق سنہ ۶۶۲ء سے ہے۔ مگر مقریزی نے مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ چٹھی رسانی کا عہدہ اور پوسٹ آفس محمد مہدی عباسی کے زمانے میں ایجاد ہوا۔ اُس نے مکہ و مدینہ اور یمن کے درمیان ڈاک مقرر کر دی تھی۔

جمع خرچ کا دفتر جو دمشق میں بنایا گیا تھا پہلے رومی زبان میں تھا اور اُسی صورت سے خلفائے امویین کے زمانے میں رہا۔ جب عبدالملک بن مروان بادشاہ بنا تو رومی سے عربی میں نقل کرایا۔ ناقل اسکا ابو ثابت سلیمان

بن سعد کاتب رسائل تھا۔ جب رومی کاتبوں کی ضرورت نہ رہی تو وہ ایک طرف سے برطرف کر دیئے گئے۔ معاویہ کے زمانے میں جسکے متعلق جمع خرچ لکھنے کا کام تھا اُسکا نام سرجون بن منصور نصرانی تھا۔ اُسکے بعد منصور بن سرجون مقرر ہوا تھا۔ عراق کا دیوان پہلے فارسی میں تھا۔ چونکہ اُس زمانے میں حجاج بن یوسف ثقفی معاویہ کیطرف سے عراق کا حاکم تھا لہذا اس نے فارسی سے عربی میں اُس دفتر کو نقل کرایا۔ کیونکہ خود نہیں سمجھ سکتے تھے۔

جب مامون عباسی کو منصب خلافت ملا تو چند دیوان اس عہد میں بھی کھلے۔ مثلاً دیوان انشا۔ دیوان اعمال وغیرہ۔

اپنے مکان ہی میں ایک بہت بڑا وسیع کمرہ بنوا لیا تھا جسمیں ایک مقام پر تحریرات صاف ہوتی تھیں۔ ایک مقام پر معاملہ طے ہوتا تھا۔ ایک جگہ حساب کا دفتر تھا۔ ایک جگہ خزانچیوں کا دفتر تھا۔ اور انہیں سے ہر محکمے کئی کئی کاتب مقرر کئے تھے جو ملکی کام کرتے تھے۔ اور اکثر غفلت میں وہ ہو کر دیکھو اس کمرے میں بھی آ کے دیکھتے کہ ملازمین اپنے اپنے عہدوں کو کسطرح انجام دے رہے ہیں قابل تعریف ہیں یا قابل گوشمالی۔ اسی وجہ سے عمال ہر وقت ہی ڈرتے رہتے تھے۔

صدر اسلام میں دفاتر کی تحریریں مدرج ہوا کرتی تھیں۔ یعنے بڑے بڑے چمڑوں پہ لکھ کے لپیٹ دیجاتی تھیں۔ مگر بنی امیہ کا دورہ ختم ہونے کے بعد جب سفاح کو سلطنت کا تخت ملا۔ اور خالد بن برمک کو ابو سلمہ حفص بن سلیمان خلال کے بعد وزیر بنایا تو اس نے کھال کی باریک جھلکیاں تراشوا کے حساب کتاب اور خطوط وغیرہ لکھوانا شروع کئے۔ اور وہ لپیٹنے والا سلسلہ توڑ دیا اُسکے بعد جب جعفر بن یحییٰ برمکی کو رشید عباسی کے عہد میں وزارت ملی تو اس نے تمام دفاتر میں کاغذ کو رواج دیا۔ پھر اسکے بعد تو عام رواج کاغذ ہی کا ہو گیا۔ ابن خلدون مغربی نے لکھا ہے کہ کاغذ بنوانے کی رائے فضل بن یحییٰ برمکی

(جو جعفر کا بھائی تھا) نے دی تھی۔

کہتے ہیں کہ عرب قدیم زمانے میں تحریرات میں حروف ہجا جو لوہے کی کیلوں کے مشابہ ہوتے تھے استعمال کرتے تھے۔ ان حروف کو علماء تفتیش (سیاح اور ہر چیز کی حقیقت دریافت کرنے والے) نے لکھا ہے کہ قدیم زمانے میں حروف پر سپولیسیہ (فارسیہ) کہتے تھے۔ پھر یہ حروف حمیریہ حروف کیفیوشٹ میں بدل گئے جو علیحدہ علیحدہ لکھے جاتے تھے۔ (جیسے ناگری کے حروف) پھر حمیر سے انبار میں منتقل ہوا۔ پھر انبار سے حیرہ میں۔ حیرہ سے اہل طائف اور قریش نے لیا۔ مگر چونکہ یہ لوگ محض وحشی اور بدوی تھے اس وجہ سے صدر اسلام تک یہ حروف مستحکم ہی رہے۔

اکثر مورخین کی یہ رائے ہے کہ پہلے پہل جس نے عربی لغت میں لکھنا شروع کیا اسمعیل ذبیح بن ابراہیم خلیل تھے۔ مگر بعض مورخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ عرب کو حضرت ایوب صدیق کے وقت سے کتابت کا علم تھا۔ اور اسکی تائید میں بعض انگریزوں اور متاخرین کاتبوں کی رائے پیش کرتے ہیں۔ ایک شخص اور لکھتا ہے :" میرا گمان ہے کہ عرب عموماً بہت قدیم زمانے سے چونکہ علوم طبعیات وفلکیات ونظم اشعار میں مداخلت رکھتے تھے۔ کیونکہ حضرت ایوب صدیق کے مکالمات اور نیز اُنکے شاگردوں کی تقریریں صاف بتاتی ہیں کہ اُنکو تمام ان علوم میں دخل تھا۔ حالانکہ وہ سنہ عیسوی کے شروع ہونے سے ۱۵۲۰ برس پیشتر تھے۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ عرب کو فن کتابت بھی آتا تھا۔

ایک اور شخص نے یوں لکھا ہے کہ مورخین وعلمائے انگلستان نے اس بات کو تسلیم کر لیا ہے کہ تمام شعرا کی بہ نسبت حضرت ایوب صدیق کی فصاحت وبلاغت بڑھی چڑھی تھی۔ حتی کہ ہومر شاعر یونان۔ اور شکسپیر شاعر انگلستان جنکی شاعری آج دنیا میں مشہور ہے ان پر حضرت ایوب صدیق کو فوق حاصل تھا۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت ایوب صدیق ان دونوں سے قبل گذرے ہیں

جسکی شہادت اُنکے صحیفے دیتے ہیں کسی نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ صحیفے اصل عربی زبان میں تھے۔ مگر حضرت ایوب نے عبرانی زبان میں ترجمہ کر لیا تھا۔ اور وہ اصل عربی زبان اور نیز وہ صحیفے مفقود ہو گئے جس سے نہیں معلوم ہو سکتا کہ وہ حمیری زبان میں تھے یا مضر کی زبان میں۔

پھر ان قواعد و آداب لغت ادبیہ کو دیکھ اور جاہلیت کے زمانے کی حالت اسکے ساتھ شامل کر کے کہتے ہیں کہ جب جاہلیت میں باوجود جہالت محضہ کے یہ سلیقہ و کمال حاصل تھا تو ہم یقیناً کہہ سکتے ہیں کہ اسی طرح فن کتابت بھی قدیم ہوگا۔ اگرچہ ہم بتا نہیں سکتے کہ کب سے ہے۔ باقی رہا شاید اسکی بابت ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ کتابیں چونکہ بالکل مفقود ہو گئیں اسوجہ سے ہم پیش نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ فقط اومیرس شاعر کا کلام دیکھکے کہا جاتا ہے کہ یونان میں بھی یونانی زبان کا ادب نہایت تہذیب و متانت سے اومیرس سے قبل مرتب تھا۔ اگرچہ ہم اُن کتابوں کو نہیں پیش کر سکتے۔ جنہیں اُنکی فصاحت و بلاغت پر گفتگو کیجا سکے۔ کیونکہ جب وہ لوگ ہی فنا ہو گئے تو اُنکے علوم اور کتابیں بھی معدوم ہو گئیں۔

ابن خلدون نے طبری سے نقل کیا ہے کہ ضخم بن آرام کی اولاد طائف میں رہتی تھی۔ مگر جب اور عام لوگ وہاں کے فنا ہوئے تو وہ بھی صرصر فنا میں جل بھن گئے۔ اُنہی میں یہ فن کتابت بھی تھا۔ اور وہ لوگ عربی خط میں تحریریں لکھتے تھے۔ (مگر یہ سب اقوال محض کہانی ہیں محققین انکو تسلیم نہیں کرتے) محققین کی رائے یہ ہے کہ ایک شخص مرامر بن مرہ نے جسے مروہ بھی کہتے تھے (جو بنی طے میں سے تھا۔ یا بنی مرہ میں سے) انبار میں پہلے پہل فن کتابت داخل کیا اور وہیں سے عرب میں پھیل گیا۔

اور یہ مثل جو مشہور ہے انما خدش فی المسند وشی انوش (مسند وشی کے معنے نشان واثر کے ہیں اور انوش بن شیث بن آدم کے بیٹے کا نام تھا)

تو اگرچہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے پہل لکھنا انہی سے شروع ہوا ہے مگر اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ عربی خط بھی انہی کا ایجادی ہے۔ بلکہ عربی خط اسلام سے کچھ ہی قبل ایجاد ہوا ہے۔ کیونکہ جب اسلام شروع ہوا تھا تو یمن میں ایک بھی ایسا آدمی نہ تھا جسکو لکھنا پڑھنا آتا ہو۔ اس بات پر تمام مورخین اسلام متفق ہیں۔ البتہ اس بات سے انکار نہیں ہے کہ حمیر میں ایک قسم کا خط (مسند کے نام سے مشہور) تھا۔ مگر اسکے الفاظ ملا کے نہیں لکھے جاتے تھے جیطرح اب عربی کے الفاظ لکھے جاتے ہیں۔ بلکہ ہر حرف اسکا علیحدہ علیحدہ ہوتا تھا۔ وہ اپنا فن کسی کو سکھاتے بھی نہ تھے۔ اگر کوئی سیکھنا چاہتا تو اسکو لازم تھا کہ ان سے اجازت حاصل کرلے۔ یہ فن سلاطین تبابعہ کے زمانے میں نہایت استحکام اور جودت سے جاری تھا۔ پھر وہاں سے حیرہ میں آیا کیونکہ یہاں بھی سلاطین تبابعہ کے قرابتدار رہتے تھے۔ جنہوں نے عراق کی سرزمین پر عربی حکومت قائم کی تھی لیکن اس فن میں اتنی قوت ان کے ہاں نہ تھی جتنی کہ تبابعہ کے وقت میں تھی۔ پھر حیرہ سے اہل طائف اور قریش نے لیا جسکا سلسلہ اُسی مرامر بن مرہ سے شروع ہوتا ہے۔

زید بن ثابت کے بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ جب اسکو ابوبکرؓ نے حکم دیا تھا کہ قرآن کو جمع کرو تو اُسوقت عرب میں کوئی چیز ایسی نہ تھی جس سے قرآن کو لکھا جائے۔ وہ کہتا ہے کہ میں چاروں طرف مارا مارا پھرتا تھا کبھی خرما کی چھال کو دیکھتا تھا کہ شاید اسپر لکھنا ممکن ہو کبھی سفید پتھروں کو دیکھتا تھا کبھی لوگوں سے دریافت کرتا تھا۔ کہ آخر کوئی چیز ایسی ممکن ہے کہ جسپر قرآن لکھا جاسکے۔

زوزنی نے لکھا ہے کہ انجام کار کپڑے کو لیکے اسپر لئی لگاتے اور خشک کرکے مہرہ کرتے اور اُسی پہ قرآن کو لکھتے تھے۔ اس کپڑے کا نام اُسوقت مہرق تھا (یعنے مہرہ کردہ) جو فارسی معرب بنایا ہوا ہے۔ اسکی جمع مہارق

آ گئی تب ہے۔ عرب نے تو کاغذ کا استعمال جبھی جانا جبکہ حجاج نے اپنی تحریرات میں اسے استعمال کیا اور وہی پہلا شخص ہے جس نے کاغذ پر لکھنا شروع کیا ہے۔

غرض جب اسلامی عرب نے تمام مشرقی مغربی شہروں کو فتح کر لیا اور ممالک عظیمہ پر قبضہ پا چکے تو لا محالہ کتابت کی بھی ضرورت ہوئی۔ اسی وجہ سے انکو فن خط کی ضرورت ہوئی۔ پہلے تو حمیری خط کی تعلیم حاصل کی۔ اُسکے بعد کچھ تصرف کر کے خط کوفی کی شان درست کی۔ اور زبر۔ زیر۔ پیش۔ جزم وغیرہ حرکات ایجاد کیے۔ نقطے لگانا شروع کیے تاکہ حروف متشابہ میں تمیز ہو سکے جیسا کہ ہم نے زبدۃ الصحائف فی اصول المعارف کے صفحہ ۷۰ میں لکھا ہے اُسوقت یہ خط اچھی صورت میں نمایاں ہوا۔ مگر پھر بھی کمال کو نہ پہونچا تھا

پھر جب مسلمانوں نے اندلس اور افریقیہ کو فتح کر لیا۔ اور ابو جعفر منصور عباسی نے بغداد پر قبضہ کر کے دار الاسلام اور علوم عربیہ کا مرکز بنایا۔ اُسوقت خط بغدادی شروع ہوا۔

کہتے ہیں کہ ایک شخص مسمی شیخ علی بن ہلال سماقی نے حروف ہجا کو ایک دوسرے سے وصل کر کے لکھنا شروع کیا۔ جیسا کہ آجکل رائج ہے ورنہ پہلے الگ الگ حروف لکھے جاتے تھے۔ مگر چند اور مورخین نے لکھا ہے کہ خط کوفی سے پہلے پہل جس نے اس صورت حال میں خط کو بدلا وہ شیخ علی بن ہلال شاگرد ابو علی محمد بن علی بن الحسین معروف بہ ابن مقلہ (خلیفہ مقتدر کا وزیر) تھا۔ اسی وجہ سے یہ شخص ضرب المثل ہو گیا تھا۔ اب جبکہ خوشنویسی کی تعریف کرتے ہیں تو اسی کی مثل دیتے ہیں مثلاً فلان فی حسن خطہ اجود من خط ابن مقلہ۔ اسکا انتقال سنہ ۳۲۸ ہجری مطابق سنہ ۹۳۹ء میں ہوا۔

اب اگر زیادہ تفصیل کی ضرورت ہو تو ہماری کتاب زبدۃ الصحائف کو صـ ۱۱۲ لغایت صـ ۱۲۵ دیکھو۔

ترتیبات مالیہ

جسطرح دیوان ودفاتر کی ترتیب عمر بن خطاب کے عہد میں ہوئی اسی طرح مالیات کے دفاتر اور خزانہ اور بیت المال کی ترتیب بھی اسی زمانہ میں ہوئی۔

مورخین لکھتے ہیں کہ صاحب شریعت کے زمانے سے جو ہر ایک شخص پر فروہ مقرر تھا۔ اسکو چھوڑ کے تجارت پر ٹیکس لگایا۔ یہ ٹیکس ہر قسم کے تاجروں سے لیا جاتا تھا۔ خواہ مسلمان ہوں یا نصاریٰ۔ یا کفار حربی ہوں۔ مگر درجات ٹیکس میں کمی بیشی تھی۔ مثلاً حربی تاجروں سے اُسکے پورے سرمایہ کا دسواں حصہ ٹیکس میں لیا جاتا تھا۔ انہی کے وقت میں غلاموں اور گھوڑوں پر ٹیکس باندھا گیا۔ اور جزیہ کی مقدار مقرر ہوئی۔ یعنے اپنے عامل کو جو بصرہ میں رہتا تھا (عثمان بن حنیف) لکھ بھیجا کہ نصاریٰ پر ٹیکس کی مقدار مقرر کرلو۔ چنانچہ عثمان نے امیر عیسائیوں پر اڑتالیس درہم اور ان سے کم مرتبے والوں پر چوبیس۔ جو ان سے بھی کم درجے کے تھے اُنپر بارہ درہم ٹیکس لگائے۔ (بارہ درہم کا ایک دینار ہوتا تھا۔)

یہی قول ابوحنیفہ اور احمد بن حنبل کا ہے اور نیز شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے۔ مگر یہ لوگ قائل تھے کہ امام وقت کو جائز ہے کہ جسقدر چاہے بڑھادے لیکن اس قدر سے جسے عمر بن خطاب نے مقرر کیا ہے گھٹانا جائز نہیں ہے اور یہ مقدار جزیہ کے مردوں ہی پر ہے۔ عیسائی عورتیں اور بچے اور دیوانے اس سے مستثنیٰ ہیں۔

عمرؓ نے عراق کے حبشیوں پر بھی ٹیکس مقرر کیا تھا۔ یعنے جسقدر زمین اُنکی کاشت میں ہو اسمیں فی جریب ایک صاع گیہوں یا جَو اور ایک درہم ٹیکس دیں۔

ایک قانون یہ بھی بنا دیا تھا کہ جو زمین کسی خاص شخص کی کاشت میں ہو اگر وہ شخص تین سال تک اسمیں کاشت نہ کرے اور دوسرا کوئی وہاں زراعت کرے تو بھی پہلا شخص اس زمین اور اسکی زراعت کا مستحق ہوگا۔

انہی نے دریائے نیل کو بحر العرب سے خلیج قلزم کے ذریعے سے ملا دیا جیسا کہ بطلیموسیہ اور فراعنہ اور دارا یانوس نے کیا تھا۔

مصر کی تہائی آمدنی پل اور حوضوں کے بنوانے کے واسطے مخصوص کر دی تھی۔

جب عثمان بن عفان کو خلافت ملی تو زمینوں کی پیمائش و اراضی کے خرید و فروخت کا سلسلہ قائم کیا۔

عبد الملک کے مروان کے زمانے میں درہم و دینار کے سکے بنوائے گئے اور ۷۶ھ مطابق ۶۹۵ء سے چلنے شروع ہوئے۔

اس سے قبل سونے اور چاندی سے خرید و فروخت ہوتی تو تھی مگر سکے کی صورت نہ تھی بلکہ وزن کے حساب سے۔

مہدی عباسی کی خلافت میں شرابخواروں پر ٹیکس لگایا گیا یہ پہلا خلیفہ رسول ہے جس نے شراب پر ٹیکس لگایا ہے۔

فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ۔

دسواں باب

عربی لغات اور عرب کی فلسفہ دانی

(اسمیں چھ فصلیں ہیں)

فصل اول

لغت عربیہ کا ادب کب سے تیار ہوا اور اُس کے کیا کیا سبب تھے

یہ بات اچھی طرح ظاہر ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں عربوں کی صحت فکر۔ فصاحت۔ استقلال۔ ذکاوت۔ فطری اعلیٰ درجے پر پہنچی ہوئی تھی۔ انکی فصاحت پیدا کی ہوئی نہیں تھی بلکہ قدرت نے انہیں کوٹ کوٹ کے یہ باتیں بھردی تھیں اسی وجہ سے انکو شعر گوئی میں سوچنے کی ضرورت نہ ہوتی تھی بلکہ بے ساختہ جب چاہتے تھے شعر کہہ بیٹھتے تھے۔

اور چونکہ کوئی کام انکو ایسا نہ کرنا پڑتا تھا جس میں انکے اوقات مصروف رہتے اور بالکل بے فکری ہوتی تھی۔ اسی وجہ سے انکو اپنی زبان کی اصلاح۔ اپنی لغات کی تہذیب و تفنن کا بہت اچھا موقع ملا۔ اور اسقدر ترقی کی جو خیال سے بھی باہر معلوم ہوتی ہے۔ ایسے ایسے نکات و رموز پر اپنی زبان کو مرتب کیا ہے۔ اور ایسی ایسی لطافتیں اور خوبیاں رکھی ہیں جسے سوائے صاحبان فن کے کوئی سمجھ بھی نہیں سکتا حالانکہ وہ خود

کوئی صاحب فن صاحب علم نہ تھے کسی چیز کے واسطے کوئی قاعدہ مقرر نہیں کیا تھا۔ لیکن جو بات کرتے تھے نہایت باقاعدہ ہوتی تھی۔ اور عقل اسکو تسلیم کر لیتی تھی۔ اسی سبب سے کہ عرب کی زبان الفاظ کے لحاظ سے تو منقول مانی جاتی ہے مگر قاعدے اور احکام کے لحاظ سے بالکل معقول ہے (دیکھئے ایک چھوٹی سی کتاب مراح الارواح۔ کیونکہ اس نے تمام قاعدوں کو عقلی بنا کے دکھلا دیا ہے اور منقول کو تمامہ معقول کر دیا ہے)

انہیں سات قبیلے ایسے ہیں جنکی عربیت اور زباندانی پر اس زمانے میں بھی وثوق کیا جاتا تھا۔ اور عام لوگ انہی کی متابعت کرتے تھے۔ قریش۔ ہذیل۔ بنو کنانہ۔ بنی تمیم۔ قیس۔ عیلان و یمن۔ یہ قبائل چونکہ اوساط عرب سمجھے جاتے تھے اسی وجہ سے انکی زبان معتبر ہے۔ باقی اور قبیلوں کی زبانیں عجمی الفاظ سے مخلوط تھیں۔ مگر ایک اور مورخ نے لکھا ہے کہ قابل اعتبار بنی قیس تمیم۔ اسد اور بنی طے کے چند آدمیوں کی زبانیں تھیں۔

بالجملہ اسلام سے قبل عرب کی زبان دو قسم کی لغتوں پر شامل تھی۔ ایک حمیر کا لغت اور ایک قریش کا۔

قریشی لغت تو مکہ اور اسکے گرد و پیش میں مستعمل تھی۔ اور حمیری زبان یمن کے شہروں میں رائج تھی۔ مگر جب سے قرآن مجید قریشی زبان میں اترا۔ اسوقت سے حمیری زبان کو بہ نسبت قریشی زبان کے ضعف ہونے لگا۔ اور عموماً خطوط۔ تالیفات اشعار وغیرہ میں قریشی ہی زبان استعمال ہونے لگی۔

مگر اسی کے ساتھ یہ بات بھی پیدا ہو گئی کہ بول چال عرب کی بالکل بگڑ گئی۔ زبان فقط قلم ہی قلم میں رہگئی۔ کیونکہ اسلام کی آمد و رفت مختلف قبیلوں کے اور سب کا میل جول بلکہ عجمی لوگوں کا آنا جانا رہنا سہنا اسقدر بڑھ گیا کہ سب کی زبانیں مل جل گئیں اور عربی لغت بالکل فاسد و تباہ ہو کے رہگیا۔ البتہ تحریرات۔ انشا پردازیاں خطوط نویسی میں وہی زبان باقی رہی۔ لہذا سخت ضرورت داعی ہوئی کہ اس زبان با تمامہ

کی حفاظت کیجائے نہیں تو تھوڑے دنوں بعد تحریروں میں سے بھی نکل جائیگی۔
اسی خیال سے قواعد بھی مرتب کئے گئے۔ کتابیں بھی لکھی گئیں لغات بھی جمع ہوئے

قرآن مجید جو اسلامی دین کا اصل اصول ہے۔ وقت نزول سے ابوبکرؓ
کی خلافت تک غیر مرتب رہا۔ اور مختلف جگہوں میں لکھا ہوا تھا۔ بلکہ کہنا چاہیئے کہ
لوگوں کے ذہنوں میں تھا (کیونکہ جن جن لوگوں نے جس جس طور سے سنا تھا
بعینہ انکو یاد تھا) مگر ابوبکر نے تمام قرآن کو صحیفوں میں لکھوا لینے کا ارادہ کیا۔
اسکا منشاء یہ تھا کہ اسوقت جو لوگ حافظ قرآن ہیں اگر وہ مر جائینگے تو بہت سا
حصہ اسکا تلف ہو جائیگا۔ کیونکہ اکثر اصحاب لڑائیوں میں قتل ہی ہوتے رہتے
تھے۔ اس سبب سے زید بن ثابت کو حکم دیا کہ فوراً تمام قرآن لوگوں سے پوچھ
پوچھ کے لکھ لو۔ چنانچہ زید بن ثابت نے اسکو مرتب کر لیا مگر سورہ توبہ کا
آخری حصہ نہیں ملتا تھا۔ کیونکہ اصحاب میں سے کسی کو بھی یاد نہ تھا۔ مگر بڑی تفتیش
کے بعد معلوم ہوا کہ ابو خزیمہ انصاری کو یاد ہے انکی زبانی نقل کیا گیا۔ اس سے معلوم
ہوتا ہے کہ اگر ابوبکر اس امر میں جلد اہتمام نہ کرتے تو ضرور اسلام کے لیے سخت
مصیبت کی بات ہوتی۔ اگر کچھ اجزا بھی اسکے تلف ہو جاتے۔

جب عثمان بن عفان کی خلافت کا زمانہ آیا تو پھر حافظوں میں سخت اختلاف
ہونے لگا۔ کوئی کسی قاعدے سے پڑھتا تھا کوئی کسی قاعدے سے۔ اسوقت
حذیفہ بن الیمان نے خلیفہ کو خبر دی۔ انھوں نے بھی زید بن ثابت۔ عبداللہ بن زبیر
سعد بن عاص۔ عبداللہ بن حارث بن ہشام۔ کو حکم دیا کہ تمام صحیفوں کو ایک ایک
صحیفے میں جمع کر دیں اور وسط قریشیین کو دل کے کہدیا کہ اگر تم لوگ آپسمیں اختلاف
کرو اور کسی لفظ یا قاعدے پر جھگڑو تو مناسب ہے کہ اسکو قریشی زبان کے موافق لکھو
کیونکہ قرآن قریشی ہی زبان میں آیا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

قاسم بن معن نے لکھا ہے کہ قرآن کی ترتیب میں سوائے ایک مقام کے اور
کہیں بھی قریش اور انصار کی لغات اور قواعد میں اختلاف نہیں ہوا۔ فقط لفظ

تابوت میں تھوڑا سا اختلاف رہا۔ قریش تو تابوت کہتے تھے اور انصار تابوہ۔
جب قران مجید کی مختلف نقلیں ہو گئیں تو عثمان نے وہ صحیفے حافظوں کے
حوالے کر دیئے اور ایک ایک صحیفہ ایک ایک شہر میں بھجوا دیا۔ اور اسکے علاوہ جو
پہنچ کے لکھے ہوئے تھے اُنکو جلوا دیا۔ فقط ایک آیت سورۃ احزاب کی نہیں
ملتی تھی۔ وہ خزیمہ بن ثابت انصاری کو یاد تھی۔ اُن سے لیکے لکھ لی گئی۔
اور سورۃ میں شامل ہوئی۔

ابن خلدون مغربی نے لکھا ہے کہ ابتدائے اسلام میں عربی خط بہت ہی
کچا تھا۔ بلکہ نہایت ناقص تھا۔ کیونکہ اسوقت عربوں کی طبیعت سے بدوی پن
رفع نہیں ہوا تھا۔ اور نہ اُن کو اس فن کی تکمیل کا خیال تھا۔ اسی وجہ سے قران
کی رسم الخط میں عظیم اختلاف پڑ گیا تھا۔ کیونکہ ہر شخص اپنی اپنی رائے کے موافق
لکھ لیتا تھا۔

ابن خلکان نے ابو عمرو بن علا تمیمی مازنی بصری کے تذکرے میں لکھا ہے
کہ مجھسے قتادہ سدوسی نے بیان کیا ہے کہ صحیفہ قران لکھ کے تیار ہو چکا تو عثمان
بن عفان کے پاس پیش کیا گیا۔ مگر اُسمیں کسی قدر تحریف اور غلطی معلوم ہوئی تو
کہا کہ خیر یہ عرب اپنے اپنے قاعدے سے بموجب تصحیح کر لینگے۔

ابن خلکان نے ابو الحسن بن عبد الصمد بن سعید عسکری کی کتاب التصحیف
سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ جس وقت سے عثمان نے قران کی نقل کرائی
تقریباً چالیس پینتالیس برس تک اُسی کے موافق لوگ پڑھتے رہے۔ مگر جب عبد الملک
بن مروان کے زمانے میں بہت زیادہ غلطیاں پھیلنے لگیں اور لوگ کثرت سے کچھ کا
کچھ پڑھنے لگے تو پھر حجاج بن یوسف کو دوسرے طرز سے لکھنے کی ضرورت ہوئی
تاکہ لوگ غلطی سے بچیں۔ اور بہت سے لوگوں کو بلا کے کہا کہ ان حروف پر کچھ علامات
اور نشانات لگاؤ۔ چنانچہ نصر بن عاصم نے حروف پر نقطے لگائے۔ کسی پر ایک
کسی پر دو کسی پر تین۔ اُسکے بعد سے برابر نقطے دار حروف لکھے جانے لگے۔

مگر پھر بھی تھوڑے دن غلطیاں ہونے لگیں کیونکہ محض حروف کے نقطے اعرابی غلطی کو روک نہیں سکتے تھے۔ اس وجہ سے اعراب کے ایجاد کرنے کی بھی ضرورت ہوئی۔ اور جو لفظ مشتبہ رہ جاتا تھا۔ اُسکو حافظوں سے دریافت کرکے اعراب لگاتے تھے۔

نحو۔ ابو الاسود دُؤلی جسکا نام ظالم بن عمرو بن جندل بن سفیان ابن حلس بن نفاثہ بن عدی بن دئل بن بکر بن کنانہ متوفی سنہ ۶۹ھ مطابق سنہ ۶۸۸ء زیاد بن ابیہ حاکم عراقین کے بچوں کا معلم تھا۔ اور اُس نے علم نحو کے قواعد علی ابن ابیطالب سے سیکھے تھے۔ مگر اسقدر بخیل تھا کہ کسی کو بتانا نہیں چاہتا تھا۔ زیاد نے بھی اس سے درخواست کی تھی کہ ان قواعد کو مرتب کرکے لکھ دے تاکہ قرآن خوانوں کو آسانی ہوجائے۔ مگر اُس نے انکار ہی کیا۔ ایک مرتبہ اتفاق سے کسی قاری قرآن کیطرف ہوکے گذرا۔ وہ حضرت آیہ قرآن ان اللہ بریٔ من المشرکین و رسولہٗ کو پڑھ رہے تھے۔ ابو الاسود نے جو ایسی فاش غلطی سنی تو اُسکو بہت ہی رنج ہوا۔ اور کہنے لگا کہ میں یہ نہ جانتا تھا کہ عرب کی اب یہ حالت ہوجائیگی اور اسطرح اُنکی عقلیں ماری جائینگی۔ فوراً وہاں سے اُلٹے پاؤں پھرا۔ اور زیاد سے کہا کہ جناب جو کچھ آپ نے حکم دیا تھا اب میں اُسکی تعمیل پر بسروچشم آمادہ ہوں۔ مگر ایک کاتب بلوا دیجئے۔ زیاد نے ایک کاتب بلوا دیا۔ مگر ابو الاسود نے اُسکو ناپسند کیا۔ غرض دوسرا کاتب بلایا اُسکو پسند کیا اور کہا کہ دیکھ جب میں منھ کھولا کروں تو حرف کے سامنے نقطہ دینا۔ اور جب میں منھ بند کرلیا کروں تو نیچے نقطہ دینا۔ کاتب نے ویسا ہی کیا۔

اور غارمی نے اجرومیہ کے حاشیے میں لکھا ہے کہ علی ابن ابیطالب نے جو کچھ علم نحو کے متعلق مرتب کیا تھا وہ ابو الاسود کو دیا اور کہا کہ انحُ ھذا النحو (اس ڈھنگ پر لکھ) ابو الاسود نے اُسی طریقے سے اس فن کو مرتب کیا۔ اور نام اسکا نحو رکھا۔

علم نحو کی تعریف نحو ایک ایسا علم ہے جس سے اُن الفاظ کی ترکیبیں اور اُنکے معنے معلوم ہوتے ہیں جو عامل کیے آنے سے ہر کلمہ کے آخر میں اختلاف واقع پیدا ہونے کیوجہ سے مختلف معنے دیتے ہیں۔

مناظرات مشہور ہے کہ ابو جعفر منصور عباسی کے زمانہ میں عبد اللہ بن مقفع نے کتاب کلیلہ و دمنہ تصنیف کی۔ مگر بعض لوگ کہتے ہیں کہ اصل میں یہ کتاب فارسی میں تھی۔ عبد اللہ مذکور نے اسکو عربی میں ترجمہ کر لیا ہے۔

اور ابن خلدون نے لکھا ہے کہ یہ کتاب اصل فارسی بھی نہیں تھی۔ بلکہ نوشیروان بادشاہ فارس کے زمانے میں ہندو دیوں کی زبان سے ترجمہ کی گئی تھی۔ اور یہ ترجمہ صاحب شریعت اسلامیہ کے زمانے میں ہوا ہے

صاحب تذکرۃ الحکم نے لکھا ہے کہ مقفع ابو جعفر عباسی کا کاتب تھا۔ اسی نے منطق میں تین کتابیں ترجمہ کی تھیں اور اسی نے فرفریوس صوری کی کتاب ایساغوجی بھی نہایت سہل عبارت اور عام فہم الفاظ میں ترجمہ کی اور کلیلہ و دمنہ کا بھی ہندی زبان سے فارسی میں ترجمہ کیا۔ اسکی تصنیف سے ایک رسالہ ادب و سیاست میں اور ایک رسالہ طاعت سلطان میں بھی ہے۔

ابن خلکان نے لکھا ہے کہ مقفع ایک زندیق (کافر) آدمی تھا۔ اسی کی تصنیف سے درۃ الیتیمہ ہے جو اپنے فن میں بے مثل کتاب ہے۔ اسکو سفیان نے جو کہ اہواز میں منصور کیطرف سے حاکم تھا سنہ ۱۴۵ ہجری میں منصور کے حکم سے قتل کر دیا گیا۔ وہ اُسوقت چچا کی خدمت میں تھا۔ اُسکو مقفع کہنے کی یہ وجہ تھی کہ یہ شخص قفاع بنا کے بیچتا تھا۔ (قفاع ایک قسم کی زنبیل ہوتی ہے جو خرما کی چھال سے بنائی جاتی ہے۔ مگر اسمیں عروہ نہیں ہوتا جسکو پکڑ کے اُٹھاتے ہیں۔)

خلاصہ یہ کہ کلیلہ و دمنہ کو چاہو ترجمہ سمجھو یا اصل۔ مقفع کی تالیف و تصنیف سمجھو۔ مگر بہرحال اس نے اسی کتاب سے علم محاضرات و مناظرات کو قائم کر دیا۔ جسکے بعد علمائے عرب نے بہت سی کتابیں اس علم میں لکھیں۔ یہ علم بھی منجملہ اُن بارہ علوم کے ہے جو علم ادب کی اجزا ہیں۔ اور بغیر کسی ایک کے بھی علم ادب ناقص ہے۔ ایک اُن میں سے علم متن لغت۔ صرف۔ نحو۔ معانی۔ بیان۔ بدیع۔ عروض۔ قافیہ۔ خط۔ شاعری۔ خطوط نویسی اور خطبہ الی تواریخ۔ اسی تواریخ میں علم محاضرہ بھی ہے۔ محاضرہ کے لغوی معنے یہ ہیں کہ ایک شخص سوال کرے اور دوسرے سے جو جواب بن پڑے وہ بیان کرے۔

علم انشا ابو جعفر منصور عباسی کے عہد میں منشی عبد الحمید بن یحییٰ بن سعد جو مروان بن حکم کے خاص اہل مجلس سے تھا۔ اور فن انشا پردازی میں اُستاد۔ اسی نے اس فن کو گویا ایجاد کیا اور ترقی دی یہانتک کہ ضرب المثل ہو گیا۔ مگر ابو جعفر کے حکم سے قتل کیا گیا۔

(علم انشا اُس فن کو کہتے ہیں جس سے معانی کے استنباط اور تالیف کلام کی قوت مطابق مقتضی حال و زمان کے پیدا ہو۔

علم لغت خلیفہ ہارون رشید کا ایک معلم ابو عبیدہ نامی تھا۔ اسحٰق بن ابراہیم موصلی ندیم بادشاہ نے اصمعی کو ہارون کے دربار سے نکلوا کے اسکو مقرر کرایا تھا۔ (حالانکہ اسحٰق مذکور پہلے اصمعی کے اقوال کو مستند جانتا اور اپنے کلام کی سند اُسی کے کلام سے لاتا تھا۔ مگر باہم کچھ عداوت ہو گئی تھی اسوجہ سے اصمعی کو نکلوا دیا۔ اسی نے پہلے پہل لغت میں ایک کتاب لکھی ہے۔ کیونکہ اسکو عرب کے اخبار اور اُنکی لڑائیوں کے حالات اور لغات کثرت سے یاد تھے۔

علم متن اللغۃ خلیفہ ہارون رشید کے عہد میں ابو علی محمد بن مستنیر بن احمد نحوی لغوی المعروف بہ قطرب شاگرد سیبویہ

(جوکہ علم نحو میں بصریوں کا مقتدا تھا) گذرا ہے۔ اسکی تصنیف سے بہت سی کتابیں ہیں۔ منجملہ اُنکے متن لغت بھی ہے۔ اسکے بعد پھر اور اور علماء نے اسکی تقلید سے متن لغت میں کتابیں لکھیں۔

(متن لغت اُس علم کو کہتے ہیں جس سے الفاظ عربیہ اصل اور بنا معلوم ہو۔ یعنے مفردات الفاظ کس طرح بنے اور کیا کیا تصرف ہوئے)

علم صرف

معاذ بن مسلم ہرا، شیخ کسائی جو علم نحو میں کوفیوں کا مقتدا گذرا ہے۔ علم صرف کا موجد ہے۔ مگر ایک شخص نے یہ بھی لکھا ہے کہ علم صرف کا موجد ابوعثمان بکر بن محمد بن عثمان بن حبیب بازنی بصری ہے۔ جسکا انتقال ۲۴۸ھ ہجری مطابق ۸۶۲ء میں ہوا۔

(علم صرف اُس علم کو کہتے ہیں جسکے الفاظ عربیہ کے اختلافات (جیسے معانی مختلف پیدا ہوتے ہیں) کے احکام کو بتائے)

علم العروض

خلیفہ ہارون رشید کے عہد میں خلیل بن احمد بن عمرو بن تمیم فراہیدی (یا۔ فرہودی) ازدی یحمدی گذرا ہے۔ کنیت اسکی ابو عبدالرحمان ہے۔ اسی نے علم عروض کی ابتدا کی۔ اسکی تصنیف سے لغت میں ایک مشہور کتاب کتاب العین ہے۔ اسکی معمولات علم موسیقی و نغمہ و ایقاعات میں اچھی تھی۔ اسی علم سے فن عروض کی بنیاد اسکی سمجھ میں آئی۔ کیونکہ دونوں فن تقریباً ملتے جلتے ہیں۔ اس فن سے شعر کے وزن اور صحیح و غلط ہونا اسکا معلوم ہوتا ہے۔ اس علم کا نام عروض اس وجہ سے رکھا کہ عروض اُسی کو کہتے ہیں جسکے سامنے کوئی دوسری چیز پیش کیجائے۔ چونکہ صحت و سقم دریافت کرنیکے واسطے اشعار اسکے سامنے پیش کئے جاتے ہیں اس وجہ سے اسکو عروض کے نام سے موسوم کیا۔

بعض آدمیوں کا یہ بھی خیال ہے کہ خلیل بن احمد نے چونکہ اس فن کو عروض یعنے مکہ معظمہ میں مرتب کیا تھا اس وجہ سے اس کا نام عروض رکھا۔

علم عروض میں خلیل ضرب المثل ہے۔

علم قافیہ علم قافیہ بھی خلیل بن احمد کی ذکی طبیعت کا نتیجہ ہے۔ اس علم سے تناسب اور عیوب اشعار کے مصرع ثانیہ کے آخری جزو کا معلوم ہوتا ہے۔

علم بدیع خلیفہ معتز عباسی کے عہد میں خلیفہ کا بھائی ابو العباس بن المعتز تھا۔ جس نے علم ادب بڑے بڑے لائق ادیبوں سے حاصل کیا تھا اور اعلیٰ درجہ کا شاعر۔ بلیغ و ادیب ماہر اور شعر گوئی پر قادر تھا۔ اسکے اشعار میں الفاظ بہت سہل و آسان ہوتے تھے۔ طبیعت نہایت عمدہ تھی۔ اور بدیع گوئی میں اسکو اچھا ملکہ تھا۔ اسکے شعروں کا ایک دیوان بھی ہے۔ اسی کی تصنیف سے کتاب مکاتبات الاخوان (نظم) کتاب الزہر۔ کتاب الریاض۔ کتاب الجوارح والصید۔ کتاب السرقات۔ کتاب اشعار الملوک۔ کتاب الاداب کتاب حلی الاخبار۔ کتاب طبقات الشعر کتاب الجامع فی الغنا وغیرہ ہے۔ غرض اسی نے پہلے پہل علم بدیع میں بھی ایک کتاب لکھی ہے۔

اس علم سے کلام کو خوشنما بنانے کے طریقے معلوم ہوتے ہیں۔

معانی بیان عبد القادر جرجانی نے خلیفہ مقتدی عباسی کے عہد میں فن معانی و بیان میں کتاب دلائل الاعجاز تصنیف کی یہ شخص نہایت لائق فائق تھا۔ اکثر علوم میں اسکو ید طولیٰ حاصل تھا۔ اسکا انتقال ۴۷۱ھ مطابق ۱۰۷۸ء میں ہوا۔

علم معانی سے الفاظ عرب کے وہ حالات معلوم ہوتے ہیں جنسے آدمی اپنے کلام کو مقتضائے حال و زمان کے مطابق کرسکتا ہے اور علم بیان سے ایک لفظ کو چند طور سے ادا کرنیکا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔ انہی دونوں فنون سے علم بلاغت کو کمال حاصل ہوا ہے۔

باقی فنون اسی طرح سے رفتہ رفتہ جسقدر زمانہ گذرتا رہا اور علوم کو ترقی دی

اُسی طرح مختلف علوم بھی ایجاد ہوتے رہے۔ کچھ اسی زمانے کی اثنا میں ایجاد ہوئے اور کچھ بعد میں۔ مثلاً علم اشتقاق۔ علم اصول النحو۔ قرض الشعر (شعر گوئی) نثر نویسی علم فصاحت علم محاضرہ۔ علم سقاطع الحروف وغیرہ۔ ہم نے ان سب کا ذکر اپنی کتاب زبدۃ الصحائف میں بہ تفصیل کر دیا ہے جس کا جی چاہے دیکھ لے۔

علم الکلام

یہ بات بھی ظاہر ہے کہ صدر اسلام میں مسلمانوں کے پاس کوئی ایسا علم نہ تھا جس سے وہ توحید باریتعالی یا نبوت کو ثابت کریں۔ چہ جائیکہ اور بہت سی باتیں مثلاً صفات پروردگار عالم پر بحث۔ صفات نبوت پر بحث۔ قیامت کا اثبات۔ امامت میں گفتگو کہاں سے ہوتیں۔ بس ایک قرآن انکے پاس تھا۔ جس سے پورے طور سے انکو استدلال کرنا بھی ممکن نہ تھا۔ اور نہ کسی نے اسطرف توجہ کی۔ مگر جب مامون رشید عباسی کو علوم قدیمہ کا شوق پیدا ہوا اور یونانی فلسفے کی کتابیں عربی میں ترجمہ کرائیں۔ اور عام لوگوں میں مشتہر ہوئیں۔ اور عام طور سے عرب کے تمام شہروں میں پھیل گئیں۔ تو ایک مرتبہ بدعتی لوگ مثل معتزلہ۔ قرامطہ۔ جہمیہ وغیرہ اسطرف متوجہ ہو گئے۔ اور امور توحید و نبوت و معاد میں غور و خوض کرنے لگے۔ اسکا نتیجہ ایسا سخت خراب پڑا کہ جسکی کوئی انتہا نہیں۔ مثلاً اسی غور و خوض سے ایک فرقہ قدریہ پیدا ہو گیا۔ جو کہتے تھے کہ بندے اپنے افعال کے خالق ہیں۔ پروردگار کو اسمیں کوئی مداخلت نہیں۔ جبریہ فرقہ اسکے مخالف پیدا ہوا۔ کہ جو کچھ کرتا ہے پروردگار ہی کرتا ہے۔ آدمی کو کچھ اختیار نہیں ہے معطلہ فرقے نے پروردگار کے صفات جلالی کی بالکل نفی کر دی۔ مشبہہ فرقے نے پروردگار مثل ایک آدمی کے فرض کر لیا۔ مرجیہ فرقے نے عذاب کی مدہی درمیان سے اُٹھا دی۔ معتزلہ فرقہ دائمی عذاب کا قائل ہو گیا۔ ناصبی فرقے نے علی ابن ابیطالب کو امامت ہی سے ہٹا دیا۔ غالیہ فرقے نے انکو خدا ہی بنا دیا۔ سنی فرقے نے ابوبکر کی خلافت پر مبالغہ کرنا شروع کر دیا۔ رافضی فرقے نے ابوبکر کے کفر کا فتوی دیدیا۔ خلافت و امامت کو کون پوچھتا ہے۔ غرض علوم فلسفہ کے پھیلتے ہی ہزار

میں ایک آگ سی لگ گئی۔ اور چاروں طرف شعلہ ہائے فتنہ بھڑکنے لگے۔ وہمیت لوگوں میں کثرت سے بڑھ گئی۔ باہمی عناد شدت سے پھیل گیا۔ ایک دوسرے کو لعنت کرنے لگے۔ ایک مسلمان کا مال لوٹ کھانا دوسرا مسلمان جائز سمجھنے لگا بادشاہوں سے مدد کے خواستگار ہوئے۔ اور ایک دوسرے کے استیصال کے درپئے۔

اُسی زمانے میں ابو منصور محمد بن محمود ماتریدی حنفیہ فرقہ کے امام سمرقند میں اور ابوالحسن علی اشعری شافعیہ فرقہ کے امام بصرہ میں اُٹھ کھڑے ہوئے اور اہل سنت وجماعت کے رأس و رئیس بن گئے۔

ابوالحسن اشعری معتزلہ فرقہ کے امام بن گئے۔ انکا مسلک یہ تھا کہ پروردگار عادل ومنصف اور وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے۔ کوئی صفت اُسکی ذات پر زائد نہیں بلکہ ذات اُسکی عین صفات ہے۔ اور معارف ربانیہ سب عقلی ہیں خواہ شریعت کے پردے میں ہوکے مانو یا خارج از شریعت دیکھو۔ اور اُن کی تحصیل واجب بھی ہے۔ اور اکثر ان میں سے اسبات کے قائل ہوئے کہ امامت اختیاری بات ہے۔ غرض اسی طور بیس فرقے تیار ہوئے۔ جنکا تفصیلی ذکر ہماری کتاب سوسنہ سلیمان فی اصول العقائد والایمان میں مندرج ہے۔

فرقہ معتزلہ کا بانی اول واصل بن عطا تھا۔ یہی پہلے پہل حسن بصری کی مجلس درس سے اُٹھ آیا تھا۔ اور اُسکی صحبت ترک کردی تھی۔ اور اسی لئے پہلے پہل اپنے فرقہ کا نام معتزلہ رکھا۔ مشہور ہے کہ اس نے ابوہاشم عبداللہ بن محمد بن الحنفیہ سے تعلیم حاصل کی تھی۔ مگر باب امامت میں انکا مخالف تھا۔

اسکے مذہب کے چار رکن ہیں۔ نفی صفات۔ کل فعل بندہ آپ ہی آپ کرسکتا ہے پروردگار کو اسمیں دخل دینے کی ضرورت نہیں۔ منزلۃ بین منزلتین شاید اس سے مراد یہ ہے کہ عذاب دائم اور نجات دائم کے درمیان بھی ایک مقام موجود ہے۔ جو شخص کسی کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوگا وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیگا۔

اور چونکہ اکثر اس شخص کو سکوت رہا کرتا تھا اس سبب سے لوگوں کو وہم کا ہوتا تھا کہ شاید گونگا تو نہیں ہے۔ سنہ ۱۳۱ ہجری مطابق سنہ ۹۴۲ء میں جہان کو الوداع کہی۔

ایک فرقہ اور بھی معتزلہ کے مخالف پیدا ہوا تھا جسے مشبہ یا مجسمہ کہتے تھے۔ اس فرقے سے بھی سات فرقے نکلے تھے مگر سب کے سب پروردگار عالم کے واسطے تشبیہ اور صاف جسمیت ثابت کرتے تھے۔ پھر جب ابوالحسن اشعری خلق قرآن کے مسئلہ کا منکر ہوا تو علیحدہ ایک وسیع کتاب اہل سنت وجماعت کے اعتقادات میں لکھی۔ مقریزی نے لکھا ہے کہ ابوالحسن نے پچپن کتابیں لکھی ہیں۔ منجملہ اُنکے کتاب اللمع۔ کتاب الموجز۔ کتاب ایضاح البرہان۔ کتاب تبیین علی اصول الدین۔ کتاب الشرح والتفصیل فی الرد علی اہل الافک والتضلیل۔ کتاب الابانۃ۔ کتاب تفسیر القرآن وغیرہ ہیں۔

ایک اور شخص نے لکھا ہے کہ اسکی تصنیف سے ستر کتابیں ہیں۔ سنہ انتقال ۳۳۰ ہجری مطابق سنہ ۹۴۱ء ہے اور موقع انتقال بغداد۔

ابوالحسن کے مذہب کی اصل حقیقت یہ ہے کہ اس نے ایک متوسط طریقہ دونوں طریقوں (اعتزال اور تجسیم) کے درمیان میں اختیار کیا تھا۔ نہ تو بالکل معتزلہ تھا نہ بالکل پروردگار کے جسمیہ ہونے کا قائل۔ مذہب اسکا قریباً سنہ ۳۰۰ ہجری مطابق سنہ ۹۱۲ء کے مشہور ہوا تھا۔ اسکے تمام معتقدات ہماری کتاب سوسنۂ سلیمان میں بہ تفصیل مذکور ہیں۔

القصہ یہی زمانہ علم کلام کے زور کا تھا۔ اسی کے بعد تمام علماء کو اس فن کا شوق پیدا ہوا اور بڑی بڑی تصنیفات وتالیفات اُنکی مشہور ہوئیں۔ اس علم میں اُن علوم شرعیہ سے بحث ہوتی ہے جو ذات باری تعالیٰ اور اُسکی صفات اور ممکنات کے حالات اور مبدء ومعاد کی تفصیل اسلامی قانون کے مطابق بتلائیں۔

ایک مصنف نے لکھا ہے کہ اسلامیوں نے اس طریقے میں ارسطا طالیس حکیم

یونانی کی ہمقدمی کی سہے۔ جس نے علم منطق کے اصول قائم کیئے تھے۔ اُسی سے علم منطق حاصل کیا۔ اور بہت سے نفیس مطالب علاوہ اُسکے بیانات کے اس علم میں اضافہ کیئے۔ اور انہی کی پیروی سے انگریزوں نے بھی قواعد و اصول فلسفہ جو آجکل یورپ کے کالجوں میں پڑہائے جاتے ہیں لیئے۔ اور اسکا نام علم کلام سکولاسٹکی رکھا (یعنے لاہوت مدرسی)

علم تاریخ علم تاریخ اپنے لغوی معنے کے لحاظ سے تین درجے رکھتا ہے۔ اول محض گذشتہ زمانے کا علم اور اُسکی تاریخ مگر واقعات و حوادث سے کچھ بحث نہیں۔ دوم سلسلۂ زمانہ اور تاریخ اہل زمانہ اور اُنکی ترتیب اور ہر زمانہ کی قوموں کے حالات کا دوسرے زمانے کی قوموں سے مقابلہ اور نسبت دیکھنا۔ سیوم۔ زمانہ گذشتہ کے لوگوں کی سیرتوں طبیعتوں اور واقعات کی تفصیل۔ غرض ان تینوں حالتوں کو تاریخ کہتے ہیں۔ مگر ان میں سے کوئی بھی جاہلی زمانہ میں نہ تھی۔ فقط ظہور اسلام کے بعد اسکی طرف لوگوں کی توجہ مبذول ہوئی۔

زمانہ جاہلیت کے حالات جسقدر بھی بیان کیئے گئے ہیں اُنہیں اتبک کوئی تحقیقی زمانہ نہ ثابت ہوسکا۔ سوائے اسکے کہ تقریبًا حکم لگایا جائے کہ کم از کم یا زیادہ سے زیادہ اسقدر گذرا ہوگا۔ اور وہ بھی کسی قرینہ حالیہ کی وجہ سے ہوسکتا ہے۔ مثلاً کسی غیر عرب کو اُن سے کسی قسم کا تعلق رہا ہو۔ یا کسی عام حادثے اور واقعہ سے عرب کے اس حادثہ کو بھی تعلق و ارتباط ہو۔ اسکا سبب یہ تھا کہ بچارے جاہلی عربوں کو اتنی بھی تمیز نہ تھی کہ اپنے واسطے کوئی خاص زمانہ اپنے واقعات کی یاد رکھنے کے واسطے مقرر کرسکیں۔ البتہ اتنا ہوتا تھا کہ سال بسال کے واقعات کے واسطے اُنھوں نے ستارے مقرر کر رکھے تھے۔ جنکے طلوع پر معلوم کر لیتے تھے کہ فلاں واقعہ کو ایک سال ہو چکا۔

مثلاً کسی کو کچھ دینے لینے کا معاملہ ہے اور اُسکا وقت کسی ستارے کے طلوع پر مقرر کیا گیا ہے تو جب ستارہ طلوع کریگا اُسوقت سمجھا جائیگا

کہ معاملہ مذکورہ کا وقت آ گیا۔

اسی سبب سے کوئی واقعہ اپنے کسی زمانے کو نہیں بتلاتا جیسا کہ آجکل کے جاہل لوگ قدیم زمانے کے کسی واقعہ کو بیان کرتے ہیں مگر یہ نہیں جان سکتے کہ کب واقع ہوا۔ اسی طرح سے عرب بھی اپنے واقعات اور لڑائیوں کی کیفیتوں کو بڑے زور شور سے اپنے جلسوں میں بطور قصہ کہانی کے بیان کرتے تھے مگر اوسکا زمانہ نہیں بتلا سکتے تھے۔ اور نہ جان سکتے تھے کہ ان واقعات میں سے کونسا قبل گذرا اور کونسا بعد۔ ہاں اسقدر تمیز ضرور ہوتی تھی کہ ہر واقعہ کے نام مقرر کر رکھے تھے۔ مثلاً یوم کدید (کدید کی لڑائی) جو بنی سلیم اور بنی کنانہ میں ہوئی تھی۔ یوم البیداء جو حمیر اور بنی کلب میں ہوئی تھی۔ اسی طرح عموماً واقعات و واقعات انہی مقامات کے نام سے مشہور ہیں جہاں جنگ واقع ہوا ہے اور کبھی کسی اور علامت سے بھی پہچان لیتے تھے۔ مثلاً عام الفیل۔ بنیان الکعبہ وغیرہ سے اپنے کسی واقعے کا زمانہ دریافت کرتے تھے۔ یہی وجہ ہوئی کہ تاریخ مسیحی سے پہلے کا ایک واقعہ بھی اپنا عرب کو یاد نہیں ہے۔

ایک مورخ لکھتا ہے کہ عرب کے قبیلوں میں سے قبیلہ کنانہ نے کعب بن لوئی کے انتقال سے اپنے واقعات کا حساب کرنا شروع کیا تھا۔ جب ابرہۃ الاشرم کا واقعہ ہوا (اور اس نے ہاتھیوں کے ذریعے خانہ کعبہ کا انہدام چاہا مگر کامیاب نہ ہو سکا ابابیلوں نے اپنے پنجوں میں کنکریاں لے کے اسقدر اسکی فوج کو مارا کہ پسپا ہو گئی) اسوقت سے اپنے سن کا نام عام الفیل رکھا۔

عام الفیل اور موت کعب بن لوئی میں ۵۲۰ برس کا فاصلہ ہے۔ اور عام الفیل اور جنگ فجار میں چالیس برس کا فصل ہے۔

اسکے بعد انھوں نے ہشام بن مغیرہ کے انتقال سے سن کا شمار شروع کیا۔ اور اگلے سالوں کو چھوڑ دیا۔ اس سن سے کعبہ کی بنائے تک نو برس کا فصل ہے اور بنائے کعبہ سے ہجرت تک پندرہ برس کا۔

ہجرت سے مراد صاحب شریعت اسلامیہ کا مکہ کو چھوڑ کے مدینہ کو آباد کرنا ہے۔ یہ واقعہ فاضل رفاعہ کے بیان کے بموجب روز جمعہ سولھویں ماہ تموز ۶۲۲ء کا ہے۔ اسی واقعہ کو مسلمانوں نے اپنی تاریخ کی ابتدا کا زمانہ مقرر کیا ہے۔ (جیسا کہ ہم نے نویں باب کی تیسری فصل میں لکھا ہے)

ابن خلدون مغربی نے لکھا ہے کہ ابتدائے خلقت عالم کی تاریخ اگرچہ آخر میں مسلمانوں کو معلوم ہو گئی تھی مگر بیچارے ضعیف اخباری لوگ اُسکو وجود ابو البشر کی تاریخ سمجھتے ہیں۔ (جیسے انسانی خلقت کی ابتدا ہوئی ہو) اُنکا یہ خیال ہے کہ عام مخلوقات کی تاریخ پیدائش یہ نہیں ہے۔ اس بارے میں اُن لوگوں کو اُن فلاسفروں کی تقلید ہے جو قدم عالم کے قائل ہیں اور اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ابو البشر سے پہلے بھی کئی عالم گذر چکے ہیں مثلاً عالم جن و نسناس اور عالم طم وغیرہ۔

اب چونکہ تاریخ کے پہلے معنے بھی ہمکو معلوم ہو گئے جنپر تاریخ کی بنیاد قائم ہوتی ہے اور وہ اسلامی عرب کی بدولت کیونکہ جاہلیت میں تو اسکا مذاق ہی نہ تھا۔ تو ہمیں تاریخ کے دوسرے معنے اور تیسرے معنے سے بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسوقت یہی ضرورت ہے کہ عرب نے جو علوم و فنون عباسیوں کی سلطنت کے زمانے میں حاصل کئے ہیں اُن کو بیان کر کے ناظرین کو دلچسپی دلائیں۔

اس مقام پر ایک تعجب خیز بات یہ بھی ہے کہ تاریخ کا فن بھی اگرچہ علوم و فنون میں مفصل تھا۔ مگر اسکی ترقی عرب اسلامی میں بہت پیچھے ہوئی ہے خیر ہم علوم و فنون کے متعلق تو بعد میں لکھیں گے۔ سردست ہم اُن لوگوں کا ذکر کرتے ہیں جن لوگوں کو جاہلیت کے واقعات سے اطلاع تھی اور اُسکے سلسلے کو بیان کرتے تھے۔ (علاوہ اسکے جو دینیات کی کتابوں میں مذکور ہے)

ابن خلدون لکھتا ہے کہ جاہلی عربوں کے پاس کوئی کتاب تو تھی نہیں جسمیں

وہ اپنے واقعات لکھتے جاتے۔ فقط انکے اشعار جو اسلامی راویوں نے یاد رکھے اور بوڑھے پرانے لوگوں سے دریافت کئے وہی اُنکے واقعات کی خبر دیتے ہیں۔

مگر یہ مورخین جنکو محض راوی واقعات و اشعار کہنا چاہیئے۔ اگرچہ عرب کے تمام قبیلوں میں پھرا کرتے اور اُنکے لغات دریافت کرتے اُنکے واقعات اور جنگوں اور باقی معاملات کو پہونچتے۔ اُنکے آداب حلبتہ۔ آداب طعام غوری حالات مویشی علوم و انساب وغیرہ معلوم کرتے۔ اور بڑی کوشش سے ان باتوں پر کامیاب ہوتے تھے۔ لیکن پھر بھی جو کچھ اُنہوں نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے اُسکو ایک تاریخ سے نہیں جمع کرسکے بلکہ حکایتوں کے طور پر بیان حالات کو لکھا ہے۔ اور اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ بے انتہا مبالغے اور رمز خرفات بھی اپنی تالیفات میں بھر دیئے ہیں۔ کیونکہ جس جس طرح پر اُن سے بیان کیا جاتا تھا۔ جھٹ اُسکو قلمبند کر لیتے تھے۔ خواہ جھوٹے واقعات ہوں یا سچے۔ اسی وجہ سے اُنپر اعتماد بہت کم ہوسکتا ہے۔ علاوہ اسکے بہت ہی باتیں اسمیں بے فائدہ بھی ہیں۔ مثلاً عنترہ والاقصہ وغیرہ۔ اور بظاہر اسکا سبب یہ ہے کہ اُنکی طبیعتوں میں ہی عشق۔ اور کرم اور استقلال و شجاعت و مفاخرت سمائی ہوئی ہے اسوجہ سے وہ جس واقعہ کو سنتے تھے سچ سمجھ لیتے تھے۔

الغرض منجملہ اُن راویوں کے جنسے زمانہ جاہلیت کے حالات معلوم ہوتے ہیں۔

ایک حماد راویہ ابو القسم بن میسرہ بن مبارک بن عبید دیلمی کوفی مولی بن بکر بن وائل ہے۔ حافظہ اسکا اعلیٰ درجہ کا تھا۔ اپنے حفظ میں ضرب المثل تھا۔ عرب کے واقعات اُسکو خوب سے یاد تھے۔ تمام اشعار اور خبریں اور لغات وغیرہ اس کے دماغ میں بھری ہوئی تھیں۔ اسی نے سبعہ معلقہ جمع کئے ہیں مشہور ہے کہ بادشاہان بنی امیہ اسکو بہت معزز سمجھتے اور بڑی

قدر کرتے تھے اور اکثر امور میں مشورہ بھی لیتے تھے۔ یہ انکی مصاحبت کیا کرتا تھا۔ وہ اسکے بدلے میں بہت کچھ انعام و اکرام سے اسکو خوش کرتے تھے مگر اشعار کی روایت میں قابل اعتبار نہ تھا۔ کیونکہ اسکو یہ بھی مرض تھا۔ کہ اپنی طرف سے اشعار پڑھ دیا کرتا تھا۔

کہتے ہیں کہ کوفہ میں تین شخص تھے جنھیں حمادون کہتے ہیں۔ ایک تو یہی حماد ہے۔ دوسرا حماد عجرد ی تیسرا حماد بن زبرقان ہے۔ یہ تینوں شخص ایک مقام پر جمع ہوتے۔ خوب شرابیں پیتے شعر خوانی کرتے۔ نہایت لطیف صحبت ہوتی۔ اور پھر چلے جاتے تھے۔ عام لوگ انہیں زندیق سمجھتے تھے۔ حماد راویہ کا انتقال ۱۵۵ھ ہجری مطابق ۷۷۲ء میں ہوا۔

دوسرا راوی ابو عبد الرحمان ہیثم بن عدی طائی ثعالبی بحتری کوفی ہے یہ شخص بھی بہت بڑا اخبار دان راوی تھا۔ مذہب اسکا خارجی تھا۔ اسکی تصانیف سے کتاب المثالب۔ کتاب المعمرین۔ کتاب بیوتات العرب۔ کتاب بیوتات القریش کتاب ہبوط آدم و افتراق العرب و نزولها و منازلها۔ و کتاب نزول العرب بخراسان والسواد۔ و کتاب نسب طی۔ کتاب تاریخ اہل الشام۔ تاریخ العجم۔ تاریخ بنی امیہ کتاب من تزوج من الموالی من العرب۔ کتاب الوفود۔ کتاب خطط الکوفہ۔ کتاب تاریخ الاشراف الکبیر۔ تاریخ الاشراف الصغیر۔ کتاب طبقات الفقہاء والمحدثین کتاب کنی الاشراف۔ کتاب خواتم الخلفاء۔ کتاب قضاۃ الکوفہ والبصرہ۔ کتاب المعمرین کتاب الخوارج۔ کتاب النوادر۔ کتاب التاریخ علی السنین۔ کتاب اخبار الحسن بن علی بن ابیطالب۔ کتاب اخبار الفرس۔ کتاب عمال الشرط امراء العراق۔ وغیرہ ۲۵ کتابیں ہیں۔ اسکا انتقال ۲۰۷ ہجری مطابق ۸۲۲ء میں ہوا۔

تیسرا راوی اصمعی ابو سعید عبد الملک بن قریب بن عاصم بن عبد الملک بن اصمع بن مظہر بن رباح بن عمرو بن عبد اللہ باہلی ہے (باہلہ کا قبیلہ خسّت میں مشہور تھا۔ اسی وجہ سے ایک شاعر نے کہا ہے ؎

لو قیل للکلب یا باھلی   عوی الکلب من لوم ذالک النسب

اصمعی ہارون رشید اور مامون عباسی کے عہد میں تھا۔ صورت تو اسکی انتہا درجہ کی بدمنظر تھی۔ مگر علم میں بھی انتہا درجہ کا قابل تھا۔ اسکی تالیف سے تقریباً دوسو جلدیں ہیں جنمیں عرب کی روایات اور واقعات اور اخبار وغیرہ درج کیئے ہیں۔ وسعت روایت اور کثرت حکایات و نوادر میں ضرب المثل تھا۔

اسکی تالیف سے کتاب خلق الانسان۔ کتاب الاجناس۔ کتاب الانوا۔ کتاب الہمزہ۔ کتاب المقصور والممدود۔ کتاب الفرق۔ کتاب الصفات۔ کتاب الاثواب۔ کتاب المیسر والقدح۔ کتاب خلق الفرس۔ کتاب الخیل۔ کتاب الابل۔ کتاب الشا۔ کتاب الاخبیہ۔ کتاب الوحوش۔ کتاب فعل وافعل۔ کتاب الامثال۔ کتاب الاضداد۔ کتاب الالفاظ۔ کتاب السلاح۔ کتاب اللغات۔ کتاب میاہ العرب۔ کتاب النوادر۔ کتاب اصول الکلام۔ کتاب القلب والابدال۔ کتاب جزیرۃ العرب۔ کتاب الاشتقاق۔ کتاب معانی الشعر۔ کتاب المصادر۔ کتاب الاراجیز۔ کتاب النخلہ۔ کتاب النبات۔ کتاب ما اتفق لفظہ واختلف معناہ۔ کتاب غریب الحدیث۔ کتاب نوادر الاعراب۔ یہ ۳۵ اور اور کتابیں۔ اسکا انتقال سنہ ۲۱۶ ہجری مطابق سنہ ۸۳۱ء میں ہوا ہے۔

چوتھا راوی ابوعبیدہ معمر بن مثنیٰ تیمی بصری نحوی ہے۔ پہلے پہل اسی نے ان الفاظ کی تشریح لکھی ہے جنکے معانی بغیر بتائے ہوئے سمجھ میں نہیں آسکتے۔

جاحظ نے اسکی بابت لکھا ہے کہ تمام خارجیوں اور سنیوں کے علما میں اس سے بڑھا ہوا کوئی عالم نہ تھا۔ مذہباً خود خارجی تھا۔ اور مدخول النسب (نسب جسکا ٹھیک نہو) مدخول الدین بھی تھا۔ اسکی گواہی کہیں نہیں قبول ہوتی تھی۔ ہمیشہ میلا کچیلا رہتا تھا۔ ناخن بڑھے ہوئے سر کے بال لمبے لمبے ایک عجیب بدنما روپ بنا رہتا تھا۔ اگر اسکو کوئی شخص ابوعبیدہ کہتا تو بہت ہی

چڑتا تھا (کیونکہ ابو عبیدہ ایک یہودی کا نام تھا۔) مگر اسکو عام لوگ اس سبب سے ابو عبیدہ کہتے تھے کہ دادا اسکا یہودی تھا۔ اور عربوں سے دشمنی رکھتا تھا۔ عرب کے عیوب و ہنر میں ایک کتاب بھی لکھی تھی۔

باہلی مصنف کتاب المعانی نے لکھا ہے کہ طالب العلم جب اصمعی کے پاس آتے تھے تو سوق البصرہ سے اسکے واسطے دودھ مول لیتے تھے۔ اور اسکی بڑی خاطر کرتے تھے۔ کیونکہ انشا پردازی اور تزئین کلام اور شعر خوانی میں بے مثل تھا۔ حالانکہ فوائد اس سے کم حاصل ہوتے تھے۔ برخلاف ابو عبیدہ کے کہ اسکی عبارت بالکل خراب ہوتی تھی۔ مگر علوم اور فوائد اسکے پاس اصمعی سے کہیں زیادہ تھے۔ پہلے پہل اسی نے عربی کا لغت مرتب کیا ہے۔ جیسا کہ ہم نے لغت کے بیان میں لکھا ہے۔ تصنیفات اسکی تقریباً دو سو ہونگی منجملہ اُنکے کتاب مجاز القرآن۔ کتاب غریب القرآن۔ کتاب معانی القرآن۔ کتاب غریب الحدیث۔ کتاب الدیباج۔ کتاب التاج۔ کتاب الحدود۔ کتاب خراسان کتاب خوارج البحرین والیمامہ۔ کتاب الموالی۔ کتاب البلہ۔ کتاب الضیفان۔ کتاب مرج راہط۔ کتاب المنافرات۔ کتاب القبائل۔ کتاب خبر البراض۔ کتاب القرائن کتاب البازی۔ کتاب الحمام۔ کتاب الحیات۔ کتاب العقارب۔ کتاب النوادح۔ کتاب النواشز۔ کتاب جعفر الجبل۔ کتاب الاعیان۔ کتاب بیان باہلہ۔ کتاب ایادی الازد۔ کتاب الخیل۔ کتاب الابل۔ کتاب الانسان۔ کتاب الزرع۔ کتاب الرجل کتاب الدلو۔ کتاب البکرۃ۔ کتاب السرج۔ کتاب اللجام۔ کتاب الفرس۔ کتاب السیف۔ کتاب الشوارہ۔ کتاب الاحتلام۔ کتاب مقاتل الفرسان۔ کتاب مقاتل الاشراف۔ کتاب الشعر والشعراء۔ کتاب فعل وافعل۔ کتاب المثالب۔ کتاب خلق الانسان۔ کتاب الفرق۔ کتاب الخف۔ کتاب کرالجرم۔ کتاب الجمل وصفین۔ کتاب بیوتات العرب۔ کتاب اللغات۔ کتاب الغارات۔ کتاب المعاتبات۔ کتاب الملاومات۔ کتاب الاضداد۔ کتاب مآثر العرب۔ کتاب مآثر غطفان۔ کتاب

اردعیۃ العرب۔ کتاب مقتل عثمان۔ کتاب اسماء الخیل۔ کتاب النفقہ۔ کتاب قضاۃ البصرۃ۔ کتاب فتوح الاہواز۔ کتاب فتوح ارمینیہ۔ کتاب لصوص العرب۔ کتاب اخبار الحجاج۔ کتاب قصۃ الکعبہ۔ کتاب الخمس من قریش العرب۔ کتاب فضائل الفرس۔ کتاب ما غلط فیہ العامۃ کتاب السواد و فتحہ۔ کتاب من شکر من العمال وحمد۔ کتاب الجمع والتفنیۃ۔ کتاب الاوس والخزرج۔ کتاب محمد و ابراہیم۔ کتاب الایام الصغیر۔ کتاب الایام الکبیر۔ کتاب ایام ابن مازن و اخبارہم۔ وغیرہ۔ انتقال اسکا بصرہ میں ۲۱۸ھ ہجری مطابق ۸۳۳ء میں ہوا۔

پانچواں راوی ابو الفرج اصبہانی علی بن الحسین بن محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن الہیثم بن عبد الرحمان بن مروان بن محمد بن الحکم ہے۔ اسکا دادا مروان آخری خلیفہ بنی عباس تھا۔ اصل میں یہ اصفہانی ہے مگر بغداد میں نشو و نما پائی ہے اخبار عرب پر اسکو بڑی توجہ تھی۔ اسی نے کتاب اغانی بیس جلدوں میں لکھی ہے جسپر تمام علماے سلف و خلف نے اتفاق کرلیا ہے کہ اس سے بہتر کوئی کتاب اس مذاق میں دستیاب نہیں ہو سکتی۔ ابو الفرج سیف الدولہ ابن حمدان کے زمانے میں تھا۔

اسکی معلومات۔ اشعار۔ اغانی (عربی کی گیتیں) اخبار۔ آثار۔ احادیث باسند۔ انساب عرب۔ لغت۔ نحو۔ منثورات۔ سیر۔ غزوات۔ علم جوارح۔ علم عطاری۔ نجوم۔ طب۔ شربت سازی۔ وغیرہ میں بہت تھی۔ اسکی شاعری میں بھی عالمانہ ظریفانہ شاعرانہ سب ہی رنگ موجود تھے۔

اسکی تصنیف سے کتاب القیان۔ کتاب الاماء الشواعر۔ کتاب الدارات کتاب دعوۃ التجار۔ کتاب مجرد الاغانی۔ کتاب حفظۃ البرکی و مقاتل الطالبین کتاب الحانات و آداب الغربار۔ کتاب نسب بنی عبد شمس۔ کتاب ایام العرب (جسکا ذکر آٹھویں مقالہ کی تیسری فصل میں آچکا ہے) کتاب التعدیل والانتصاف فی مآثر العرب والامثال۔ کتاب جمہرۃ النسب۔ کتاب نسب بنی شیبان۔ کتاب

...ر۔ ہمیشہ یہی دشمنان بنی امیہ کے وفادار تھے) کتاب نسب بنی تغلب و نسب
نسب المہالبہ (جوکہ بادشاہ...
بنی کلاب۔ کتاب الغلمان المغنین وغیرہ ہیں۔ آپ کا انتقال ۳۵۶ھ ہجری مطابق
۹۶۶ء میں ہوا۔

دوسری فصل

فن تطریب یعنی موسیقی

ابن خلدون مغربی لکھتا ہے کہ غنا (گانا) عموماً کثیر آبادیوں میں ہوتا ہے۔ جبکہ خوش آوازی بڑھ کے ترنم اور کمال تک پہونچ جائے۔ اور اس فن کی تکمیل وہ لوگ کر سکتے ہیں جنکو بالکل فارغ البالی کامل اطمینان حاصل ہو۔ معاش کی فکر نہ ہو۔ گھربار کی فکر نہ ہو۔ اسی کی تحصیل میں مستغرق رہے۔ اسی وجہ سے عرب کو اس فن میں مداخلت نہیں ہوئی۔ اور فقط شعرگوئی پر انحصار رہا جسمیں اجزائے متناسبہ کا باہم اسلوب سے ملانا پڑتا ہے جسمیں حروف حرکات بسکنات۔ وصل فصل کا پورا لحاظ کرنا لازم ہوتا ہے۔ اور اسکا ہرایک حصہ اپنے معنے کے افادہ میں دوسرے کے ملانے کا محتاج نہیں رہتا۔ جسے بیت (شعر) کہتے ہیں اور چونکہ اجزا اسکے علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں اپنے معنے اچھے بنا سکتے ہیں۔ مختصر طور سے مطلب ادا ہوجاتا ہے۔ مقاطع و مبادی (شعر کا آخری اور اوّلی حصہ) اسکے باہم متناسب ہوتے ہیں۔ طبیعت کو بہت پسند آتا ہے اور دل اُسطرف بے اختیار متوجہ ہوتا ہے۔ اسی سبب سے نظم کا اثر بہ نسبت نثر کے دلوں پر بہت پڑتا ہے۔ انہی خیالات سے عرب شاعری کا مذاق پیدا کیا۔ اور اپنی اور منثور کلام سے اعلٰی درجہ کے کمال تک اسکو پہنچا دیا۔ اور

اپنی حکمتوں اور واقعات و اخبار و شرف کا ولولہ (الف) جیسی کہانیاں۔ اسی کے ذریعے سے اپنی طبیعتوں کو لطیف معانی اور عجیب اسلوب کے پیدا کرنے پر قادر کر دیا
اور اسی طریقے پر ہمیشہ قائم رہے۔ مگر کوئی تازہ بات ایجاد نہ کی حالانکہ فن موسیقی کے اصول شاعری کے اصول کی بہ نسبت ایسے ہیں جیسے دریا میں ایک قطرہ۔ کیونکہ جیسا تناسب اجزاء۔ لحاظ متحرک و ساکن شعر میں ہے ویسا ہی بلکہ اس سے بہت کم موسیقی میں ہے۔ اور موسیقی اسی شعر سے نکلا ہی ہے۔ مگر چونکہ کوئی علم انکو نہ تھا۔ علماء و حکماء کی صحبت نہ اٹھائی تھی۔ کوئی فن سیکھا نہ تھا۔ اسوجہ سے انکا ذہن اسطرف نہ گیا۔ اور اپنی ہی ذہن میں پڑے رہے حالانکہ اگر چاہتے تو آسانی ممکن تھا۔ لیکن آخر زمانے میں اونٹوں کے دوڑانے کے واسطے کچھ حدی خوانی شروع ہوئی۔ اور نوجوان لڑکے تنہائی میں بیٹھ بیٹھ کے اپنے شعروں کو مزے لے لے کے پڑھنے لگے۔ اسی میں کچھ ترنم اور گنگری بھی پیدا ہوگئی۔

چند مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ جاہلیت میں بھی ایک قسم کا لحن تھا جو حدی خوانی سے بھی زیادہ لطیف اور پر اثر تھا۔ اہل موسیقی اسے سناد اور نصب العرب کہتے ہیں۔

شعر کو خوش آوازی سے پڑھنے کو غنا کہتے تھے۔ اور ہلیلہ یا اور کسی قسم کی عبارت میں ترنم کرنے کو تغبیر کہتے تھے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ گانے کے وقت نغموں میں مناسبت بسیط بھی پیدا کرتے تھے۔ جو خاص موسیقی کا گر ہے (مگر وہ اسکے قاعدے نہیں جانتے تھے۔) اور اسی کو سناد کہتے تھے۔ اکثر اشعار جنکو غنا و ترنم کے ساتھ پڑھتے تھے بحر خفیف میں ہوتے تھے۔ کیونکہ ایسے اشعار رقص میں اور دف و ستار پر بہت اچھی طرح رواں ہوتے ہیں۔ اور گلے میں بھلے معلوم ہوتے ہیں۔

آلات طرب (گانے بجانے کے اسباب) انکے فقط دو تھے۔ ایک طبل

دوسری ستار۔ ہمیشہ یہی دو باجے مغربی عربوں میں رائج رہے۔ اسی کی آواز
لڑکیاں گاتی تھیں۔

خوش آوازی میں دو شخص جاہلیت کے زمانے میں ضرب المثل تھے۔
ایک بدیح۔ دوسرا جذیمہ بن سعد خزاعی۔ اس کو نہایت خوش آواز ہونے کے
سبب سے مصطلق بھی کہتے تھے۔

مشہور ہے کہ نعمان کے پاس دو میراثنیں تھیں جنہیں جرادتان کہتے تھے
انہی سے گانا شروع ہوا۔ جیسا کہ شیخ اصیف یازجی نے لکھا ہے۔ مگر میدانی
مجمع الامثال میں لکھا ہے کہ دونوں معاویہ بن بکر عملیقی کی میراثنیں تھیں (جو کہ
عمالقہ کا سردار تھا۔ عمالقہ پہلے مکہ میں رہتے تھے۔) اور نام دونوں کا ثماد۔ جماد۔
تھا۔ اور قاضی بیضاوی نے تفسیر سورۂ احقاف میں لکھا ہے کہ ایک کا نام
وردہ اور دوسری کا جرادہ تھا۔ تغلیباً دونوں کو جرادتان کہا گیا۔ (جیسے شمس و
قمر کو شمسین یا قمرین کہتے ہیں) اور یہ دونوں عبداللہ بن جدعان کی کنیزیں
تھیں۔ جاہلیت میں انہی سے گانا شروع ہوا۔ آخر میں عبداللہ نے ان
دونوں کو امیہ بن ابی صلت کے حوالے کر دیا تھا۔

پھر جب اسلام کا دورہ ہوا۔ اور عربوں کو بڑے بڑے ملکوں پر قبضہ ملگیا
عیش سے زندگی بسر ہونے لگی۔ عاشقانہ نظمیں کثرت سے پیدا ہو گئے۔ پھر تو
ایران و روم سے آکے گویوں کا ڈھیر لگ گیا۔ اور سب حجاز میں آکے رہتے
ہو گئے۔ اور اپنی خوش آوازی و خوش الحانی عربوں کے بار اجیاب ـ چنگ
عود۔ بربط۔ طنبورہ۔ ستار پر گانے لگے۔ تب عربوں کو بھی شوق پیدا ہوا۔ اور
وہ بھی اپنے اپنے اشعار کو اسی طرز پر گانے لگے۔ اسکے بعد نشیط فارسی۔ طویس
سائب۔ خاثر (جو عبداللہ بن جعفر کا بھائی تھا) کا زمانہ آیا تو ان لوگوں نے
بھی عرب کے اشعار ان کے یاد کئے۔ اور اچھے اچھے لحنوں میں ادا کرنے لگے
پھر ان سے معبد مغنی۔ ابن سریج وغیرہ نے سیکھا۔ غرض عرا ق کی صورت

رفتہ رفتہ اس فن کو ترقی ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ بنی عباس کے زمانے میں ابراہیم مہدی۔ ابراہیم موصلی۔ اسحق بن ابراہیم موصلی۔ حماد بن اسحق بن ابراہیم موصلی کی وجہ سے تو فن موسیقی اپنے کمال کو پہونچ گیا۔ اور یہیں سے مغربی ممالک میں پھیلا۔

پھر اسکے متعلق ناچنے کے اسباب بھی درست کئے گئے۔ عجیب وغریب لباس۔ اور چھڑیاں (معلوم نہیں انکا کیا مصرف ہے) تیار ہوئیں۔ اسی ڈھب کے اشعار بھی بنائے گئے۔ بلکہ اسکی صنعت ہی ایک علحدہ رنگ سے قائم ہو گئی۔ ناچنے کے سامانوں سے ایک چیز ہے اور جسے کرج کہتے ہیں اسمیں زین کسی ہوئی گھوڑوں کی تصویریں لکڑی کی بنی ہیں۔ گانے کے وقت رنڈیاں جو پیشواز پہنتی ہیں اسپر وہ تصویریں لگائی جاتی تھیں۔ جس سے وہ گھوڑے کیطرح دوڑتیں اور منتیں کرتیں (اسکی صورت بعینہ ایسی سمجھیے جیسے ہمارے ہندوستان میں گھوڑی کا تماشہ ہوتا ہے۔ جسے بعض شہروں میں پیک بھی کہتے ہیں)

اسکے علاوہ اور بھی بہت سے لہو ولعب کے سامان تیار کئے تھے۔

تیسری فصل

اسلامی عربوں کو فلسفی علوم کیطرف کیونکر اگاہی ہوئی

اس سے پہلے کہ ہم عربوں کے علوم و فنون کیطرف مائل ہونے کو بیان کریں۔ خصوصاً فلسفہ کیطرف جس سے انھوں نے آخر میں اپنے تمام ممالک کو روشن کر دیا۔ اور علم کی ایک نئی دنیا قائم کر دی۔

اسباب کو ظاہر کریں کہ ان بہادر عربوں نے کس کس طرح علوم غریبہ کو اذیت پہونچائی اور کیسی اسکی مٹی پلید کی ہے۔ اور کیونکر اپنی جہالت کیوجہ سے قدیم آثار کو مٹایا ہے۔ جو نہایت ہی حیرت اور آٹھ آٹھ آنسو بہانے کی بات ہے۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ جب ہم تھوڑی دیر اپنی نظر کو عرب کی تجارتی اور ملکی ترقی سے پھیر لیں اور ان مصائب پر غور کریں جو انکے ہاتھ سے ایشیا افریقہ یورپ پر پڑے ہیں۔ تو ہمیں کوئی چیز ایسی نظر نہیں آتی جسکو ہم ان بلاؤں کے مقابلے میں ان شہروں کے سامنے پیش کر کے انہیں تعزیت دے سکیں اور انکے جلے ہوئے دلوں کو پھپولوں میں ٹھنڈک پیدا کر سکیں کیونکہ ان جاہل عربوں نے اپنی بے علمی اور ناقدردانی علم و ہنر سے ایسی ایسی نفیس چیزیں جو ان مفتوحہ بلاد کی ضائع کر دیں۔ ایسے ایسے ذخیرے عجائبات کے تلف کر دیئے۔ جنکی نظیر دنیا میں نہیں ملسکتی۔ اور جنپر شیفتگان عجائبات آجتک افسوس کرتے ہیں اور یہ سب باتیں علاوہ قتل کرنے کے لوٹ لینے اور مغلوبوں کو قیدی بنا لینے کے تھیں۔

تقریباً ڈیڑھ قرن تک مسلمانوں کی یہی حالت رہی کہ لوٹتے مارتے ملک گیری کرتے چلے جاتے تھے۔ اور علم و ہنر کیطرف متوجہ نہوتے تھے۔ یہانتک کہ ہوشیار ہوئے اور علم کیطرف مائل ہوئے تو اپنے ملکوں میں کچھ نہ پایا۔ کیونکہ سب علم و ہنر کی معادن کو تو برباد کر چکے تھے۔ آخر یونان سے علوم و فنون کے ترجمے کرانے کے محتاج ہوئے۔

پہلی نکبت اور بدبختی جو کتب خانوں پر آئی ہے اسکا باعث عمرو بن عاص تھا۔ جس نے خلیفہ عمرؓ کے حکم سے اسکندریہ کا پورا کتب خانہ جلوا دیا۔ (دیکھو تاریخ ابو الفداء جلد اول صفحہ ۱۶۲) اسکے علاوہ ابن خلدون مغربی نے علوم فارس کے ضائع ہو جانے پر بھی بہت تاسف کیا ہے جو عثمان بن عفان کے حکم سے برباد کیا گیا۔ انکے سوا جو کتب خانے لٹائے گئے۔ بیروت قیصریہ میں تھے وہ بھی

علم اسلام و یچھے ہی دنیا سے نیست و نابود ہو گئے۔
دمشق کے کتب خانے کو یزید بن عبدالملک اموی نے ۱۰۱ھ میں برباد کر دیا۔
ہارون رشید نے یہ بھی قصد کر لیا تھا کہ دیوان کسریٰ کو منہدم کر دے جسکی بابت مورخین اسلام لکھتے ہیں کہ اس ایوان کو سابور ذوالاکتاف نے بنوایا تھا۔ ابن خلدون لکھتا ہے کہ ہارون نے جب اس عمارت کے انہدام کا ارادہ کیا تو پہلے یحییٰ بن خالد برمکی سے اس بارہ میں رائے لی۔ (اس زمانہ میں یحییٰ اسی ہارون کے حکم سے قید تھا) یحییٰ نے منع کیا۔ مگر اس نے خیال کیا کہ شاید یحییٰ نے پاک بینی سے یہ رائے نہیں دی ہے۔ اس خیال سے ایوان مذکور کے گرا دینے کا قصد کر لیا۔ بلکہ ہزاروں آدمی اس کام کے انجام دینے کو مقرر کئے۔ مدتوں تک کوشش ہوتی رہی۔ لوہے کے سینکڑوں آلات کام آئے۔ پھر آگ لگا دیگئی۔ اسکے سر کہ ڈال کے چا ہاگرا دیں مگر ذرا جنبش بھی نہ ہوئی۔ اب یہ خیال ہوا کہ اگر اور بھی کچھ دن تک کوشش کرتے رہے اور ناکامیابی رہی تو سخت بدنامی کی بات ہوگی۔ پھر یحییٰ سے دریافت کیا۔ اس نے یہ کہلا بھیجا کہ امیرالمومنین سے کہدو کہ اب تو ضرور اسکو منہدم کرا دیں کیونکہ اگر ایسا نہ ہوا تو لوگ کہیں گے کہ ہارون رشید سے ایک ذرا سی عمارت نہ منہدم ہو سکی۔ جسے عجمی عقول کی قوتوں نے بنایا تھا۔ اس پیغام کو سن کے رشید کسی قدر شرمندہ ہوا اور اپنے ارادہ سے باز آیا۔
مامون رشید بھی باوجودیکہ اخیر علوم و فنون کا بہت بڑا شائق ہو گیا تھا اور فلسفہ کا جان دادہ تھا۔ پھر بھی اس نے اوائل سلطنت میں مصر کے مشہور اہرام کو گروا دینیکا حکم دیا تھا لیکن اسکی کوشش بھی ناکام رہی۔ سوائے اسکے کہ انتہی محنتوں کے بعد فقط چھوٹا سا ایک گڑھا ہو گیا۔ جو اتبک باقی ہے۔
مقریزی بھی لکھتا ہے کہ عثمان بن صلاح الدین ایوبی جو اپنے باپ کے بعد مصر کا

حاکم ہوا اگر اسبات پر قادر ہوتا کہ اہرام مذکورہ کو گروادے تو کبھی نہ چوکتا۔
لیکن کیا کرے بیچارہ مجبور تھا۔ اُسکے اسلاف ہی سے یہ بات باہر تھی کیونکہ
اس نے چھوٹے مینار کے گروا دینے کا ارادہ کیا تھا لیکن سوائے اسکے
کہ مزدوری دیتے دیتے سارا خزانہ خالی ہوگیا۔ اور کچھ بھی فائدہ نہ ہوا۔

انکے علاوہ اور سلاطین نے بھی آثار قدیمہ اور عجائبات حکمت فلاسفہ کے مٹانے میں کوئی کمی نہیں کی۔ کسی نے تو اس طمع میں عظیم الشان عمارتیں گروادیں کہ شاید انکے نیچے سے خزانہ نکلے جیسا کہ ولید اموی نے منارہ فاروس اسکندریہ کے گروانے سے غرض ملحوظ رکھی تھی۔ اور کسی نے اس سبب سے کہ سوسائی یا عیسائی عبادتگاہیں اور کفار کے بتوں کا قائم رہنا مکروہ سمجھتے تھے۔ جیسا کہ شیخ محمد صائم الدہر نے ۷۸۰ھ ہجری میں کیا۔ اہرام مصر کے پاس ہی ایک بت مسمی ابا الھول تھا اسکو ٹکڑے ٹکڑے کرادیا۔ کسی کی غرض یہ تھی کہ ان عمارتوں کو توڑ کے انکے اجزا کسی اور مقام میں استعمال کریں۔ جیسا کہ اسپہر بلاط نے ۵۱۱ھ ہجری مطابق ۱۱۱۷ء میں سکی سیرپہ ایک بت کو توڑ کے اپنی مسجد ناصری کی چوکھٹ اور ستون وغیرہ بنوائے۔

اس بیان سے یہ مطلب نہیں ہے کہ ان عربوں کو کچھ قدیم آثار و عجائبات ہی سے عداوت تھی۔ نہیں بلکہ وہاں تو یہ دستور تھا کہ ہر پچھلا بادشاہ گذشتہ بادشاہ کی یادگار کو مٹادیتا تھا۔ اسی سبب سے اکثر شہر اور آبادیاں ایسی مٹ مٹا گئیں کہ آج انکا کہیں نشان بھی نہیں ہے۔

یہی حال جاہلیت کا اور ایرانی بادشاہوں کا۔ اور آخر تک اسلام میں بھی اسی بیماری کی شکایت رہی۔ چنانچہ عثمان بن عفان نے غمدان کے گرجا کو اور مدینہ کے اطام کو گروادیا۔ زیاد بن ابیہ نے ابن عامر کے جسقدر مکانات اور عمارات عجیبہ مصر میں تھے سب کو منہدم کردیا۔ بنی عباس نے بنی مروان کی آبادکی ہوئی بستیاں جسقدر شام میں تھیں سب کو اجڑوادیا۔

ایسی حرکات وحشیانہ کے ظہور کا سبب ابن خلدون نے کیا خوب لکھا ہے
چونکہ عرب کی قوم نہایت وحشی قوم تھی۔ علم و ہنر سے خود بالکل عاری تھی۔
کسی چیز کی قدر نہیں سمجھ سکتی تھی۔ اس وجہ سے جس ملک پر انکا قبضہ ہوتا تھا
اسکو توڑ پھوڑ لوٹ کھسوٹ اور نیچ ناچ کے رکھدیتے تھے۔ یہ بات گویا
انکی طبیعت ثانیہ ہوگئی تھی۔ جو کسی طرح جدا نہیں ہوسکتی تھی۔ یہ فعل ان کو
بہت ہی اچھا معلوم ہوتا تھا۔ کہ جس پر غالب آئیں اسکے نام و نشان تک کو
مٹادیں۔ تاکہ مشہور ہوجائے کہ فلاں شخص فلاں پر غالب رہا۔ اور اسکے
ساتھ لیسے برتاؤ کیے۔ یہ بیچارے مکان میں تو رہتے ہی نہ تھے جو مکان
کی قدر جانتے۔ عمارتوں کو گراکے انکے پتھروں کا چولہا بناتے اور اسپر
کھانا پکاتے تھے۔ (کیا قدر کی ہے۔ واہ) چھتوں کو گراکے لکڑیاں اپنے
خیموں کے ستونوں میں صرف کرتے تھے۔ غرض اسی حالت میں سب پڑے
تھے۔ نہ تو کسی صنعت کی انکی رائے میں کوئی قیمت تھی نہ قدر تھی۔ فقط یہ خیال
بڑا زبردست انکے دلوں میں جما ہوا تھا کہ حکومت ملجائے اور تمام دنیا پر قبضہ ہوجائے۔
اس طمع کی یہ حالت تھی کہ اپنے باپ یا بھائی تک کو حکومت کا مالک
بنانا نہیں پسند کرتے تھے۔ بلکہ اس خوف سے کہ شاید غفلت میں یہ وہ کا دیں
پہلے ہی یا قید کردیتے یا کسی حیلے سے مار ڈالتے تھے۔
اسی وجہ سے جابجا حکام خودسر ہورہے تھے۔ اور جہاں تک انکا دست رس
ہوتا ویران و تباہ کردیتے۔ یمن کو دیکھو جو کہ خاص انہی عربوں کا مسکن و
ماوی تھا مگر وہاں کے شہروں کو ایسا خراب و برباد کیا کہ شاید اب تھوڑے
ہی سے شہر باقی بچے ہونگے۔ عراق عرب جو خاص اہل فارس کے قبضہ میں تھا
اسکی آبادی بھی اسی طرح مٹادی۔ شام۔ افریقہ۔ مغرب۔ اندلس وغیرہ بھی بنی ہلال
اور بنی سلیم کی چڑھائی سے جو کہ سنہ ۴۰۰ ہجری میں ہوئی تھی۔ تباہ و برباد ہوکے
رہ گئے۔

جبکہ عربوں کی طبیعت میں یہ جہالت اور وحشت رسی ہوئی تھی
تو پھر کیونکر ممکن تھا کہ اُنکی توجہ کبھی بھی علوم و فنون کی تحصیل کیطرف ہوتی۔
مگر اسکا سبب بھی ظاہر کئے دیتا ہوں۔

میری رائے میں عمدہ سے عمدہ سبب جو قابل اعتبار ہوسکتا ہے یہی ہے
کہ چونکہ اُنکو پہلے سے نجوم کے افعال و حرکات پر اعتقاد تھا۔ اور اکثر جاہلی عرب
بھی ستاروں کے افعال و خواص کے تجربہ سے جانتے تھے اور چند الفاظ ستارے
کو پہچانتے تھے۔ جنکے طلوع و غروب پر حرارت۔ برودت۔ ہوا۔ غبار۔ طوفان
وغیرہ کا حساب اُنہی ستاروں سے لگا لیتے تھے۔ اسوجہ سے پہلے اُنکو یہی خیال
ہوا کہ فلکیات میں پوری مداخلت پیدا کرنی چاہیے۔ کیونکہ اُسکے ذریعے
سے سلطنت کا زوال و بقا۔ غالب مغلوب کی شناخت۔ نزول حوادث وغیرہ معلوم
ہونگے۔ اور اسکی تھوڑی سی تائید اُن طبیبوں نے بھی کر دی جو روم و فارس
سے بلوائے گئے تھے اور برابر انکے ہاں معالج رہتے تھے۔ کیونکہ ان طبیبوں
کو جسقدر بھی نجوم میں دخل تھا۔ اُس سے عربوں کی کاررعائی ہو جاتی تھی
اور انکا یہ بھی خیال تھا کہ کوئی شخص طبیب نہیں ہو سکتا جبتک منجم نہ ہو۔ اور
کبھی منجم کامل نہیں ہو سکتا جبتک فلسفی نہ ہو۔ اسی وجہ سے جب عربوں کو
طب کا شوق ہوا تو نجوم کا شوق بھی بڑھا۔ اور جب نجوم کا شوق پیدا ہوا۔ تو
اُسکے ساتھ باقی علوم فلسفیہ کیطرف بھی متوجہ ہوئے۔

ہماری اس کلام کی سند میں یہ بات کافی ہے کہ خلفائے عباسیین میں
پہلے پہل جو کتاب ترجمہ کیگئی ہے وہ "سند ہند" تھی۔ خلیفہ ابو جعفر منصور
عباسی کے عہد میں ترجمہ ہوئی۔

اسی طرح پہلے پہل ماموں رشید نے بھی جو عرب میں فلسفہ کی اشاعت
کا بانی تھا کسی فلسفی علم میں کمال نہیں پیدا کیا سوائے علوم فلکیات و نجوم
کے جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اصلی غرض انکی فقط فلکیات ہی کے حاصل

کرنے کی تھی۔ مگر چونکہ فلکیات کی تحصیل ریاضیات پر موقوف ہے اسوجہ سے اس علم میں مداخلت کرنی پڑی۔ پھر ریاضیات سے رفتہ رفتہ فلکیات تک پہونچ گئے۔

خلاصہ یہ کہ عباسیوں کے زمانے سے فلسفے کی بڑی قدر عوسہ پیا پھیلی اسی وقت سے کتابوں کی حفاظت کتب خانوں کی محافظت شروع ہوئی۔ بلکہ اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز اس فن کی کتابوں کو سمجھنے لگے۔

اس ترقی کی ابتدا خلیفہ ہارون رشید (جو عباسیوں میں پانچواں خلیفہ تھا) کے وقت سے ہوئی۔ خلیفہ موصوف نے بہت بڑی رغبت اپنی علم کیطرف ظاہر کی۔

ایک مصنف لکھتا ہے کہ ہارون رشید جب باہر نکلتا تھا تو سو عالم اسکے اردگرد ہوتے تھے۔ اپنے شہروں میں علم کا مینار قائم کردیا تھا علم والوں کے واسطے بہت اچھے اچھے قانون بنا دیئے تھے۔ اور حکم دے دیا تھا کہ جو مسجد ہو اسکے پہلو میں ایک مدرسہ بھی ضرور بنوایا جائے۔ ان تدبیروں سے علم کو ایسا عروج ہوا کہ کہنا چاہیے نئی روح عرب کی علمی طاقتوں میں پھونک دیگئی۔

چوتھی فصل

قدیم کتابوں کا جمع کرنا اور اُن کا ترجمہ

خلیفہ ہارون رشید نے جبکہ شہر انقرہ کو فتح کیا تو منجملہ اور اجزاء مال غنیمت کے بہت سی کتابیں بھی فوج کے ہاتھ میں آئیں۔ جو قدیم زمانہ سے خزانوں میں جمع تھیں۔ اُنکو بغداد میں لے آئے اور یوحنا ابن ماسویہ طبیب کو حکم دیا کہ ان

کتابوں کو عربی زبان میں ترجمہ کریں۔ چنانچہ یوحنا و جعفر برمکی وزیر سلطنت اور چند اور اشخاص بھی اسطرف متوجہ ہوئے اور بڑی کوشش سے ان کتابوں کا ترجمہ کیا۔ اسی بارے میں ایک شاعر نے کہا ہے۔

اولاد یحیی اربع ـــــ کاربع الطبائع
فھم اذا اختبرتھم ـــــ طبائع الصنائع

باایں ہمہ جو کام خلیفہ مامون نے کیا وہ ہارون کے زمانے میں نہیں ہوا تھا۔ اس خلیفہ نے خود بھی بہت سے علوم میں ملکہ حاصل کیا تھا۔ اور فلسفہ کا اعلیٰ درجے کا فدائی تھا۔ جہاں سنتا کہ فلاں جگہ کوئی عالم ہے کسی نہ کسی طور ضرور اپنی سلطنت میں بلواتا اور انکو اپنے پائے تخت کی زینت بناتا۔ علماء کو اطراف و جوانب میں کتابوں کی تلاش کے واسطے بھیجتا اور جہاں سے کوئی کتاب ملجاتی اُسکو منگواتا۔ اور ترجمہ کرا کر اسکے اپنے اہل ملک کو دیتا۔ اور پڑھواتا۔ غرض اپنی تمام عمر علم ہی میں مصروف رہا کبھی علماء کی صحبت چھوڑ کے اور کسی صحبت میں نہیں بیٹھا۔

سیر غین نے بالاتفاق لکھا ہے کہ مامون نے تھیوفیلس قیصر قسطنطنیہ کے پاس سو توڑے اشرفیوں کے بھیجے تھے اور کہا تھا کہ ملاؤں ریاضی کو ہمیں دے دو۔ مگر وہ بھی ایسا علم کا قدردان تھا کہ کسی طرح راضی نہ ہوا بلکہ بہت سخت جواب دیا۔ جسکا ماحصل یہ ہے کہ ہمیں ہرگز روا نہیں ہے کہ اپنے ہاں کے اہل علم کو ایک جاہل بربری قوم کے پاس بھیجیں۔

مگر تذکرۃ الحکماء میں کسیقدر اس قول کی مخالفت کی ہے۔ خلاصہ اسکا یہ ہے کہ مامون نے بہت سے شخص اور ہدیے بادشاہ روم کے پاس بھیجے تھے اور کہلایا کہ آپ اپنے ہاں کی فلسفی کتابیں جو کتب خانہ اثینا (ایک شہر یونان) میں موجود ہیں بھیجدیجئے۔ چنانچہ اُس نے بہت سی کتابیں بھیجیں۔ اور انہوں نے انکا ترجمہ کرا لیا۔

اسکے بعد بھی بعض خلفاء نے اسکا ارادہ کیا اور کچھ ترقی دی اور عام لوگوں کی خواہش بھی اس علم کی بابت بڑھی۔ اسکی تحصیل اور مطالعے میں پوری توجہ صرف کی۔ یہاں تک سینکڑوں بلکہ ہزاروں علما فلسفی ہوگئے۔ اور ایک عجیب نیا عالم علوم و فنون کا پیدا ہوگیا۔

لیکن پھر بھی عربوں کو تمام فلسفیان [illegible] کی کتابیں دستیاب نہیں ہوئیں۔ یہ تو فقط اُنہی حکما کی کتابیں ترجمہ ہوئیں جو یونان کے باشندے تھے۔ کیونکہ یونانی زبان کے جاننے والے انکو زیادہ دستیاب ہوگئے تھے جو اُس زبان سے عربی میں ترجمہ کرتے تھے۔ اور چونکہ کلدانی اور بابلی اور قبطی زبان کے سمجھدار جاننے والے دستیاب نہ ہوئے۔ اسوجہ سے ان مقامات کے حکما کی مصنفات تک مسلمانوں کی دسترس نہیں ہوئی۔ (ابن خلدون)

جن لوگوں نے کہ یونانی سے عربی میں ترجمے کئے۔ اُن میں سے چار شخص بہت ہی اچھے مترجم تھے۔

حنین بن اسحاق عبادی جو خلیفہ مامون کا طبیب تھا۔ (اسکا ذکر طبیبوں کے بیان میں آئیگا)۔ اسکو یونانی زبان بہت اچھی آتی تھی۔ عربیہ میں بھی کامل تھا۔ عربی علوم کو اس نے خلیل بن احمد سے حاصل کیا تھا (جو علم عروض کا موجد تھا) جب بغداد میں آیا تو مامون نے اسکو چند کتابوں کے ترجمے کا حکم دیا منجملہ اُن کے ایک کتاب اُقلیدس تھی۔ جسکو بعد میں ثابت بن قرہ حرانی نے خوش اسلوبی سے درست کیا۔ دوسری کتاب مجسطی تھی۔ ان دو کے علاوہ اور بھی حکما اور اطبا کی کتابوں کا ترجمہ اُس نے کیا تھا۔ کیونکہ خود بھی اسکو بڑا شوق تھا۔

یعقوب بن اسحاق کندی منجم ہے جو کہ اسلامی فلسفی بھی تھا۔ اسکا ذکر آئندہ آئیگا۔

ابوالحسن ثابت بن قرہ بن ہارون۔ بادہ ہرون بن ثابت بن کرایا بن

مارینوس بن مالاجریوس حاسب حکیم حرانی تھا۔ اس شخص پر فلسفہ بہت غالب تھا اسکی تصنیفات سے بھی تقریباً بیس کتابیں ہونگی۔ اس نے حنین کی ترجمہ کی ہوئی کتاب اقلیدس کو نہایت مہذب عبارت اور سلیس لفظوں میں تیار کیا اور جسقدر مغلق باتیں رہگئی تہیں انکو صاف عبارت میں سمجھا دیا۔ بغداد میں آنے سے قبل یہ شخص صابی المذہب تھا۔ مگر چونکہ اس نے ایک کتاب صابئین کے حال میں لکھی تہی اسلئے اپنے شہر سے نکالا گیا۔ راہ میں محمد بن موسیٰ شاکر سے ملاقات ہوئی جو کہ روم میں فلسفی کتابیں لینے کی غرض سے گیا تہا۔ اس نے ابوالحسن ثابت کو بھی ساتھ لیا اور بغداد میں پہونچا۔ خلیفہ صاحب کو جب خبر معلوم ہوئی تو اسکی بڑی قدر و عزت کی اور اپنے منجمین کی جماعت میں اسکا نام بھی لکھ لیا۔ ۲۸۸ھ ہجری میں اسکا انتقال ہوا۔

علم ابن فرجان طبری ہے۔

لیکن حنین کا ترجمہ ان سب کے ترجموں سے زیادہ واضح اور سلیس عبارت میں ہوتا تہا۔ اس نے کئی کتابیں بقراط اور جالینوس کی ترجمہ کیں اور نہایت خوبی سے مطلب ادا کیا۔

حنین کا ایک بیٹا مسمی اسحق تھا۔ اسکو بھی لوگ اُسکے باپ کا قدم بقدم چلنے والا جانتے ہیں۔ لغات دانی اور فصاحت میں اچھی دستگاہ رکھتا تھا۔ الحکمت کی کتابیں اس نے بھی اپنے باپ ہی کیطرح ترجمہ کی ہیں۔ مگر جسقدر طبی کتابیں اسکی ترجمہ کی ہوئی ملتی ہیں اتنی ارسطاطالیس کی کتابیں اسکے ترجمہ کی نہیں ملتیں۔ ۲۹۹ھ ہجری مطابق ۹۱۱ء میں مقتدر کے عہد خلافت میں اسکا انتقال ہوا۔

اگرچہ بہت سی کتابیں فلسفہ یونان کی ان لوگوں نے عربی میں ترجمہ کی ہیں۔ مگر جن کتابوں کا نام دریافت ہوسکا ہے وہ ذیل میں مندرج ہیں۔

۱۔ فیثاغورس کے مولفات ارثماطیقی (غالباً ارتھمیٹک مراد ہے) اور علم موسیقی

وغیرہ علوم پر حاشیہ۔

۲- افلاطون کی تالیفات۔ کتاب النفس۔ کتاب السیاسۃ المدنیہ۔ طیماوس البرہان فی ترتیب العالم الثلاث عقلیات یعنی عالم ربوبیہ۔ عالم عقل۔ عالم نفس۔ طیماوس الطبیعی فی ترکیب العالم الطبیعی۔

یہ دونوں کتابیں افلاطون نے اپنے شاگرد طیماوس کو پڑھائی تھیں اس وجہ سے اسی کے نام سے مشہور ہو گئیں۔

۳- ارسطو کی تالیفات۔ کتاب علم منطق و اشکال جو تمام علوم فلسفیہ کا آلہ سمجھا جاتا ہے۔ کتاب الخطابۃ۔ کتاب الکون والفساد۔ کتاب العالم والسماء۔ کتاب سمع الکیان۔ کتاب الآثار العلویہ۔ کتاب الحیوان۔ کتاب النبات۔ کتاب الحس۔ کتاب النفس۔ کتاب الصحۃ والسقم۔ کتاب الشباب والہرم۔ کتاب فی السیاسۃ جس میں ایک مایہ بھی دائرہ ہے جو ذیل میں مندرج ہے۔



نوٹ- اس دائرہ میں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ ہر جملہ کا آخری لفظ دوسرے جملے کی ابتدا پڑتی ہے جس سے پھر پہلے جملے کی طرف عود کر سکتے ہیں۔ (م)

روشن ہوا جیسا کہ لکھا تھا۔ ہزاروں ہی کتب خانے بن گئے۔ لاکھوں ہی کتابیں تصنیف ہونے لگیں۔ خوشنویس بھی ہزاروں ہی پیدا ہو گئے۔ قلمی کتابیں بڑی حسن و خوبی سے لکھی جانے لگیں۔ بڑے بڑے مکانات اور خزانے ان جواہر بے بہا سے مملو ہو گئے۔ جسکا اندازہ کرنا آج مشکل ہے۔

اس ترقی پر بھی انکا شوق کتابوں کے جمع کرنے کی بابت کم نہیں ہوا بلکہ اور بھی بڑھتا رہا۔ برابر اہل علم و فضل چاروں طرف غیر ممالک میں کتابوں کی تلاش میں پھرا کرتے۔ اور جہاں جہاں فلسفی کتابیں ملجاتی تھیں لے آتے تھے جیسا کہ اس زمانے میں انگریزوں نے کیا ہے کہ ہزاروں سیاح چھوڑ رکھے ہیں جو عالم میں پھرتے ہیں۔ اور جہاں سے کوئی نئی چیز یا نئی کتاب ملجاتی ہے گھر میں لے آ کے جمع کرتے ہیں۔

ابن خلکان ناقل ہے کہ ابو عبد اللہ محمد اور انکے دونوں بھائیوں احمد اور حسن (موسیٰ بن شاکر کے بیٹے تھے) نے بہت سے کمالات علمی حاصل کئے تھے۔ علوم ہندسہ۔ علوم طلسمات و حرکات۔ علم موسیقی۔ علم نجوم۔ میں اعلیٰ درجے کی دستگاہ رکھتے تھے۔ انکی تصنیف علم حیل (طلسمات) میں ایک کتاب بھی نہایت عجیب و غریب موجود ہے۔

یہ تینوں انکی ہمتیں قدیم علوم کے حاصل کرنے اور فلاسفہ متقدمین کی کتابیں جمع کرنے کیطرف مصروف تھیں۔ روم میں اپنے آدمی بھیج بھیج کے کتابیں نقل کرائیں۔ بڑے بڑے دور سے خوشنویس بلوائے۔ اور اپنے پاس علوم قدیمہ کا ذخیرہ جمع کر کے مطالعہ کرنا شروع کیا اور اپنی علمی قوت کو کمال تک پہونچایا۔

محمد مذکور الصدر نے سنہ ۲۵۹ھ ہجری مطابق ۸۷۳ء میں انتقال کیا۔

احمد بن یوسف سیلکی سنازی۔ ابو شجیر احمد بن مروان کردی (مصنف تاریخ میافارقین و دیار بکر) کا وزیر ہوا۔ اور قسطنطنیہ میں کئی مرتبہ خطوط بھیج بھیج کے کتابیں طلب کیں۔ اور میافارقین اور آمد کی جامع مسجد میں کتبخانہ

تغیر اندلسی زمین میں پیدا ہوگیا۔ اور علوم وفنون نے اعلیٰ درجے کی ترقی پائی۔

تاریخ کی طرف بے توجہی

اگرچہ عربوں نے یونانی کتابوں کا ترجمہ کرایا اور فلسفی علوم کو بھی ترقی دی مگر کسی نے بھی تاریخ کیطرف توجہ نہ کی۔ اور نہ اثینا اور روبیہ کے شاعروں کے دیوانوں کا ترجمہ کر دیا۔ سبب اسکا یہی معلوم ہوتا ہے کہ انکی طبیعتوں میں چونکہ تکبر اور نخوت اس حد پر تھے کہ دوسروں کے حالات سے مطلع ہونا۔ یا گذشتہ بادشاہوں کے حالات سے عبرت حاصل کرنا سخت عیب سمجھتے تھے۔ انکو اپنی ہی شجاعت اپنی ہی دولت اپنی ہی شرافت پر گھمنڈ تھا۔ کہ کبھی کسی کی حالت پر غور کرنا پسند ہی نہیں کرتے تھے۔ اسیوجہ سے فقط فلسفہ قدیم کو پسند کیا۔ اور اسمیں پوری ہمت صرف کی۔ ہومیرس (امیرس) اور فیرجیل کے اشعار و آداب پر نظر بھی نہ ڈالی۔

اور چونکہ اسلامی فرقہ عباسیہ و فاطمیہ و امویہ عموماً اس زمانہ میں اسبات کی طرف متوجہ تھے کہ ایک دوسرے کو مغلوب کرے اور گروہ ناس کی قوت کو توڑ کے خود ہی دنیا پر قابض ہو جائے۔ اور اپنے دین کے سوا تمام ادیان کو مٹا دے اس وجہ سے انکو سخت ضرورت اس بات کی پڑی کہ حکماء کی کتابوں کا مطالعہ کریں اور اچھی طرح سمجھ کے انکے موافق عمل کریں۔ تاکہ سلطنت کی قوت اسکے سبب سے بڑھے۔

ابن خلدون مغربی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کی علمی ترقی کا میدان جہاں اسکا علم عالیشان بڑے زور شور سے بلند تھا پانچ شہر تھے بغداد۔ قرطبہ۔ قیروان۔ بصرہ۔ کوفہ۔

غرض جب علمی دریا کا جوش بڑھا اور اُفتاد عالم میں اسکی لہراتی موجیں پہونچ گئیں اور ترقی کے آسمان پر علم کا آفتاب عالم افروز بڑی ہی چمک دمک

رومانس قیصر قسطنطنیہ کے پاس ایک آدمی بھیجا اور اس سے ایک ایسا شخص طلب کیا جو اندلس میں آکے ناصر کے غلاموں کو تعلیم دے تاکہ ترجمہ کا صیغہ یہاں بھی کھولا جائے۔ قیصر نے ایک راہب سمی نقولا کو بھیجدیا۔ اسکے بعد ناصر نے افریقیہ۔ بلاد فارس۔ مصر۔ بلاد عرب میں اپنے آدمی دوڑا دیئے اور کہدیا کہ جسطرح سے ہوسکے کتابیں جمع کردو چاہے قیمتاً ملیں یا نقل کے ذریعے سے۔ اور خود بھی مصنفین وقت کو اپنے ہاتھ سے خطوط لکھے کہ آپ لوگ اپنی اپنی تصنیفات عنایت کریں۔ اُن لوگوں نے بھی کتابوں کا بڑا ذخیرہ دیا۔ اور بے انتہا انعام و اکرام سے معزز ہوئے۔ تھوڑے ہی دلوں میں ناصر نے چار لاکھ کتابیں اور بقول بعض چھ لاکھ جمع کرلیں۔ اور اپنی پچاس برس کی سلطنت میں ایسے ایسے سامان ترقی علم کے مہیا کردیئے جس سے اپنی خواہش کے موافق اپنی زندگی ہی میں کامیاب ہوگیا۔

ایک مورخ لکھتا ہے کہ عرب نے جس روز سے کہ اندلس کو فتح کیا تھا۔ ہمیشہ ایک حاکم رہا کرتا تھا۔ جیسے دمشق کے خلفا تخت نشین کیا کرتے تھے یا افریقیہ کے عمال صیغہ وراثت سے اُنکو تخت نشینی نہیں ملتی تھی۔ اور لقب بھی سوائے امیر کے اور کچھ نہیں ملا تھا۔ اپنی تمام عمر لڑائیوں ہی میں صرف کرتے تھے۔ اگرچہ اسی طرح کے بیس شخص یکے بعد دیگرے والی ہوئے مگر ابن مالک خولانی کی سی کسی نے بھی علمی ترقی نہیں کی۔ یہ البتہ علم فلاحت اور علم سیرابی زراعت میں مصر اور راشور وغیرہ کی اصطلاح کے بموجب دانفیت رکھتا تھا۔ اس نے خلیفہ کو ایک عجیب وغریب خط بھی لکھا تھا جسمیں اندلس کی پیداوار کی کیفیت درج تھی۔ اور غلے کی پیداوار اُسکے استعمال کا طریقہ بھی لکھا تھا لیکن اسکے وقت میں بھی اعلیٰ ترقی علمی یا ملک کا امن وامان نہیں حاصل ہوا لیکن جب سے کہ بنی امیہ کی سلطنت وہاں قائم ہوئی۔ اور امیر عبدالرحمان ناصر نے اپنا لقب خلیفہ رکھا اور ملکی انتظام کیطرف متوجہ ہوا۔ اُس وقت سے ایک عجیب

۴۔ بقراط کی تالیفات ۔ کتاب الفصول ۔ مقدمۃ المعرفۃ ۔ کتاب ابیذیمیا ۔ کتاب ماء الشعیر ۔ کتاب الجنین وغیرہ۔

۵۔ جالینوس کی مولفات ۔ سو سے بھی زیادہ ہیں جنکی تفصیل اسجگہ نہیں ہوسکتی۔

۶۔ دیسقوریدس کی تالیفات ۔ ادویہ کے بیان ہیں۔

۷۔ اقلیدس کی تصنیفات ۔ جس نے ہندسہ ایجاد کیا ہے ۔ کتاب المدخل ۔ کتاب الارکان ۔ کتاب المسبع ۔ کتاب مساحۃ الدائرۃ ۔ کتاب الاکرۃ والاسطوانۃ والمخروط وغیرہ۔

۸۔ بطلیموس کی کتابیں ۔ (بطلیموس قلوذی اسکندریہ میں بہت بڑا استاذ و فیلسوف تھا) اسکا ظہور سنہ ۱۲۵ء میں قیصر اندریانوس کے عہد میں ہوا تھا نجوم و فلکیات میں اسکو اعلی درجے کا کمال تھا ۔ اسکی تصنیفات بہت سی ہیں ۔ منجملہ انکے کتاب المناظر ۔ کتاب المقالات الاربعۃ فی احکام النجوم ۔ کتاب الموسیقی ۔ کتاب الانوا ۔ کتاب القانون ۔ مجسطی ۔ (یہ کتاب بہت طولانی اور مفصل ہے علم ہیئت میں اس سے بڑی کتاب شاید کم ہوگی ۔ مجسطی کے معنے اعظم (یعنے بہت بڑا) کے ہیں ۔ اسکی شرح فضل بن حاتم تبریزی نے کی تھی پھر اسکی تلخیص محمد بن جابر شیبانی نے کی ۔ اس تلخیص کی تین جلدیں ہیں ۔ ایک علم ہیئت اور حرکات نجوم میں ہے ۔ دوسری ارسطو کے فن منطق میں ہے تیسری سیبویہ بصری کی نحو میں ہے ۔

مغربی علمی ترقی

اسی اثنا میں کہ عرب اپنی علمی ترقیوں میں مشغول تھے اور ابھی ہجرت کی تیسری صدی تمام نہ ہونے پائی تھی کہ یہ ہوا مغربی شہروں کو بھی لگ گئی ۔ اور عبد الرحمان الآخر ملقب بہ ناصر نے بھی (جبکہ اندلس کے شہروں پر قبضہ کرلیا اور شہر قرطبہ کی بنیاد ڈالی ۔ جسے اپنا پایۂ تخت بنانا مقصود تھا ۔ اور بغداد کے مشابہ تیار کرنا چاہتا تھا)

جمع کیا۔ اصمعی نے ۲۱۶ھ ہجری مطابق ۸۳۱ء میں انتقال کیا۔

کتابوں کی کثرت ان ممالک میں اسقدر ہوگئی تھی کہ خزانۂ شاہی اور کتب خانۂ امراؤ وزراء کو چھوڑ کے عام لوگوں کے پاس بھی بڑے بڑے کتب خانے ہوگئے تھے جنکا ساتھ لے آنا۔ لے جانا دشوار تھا۔ چنانچہ اصمعی کی زبانی ابوالفرج اصفہانی بیان کرتا ہے کہ میں نے ابراہیم موصلی سے (جبکہ وہ ہارون رشید کے ساتھ رقیہ کو گیا تھا) دریافت کیا کہ تمہارے ساتھ سفر میں کتنی کتابیں ہونگی۔ اس نے کہا فقط اٹھارہ صندوق ہیں۔ میں نے کہا کیا اس سے زیادہ بھی لینے کا ارادہ تھا۔ موصلی نے کہا اگر زیادہ بار رہ جانے کا خیال نہ ہوتا تو اس سے کئی گنا زیادہ کتابیں ساتھ لیتا۔

صاحب ابوالقسم اسماعیل بن ابی الحسن بن عباد بن العباس بن عباد بن احمد بن ادریس طالقانی کی حکایت لکھی ہوئی ہے کہ نوح ابن منصور (جو کہ بنی سامان میں سے تھا اور بادشاہ وقت بھی تھا) اسنے صاحب مذکور کو وزیر بنانے کی غرض سے بلوایا تھا۔ صاحب مذکور نے یہ عذر کیا کہ میرا آنا دشوار ہے کیونکہ چار سو اونٹ فقط میری کتابوں کے لیجانے کے واسطے چاہئیں۔ انکا انتقال ۳۸۵ھ ہجری مطابق ۹۹۵ء میں ہوا۔

غور کرنے کی بات ہے کہ جب ملک کی یہ حالت ہو۔ اور اسقدر طالبانِ علم و راغبین کی کثرت ہو تو کیا تعجب ہے اگر اندلس کی بابت بیان کیا جائے کہ ۳۰۰ھ ہجری تک وہیں کی مصنفین کی تصنیفات سے شہر کے کتب خانے بھر گئے تھے۔

صاحب مستطرف لکھتا ہے کہ عرب میں علمی شوق کچھ امراؤ رؤساء ہی میں محدود نہیں تھا بلکہ عام لوگوں کو بھی زیادہ اسکی طرف رغبت تھی۔ اگرچہ بے بضاعتی کے سبب سے اس کمال تک نہ پہونچ سکتے تھے۔

قرطبہ کے بیان میں ابن سعید نے لکھا ہے کہ اندلس کے شہروں میں

جسقدر کتابیں قرطبہ میں تھیں۔ اور جتنے آدمی یہاں کے علوم کیطرف متوجہ تھے اور کسی شہر میں یہ بات نہیں تھی بلکہ یہانتک انتہا تھی کہ جب امیر و رئیس کو ذرا بھی علم سے لگاؤ نہ تھا۔ وہ بھی اپنے خزانے میں کتابوں کا انبار جمع کئے رہتا تھا۔ فقط اس غرض سے کہ لوگ کہیں فلاں کے کتب خانے میں اسقدر کتابیں ہیں۔ یا فلاں کتاب انکے کتب خانے میں ایسی ہے جو دوسرے کے ہاں نہیں ہے۔ یا فلاں کتاب فلاں خوشنویس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے ویسی دوسرے کے پاس نہیں ہے۔

ایک دفعہ ابن رشد اور ابن زہرہ میں کتابوں پر مناظرہ ہو گیا تھا یہ دونو عرب کے بہت بڑے فلسفی تھے۔ ابن رشد نے کہا کیوں خواہ مخواہ قرطبہ پر ناز کرتے ہو۔ وہاں کی تو یہ حالت ہے کہ اشبیلیہ کا جب کوئی عالم مرجاتا ہے اور اسکی کتابیں نیلام ہوتی ہیں پس جھٹ مول لیکے قرطبہ میں بھر دی جاتی ہیں۔

پانچویں فصل

عرب نے یونان کے کون سے علوم میں مہارت حاصل کی تھی

عرب نے اپنی علمی ترقیوں کا مدار انہی فلسفیوں کی کتابوں پر رکھا تھا جنکا ذکر سابقا ہو چکا ہے۔ اور زیادہ تر منطق۔ ہندسہ۔ فلکیات۔ طبعیات کیمیا۔ نباتات۔ ماوراء طبعیات (الٰہیات) میں کمال پیدا کیا تھا۔ اور یہی علوم انکی ملکی اور مالی ترقی کی بنیاد تھے۔

عرب کا علم منطق اور فلسفہ

منطقی علوم تو عرب نے ارسطاطالیس (ارسطو) سے لیا ہے جسطرح

کہ شیخ بو علی سینا اور ابن رشد نے اُسکی شرح کی تھی ۔ اور بظاہر کسی قسم کی زیادتی اس علم میں انھوں نے نہیں کی۔

پہلے پہل منطق کا ترجمہ یونانی زبان سے عربی میں عبداللہ بن مقفع خطیب فارسی نے کیا ہے ۔ (یہ شخص ابو جعفر منصور کے زمانے میں مسلمان ہوا تھا اور عیسیٰ بن علی کا جو خلیفہ مذکور کا چچا تھا منشی تھا) یہ شخص بلاغت و فصاحت میں بہت مشہور ہے ۔ بہت سی اچھی اچھی تصنیفات اسکی علمی لیاقت کی شاہد ہیں منصور ہی کے حکم سے اس نے ارسطو کی تین کتابوں کا ترجمہ کیا تھا ۔ (جو کہ منطق میں تھیں)

منطق کا علم بھی منجملہ اُن علوم کے ہے جنکی بہت بڑی قدر کیگئی ہے اس علم کو میزان بھی کہتے ہیں ۔ اس سبب سے کہ جسطرح میزان (ترازو) کسی چیز کی کمی بیشی کو بتا دیتی ہے اُسی طرح اس علم سے صحت وسقم کسی مضمون کا معلوم ہوتا ہے ۔

منطق کی تعریف | المنطق آلة قانونية تعصم مراعاتها الذهن عن الخطاء فی الفکر ۔ اس علم کو دل سے وہی نسبت ہے جو علم نحو کو زبان سے ہے اور عروض کو نظم سے ۔ اسکی وجہ سے فکر کی غلطی سے انسان بہت اچھی طرح سے بچ سکتا ہے ۔

منطق جب سے عربی زبان میں ترجمہ ہوئی اور شائقین کے ہاتھ میں آئی اُسوقت سے ایک عجیب و غریب حالت میں ہو گئی اور اسقدر چرچا اسکا پھیلا کہ شاید حکماے سابقین کے وقت میں بھی نہ تھا ۔ لیکن آخر زمانہ میں لوگوں نے فقط اسکے ابتدائی مسائل پڑھنے پر اکتفا کر لی تھی جو بہت سے شکوک پیدا ہو جانے کا باعث ہوتے تھے ۔ چنانچہ مثل ہے من تمنطق تزندق (جس نے منطق پڑھی زندیق ہو گیا)

جن جن لوگوں نے عرب میں اس فن کی اشاعت کی تھی منجملہ اُنکے ایک تو

ابو نصر فارابی ہے۔ اس نے ارسطو کی ایک کتاب کا ترجمہ اپنی کتاب مسمی الثمانیہ میں کیا ہے اور اسکی شرح بھی لکھی ہے۔

دوسرا ابن رشد مذکور الصدر ہے۔ اس نے بھی ارسطو کی اسی کتاب کا خلاصہ کیا ہے۔

تیسرا حنین بن اسحاق مسیحی (مذکور الصدر) ہے۔ اسکی بھی ایک کتاب مسمی کتاب المسائل منطق میں ہے۔ اسکے بیٹے اسحاق نے کتاب اقلیدس کتاب مقولات۔ کتاب ایساغوجی کا خلاصہ کیا ہے۔

یعقوب بن اسحاق کندی کا ذکر اسکے بیان میں آئیگا۔ یعقوب کے بعد بھی بہت سے لوگوں نے منطق میں کتابیں لکھی ہیں۔ اور متاخرین نے بھی بہت کچھ اسپر اضافہ کیا ہے۔ منجملہ کتب مختصرہ کے مبین القواعد (از مکاتبی) کتاب المنہاج (از اوحدی) کتاب القسطاس (سمرقندی) کتاب التجرید۔ (نصیر الدین طوسی)

اور منجملہ متوسط کتابوں کے کشف الاسرار (محقق نصیر الدین طوسی) اسپر ابن بدیع بندی نے بہت سے ضروری حاشیے لکھے ہیں۔ کتاب جامع الدقائق (مکاتبی) کتاب نخبۃ الفکر (ابن واصل)

اور منجملہ مبسوط کتابوں کے المنطق الکبیر (امام رازی) کتاب شرح القسطاس (سمرقندی) شرح کشف الاسرار (مکاتبی) مگر سب سے مطول اور مشرح بوعلی سینا کی منطق الشفا ہے۔

اور منطق کی وہ کتابیں جنہیں آلہیات اور طبعیات کا مزا آئے یہ ہیں جو ذیل میں لکھی جاتی ہیں۔

کتاب کشف الحقائق (از اثیر الدین ابہری) کتاب تنزیل الافکار (〃) کتاب التلویحات (از سہروردی) کتاب التلخیص (از فخر الدین رازی) اس کتاب پر ابہری نے بہت اچھے اچھے حاشیے بھی لکھے ہیں۔ کتاب مطالع الانوار۔

(از ارموی) کتاب الحکمت الجدیدہ ۔ (از ابن کمونہ) کتاب المعتبر (از ابو البرکات)
مطولات ۔ شفا ۔ شرح التلویحات (از ابن کمونہ) شرح الملخص (از کاتبی)
شرح الاشارات والتنبیہات (از محقق نصیر الدین طوسی) شرح مطالع الانوار
(از ملا قطب الدین رازی) وغیرہ۔

اس علم کے متعلق باقی بحث ہم نے اپنی کتاب زبدۃ الصحائف کے صفحہ ۹ میں لکھی ہے۔ یہاں اسیقدر پر اکتفا کیجاتی ہے۔ البتہ یہ بات کہنے کے قابل ہے کہ ان علمائے منطق سے جو لوگ پہلے گذرے ہیں اُنکا یہ قول تھا کہ یونان کی منطق کی منطق میں سوائے لفظی بحثوں کے معنوی بحثیں بہت کم ہیں اسیوجہ سے بعضوں نے اُنکو حکما الالفاظ کا خطاب دیدیا تھا۔ اور بعضوں نے نافذین (لغوکو) اسی وجہ سے عرب میں بہت سے لوگ اس عیب کے مٹانے کی غرض سے ارسطو کے فلسفے کیطرف متوجہ ہوئے۔ مگر وہی فلسفہ جو کہ اُنکے اصول مذہب سے کوئی تعلق نہیں رکھتا تھا۔

منجملہ اُنکے یعقوب بن اسحاق کندی ہے جو ان سب میں زیادہ مشہور فلسفی تھا۔ اسکو فیلسوف العرب کہتے تھے۔ صاحب تذکرۃ الحکم نے یعقوب کی بابت لکھا ہے کہ اسلام میں فلسفیانہ مذاق میں جیسی شہرت اس نے حاصل کی۔ کسی کو اسکے بعد نہیں ہوئی۔ اسکی تصنیف سے اکثر علموں میں تقریباً پچاس کتابیں ہونگی۔

منجملہ اُنکے کتاب فی المنطق ۔ کتاب التوحید معروف بہ نغم مذہب ۔ کتاب فی الرد علی الذین یذہبون مذہب الازلیۃ الخذیۃ ۔ کتاب الموسیقی ۔ کتاب فی اثبات النبوۃ ۔ کتاب فی الادب ۔ رسالہ تسلیۃ الاحزان ۔

ابن خلکان نے اس ترجمے میں لکھا ہے کہ یعقوب بن اسحاق کندی فیلسوف اسلام اشعث بن قیس کوفی کی اولاد سے ہے۔ بغداد میں آکے اس نے علوم فلسفیہ کو حاصل کیا۔ اور متقدمین حکما کی کتابوں کی مشکلات

حل کر دیا۔ قدم بقدم ارسطو کے چلتا تھا۔ تصنیفات اسکی بہت سی ہیں۔ مگر سب میں عمدہ اور قابل قدر کتاب اقسام العقل الانسی۔ کتاب الجوامع الفکریہ کتاب الفلسفۃ الاولی ہے۔

ایک انگریز مورخ نے بھی بہت کچھ یعقوب مذکور کی تعریف کی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ اسکی تصنیف سے کتاب الفلسفۃ الاولی فی مادون الطبیعات والتوحید۔ کتاب الفلسفۃ الداخلیۃ والمسائل المنطقیۃ و مافوق الطبیعیات۔ رسالۃ فی ان الفلسفۃ لاتنال الابالریاضیات۔ کتاب الحث علی تعلیم الفلسفہ رسالہ فی کمیۃ کتب ارسطو۔ کتاب فی قصد ارسطو من المقولات۔ ورسالۃ فی مقیاس العلمی۔ کتاب فی اقسام العقل الانسی۔ کتاب فی ماہیۃ العلم واقسامہ کتاب فی ان افعال الباری تعالیٰ کلہا عدل لاجور فیہا۔ کتاب فی ماہیۃ الشئ الذی لانہایۃ لہ۔ کتاب فی الفاعلۃ والمنفعلۃ من الطبیعیات الاول۔ کتاب فی عبارۃ الجوامع الفکریہ۔ کتاب ایساغوجی لفرفریوس۔ کتاب فی المدخل المنطقی۔ اور اسکے علاوہ بھی بہت سی کتابیں اور رسالے ہیں جو شاید ڈھائی سو تک تقریباً پہونچتی ہیں۔ ان کا مفصل ذکر کتاب عیون الانباء فی طبقات الاطباء میں ہے۔

دوسرا فلسفی عرب ابو نصر محمد بن طرخان بن اوزلغ ہے جسے فارابی بھی کہتے ہیں۔ یہ شخص بھی بہت بڑا فلسفی اور اسلامی فلاسفروں کا سرگروہ تھا تذکرۃ الحکم کی عبارت سے معلوم ہے کہ اسلامی حکماء میں کوئی بھی اسکے رتبہ کو نہیں پہونچا۔ حکیم مذکور ترکی الاصل شہر فاراب کا رہنے والا تھا اسکا قول تھا کہ انواع اشیا کبھی فنا نہیں ہو سکتے۔ اور کائنات عالم کبھی معدوم نہیں ہو سکتے۔ خصوصاً نوع انسانی پر تو کبھی عدم آنے ہی کا نہیں اسی قول کو حکمأ اندلس نے بھی پسند کیا تھا۔ اور بہت سی دلیلیں بھی لکھی تھیں مگر شیخ بو علی بن سینا نے سب کو رد کیا ہے { خالق قادر اور مخلوق موجود عدم وجود

فارابی نے ارسطو کی بہت سی کتابیں شرح کر کے اپنے شاگردوں کو لکھوا دی تہیں۔ پہلے یہ حران میں چلا گیا۔ وہاں یوحنا بن خیلان حکیم نصرانی کے پاس رہ کے فلسفی علوم حاصل کئے تھے۔ اسکی تصنیف سے ایک کتاب بہت ہی معزز اور قابل قدر ہے جسمیں اُس نے تمام علوم کا ذکر کیا ہے اور سب کی تعریف اور اُنکے پڑہنے کی غرض بیان کی ہے۔ دوسری کتاب اسکی سیاستہ مدن میں ہے۔ ایک انگریز مورخ نے لکھا ہے کہ فارابی نے ارسطو کی کتاب کا خلاصہ اپنی کتاب مسمی ثمانیہ فی المنطق میں کیا ہے۔ اور اسپر شرح بھی لکھی ہے۔

اسی نے قانون (ایک باجا ہے) بھی ایجاد کیا تھا۔ جواب بھی مروج ہے اور بطور ہدیہ کے سیف الدولہ بن حمدان عدوی کے پاس بھیجا تھا۔ اُس نے بہت کچھ اسپر انعام دیا تھا۔ شہر دمشق میں سنہ ۳۳۹ ہجری مطابق سنہ ۹۵۰ء میں اسکا انتقال ہوا۔

تیسرا فلسفی شیخ رئیس ابو علی حسین بن عبداللہ بن سینا بخاری ہے۔ علم ہندسہ و حساب و جبر و مقابلہ میں اسکو بہت اچھی دستگاہ تھی۔ حکیم عبداللہ ناتلی سے تعلیم حاصل کی تھی (یا ابوسہیل مسیحی جرجانی سے)

غرض ان دونوں میں سے کسی کے پاس رہ کے منطق۔ اقلیدس مجسطی پڑہی۔ اور آخر میں اسقدر بڑہ گیا کہ بہت سے رموز و نکات خود سمجہا اور ناتلی کو بتایا جنہیں وہ جانتا تک نہ تہا۔ ان علوم سے فراغت پا لینے کے بعد طبعیات و الٰہیات کا شغل شروع کیا۔ پھر طب کا علم حاصل کیا۔ ابھی جرجان ہی میں تھا کہ ایک کتاب مسمی اوسط اس نے تالیف کی۔ اسکے بعد کتاب قانون کتاب الشفا۔ نجاۃ۔ اشارات وغیرہ لکھیں۔ کہتے ہیں کہ اسکی تصنیف سے تقریباً سو کتابیں ہیں۔ اسی کا ایک قصیدہ مشہور ہے جسکا مطلع یہ ہے (نفس ناطقہ کی تعریف لکھتا ہے)

هبطت الیک من المحل الارفع ورقاء ذات تعزز وتمنع

اسی کی بابت بعض مورخین کا گمان ہے کہ نوح بن نصر سامانی والی خراسان کا کتب خانہ (جبکہ آپ اسکے معالجہ کے واسطے خراسان میں رہتا تھا) جلا دیا تاکہ اگلوں کا نام مٹ جائے بس ہمیں ہی مشہور رہوں۔

کہتے ہیں کہ اس نے فارابی کی تالیفات سے بہت کچھ فائدہ اٹھایا ہے مگر مسئلہ افتراق الوازع (الوازع عالم کا فنا ہوجانا) میں اسکی مخالفت کی ہے اور اسکی رد میں ایک رسالہ مسمی حی بن یقظان لکھا ہے (ابن خلدون کے نزدیک یہ رسالہ قابل اعتبار نہیں ہے حالانکہ رائے میں یہ دونوں متحد ہیں) شیخ کی بابت یہ بھی تہمت لگائی گئی ہے کہ قدیم کتابوں میں بہت کچھ تصرف کیا کرتا تھا۔ اکثر چیزیں اسمیں حذف کرکے اپنی من گھڑت اضافہ کردیا کرتا تھا۔ انتقال اسکا ۴۲۸ھ ہجری مطابق ۱۰۳۶ء میں ہوا۔

چوتھا اسلامی فلسفی ابوحامد محمد بن محمد بن احمد غزالی زین الطوسی فقیہ شافعی حجۃ الاسلام ہے۔ اس نے فلسفہ یونان کی سخت مخالفت کی ہے۔ اسکی مصنفات سے وسیط۔ بسیط۔ وجیز۔ خلاصہ فی الفقہ۔ کتاب احیاء العلوم۔ (یہ کتاب بھی نہایت اعلیٰ درجے کی کتاب ہے۔) مستصفی (اصول فقہ) منخول منتحل (علم جدل میں) تہافۃ الفلاسفۃ محک النظر۔ المقاصد۔ المضنون بہ علی غیر اہلہ۔ المقصد الاسنیٰ فی شرح الاسماء الحسنیٰ۔ مشکوۃ الانوار۔ المنقذ من الضلال۔ حقیقۃ القولین وغیرہ وغیرہ ہیں۔ انکا انتقال ۵۰۵ھ ہجری مطابق ۱۱۱۱ء میں ہوا۔

پانچواں فلسفی ابن رشد ابوالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی قرطبی ہے اندلس کے اسلامی فلاسفروں میں بہت مشہور اور لائق گذرا ہے۔ اس نے اپنے زمانہ کے مشہور فلاسفروں سے تحصیل علم کی تھی۔ طب اور فقہ اور فلسفہ میں کمال پیدا کیا تھا۔ ابن عربی فیلسوف اور ابن طفیل اور ابن زہر کے۔ اور اسکے

درمیان میں بہت یارانہ تھا۔ اسکو منصور بادشاہ نے اشبیلیہ سے ایک شخص کے چغلی کھانے پر نکلوا دیا تھا۔ آخر حاکم مراکش نے اسکو اپنے پاس بلا لیا کیونکہ اسکو اقوال فلاسفہ متقدمین کے مطالعہ کا بڑا شوق پیدا ہو گیا تھا۔

ابن رشد کی یہ بھی رائے تھی کہ ارسطو یونان کے تمام فلسفیوں سے فوق لیگیا تھا۔ اسوجہ سے زیادہ تر اس نے ارسطو ہی کی کتابوں کا ترجمہ کیا۔ حالانکہ ارسطو کی تالیفات خود اسبات کو بتاتی ہیں کہ وہ افلاطون کا مقلد تھا۔ (اس فلسفہ کے مبادی کو ہماری کتاب زبدۃ الصحائف ص۱۵۹ میں با شیخ رئیس کی شرح ارجوزہ کو دیکھو)

اس نے غزالی کی تہافتہ الفلاسفہ کی بہی ردکی ہے۔ جسمیں یہ بات دکھلائی ہے کہ غزالی کا بیان بالکل قابل یقین اور برہانی نہیں ہے اور دوسرے مقام پر یہ بہی کہا ہے کہ غزالی جسطرح فلسفہ سے بے بہرہ تھا اسی طرح شریعت سے بہی بے بہرہ تھا۔

اسکی ایک کتاب فصل المقال فی ما بین الشریعتہ والطبیعتہ من الانفصال ہے اس کتاب میں علم ہیئات سے بحث کی ہے۔ تلخیص کتاب الکون والفساد ہے۔ (اصل میں یہ دو مقالے ارسطو کے تھے جنکی تلخیص اس نے کی ہے) کلیات ابن رشد ہے۔ مگر اب اسکی تالیفات عربی زبان میں بہت ہی نادرالوجود ہیں۔ اکثر لاطینی زبان میں البتہ ترجمہ کیگئی ہیں۔ منجملہ ان کے شرح اقوال ارسطو علی الرد علی الغزالی ہے۔ اس کتاب کی گیارہ جلدیں ہیں۔ اور ینڈیمیں ۱۵۶۰ء میں چھپی تھی۔ اور اکثر کتابیں اسکی عبرانی میں ترجمہ ہو گئی ہیں۔ بہت سے انگریزوں نے بہی اسکی تحقیقات کو اس زمانے پر لیا تھا جبکہ اسکی تصنیفات ہسپانیہ اور کردوفا مغربی بلاد میں سے ہیں) ہیں پڑھائی جاتی تھی۔ اور جو لوگ کہ حرکات فلکیہ کے استقبال کو مانتے ہیں وہ اس قول کو ابن رشد ہی کیطرف منسوب کرتے ہیں۔ اس نے اپنی تصنیفات

میں فلکیات کے متعلق بھی بہت کچھ لکھا ہے اور سب سے زیادہ معتدبہ وہ ہے جہاں کہ اس نے کلف آفتاب سے بحث کی ہے۔

اس زمانے میں رینان فرنسوی نے ایک کتاب لکھی ہے۔ نام اسکا ابن رشد ہے۔ اس کتاب میں ابن رشد کی سوانح عمری اور اسکی تالیفات کا ذکر کیا ہے۔ رینان نے یہ بھی لکھا ہے کہ ابن رشد قرون متوسط میں ارسطو کے تابعین میں سے بہت بڑا فلسفی تھا۔

یہ کتاب ۱۸۵۲ء میں پیرس میں چھپی تھی۔ ابن رشد کی وفات ۵۹۵ ہجری مطابق ۱۱۹۸ء میں ہوئی۔

چھٹا فلسفی ابن زہر ابوبکر محمد بن ابی مروان عبدالملک بن ابی العلاء زہر بن ابی مروان عبدالملک بن ابی محمد بن مروان بن زہر ایادی اندلسی اشبیلی ہے۔ لغت دانی میں بھی بڑا ماہر تھا۔ ذی الرمہ کے اشعار اسکو بہت سے یاد تھے۔ طب میں بھی اعلیٰ درجے کی دستگاہ تھی۔

اپنے دادا ابوالعلاء کی بابت اس نے لکھا ہے کہ وہ اپنے زمانہ کا وزیر تھا۔ اور اسوقت کا بہت بڑا فلسفی بھی تھا۔ ۵۲۵ ہجری مطابق ۱۱۳۰ء میں مرگیا۔ پھر اپنے پردادا کی بابت لکھتا ہے کہ وہ مشرق میں علوم طبیہ کی تحصیل کی غرض سے گیا۔ اور وہاں مدت تک اس علم کی تکمیل میں مصروف رہا۔ یہانتک کہ بغداد میں ریاسہ طب اسکو دیگئی۔ پھر مصر میں رئیس الاطباء رہا۔ پھر قیروان میں۔ غرض اپنے زمانے میں اطباء سے علم طب میں بہت بڑھا چڑھا تھا۔ قیروان ہی میں اسکا انتقال بھی ہوا۔

اسکے بعد اپنے پردادا کے باپ کی نسبت لکھتا ہے کہ محمد بن مروان بہت بڑا عالم صاحب رائے۔ ادیب۔ صاحب فتویٰ۔ مشوروں میں سب سے آگے رہنے والا۔ علوم و فنون میں ماہر تھا۔ علم روایت و درایت دونوں اسمیں جمع تھے۔ اور بطلیرہ میں ۴۲۲ ہجری مطابق ۱۰۳۰ء میں مرا۔

خواہ ابوبکر کا انتقال ۵۳۳ھ ہجری مطابق ۱۱۳۸ء میں ہوا۔

ساتوان اسلامی فلسفی۔ ابوبکر بن باجہ تجیبی سرقسطی معروف بہ ابن صائغ اندلسی مسلمانون کا آخری فلسفی ہے۔ علوم و فنون میں بہت بڑا ماہر تھا سیاست مدن کیطرف زیادہ متوجہ تھا۔ کہتے ہیں کہ ابوبکر بن باجہ مذہب تعطیل کا قائل تھا۔ (پروردگار کو معطل سمجھتا تھا) حکماء فلسفہ کے مذہب کو ترجیح دیتا تھا۔ اور شاید کہ وجود پروردگار کا بھی منکر تھا۔ اسکا اعتقاد یہ بھی تہا کہ زرنہ وور کا نام ہے اور انسان بھی اس قسم کی نبات ہے جو زمین سے پیدا ہوئی ہے اسکی تصنیفات ریاضی اور منطق میں بہت ہیں۔ شہر فاس میں زہر دے کے ۵۲۳ھ مطابق ۱۱۳۵ء میں مارا گیا۔

آٹھوان اسلامی فلسفی یحیی بن حبش بن امیرک ملقب بہ شہاب الدین سہروردی ہے۔ یہ بھی فلاسفر اسلامیین میں شمار ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اسکو فن شعبدہ بازی میں مہارت تھی۔ لوگ اسکے عجائبات اور شعبدوں سے اسی طرح خوش ہوتے تھے جیسے کہ آجکل یورپ کی شعبدہ بازیوں سے۔

حکایت۔ ایک دفعہ سہروردی شام میں جاتے ہوئے کسی شخص کے ساتھ ہو لیا تھا۔ راہ میں دونوں نے ملکے کچھ تازے خرمے دس درم کو مول لئے۔ جب وہاں سے آگے بڑہے تو خرما بیچنے والا پیچھے پیچھے دوڑتا آیا اور کہنے لگا۔ اجی حضرت یا تو میرے خرمے واپس کیجئے یا دس درم اور بھی دیجئے۔ کیونکہ میرے خرمے بیس درم کے تھے۔ دہوکے سے آپ کو دس ہی درم کو دیدیئے سہروردی یہ سن کے ٹھر گیا۔ اور اسکو سمجھانے لگا۔ مگر ایسے کلمات بھی کہے جس سے خرمے والے کو غصہ آگیا اور اس نے سہروردی کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کہینچا۔ ہاتھ کا کھینچنا تھا کہ فوراً کلائی سے ہاتھ جدا ہوکے خرمے والے کے ہاتھ میں جا رہا۔ اور خون ٹپ ٹپ ٹپکنے لگا۔ یہ دیکھ کے وہ بیچارہ بہت ہی گھبرایا اور ٹوٹا ہوا ہاتھ پھینک کے بھاگا۔ جب وہ سامنے سے چلا گیا تو سہروردی نے

اپنا ہاتھ آستین سے نکالا اور ٹوٹے ہوئے ہاتھ کو اٹھایا تو وہ ایک رومال تھا اور کچھ بھی نہیں۔ اسی طرح کی اور بھی حکایات اسکی مشہور ہیں۔

اسکی تصنیفات سے کتاب التنقیحات (اصول فقہ میں ہے) کتاب التلویحات کتاب الہیاکل۔ کتاب حکمۃ الاشراق ہے۔ اور اسکا ایک رسالہ مسمی غربۃ غریبہ بھی مثل رسالۃ الطیر اور رسالہ حی بن یقظان شیخ رئیس کے ہے۔ اس رسالہ میں بہت بڑی بلاغت صرف کی ہے اور حدیث نفس کو بموجب اصطلاحات حکماء کے بیان کیا ہے۔

اسکو لوگ زندیق جانتے تھے کیونکہ یہ ازلیتہ عالم کا قائل تھا۔ صلاح الدین ایوبی نے اسکو ملب میں قید کیا تھا۔ اور خفیہ طور سے ۵۸۶ھ میں مار ڈالا۔

عرب کا علم الافلاک اور علم طبیعیات

چونکہ زمانہ جاہلیت میں عربوں کو کسی قسم کا علم نہ تھا۔ اس وجہ سے وہ بالکل اسباب کو نہیں سمجھ سکتے تھے کہ حوادث طبعیہ (مثلاً نباتات و اشجار کا پیدا ہونا۔ حیوانات کا نشوونما۔ درختوں میں پھل پھول آنا صحت و مرض کا آنا جانا وغیرہ) اور نفسیات جویہ (مثلاً پانی برسنا۔ آندھی چلنا وغیرہ) کے اصلی اسباب کیا ہیں۔ نہ تغیرات فلکیہ کا پورا احساس کر سکتے تھے۔ نہ عناصر کی ترکیبات اور تکوینات علویہ و سفلیہ کا پورا ادراک کر سکتے تھے۔ ہاں اتنا ضرور تھا کہ سرسری نظر میں اُنکی جو بات کسی ستارے کی حرکت پر مبنی معلوم ہوتی تھی اسکا ایک نہ ایک نام تجویز کر لیتے تھے۔ اور اُس سے انقلابات طبعیہ کا اندازہ کرتے تھے۔ (جیسا کہ ہم آیندہ اسکے متعلق کچھ لکھیں گے)

لہٰذا ہم یہاں اس بحث کے دو حصے کرتے ہیں۔ ایک حصے میں یہ دکھلاتے ہیں کہ جاہلی عربوں کو کہاں تک فلکیات اور طبعیات میں دخل تھا۔ اور دوسرے حصہ میں یہ بتائینگے کہ اسلامی عربوں نے یونانی کتابیں ترجمہ کرنے کے بعد ان

دونوں علموں میں کہاں تک کمال حاصل کیا۔

جاہلی عربوں کا علم فلکی اور طبعی

یہ بات پہلے سے معلوم ہو چکی ہے کہ جاہلی عربوں کا اعتقاد انواء منازل میں ویسا ہی ہے جیسا کہ منجمین کو سیارات کی بابت ہے (جیسا کہ ہم نے چوتھے باب کی چوتھی فصل میں لکھا ہے) بس یہی انکے علم فلکیات کی انتہا تھی۔ اور برابر اسی خیال پر باقی رہے۔ یہاں تک کہ اسلام نے آکے اس خیال کو مٹایا۔ (انواء۔ منازل قمر ہیں سے ایک ستارے کے مغرب میں صبح کے ساتھ غروب کہنے اور دوسرے ستارے کے مشرق سے طلوع کرنے کو انواء کہتے ہیں)

عرب سال کے پہلے نوء کو بدری کہتے تھے۔ یہ نوء نویں ایلول سے اٹھارہویں تشرین اول تک رہتا تھا۔

اور نوء سقوط الفرغین۔ بطن الحوت۔ وسمی۔ اٹھارہویں تشرین اول سے نویں کانون اول تک۔

اور نوء سقوط الشرطین۔ بطین۔ ثریا۔ دبران۔ دلی۔ اٹھارہویں نیسان تک

اور نوء سقوط۔ ہقعہ۔ ہنعہ۔ ذراع۔ نثرہ۔ طرف۔ جبہ۔ زبرہ۔ صرفہ۔ عوار۔ سماک غمیر۔ نویں حزیران تک۔

نوء سقوط الغفر۔ زبانی۔ اکلیل۔ قلب۔ بسری۔ نویں حزیران سے پانچویں تموز تک۔

اور نوء سقوط الشولہ۔ نعائم۔ بارح القیظ۔ پانچویں تموز سے تیرہویں آب تک۔

اور نوء سقوط بلدہ سعد ذابح سعد بلع۔ احتراق ہوا۔ تیرہ آب سے آٹھویں ایلول تک۔

اور نوء سقوط سعد السعود۔ سعد اخبیہ۔ (یعنے بدری) سال کے تمام الزمانیں

پہلا نور ہے جسکا ذکر پہلے ہو چکا۔

نجوم سیارات سبعہ (سبعہ سیارہ)۔ یعنے آفتاب۔ ماہتاب۔ مریخ۔ مشتری زہرہ۔ عطارد۔ زحل کو۔ اور بارہ بروج اور ماہتاب کی منازل کو بھی قدیم حکما کی رائے کے موافق تسلیم کرتے تھے۔

سال کی تقسیم بھی اسی طرح قمری حساب سے بارہ مہینوں پر کرتے تھے جسطرح کہ اسلام میں مقرر ہے۔ مگر تقریباً دو سو برس اسلام کے پہلے سے کبس شہور (لوَن) کا طریقہ بھی سیکھا تھا۔ اور ہر تیسرے برس ایک مہینا بڑھا لیتے تھے۔ جیسے کہ ہندی لوَن کا مہینا ہوتا ہے۔ تاکہ قمری سال شمسی دورہ کے مطابق ہو جائے۔ اس وجہ سے حج انکا ہر سال ایک ہی زمانے میں پڑتا تھا۔ اور انکی معمولی عادات میں فرق نہیں آنے پاتا تھا۔

کبیسہ (لوَن) کے حساب کرنے والے نساۃ لوگ ہوا کرتے تھے (نساۃ نسی سے مشتق ہے یعنے مہینوں کے بھولا دینے والا) اس طریقہ میں یہ ہوتا ہے کہ چند دن مہینوں پر بحساب کسور بڑھا دیتے ہیں جس سے تین برس میں ایک مہینہ پورا نکل آتا ہے۔ یہ طریقہ مصری عربوں میں ابتک مروج ہے۔[2] مگر اسلام نے اسکو لغو ٹھیرایا ہے۔ اور فقط قمری حساب رویت ہلال کے مطابق جاری رکھا ہے۔ اسلام کے تمام فرقے اپنے عام احکام شرعیہ میں رویت ہلال کا لحاظ کرتے ہیں سوائے شیعہ[1] فرقہ کے۔

اسلامی سال محرم کے مہینے سے شروع ہوتا ہے۔ اور عموماً ایک مہینہ تیس اور

[1] معلوم نہیں شیعہ سے اس مقام پر کونسا فرقہ مراد ہے۔ اسواسطے کہ جو شیعہ اما میہ اثنا عشریہ کہے جاتے ہیں وہ بھی اسی رویت ہلال پر اپنا تمام شرعی کام انجام دیتے ہیں۔ بلکہ شیعہ امامیہ رویت ہلال کا لحاظ بہ نسبت اور اسلامی فرقوں کے زیادہ ہے۔ شاید مولف کتاب نے شیعہ سے کوئی اور فرقہ علاوہ امامیہ کے مراد لیا ہے۔ (مترجم)

[2] یہ طریقہ بھی اسلام میں مردود ہے۔ مولف نے اس مقام پر بھی دھوکا کھایا ہے (مترجم)

ایک مہینہ اُنتیس دن کا حساب کیا جاتا ہے تاکہ قمری سال تین سو چون روز اور ایک خمس اور ایک سدس کا ہو (۳۵۴ ۱/۵ ۱/۶)

امام مقریزی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی کسر کی وجہ سے مسلمانوں نے ذی الحجہ کے مہینے میں ایک دن کا اضافہ کر دیا ہے بشرطیکہ وہ کسر نصف دن سے زیادہ ہو۔ اس سبب سے اُس سال میں ذی حجہ تیس دن کا ہوتا ہے۔ اُس سال کو سال کبیسہ کہتے ہیں۔ اس حساب سے پورے سال کے دن تین سو پچپن ہو جاتے ہیں۔ اسی جمع ہوتے ہوتے ہر تیس برس پر گیارہ دن بڑھ جاتے ہیں۔

مقریزی کا مطلب تیس برس سے قمری سال مراد ہیں جسے دور بھی کہتے ہیں۔ ان تیس برسوں میں اُنیس برس تو بغیر کبیسہ کے ہونگے اور گیارہ برس میں کبیسہ پڑیگا۔ وہ گیارہ برس یہ ہیں۔ دوسرا سال۔ پانچواں سال۔ ساتواں سال۔ دسواں سال۔ تیرہواں۔ سولھواں۔ اٹھارہواں۔ اکیسواں۔ چوبیسواں۔ چھبیسواں۔ اونتیسواں۔

عرب کا پہلا مہینہ محرم آٹھویں۔ پندرہویں۔ بائیسویں۔ اونتیسویں میں اور قوموں کے مہینوں سے موافقت رکھتا ہے۔ لیکن اگر محرم یکشنبہ کے روز واقع ہو تو صفر کی پہلی کو سہ شنبہ ہوگا۔ ربیع [illegible] پہلی کو چہارشنبہ ربیع الثانی کی پہلی کو جمعہ ہوگا۔ جمادی الاولی کی پہلی [illegible] ہوگا۔ جمادی الثانیہ کی پہلی کو دو شنبہ ہوگا۔ رجب کی پہلی کو سہ شنبہ ہوگا۔ شعبان کی پہلی کو پنجشنبہ ہوگا۔ ماہ صیام کی پہلی کو جمعہ ہوگا۔ شوال کی پہلی کو یکشنبہ ہوگا۔ ذی قعدہ کی پہلی کو دو شنبہ ہوگا۔ ذی الحجہ کی پہلی کو چہارشنبہ ہوگا۔

اور اگر محرم کی پہلی دوشنبہ کو پڑی تو صفر کی پہلی کو چہارشنبہ ہوگا۔ ربیع الاول کی پہلی کو پنجشنبہ ہوگا۔ اور اگر محرم کی پہلی کو ہفتہ ہوا تو صفر کی پہلی کو دوشنبہ ہوگا۔ اور ربیع الاول کی پہلی کو سہ شنبہ ہوگا۔ علی ہذا القیاس سمجھ لو۔

عربی مہینوں کے نام - عرب عرباء (خالص عرب) نے اپنے قمری مہینوں کے نام ناتق - نقیل - طلیق - اسنخ - انخ - حلک - کسح - زاہر - نوط - حرف - بغش - رکھے تھے - ناتق سے مراد محرم ہے - اور نقیل سے مراد صفر - اسی طرح علیٰ ہذا القیاس -

ثمودی مہینوں کے نام - قوم ثمود نے اپنے مہینوں کے نام موجب - موجر - مورد - ملزم - مصدر - ہوبر - ہوبل - موہا - دیمر - دابر - حیقل - مسبل رکھے تھے - موجب محرم ہے - موجر صفر وغیرہ - لیکن انکے ہاں سال کی ابتدا دیمر (ماہ صیام) سے ہوتی تھی -

اسی طرح باقی قبیلوں نے بھی یہ نام تجویز کر لیے تھے - موتمر - ناجر - خوان - صوان - ضنم - زبا - اصم - عادل - باطل - واغل - ہواع - برک (موتمر کے معنے یہ ہیں کہ وہ ہر چیز کا محکوم ہو سکتا ہے - یعنے سال میں جو واقعات پیش آتے ہیں - اُن سب کا مرکز یہی مہینہ ہوتا ہے - ناجر نجر سے مشتق ہے جسکے معنے سخت گرمی کے ہیں - خوان خیانت سے مشتق ہے - صوان صیانۃ (نگہداشت) سے مشتق ہے - زبا ر سخت مصیبت -

کچھ لوگ صوان کے بعد زبار - زبار کے بعد بائدہ - بائدہ کے بعد اصم پھر واغل - پھر باطل - پھر عاطل - پھر رنتہ - پھر برک شمار کرتے ہیں -

بائد کو بائد اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ اس مہینے میں جنگ و جدال بہت ہوتا تھا - اور بہت سے لوگ مارے جاتے تھے - اسی وجہ سے کسی لڑائی کے موقعہ پر یہ مثل کہی گئی ہے - العجب کل العجب بین جمادی و رجب کیونکہ جتنی لڑائیاں ہوتی تھیں اُنکا فیصلہ رجب سے پہلے پہلے کر لیتے تھے - اور رجب کو اصم کہتے تھے - اس وجہ سے کہ لڑائی اس مہینے میں موقوف رہتی تھی - واغل اُس شخص کو کہتے ہیں کہ جو مجلس شراب میں بن بلائے شریک ہو - اسی مناسبت سے ماہ شعبان کو واغل کہا گیا کہ وہ ماہ صیام پر

جو کثرت سے شراب خواری کا مہینا تھا چڑھ آتا ہے۔ اس مہینے میں کثرت شراب خواری کی یہ وجہ تھی کہ اسکے بعد والے مہینے میں حج کرتے تھے۔ اور اس میں شراب پینی چھوڑ دیتے تھے۔ تو اسکی کسر پہلے ہی پوری کر لیتے تھے۔ ماہ صیام کو باطل اسوجہ سے کہا ہے کہ باطل شراب کے پیالے کو کہتے ہیں۔ چونکہ اس مہینے میں شراب کے پیالے کا کثرت سے استعمال ہوتا تھا لہذا اس مہینے کو بھی باطل کہا گیا۔ ماہ ول حج کا مہینا تھا۔ اس مہینے میں تمام لغو امور سے باز رہتے تھے۔ زبار اونٹ۔ گوسفند۔ بھیڑ بکریوں کو کہتے ہیں۔ چونکہ اس مہینے میں یہ سب جانور قربانی اور نحر کی غرض سے حلال کئے جاتے تھے۔ لہذا اسکو زبار کہا۔ برک اونٹ کے بیٹھنے کو کہتے ہیں جبکہ بعضوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ بعض جاہلی عرب محرم کو موتمر اور صفر کو ناجر۔ ربیع الاول بضار۔ ربیع الثانی خوان۔ جمادی الاولیٰ کو حنین۔ جمادی الآخر کو رنة۔ رجب کو اصم (یہ مہینا صفر کا سمجھا جاتا تھا جو ابو القبائل تھا۔ جاہلیۃ میں اس مہینے میں روزہ رکھتے اور ایک دوسرے کی دعوت کرتے اور امن و امان میں رکھتے۔ سفر میں جاتے اور کچھ خوف نہ کرتے تھے۔ کیونکہ اس مہینے میں لڑنا بھڑنا حرام سمجھتے تھے۔) شعبان کو عاذل۔ رمضان کو ناتق۔ شوال کو وعل۔ ذی قعدہ کو ہواع۔ ذی الحجہ کو برک اور ابروک اور میمون کہتے تھے۔

اسکے بعد عرب نے اپنے مہینوں کا وہ نام مقرر کیا جو اب مشہور ہے۔ یعنے محرم و صفر وغیرہ۔ محرم میں لڑنا حرام جانتے تھے۔ صفر میں اپنے اپنے مکانوں کو زرد رنگ سے رنگین کرتے تھے۔ کیونکہ اسی مہینے سے لڑائی پر چلنے کا ارادہ کر لیتے تھے۔ ربیع الاول اور ربیع الثانی بہار کے مہینے تھے۔ جمادی الاولیٰ اور جمادی الثانیہ میں سردی سے پانی منجمد ہو جاتا تھا جیسا کہ شاعر کہتا ہے۔

فی لیلۃ من جمادی ذات اندیۃ لا یبصر الکلب من ظلمائہا الطنبا

رجب کا مہینا وسط حالت میں تھا۔ شعبان میں لڑائی شروع ہوتی تھی۔ رمضان رمضار سے مشتق ہے جلتی ہوئی زمین کو کہتے ہیں۔ اس مہینے میں گرمی شدت سے پڑتی تھی۔ شوال شول سے مشتق ہے جسکے معنے اونٹ کے دم اٹھانے کے ہیں۔ اس مہینے میں اونٹوں کی شہوت زیادہ ہو جاتی تھی۔ ذی قعدہ میں اپنے اپنے گھروں میں بیٹھتے تھے۔ لڑائی بند ہو جاتی تھی ذی الحجہ میں حج ہوتا تھا۔

ایک اسلامی عالم نے لکھا ہے کہ ماہ رمضان کو فقط رمضان کہنا جائز نہیں ہے۔ اس وجہ سے کہ حدیث میں آگیا ہے لا تقولوا رمضان فان رمضان اسم من اسماء اللہ تعالی ولکن قولوا جاء شہر رمضان (ماہ رمضان کو فقط رمضان نہ کہو کیونکہ یہ خدا تعالی کا نام ہے بلکہ کہو شہر رمضان یعنے خدا کا مہینا)

یہ بات بھی سمجھ لینے کی ہے کہ یہ اتفاقات جو خاص خاص مہینوں میں ہوتے تھے مثلاً ربیع الاول میں بہار کی فصل کا رہنا۔ جمادی الاولی اور ثانیہ میں سخت سردی کا رہنا۔ یہ اسی حساب کے مطابق ہو سکتا ہے جبکہ لوند کا حساب رکھا جائے۔ کیونکہ اس حساب سے قمری اور شمسی حساب تقریبا مطابق پڑتا ہے۔ اور اگر عام اسلامی طریقہ علاوہ کبیسہ کے رکھا جائے تو پھر یہ خصوصیات باقی نہ رہیں گی۔

جمادی الاولی اور جمادی الثانیہ کو ربیع الاول اور ربیع الثانی کے بعد اس وجہ سے رکھا ہے کہ بعض بعض عربوں کی یہ رائے تھی کہ جس فصل میں درخت کے پھل پختہ ہوتے ہیں وہی ربیع (بہار) کی فصل ہے۔ اب لا محالہ اسکے بعد سردی کا زمانہ آئیگا اسکے جنم کی صیف (گرمی) کی فصل آئیگی۔ جسے اس زمانے میں ربیع کہتے ہیں۔ اسکے بعد قیظ (سخت گرمی) کی فصل آئیگی۔

کچھ لوگوں کی یہ رائے تھی کہ جس فصل میں پھل تیار ہوتے ہیں یعنے خریف میں وہ ربیع الاول ہے اور اُسکے بعد کی فصل شتا (جاڑا) ہے اور جس فصل میں پھول لگنے شروع ہوتے ہیں وہ ربیع الثانی ہے۔ غرض اکثر دنوں کی رائے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ فصل کو ربیع کہتے تھے۔

مورخین لکھتے ہیں کہ ہفتہ کے دن اس حیثیت سے جیسے اب استعمال ہوتے ہیں۔ فرس۔ صغد۔ قبط کے زمانے میں نہ تھے بلکہ پہلے پہل اس کا استعمال بر شام کے رہنے والوں نے کیا۔ جبکہ حضرت موسیٰؑ کو توریت میں یہ بتایا گیا کہ خدا تعالے نے زمین و آسمان کو چھ دن میں بنایا ہے اور ساتویں دن راحت لی۔ اسکے بعد سے پھر تمام گروہوں میں اسکا استعمال شروع ہوگیا۔ یہانتک کہ عربوں میں بھی یہ طریقہ جاری ہوگیا کیونکہ انکو بلاد شام سے ایک گونہ قرب اور ہمسائگی حاصل ہے۔

وہ لوگ احد (اتوار) کو اوحد کہتے تھے۔ اور اثنین (دوشنبہ۔ پیر) کو اہون۔ ثلاثا (منگل) کو جبار۔ اربعا (بدھ) کو دبار۔ خمیس (پنجشنبہ۔ جمعرات) کو مونس۔ جمعہ کو عروبہ۔ سبت (ہفتہ شنبہ) کو شیار۔

عربوں کا خیال ہے کہ جمعہ کا نام عروبہ کعب بن لوئی نے رکھا ہے۔ اور بعض آدمیوں کا یہ خیال ہے کہ جمعہ کو سریانی زبان میں عروبہ کہتے تھے۔ پھر عرب میں بھی استعمال کیا جانے لگا۔ شاعر کہتا ہے۔

علمت بان اموتی وان موتی   باوھد او باھون او جبار

او التالی دبار او یوافی   بمؤنس او عروبۃ او شیار

اور چونکہ عرب کے مہینے دورہ قمری کے حساب سے مقرر کئے گئے تھے جنکی ابتدا پہلی تاریخ کو چاند دیکھنے سے ہوتی ہے۔ اور چاند کا دکھائی دینا آفتاب کے غروب ہونے پر منحصر ہے۔ اسوجہ سے ان لوگوں نے رات کو دن کے پہلے سمجھا ہے۔ اور ایک دن غروب آفتاب سے غروب آفتاب تک حساب کیا گیا

رات کی تقسیم۔ رات کے پہلے حصہ کو ناشئۃ اللیل اور شفق کہتے ہیں۔
اسکے بعد عشوہ۔ اسکے بعد غسق۔ اسکے بعد ہداۃ۔ پھر شرع۔ پھر جنح۔ پھر زلفہ۔
پھر زبیع۔ پھر غبس۔ اسکے بعد سحر۔ اسکے بعد فجر۔ آخر میں صبح ہو گئی۔

دن کی تقسیم دن کی پہلی ساعت بکور ہے۔ دوسری بزوغ۔ تیسری رأد چوتھی
ضحی۔ پانچویں متوع۔ چھٹی ظہیرہ۔ ساتویں زوال۔ (اسے ہاجرہ بھی
کہتے ہیں) آٹھویں اصیل۔ نویں عصر۔ دسویں طفل۔ گیارہویں حدور۔ بارہویں غروب۔
بردان دن کی دونوں طرفوں کو کہتے ہیں۔ یعنی شام اور صبح۔ اصحی وہ
دن ہے جسمیں آفتاب طلوع کرے۔ اور آسمان صاف رہے۔

مہینے کی راتوں کے نام مہینے کی پہلی تین راتوں کو غرر کہتے ہیں۔
اسکے بعد کی تین راتوں کو نفل۔ اسکے بعد
کی تین راتوں کو عشر اسکے بعد بہق اسکے بعد درع۔ اسکے بعد ظلم اسکے بعد
حنادس۔ اسکے بعد دآدی۔ آخری تین راتیں محاق کہی جاتی ہیں۔ چاند کی پہلی
رات کو غرہ بھی کہتے ہیں۔ تیرہویں رات کو عفراء۔ چودھویں شب کو بدر۔ (جسمیں
چاند پورا ہو جاتا ہے) محاق کی پہلی رات (اٹھائیسویں شب) کو دعجاء۔ انتیسویں
دہماء۔ تیسویں کو دلماء۔ ایک قول کے بموجب چودھویں شب کو سواء اور تیسویں
شب کو سرار یا دادار کہتے ہیں۔
براء پہلی شب یا مہینے کی پہلی تاریخ۔ یا آخری شب یا آخری تاریخ کو کہتے ہیں
(اسمیں اہل لغت کو اختلاف ہے) ابن البراء مہینے کی آخری رات یا آخری دن۔
لیلۃ التمام جاڑے کی بڑی سے بڑی رات کو کہتے ہیں۔ یہ تین راتیں ہوتی
ہیں جنکا گھٹنا محسوس نہیں ہوتا۔ اور اس زمانے کی راتوں کو کہتے ہیں جو
پورے بارہ گھنٹے یا کچھ زائد گذر کے صبح ہوتی ہو۔ ہتوار رات کا ایک حصہ۔ جوش
بڑا حصہ۔ جوشن رات کا پہلا حصہ یا وسطی۔ محراج کڑکڑاتے جاڑے کی رات۔ محقاة
وہ راتیں جنمیں شروع سے آخر تک چاندنی ہوتی ہے۔ اور شاید یہ بھی ضرور

کہ رات بالکل صاف ہو۔ اور ابر نہ چھایا ہو۔ جس سے شبہہ ہوتا ہو کہ صبح ہو گئی۔ حالانکہ ابھی رات باقی ہو۔ خِرْس بہت باریک رات۔

چاند کے سایہ کو سَمَر کہتے ہیں اور رات کی کہانی کو سَمَر۔ رات کے قصہ گویوں کو سُمّار جسطرح سے کہ لغو باتوں کو خُزعبل کہتے ہیں اور جھوٹی باتوں کو خُزعبل اور ہنسی کی باتوں کو خُزعبلہ اور مذاق کو خُزعال۔ حدیث خرافۃ خرافات سمر (مذاق) قصہ کو کہتے ہیں۔

مثل میں ہے۔ امحل من حدیث خرافۃ۔ کہتے ہیں کہ خرافہ قبیلہ عذرہ کے ایک شخص کا نام ہے۔ تھوڑے دنوں تک اسکو جن اٹھا لیگیا تھا جب واپس آیا تو اُس نے اپنا قصہ بیان کیا۔ مگر سننے والوں نے تکذیب کی۔

دوسری مثل ہے لا آتیك السمر والقمر میدانی نے اصمعی سے نقل کیا ہے کہ سمر تاریکی شب کو کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے اس مثل کے معنے یہ ہیں کہ میں تیرے پاس نہ تاریکی شب میں آؤنگا نہ چاندنی شب میں (تاریکی کی تخصیص اس وجہ سے ہوئی کہ اکثر بے فکرے اندھیری راتوں میں اکٹھے جمع ہو کے قصہ خوانی کیا کرتے تھے)

چاندنی شب کو ابن سمیر یا ابن قمر کہتے ہیں (باختلاف لغات) اندھیری رات کو ابن جمیر۔ سمیر جمیر زمانہ۔ ابنا جمیر رات دن۔ ابنا سمیر رات دن۔ کافر رات اللیلۃ الطلق یا اللیلۃ الطلقۃ ایسی رات جسمیں نہ سردی ہو نہ گرمی ہو۔ طروق رات کو کسی مکان میں آنا۔ تغلیس صبح تک چلنا۔ اِدلاج اول شب سے سفر کرنا۔ اَدّلاج آخر شب کو سفر کرنا۔ تاویب دن کو سفر کرنا اور رات کو ٹھہرنا۔ سری فقط رات کو چلنا۔ اسآد دن رات سفر کرنا۔ مقیل دوپہر کے وقت دم لینے کیواسطے لیٹنا تغویر ٹھیک دوپہر کو استراحت کی غرض سے کسی مقام پر اُترنا۔ تعریس نصف شب میں کسی مقام پر ٹھہرنا۔ اغذاذ رات کو تیز چلنا۔ تہجد التنفل رات کو نماز نافلہ پڑھنا۔ استظلال۔ دھوپ سے بچنے کے واسطے کہیں سایہ میں دم لینا۔ استذرا۔

سردی سے بچنے کے واسطے کہیں ٹھہرنا۔ استکنان بارش سے بچنے کیواسطے
کہیں بیٹھ رہنا۔

ذرور آفتاب جبکہ بلند ہو۔ جنوح آفتاب جبکہ غروب ہونے لگے۔ ناجرہ
گرمی کا سخت سے سخت وقت۔ حمارّی۔ حمارّۃ۔ شدت کی تپش۔ جنیدہ
سخت گرمی (یہ لفظ جناذ سے مشتق ہے جسکے معنے آفتاب کے ہیں) شہرا ناجر
گرمی کے دو مہینے۔ شہرا قماح جاڑے کے دو مہینے جنمیں سخت سردی پڑتی
ہے۔ ان دو مہینوں کو شیبان اور ملحان بھی کہتے ہیں۔ کلبۃ الشتاء سخت
سردی۔ ناجر ماہتاب اور سخت گرمی ماہ تموز کی۔

جاڑے کے سات دن جنمیں بہت سخت جاڑا پڑتا ہے برد العجوز کہتے
ہیں۔ اور عام لوگ مستقرضات۔ یہ دن پانچویں شباط سے شروع ہوتے
ہیں۔ اور تیسری آذر تک رہتے ہیں انکے نام صن۔ صنبر۔ وبر۔ آمر۔ مؤتمر۔
معلل۔ مطفی الجمر۔ یا مکفی الظعن ہے۔

وسمی ربیع کے پہلے پانی کو وسمی کہتے ہیں۔ اسوجہ سے کہ زمین پر اس پانی سے
وسم ہو جاتا ہے۔ یعنے نباتات پیدا ہوتے ہیں۔ اسکے بعد کے پانی کو ولی
انہی دونوں لفظوں کو متنبی نے ایک شعر میں جمع کیا ہے۔

امنعمۃ بالعودۃ الظبیۃ التی ۔۔۔ بغیر ولی کان نائلہا الوسمی

ابتدائی بارش رَیِّق۔ تیز بارش بڑی بڑی بوند سے وابل تیزی کے
ساتھ بارش چھوٹی بوندوں سے۔ انہلال۔ صوب بارش۔ حیا بارش کا پانی
کیونکہ وہ زمین کو زندہ کرتا ہے۔

غیث قحط کے بعد کی بارش۔ دیمہ ٹھہر ٹھہر کے بہت دیر تک جو بارش ہوتی
رہے۔ وتیہ اگر بہت زیادہ بارش ہو۔ وہ تہتان ہے۔ ہلکی بارش دہمہ۔ ملک گیر بارش
عام ہوئی بارش بعاق جو بارش سرزمین کو سیراب کردے وہ جود ہے۔
حسر۔ ساحیۃ ایسی بارش جس سے مکانات وغیرہ منہدم ہو جائیں۔ بعلول تنوانزبارش

شآبیب وہ دفعہ کر کے جو بارش ہو۔ مثل ہے "تحن لوادٍ تجیشہ هزوس"۔
اصمعی نے کہا ہے غیث هزوس سے یہ مراد ہے کہ زمین کے مختلف حصوں پر
بارش ہو۔ تھوڑی یہاں تھوڑی وہاں جس سے اراضی کو عام نفع نہ پہونچے۔
یہ مثل ایسے شخص کی بابت استعمال کیجاتی ہے۔ جسکا خیر کم ہو اور اگر ہو بھی تو
قائم نہ رہے۔

اور صفرس ہلکی بارش کو بھی کہتے ہیں۔ نتضاح۔ بشغ بارش کی پھوار۔ شاعر
کہتا ہے۔

کان فاها عبقری بارد ، او ریح روض مسہ تنضاح رک

عبقر سے مراد اس شعر میں سردی ہے یا اولہ۔ مثل ہے ابرد من عبقر
اسکو حبقر اور عبقر بھی پڑ گیا ہے۔

عارض ابر۔ ساریہ شب کا برسنے والا ابر۔ وجن گھٹا۔ بکر جو ابر برستا ہوا
چلا جائے۔ کنفہ۔ مکرّمف تہ بند جمے ہوئے ابر کے ٹکڑے۔ شیب سفید و بیا
ابر۔ طخاء ہلکا ہلکا ابر جس سے ستارے چھپ جائیں اور شب کے مسافر راہ
بھٹکنے لگیں۔ رقعہ اسکی جمع کرانی ابر کا ایک قطعہ جو تہ بتہ جما ہوا ہو۔ جہام ابر
بے آب۔ یا جسکا پانی سب برس چکا ہو۔

عرب عموماً اپنے خیموں کا رُخ آفتاب کے مطلع کیطرف رکھتے تھے۔
تاکہ جاڑوں میں دھوپ اچھی طرح آسکے۔ اور گرمیوں میں محفوظ رہیں۔ کیونکہ
گرمیوں میں آفتاب کا مطلع بدل جاتا ہے۔ اسی سے انھوں نے چار قسم
کی ہواؤں کے نام بھی بنا لئے۔ جو ہوا خیمے کی داہنی طرف آئی اُسے جنوب کہا
اور جو بائیں طرف سے آئی اُسے شمال۔ اور جو سامنے سے آئی اُسے صبا۔
اور جو پیچھے سے آئی اُسے دبور۔

جربیا وہ ہوا ہے جو دبور اور شمال کے درمیان سے چلے۔ نیکبا
وہ ہوا ہے جو شمال اور صبا کے درمیان سے چلے۔ عثنون ابتدائی ہوا۔

حرجف بہت سرد اور تیز ہوا۔ متناوحہ جو کبھی ہوا۔ نسیم ہلکی ہلکی ہوا۔ نافجہ
جس ہوا کی ابتدا ہی سخت ہو۔ عاصف سخت ہوا۔ زعزع جس ہوا سے درخت
ہلنے لگیں۔ حاصبہ جس ہوا میں سنگریزے اُڑ اُڑ کے گرتے ہوں یا جس میں
خاک اُڑتی ہو۔ مجفل۔ مجفال۔ مجفالہ جلد جلد جھونکوں والی ہوا۔ اعصار۔
بگولے دار ہوا۔ بلیل جس ہوا میں سردی کے ساتھ رطوبت بھی ہو۔
حرور۔ سموم۔ گرم ہوا۔

قرآن میں بھی آٹھ ہواؤں کا ذکر ہے جنمیں چار تو ہوائے رحمت
ہیں مبشرات۔ مرسلات۔ ذاریات۔ ناشرات۔ اور چار ہوائے عذاب ہیں۔
صرصر۔ عقیم خشکی کی ہوائیں ہیں۔ عاصف قاصف دریا کی ہوائیں ہیں۔

ہم نے اسلیئے لکھا ہے کہ عرب کو اسبات کا بڑا فخر ہوتا تھا کہ اُنکے گھر آگ
زیادہ روشن ہوتی ہے کیونکہ اس سے زیادہ مہمان نوازی کا ثبوت ملتا ہے
لیکن مہمان نوازی کی غرض کے علاوہ بھی کئی وجہوں سے آگ جلایا کرتے
تھے جسکی ہر قسم کے لیئے ایک خاص نام ہے منجملہ اُنکے نارالوسم ہے جس سے
لوہے کو گرم کرکے بادشاہوں کے اونٹوں کو داغتے تھے جس سے پہچانے
جاسکیں۔ اور پانی پلانے کے وقت پہلے اُسی کو گھاٹ پر لیجائیں۔ نارالاستسقا
یہ آگ اس غرض سے روشن کیجاتی ہے کہ پانی برسے۔ نارالتحالف۔ یہ آگ
پہاڑ پر نزدیک و دور کے آدمیوں کو آگاہ کرنیکے واسطے روشن کیجاتی تھی
نارالغدر جب کوئی شخص غدر کرتا تھا تو یہ آگ ایام حج میں مقام منیٰ میں روشن
کیجاتی تھی۔ اور کہتے تھے کہ ھذہ غدرۃ فلان یہ آگ فلان شخص کی دشمنی
ہے۔ نارالسلامۃ جب کوئی سفر سے صحیح سلامت واپس آتا تھا تو اُس کے
آنے کی خوشی پر یہ آگ جلائی جاتی تھی۔ نارالراحل جب اہل خانہ چاہتے تھے
کہ یہ مسافر پھر لوٹ کے نہ آسکے تو یہ آگ روشن کیجاتی تھی۔ نارالاسد یہ آگ
شیر سے خوف کے مقام میں جلائی جاتی تھی۔ کیونکہ شیر جب آگ دیکھتا ہے تو

جاتا ہے۔

نار السلیم جب کسی کو سانپ کاٹ لیتا تو یہ آگ اُسکی سلامتی کی فال میں جلائی جاتی تھی۔ اور یہ بھی غرض ہوتی تھی کہ وہ جاگتا رہے۔ نار الفِدیٰ جبکہ اشراف کی عورتیں قید ہو جاتیں اور اُنکا فدیہ دیکے چھوڑا لاتے تو اُنکے واسطے روشن کرتے کہ اُسکی روشنی میں گھر تک آئیں۔ نار المہولہ اُسکی بابت ابو عبیدہ کا روایت ہے وہ کہتا ہے کہ جاہلیت میں کسی محفوظ مقام میں آگ روشن کیجاتی تھی اور وہاں دربان بیٹھتے تھے تاکہ عام لوگ وہاں نہ آسکیں۔ فقط اُنہی لوگوں کو وہاں جانے کی اجازت تھی جن کو کسی مخاصمت کے سبب سے قسم کھانے کی ضرورت ہو۔ دربان اُس آگ پر نمک چھڑکتا تھا۔ اور قسم کھانے والے کے گرد اُسکو پھراتے تھے۔ کمیت شاعر کہتا ہے

کھولۃ ما اوقد المحلفون	لدی الحالفین وما ھولوا

اگر کسی کی حسن کی تعریف کرنی منظور ہوتی ہے تو آگ سے تشبیہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں فلان احسن من النار اور اگر کسی کی حرارت مزاج کا وصف بیان کرنا ہو تو کہتے ہیں فلان احر من الجمر اور ایک مثل اخلف من نار الحباحب بھی ہے۔ یعنی فلاں شخص ایسا جھوٹا ہے جیسے حباحب کی آگ حباحب اُس آگ کو کہتے ہیں جو پتھر سے نکلتی ہے۔ جبکہ گھوڑا اسپر ٹاپ مارے

زمین کے نام | چند الفاظ زمین کے متعلق بھی ہیں اور سب کے معنے ایک ہی ہیں مثلاً ساھرۃ۔ بسیطۃ۔ غبرا۔ کون۔ کرہ۔ معمورہ۔ مسکونہ۔ عالم۔ دنیا۔ بریہ۔ خلیقہ۔

اگر زمین برابر ہو تو اُسے صحیب صعید سہل۔ اگر نرم ہو تو دمث اور اگر پست ہو تو وہدہ اسکی جمع وہاد آتی ہے۔

قراح زمین بے آب وگیاہ۔ قفر زمین غیر آباد۔ بقعہ زمین کا ایک قطعہ (جمع اسکی بقاع) مبکار جس زمین میں نباتات بہت جلد نکلتی ہیں۔

فلاۃ چوڑی کشادہ زمین جسمیں نہ پانی ہو نہ کوئی آدمی رہتا ہو۔ تنوفہ زمین سبزہ زار۔ نجفہ زمین باغ جسمیں حوضین بھی ہوں۔ ہوجل جہاں کچھ بھی نہ ہو بلکہ چٹیل میدان ہو۔ حزن سخت و ناہموار زمین فدفد۔ غلظ۔ جلد زمین ناہموار و سخت پر قتہ۔ برقار۔ ابرق کنکریری ناہموار زمین۔ موضعہ وہ زمین جسمیں کوئی مکان نہو روزار دور کی زمین۔ جرز جس زمین میں زراعت نہ ہو۔ بادیہ۔ صحرا مفازہ زمین بے آب جسمیں آدمی پیاس سے مرجا سکے۔ مہمہ بہت لمبا چوڑا میدان مرت زمین بے گیاہ۔ نجد۔ نشز زمین بلند۔ یفاع بلند اور چوڑی زمین۔ صفصف و بیع اور برابر زمین۔ برث نرم اور برابر زمین۔ عفرار جس زمین کی مٹی بہت اچھی ہو۔ حقل قابل زراعت زمین۔ بور غیر قابل زراعت زمین۔ غل جس زمین پر پانی نہ برسا ہو۔ حط جس زمین پر اس وقت سے پیشتر کوئی آفت نہ آئی ہو۔ حادستہ جس زمین پر نہ زراعت کیجاتی ہو اور نہ آبادی ہو۔ سبخہ شورہ زار زمین۔ شجرہ جس زمین پر بہت سے درخت ہوں۔ امعز چھوٹے چھوٹے سنگریزے دار زمین۔ حجرۃ جس زمین میں پتھر بہت ہوں۔ صخرۃ جس زمین پر پتھر کی بڑی بڑی چٹانیں ہوں۔ مخصبتہ جس زمین میں غلہ بہت پیدا ہوتا ہو۔ ثمیرہ پھلدار زمین۔ اریضہ خوشنما۔ آنکھوں کو بھلی لگنے والی زمین۔ عزاۃ جس زمین کی آب وہوا بہت اچھی ہو۔ وبیلہ جس زمین کی آب وہوا خراب ہو۔ وبیئتہ جس سرزمین میں وبا پھیلی ہو۔ عامرہ۔ غناء جس زمین پر بہت سے لوگ آباد ہوں۔ مختلف صنعتیں بھی ہوتی ہوں۔ خراب۔ غامرہ۔ فلاۃ بلقع جس زمین پر نہ کوئی صنعت ہوتی ہو نہ آبادی ہو۔

خاک کے نام

بوغار و غفاء نرم اور باریک خاک۔ ثری۔ تراب نمناک مٹی بشرطیکہ گیلی ہونے سے کیچڑ نہ ہو گئی ہو۔ مور

خاک جسے ہوا اسطرف سے اسطرف اور اسطرف سے اسطرف اڑا اڑا کے ڈالتی ہو۔ ہباء باریک باریک ذرے جو ہوا میں اڑتے رہتے ہیں ہباء

باریک غبار۔ سافیا غبار جو ہوا سے اڑ کے زمین پر گرے۔ جرثومۃ چیونٹیوں
کی جمع کی ہوئی خاک۔ عفا عفر جس خاک سے نشانات زمین کے مٹ جائیں
رغام بالو بھری ہوئی خاک۔ سماد نباتات ور شجار پر پڑی ہوئی خاک۔ نقع
گھوڑے کی ٹاپوں سے اڑی ہوئی خاک۔ عجاجہ ہوا کی اڑائی ہوئی خاک
رہج غبار جنگ۔

ٹیلوں کے نام

اکمۃ معمولی زمین سے کسی قدر بلند حصہ۔ رابیۃ اکمہ کی
بہ نسبت بلند۔ جمع اسکی روابی اور ربی آتی ہے۔
رابیہ سے کسی قدر اور بلند اکمہ جسے پتھر کا ٹیلہ کہتے ہیں جمع اسکی اکام ہے
تل خاک اور بالو کا ٹیلا کثیب۔ دعص خالص بالو کا ٹیلہ۔ اس سے بلند نجوہ
پھر اس سے بلند تج۔ اس سے بھی بلند ہضبہ ہے۔ ہضبۃ وہ اصل پہاڑ ہے جو زمین پر
پھیلا ہوا ہو۔ (جمع اسکی ہضب۔ ہضاب آتی ہے) اس سے بھی بلند قف ہے
جو چھوٹی سی پہاڑی ہو۔ اس سے بلند جبل۔ اس سے بھی بلند طود اور علم سب سے
زیادہ عظیم الشان پہاڑ اخشب۔

پہاڑ کی تقسیم

حضیض پہاڑ کا نچلا حصہ۔ سفح حضیض کا اوپر کا حصہ۔ یعنی
دامن کوہ۔ سند بہ نسبت سفح کے بلند حصہ۔ کیج پہاڑ
کا عرض۔ ریدہ پہاڑ کا کنارہ فضا سے ملا ہوا۔ حید پہاڑ کا پہلو۔ رعن پہاڑ کی چوٹی
شعفہ۔ ذروہ۔ قمہ پہاڑ کے تمام حصوں سے بلند حصہ۔

زمین کی دوسری تقسیم

منہل پانی پینے کا گھاٹ۔ جمع مناہل۔ بطیحہ
بطحاء۔ ابطح پانی بہنے کی راہ جسمیں سنگریزے
بھی ہوں۔ جمع اباطح۔ بطاح۔ بطائح۔ وادی دو پہاڑوں کے درمیان کی راہ
جس سے پانی بہتا ہو۔ جمع اودیہ ودیان۔ رحبۃ المکان صحن مکان۔ وادی مطلق
اس راہ کو بھی کہتے جہاں سے پانی بہکے کسی اور جگہ کو جاتا ہو۔ موبق۔ برزخ
کسی دو چیزوں کے درمیان میں جو حائل ہو۔ شامہ زمین کا وہ حصہ جو اصلی رنگ کو

زمین کے خلاف ہو جمع شام - اجمہ - غابہ - بیشہ شیر - حرث جو زمین کہ گھوڑوں کی
ٹاپوں سے کھد گئی ہو - یا زراعت کے واسطے کھودی گئی ہو - بجزیرہ بیشہ الجزیرہ
جو جزیرہ کہ کسی ایک طرف سے خشکی سے جا ملا ہو - جر فار ڈھیروں اور دوددھ تک بالا
غطمطم ضخضم - بہت بڑا دریا ہے - ذخار - طمع - خلیج

دریا کی متعلق لغات

بڑی نہر - جعفر بڑی نہر - (جعفر چھوٹی نہر کو بھی کہتے
ہیں - یہ لفظ اضداد میں سے ہے) غمر سمندر - نشہ چشمہ جس میں بہت پانی ہو -
واقد اخر - بھرا ہوا وادی - بحر طام - بحر طافح جس دریا اور نہر کا پانی بہت ہو -
عمر بس - بھرا ہوا پانی - اور اگر پانی ابر سے برستا ہو تو کہینگے الما سح - اور اگر
چشمہ سے جاری ہو تو نبیع کہینگے - اگر پتھر سے نکل کے جاری ہو تو منبجس او
اگر نہر سے جاری ہو تو یفیض اور اگر چھت سے ٹپکتا ہو تو یجف اور اگر مشک
وغیرہ سے گرتا ہو تو یسب - اور اگر کسی برتن سے گرتا ہو تو یسح - اور اگر بڑے
چشمے سے جاری ہو تو ینکب -

پانی کے متعلق مثل مشہور ہے - احمق من لاعق الماء - وقابض صخرۃ -
جس شخص کی زیادہ تحقیق کرنی ہوتی ہے تو یہ مثل استعمال کرتے ہیں (لعق چاٹنا)
اعشیٰ شاعر کہتا ہے

کناطح صخرۃ یوما لیفلقھا فلم یضرھا واوھی قرنہ الوعل

دوسری مثل ہے - احل من ماء الفرات
یعنے فلاں شئے اسقدر مباح اور جائز الاستعمال ہے جیسے میٹھا پانی -
تیسرے اخیب من القابض علی الماء - زیادہ تر ناکامیاب بہ نسبت اس
شخص کے جو پانی کو مٹھی سے پکڑنا چاہے -

نوٹ - یہاں جسقدر الفاظ و استعمالات کیے گئے ہیں - وہ بہت
مختصر ہیں - کیونکہ اگر سب کو لکھا جائے تو بہت بڑا ایک لغت بنانا پڑیگا

اسلامی عربوں کا علم ہیئت

اسلامی عربوں میں سے جو لوگ کہ علم ہیئت کی تحصیل میں مشغول ہوئے اُنکی تعداد بہت ہے اور سب کا ذکر یہاں نہیں ہو سکتا۔ اس علم میں زیادہ استغراق کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ عرب کو اسلام سے بہت پہلے سے ستارہ کے آثار کا اعتقاد تھا۔ سعد و نحس۔ آئندہ و گذشتہ حالات کا اندازہ بھی اسی سے کرتے تھے۔ حالانکہ علم نہ رکھتے تھے۔ اور یہ بات کچھ عرب ہی پر موقوف نہ تھی بلکہ دنیا کے اکثر یا تمام حصوں میں اسکا چرچا تھا۔ (چنانچہ اب بھی بعض مشرقی ملکوں میں اکثر لوگ اس علم کے جاننے والے موجود ہیں) اسی سبب سے اسلام کے بعد تمام علموں سے قبل اسی طرف اُنکی توجہ مصروف ہوئی۔ کیونکہ قبولیت کا مادہ تو موجود ہی تھا فقط علم کی کسر تھی۔ وہ بھی ابو جعفر منصور عباسی کے وقت میں پوری ہو گئی۔

ابو جعفر عباسی نے محمد بن فزاری سے جو کہ فلسفہ میں بڑا ماہر شخص تھا۔ ہندوستان کی کتاب نجوم کا ترجمہ کرایا تھا۔ جسکا نام سند ہند رکھا گیا تھا۔ اسوقت یہ کتاب بہت بڑی اور نجوم کے متعلق تمام ضروری امور کی جامع تھی۔ اسوقت سے برابر یہی کتاب لوگوں کی معمول بہ تھی یہاں تک کہ خلیفہ مامون عباسی کا زمانہ آیا۔ چونکہ ان کے زمانے میں علم کا بڑا چرچا پھیلا (بلکہ عرب میں علم فلسفہ پھیلنے کا باعث یہی تھی) تو منجملہ اور علوم کے کتاب سند ہند کے خلاصہ کرنے کا حکم بھی محمد بن موسےٰ خوارزمی کو دیا۔ اس نے بڑی خوبی سے اسکا خلاصہ کیا جس سے بہت اچھی طرح سے ستاروں کی حرکات اور فلک کے آثار و افعال معلوم ہو سکتے ہیں۔ (یہی کتاب اصل اصول عرب کے علم ہیئت کا ہی)

اسکے بعد پھر خلیفہ موصوف نے مجسطی کے ترجمہ کا حکم ۲۱۲ھ ہجری میں دیا۔ مگر اسکے مترجم میں اختلاف ہے بعض تو کہتے ہیں کہ اسحٰق بن حنین نے

ترجمہ کیا ہے۔ اور کچھ حارث بن یوسف کو اسکا مترجم بتاتے ہیں۔ جب یہ دونوں کتابیں ترجمہ ہوگئیں اور شائقین کے ہاتھوں میں آئیں تو لوگوں نے ترقی کرنی شروع کی۔ اور بطلیموسی رائے کے سوا فق عملدرآمد کرنے لگے۔ بہت سے نتیجے اور بہت سے رموز و نکات دریافت کئے۔ مثلاً زمین کے نقطہ راس و ذنب کا منتقل ہونا۔ دائرۃ البروج کا خط استوا پر مائل ہونا وغیرہ۔

اسی علم کے ذریعے سے اوقات کی تعیین بھی کی۔ جیسے گھنٹہ۔ گھڑی منٹ سیکنڈ وغیرہ۔ اور بغداد و قرطبہ میں رصد خانے بھی بنوائے۔ یہیں کا فیض یورپ تک بھی پہونچا۔ چنانچہ بیلی صاحب نے لکھا ہے کہ "اگر ملا نورالدین کی کتاب بیان کرہ میں نہ ہوتی تو کبھی کیبلر صاحب کو یہ بات نہ حاصل ہوتی کہ اہلیلجیہ افلاک سیارات کی بابت جو انہیں حکم لگائے ہیں۔ انہیں کامیاب ہوسکتے۔ اور اگر سیارات و ثوابت کی بابت عرب کی زیج نہ ہوتی تو کبھی نوٹسو اسا بیونولی کی زیج نہ تیار ہوسکتی۔"

ابن رشد نے جسکا ذکر پہلے ہوچکا ہے آفتاب کے کلف کو بذریعہ رصد کے دیکھا تھا۔ حالانکہ اُسوقت تک اہل یورپ کو اسکی خبر بھی نہ تھی۔ خلاصہ یہ کہ عرب نے اس فن میں بڑی ترقی کی تھی اور آج یورپ وغیرہ میں جو کچھ بھی ترقیاں اس علم کے متعلق ہیں وہ سب انہی کے تصدق میں ہیں۔

اس علم کے ماہرین اگرچہ بہت سے اسلامی عرب تھے مگر سب سے مقدم اور مشہور عالم علم ہیئت خلیفہ مامون عباسی تھے۔ اگرچہ انکی رغبت عموماً فلسفی علوم و فنون کیطرف تھی۔ مگر بالخصوص اس فن میں انکو بہت اچھی دستگاہ تھی۔ شماسیہ میں جو کہ نواحی شام میں ہے ایک رصد خانہ بھی بنوایا جس سے ستاروں کے حالات اور انکی رفتار کا پتہ چلے۔ اس رصد خانہ میں تمام وہ آلات موجود تھے جو فلکی حرکات و اوضاع کے دریافت کرنیکے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ اور یحییٰ بن ابی منصور، عبدالملک اور عباس بھی

جوہری کو تمام منجمین کا (جو کہ دربار میں ملازم تھے) افسر بنایا تھا۔ انہی دونوں کی محنت سے زیچ جدید تیار ہوئی تھی۔

اسلامی رصدخانوں میں پہلا رصدخانہ تھا جو مامون نے شماسیہ میں بنوایا تھا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ دائرۃ البروج کے میل کو صرف خلیفہ مامون نے رصد سے دریافت کیا۔ ایک مرتبہ بغداد میں اور دوسری دمشق میں۔ بغداد کی دفعہ یحیی بن ابی منصور اور سناد اور عباس بن سعید کے متعلق اسکی انجام دہی تھی۔ اسدفعہ دائرۃ البروج کا میل ۲۳ درجہ ۳۵ معلوم ہوا تھا یا ۳۳-۲۳-۳۳- (باختلاف ناقلین) اور دمشق کی دفعہ خالد بن عبدالملک مروستاو۔ اور ابوالطیب اور ابن عیسی کا رکن تھے۔ یہاں ۲۳-۳۳-۵۲ کی نسبت دریافت ہوئی تھی۔

۱۔ خلیفہ مامون ہی کے وقت میں احمد بن عبداللہ بغدادی اس فن میں مشہور ہوا۔ اسکی تصنیف سے تین کتابیں ہیں۔ ایک زیچ ہندی ہے اہل ہند کے قواعد کے موافق۔ دوسری زیچ ممتحن ہے۔ یہ کتاب بھی بہت مشہور ہے۔ تیسری زیچ صغیر ہے۔ ایک رسالہ اصطرلاب کے بیان میں بھی اسکی تصنیف سے ہے۔

۲۔ عمر بن فرخان طبری بھی اسی خلیفہ کے وقت میں مشہور ہوا تھا۔ علم ہندسہ اور ہیئت و نجوم میں بہت کامل تھا۔ اسکی تصنیف سے کتاب مدخل کتاب جامع ہے (اس کتاب میں مجسطی کے مضامین کو نہایت شیریں الفاظ میں لکھا ہے)

۳۔ ان دونوں کے بعد ابومعشر جعفر بن محمد بن عمر بلخی فلکی کا دور دورہ ہوا (اسکا ذکر چوتھے باب کی چوتھی فصل میں ہوچکا ہے)

۴۔ انکے بعد ثابت بن قرہ حرانی ہے جسکا ذکر مترجمین کتب میں آچکا ہے اسکے واسطے خلیفہ مامون نے بغداد میں ایک رصدخانہ بنوایا تھا۔ اس نے

آفتاب کی حرکت دریافت کی اور شمسی سال ۳۶۵ دن ۶ گھڑی ۹ منٹ
۱۰ سکنڈ کا حساب کیا۔ اور دائرۃ البروج کے میل کو ۲۳° ۳۳' ۴۰" دریافت
کیا۔ اور قدیم زمانے کی ہیئت سے مقابلہ کیا تو معلوم ہوا کہ یہ حرکات ہر زمانے
میں بدلتے رہتے ہیں اور دونوں نقطہ اعتدال ربیعی اور اعتدال خریفی
کی ایک حرکت مستقیمہ اور دوسری قہقریہ محسوس کی تھی۔

۵۔ محمد بن جابر بن سنان ابو عبد اللہ حرانی معروف بتانی تھا۔ (بتان ایک
قصبہ کا نام ہے جو حران میں واقع ہے) یہ شخص بھی بہت بڑا منجم حساب دان
مشہور تھا۔ اسی کی تصنیف سے زیج صابی ہے۔ طلسمات اور رصد دانی میں
کامل تھا۔ اسکی بابت مورخین لکھتے ہیں کہ ۲۶۴ھ ہجری مطابق ۸۷۷ء سے
۳۰۶ھ مطابق ۹۱۸ء تک رصد کرتا رہا۔ اور اُن ستاروں کو دریافت
کیا جنکا ذکر اپنی زیج میں کیا ہے۔ جو ۲۹۹ھ مطابق ۹۱۱ء میں تیار ہوئی تھی
اسکا رصد خانہ رقہ اور انطاکیہ میں تھا۔ انتقال اسکا ۳۱۷ھ مطابق ۹۲۹ء
میں ہوا۔ مذہب کا صابی تھا۔ اسکی تصنیف سے کتاب الذکر فی البصریات
ہے سات جلدوں میں لاطینی زبان میں ۱۵۷۲ء میں چھپی تھی۔ اس کتاب میں
اصول کے موافق شعاع نور کے انکسار کو ثابت کیا ہے۔ اور اسکی مقدار کو
بتایا ہے۔ آنکھ کے متعلق بھی اس کتاب میں بہت اچھی بحث لکھی ہے۔
حاسہ نظر سے مرئیات (دیکھے جانے والی چیزوں) کے دیکھے جانے کی کیفیت
لکھی ہے۔ اس نے یہ بھی لکھا ہے ادراک حاسہ باصرہ کے واسطے بلوری
حالت کا ہونا ضروری ہے۔ اور یہ بھی ثابت کرتا ہے کہ قوت باصرہ اسی
وقت کام آتی ہے جبکہ محسوسات ظاہرہ کو بذریعہ عصب بصر کے دماغ محسوس
کرے اور انعکاس کے دکھائی دینے کی بابت لکھتا ہے کہ اگرچہ دونوں ایک
چیز کو دیکھتے ہیں مگر وہ ایک ہی دکھائی دیتی ہے۔ حالانکہ مقتضائے قاعدہ
یہ تھا کہ دونوں دکھائی دیتیں۔ اسکا سبب یہ لکھتا ہے کہ ایک ہی شعاع

سکے وہ حصے پردہ شبکیہ سے نکلتے ہیں اور شکل مرئی پر جا کے پڑتے ہیں۔ اور وہاں سے ایک صورت مجموعی دماغ تک لا کے پہونچا دی ہیں۔

فن انکسار میں خازن اندلسی اپنے تمام قدما سے بڑا رہا اور بہت سے نکات اس سے پیدا کیے۔ منجملہ انکے یہ ہے کہ انکسار شعاع اجرام سماویہ کے ارتفاع میں ظاہرا زیادتی کرتا ہے۔ یہی پہلا وہ شخص ہے جس نے اسبات کو بتایا ہے کہ ہم محض انکسار شعاع کے باعث اجرام کو افق پر دیکھ سکتے ہیں اگرچہ وہ افق کے نیچے ہوں۔ اور یہی انکسار انحطاط اجرام کو گھٹائے رہتا ہے۔ اس نے خود بھی لکھا ہے کہ مسئلہ انکسار شعاع دنیا میں سب سے پہلے مجھی کو معلوم ہوا ہے۔

ابن خلکان نے اسکی بابت لکھا ہے کہ محمد بن جابر مذکور کا آخر عمر تک مسلمان ہونا نہیں معلوم ہوا۔ اسکی تصنیف سے زیچ کے دو نسخے ہیں۔ ایک اولی اور دوسرا ثانیہ کر کے مشہور ہے۔ مگر ثانیہ بہ نسبت اولی کے بہتر ہے۔

دوسری کتاب معرفۃ مطالع البروج فی ما بین ارباع الفلک۔ رسالۃ فی مقدار الاتصالات۔ کتاب شرح فیہ ارباع ارباع الفلک۔ رسالہ فی تحقیق اقدار الاتصالات۔ شرح اربع مقالات بطلیموس وغیرہ۔

مصنف مقتطف لکھتا ہے کہ لیلینڈ (فرانس کے علمائے علم ہیئت سے) نے محمد بن جابر مذکور الصدر کی بابت لکھا ہے کہ یہ بھی ان بیس فلاسفروں میں سے تھا کہ جو علم ہیئت میں کامل اور مشہور ہوئے ہیں۔

علامہ لالی نے پہلے محمد بن جابر مذکور الصدر کی تصنیفات کی بڑی سیر کی ہے۔ اسکے بعد وہ فیصلہ کرتا ہے کہ منجم مذکور اپنے زمانہ کا علامہ تھا اُسکے تدقیقات عجیب و غریب ہیں۔ رصد میں بڑا تجربہ کار تھا۔ لالی کے علاوہ بھی لوگوں نے لکھا ہے کہ محمد کی زیچ بہ نسبت بطلیموس کی زیچ کے زیادہ صحیح ہے۔ اسی نے حرکۂ اعتدال کا حساب ۱° فی ۷۰ برس کیا ہے۔ حالانکہ

اس سے پہلے ۱ی ۱۰ ابرس حساب کرتے تھے۔ اس نے دائرۃ البروج کا میل ۲۳° ۳۵' پایا ہے۔ اور جبکہ اختلافات افقی کو رفع کیا گیا تو ۲۳° ۳۵' ۴۱" ہوئے۔

اسی نے زمین اور آسمان کے بعد ۶۵ ۴ ۳ بحساب نصف قطر فلک ..... ۱ کے۔ اور نقطہ راس و ذنب کے انتقالات کو۔ اور قمر کے واسطے دو معادلتیں ثابت کر دی ہیں۔ جیسا کہ بطلیموس نے لکھا ہے۔ چاند گہن۔ سورج گہن کا حال [illegible] رصد سے معلوم کر لیا تھا۔ اسکی تمام رصدیں۔ اور کشف رصد اسی کی ایک کتاب میں مذکور ہے جو عربی سے لاطینی میں ترجمہ ہوئی۔ اور دو ہیں [illegible] عربی میں ابتک نہیں چھپی مشہور ہے کہ اصلی نسخہ مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا اسرائے بابا (جو رومیہ میں واقع ہے) میں موجود ہے۔

۶۔ منجم ابو محمد خوکندی ۳۰۰ھ ہجری تک زندہ رہا۔ اس نے دائرۃ البروج ۲۳° ۳۲' ۲۱" حساب کیا ہے۔

۷۔ البوبالی۔ قریب ۳۶۶ھ ہجری کے زندہ رہا۔ یا ۳۵۰ھ ہجری تک (باختلاف مورخین) اس نے دائرۃ البروج کے میل کو ۲۳° ۳۵' حساب کیا۔

۸۔ ابن اعلم ۳۷۴ھ تک دائرۃ البروج کو اس نے ۲۳° ۳۴' حساب کیا۔

۹۔ خازن اندلسی ۵۰۰ھ ہجری کے آخر تک یا ۵۰۰ھ کے اوائل میں تھا۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ اسکا زمانہ ابتک مجہول ہے۔ اسکی تصنیف سے ایک کتاب مجر ابتق کے متعلق ہے۔ اس کتاب میں اس نے بوجود شفق کے طلوع تا وقت یہ لکھا ہے کہ جب آفتاب افق سے ۱۹ درجے نیچے اتر جاتا ہے یا افق سے اوپر آنے کو اتنے درجے رہتے ہیں تب شفق اور سفیدہ صبح دکھائی دیتا ہے۔

اس نے ہوا کی بلندی بھی پیمائش کر لی تھی اسکے نزدیک بلندی ہوا ۱۵ ، ۱۰ میل تھی۔ کیونکہ دائرہ ارض اسکی رائے میں ۲۴۰۰۰ میل تھا۔ اسکے

اقوال بہت سے مشہور ہیں۔ جنمیں سے کچھ تو محض غلط ہیں اور کچھ بالکل صحیح ہیں مثلاً مینے شیشے میں کسی چیز کے بڑھنے کا قاعدہ بتایا تھا وہ کہتا ہے کہ جب کسی مادہ کو شیشے میں رکھو جو کہ اُس مادہ سے بہت بڑا ہو تو وہ مادہ پرورش پا کے شیشے میں بڑھتا رہیگا۔ اور اس سے عجیب عجیب معائنات و نظارات حاصل ہوں گے۔

اسکی بابت بیان کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ اس نے دعوی کیا تھا کہ میں ایسا ایک آلہ بناؤں گا جس کو دریائے نیل میں ڈالنے سے وہ ضرر جو لوگوں کو اُس کے سیلاب سے پہونچتا ہے نہ پہونچیگا۔ یہ خبر حاکم وقت کو معلوم ہوئی۔ چونکہ وہ عالموں کا بڑا قدردان تھا اسلیئے اسکو بڑی تعظیم و تکریم سے اپنے پاس بلوایا اور قاہرہ مصر سے باہر تک استقبال کے واسطے آپ گیا۔ اور بہت کچھ اسکو دیا لیا۔ اور بہت سے کاریگر اور آلات مہیا کر دیئے جس سے باسانی اپنے مطلب میں کامیاب ہو سکے۔ خازن نے تمام ملک مصر کی سیر کی مگر اسکو اپنے مطلب پر فائز ہونے کا کوئی ذریعہ معلوم ہوا۔ آخر قاہرہ میں واپس آیا۔ اور حاکم کے خوف سے اپنے آپ کو مجنون ظاہر کیا۔ یہانتک کہ حاکم مذکور فوت ہو گیا۔

پھر اسکے بعد خازن اسقدر محتاج ہو گیا تھا کہ بقدر قوت لا یموت بھی مشکل سے دستیاب ہوتا تھا۔ بے چارہ کتابت کرنے لگا تھا۔ اور اُسی سے اپنی روٹی چلاتا تھا۔ سنہ ۴۳۰ھ ہجری میں فوت ہوا۔

۸۔ ابو الحسن علی ابن ابو سعید بن عبد الرحمان بن احمد بن یونس بن عبد الاعلی الصدفی المصری منجم مشہور مصنف زیج حکمی معروف بہ زیج ابن یونس ہے۔ کتاب مذکور چار جلد والی بہت ہے۔ ابن خلکان لکھتا ہے کہ تمام زیجوں میں اس سے بڑی کوئی زیج نظر نہیں آئی۔ اس کتاب کے لکھنے کا حکم عزیز مصر (جو کہ حاکم مذکور الصدد کا باپ تھا) نے دیا تھا۔

ابوالحسن کو علم نجوم کے ساتھ بہت بڑا تعلق تھا۔ شعر گوئی میں بھی ید طولیٰ رکھتا تھا۔ اس نے یحییٰ بن منصور کی زیچ کا اصلاح کر دیا تھا۔ اُسی کے موافق اہل مصر عمل کرتے تھے۔ (اس کتاب کی تعدیل قاضی محمد بن لغانی نے ۸۰۶ھ میں کی تھی) یا اس شخص نے اپنی تمام عمر رصد اور تبییر سوالبدیں میں صرف کی۔ اور ایسے ایسے بے نظیر کام کئے جو بیان سے باہر ہیں۔ راتوں کو ستاروں کی حرکات دیکھا کرتا تھا۔ ابوالحسن منجم طرائی ناقل ہے کہ میں ایک مرتبہ ابوالحسن مصری کے ساتھ کوہ مقطم پر گیا۔ (مقطم ایک پہاڑ کا نام ہے جو مصر میں ہے) ابوالحسن مصری شہر کو دیکھنے لگا۔ دیکھتے دیکھتے ایک دفعہ اپنے کپڑے اتار دیئے عمامہ پھینک دیا۔ زنانے کپڑے پہن لئے۔ سرخ مقنع اوڑھ لیا۔ ایک باجہ نکالا اور بجانے لگا اور بخور اپنے سامنے سلگایا۔

منجم طرائی کے بیان کے موافق ابوالحسن مصری ابلہ (بے عقل) بوکھلا تھا۔ عمامہ بہت لمبی کالا دپہ باندھتا تھا۔ لوگوں کا خیال ہے کہ اسکی ذکاوت اور تیز فہمی علم نجوم میں بہت بڑھی ہوئی تھی۔ اسکا انتقال ۵۲۹ھ ہجری میں ہوا۔

۹۔ ابوالقاسم ہبتہ اللہ بن الحسین بن یوسف (یا احمد) ہے۔ اسطرلابی فن میں اسکو بہت اچھی دستگاہ تھی۔ شاعری میں بھی اسکو مہارت تھی۔ مورخین لکھتے ہیں کہ اسکو آلات فلکیہ کے بنانے میں بڑی مہارت تھی۔ اسی ذریعے سے اس نے بہت کچھ روپیہ پیدا کر لیا تھا۔ اور جب مرا تو کسی کو بھی اپنی اس صنعت کا طریقہ نہ بتلایا۔ (جسکے معنے یہ ہو سکتے ہیں کہ ایسا بخیل تھا کہ کسی کو یہ فن نہ سکھایا) اسکا انتقال ۵۳۴ھ ہجری مطابق ۱۱۳۹ء میں ہوا۔

اسطرلاب کا لفظ یونانی ہے۔ اسکے معنے میزان نجوم کے ہیں۔ پہلے پہل اس آلے کو بطلیموس مصنف مجسطی نے ایجاد کیا تھا۔

جس زمانے سے کہ عرب نے علم ہیئۃ اور نجوم میں ترقی کی تھی اُسوقت سے برابر رصد اور اسطرلاب کا استعمال ہوتا رہا۔ مگر جب شیخ شرف الدین طوسی کا

زمانہ آیا تو اُنھوں نے تمام کرہ اور اصطرلاب کی جزویات کو ایک خط میں ظاہر کیا۔ جسکا نام عصا رکھا تھا۔ اور اُسکے واسطے مخصوص ایک رسالہ بھی لکھا غور کرنے کی بات ہے کہ پہلے تو علمائے ہیئت نے تمام علم ہیئت کو ایک کرہ اور اسطرلاب میں گویا بند کرلیا۔ اور فی الحقیقت بڑے کمال کی بات ہے۔ پھر فقط سطح کرہ پر رہ گئی۔ یہانتک کہ گھٹتے گھٹتے ایک خط میں آکے بند ہوئی فی الحقیقت یہ شخص بڑا کامل رہا ہوگا۔ اگر اس سے ممکن ہوتا تو شاید ایک نقطے میں تمام علم ہیئت کو ظاہر کردیتا۔ مگر وہ تو ایک محال بات ہے۔ اسوجہ سے مجبور رہا کیونکہ نقطہ کسی خط کے کنارے کا نام ہے جو بالکل غیر منقسم چیز ہے۔

مشہور ہے کہ پہلے پہل جواہر علویہ اور حرکات کواکب میں ہرمس حکیم نے غور کیا۔ اور ہیاکل عبادت بنوائے۔ ابن خلدون انہی کو ادریس (پیغمبر) بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ نام انکا توریت میں اخنوخ تھا۔ عام لوگ صنعت خیاطی اور نور بافی کی انہی کیطرف منسوب کرتے ہیں۔ جسطرح سے کہ بڑھئی کے پیشہ کو حضرت نوح (پیغمبر) نے اختراع کیا۔ کیونکہ پہلے اُنہیں نے کشتی بنائی تھی۔

کہتے ہیں کہ ہرمس حکیم مذکور بو دسیر بن قبط (بادشاہ مصر) نے جبل القمر کیطرف بھیجا تھا۔ اونھوں نے دریائے نیل کے بہاؤ کے واسطے راہیں بنادیں۔ اور بطیحہ کبرے (کسی قطعہ زمین کا نام ہے) کو برابر کردیا کہ اُسی طرح سے نیل کے چشمے جاری ہوں۔ اور بلاد و اجانب آباد کیا۔

ارسطو نے اُنکی کتاب کی شرح کی ہے۔ اور مصری زبان سے یونانی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ اور جسقدر حکمی طلسمی باتیں تھیں۔ اُنکا بھی ترجمہ کیا ہے انہی کی تصنیف سے کتاب اسطماخیس بھی ہے جسمیں اوائل کی عبادت کا ذکر کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ ہفت اقلیم کے لوگ ایک ایک ستارے کی شبیہ پیارہ سے عبادت کرتے تھے۔ اوسکو سجدہ کرتے تھے۔ بخور و قربانی کرتے تھے

اُس ستارے کی روحانیت اُنکے کاموں کو انجام دیتی تھی۔

اس کتاب میں شہروں اور قلعوں کے طلسم کے ذریعے سے فتح ہونے کا ذکر کیا ہے۔ منجملہ اُن طلسمات کے ایک پانی برسانے کا بھی طلسم ہے۔

دوسری کتاب اسنطرشاش ہے جسمیں چاند کا اپنی منازل میں جانا۔ اور اُسکے اختیارات بیان کئے ہیں۔ ان دو کے علاوہ اور بھی کئی کتابیں ہیں جنہیں اعضائے حیوانیہ اور احجار و نباتات کے خواص بیان کئے ہیں

علوم فلکیہ کا زوال

اسی قسم کی باتیں عربوں نے ان کتابوں میں دیکھ کے اور اُنپر اعتقاد کرکے ایسا اشتغال نجوم کے علم میں رکھنا شروع کیا۔ کہ آخر رفتہ رفتہ علوم فلکیہ اُنکے ہاتھوں سے بالکل جاتے رہے۔ کیونکہ فقط قدیم کتابوں ہی پر اکتفا نہیں بلکہ اپنی طبیعت سے ہی بہت سی چیزیں ایجاد کیں۔ مثلاً خط رمل۔ حساب نیم۔ زائرچہ وغیرہ۔ اور اس بارے میں قدیم حکما سے مزو بڑھ گئے۔ مگر اصلی علوم کو بھی ہاتھ سے کھو بیٹھے۔

عرب کی جغرافیہ دانی

جغرافیہ دانی میں بھی عرب کو اچھی مہارت تھی۔ ملٹبرون اسکی تصدیق میں لکھتا ہے کہ عربوں نے تمام حدود زمین کی سیر کرلی تھی اور اسبات کے دریافت کرنے میں پوری کوشش صرف کی تھی۔ خصوصاً آسیا اور افریقیہ میں اسکا زیادہ چرچا تھا۔ صدر اسلام میں خلفا نے بھی اپنی فوجوں کے افسروں اور صوبہ داروں کو حکم دے رکھا تھا۔ کہ جن جن شہروں پر فتحیاب ہوتے رہیں اُنکے حدود کا نقشہ بھی لکھا کریں۔

سنہ ۲۱۲ ہجری مطابق سنہ ۸۲۷ء میں خلیفہ مامون عباسی نے حکم دیا کہ سنجار کے صحرا میں رقہ اور تدمر تک کا درجہ عرض دریافت کیا جائے۔ چنانچہ اسکی ساخت

کیگئی اور دوبارہ کوفہ کے قریب زمین کی مساحت ہوئی۔ اسی کے ذریعہ سے زمین کی مساحت معلوم ہوئی۔ ابن خلکان نے مساحت کا طریقہ بھی لکھا ہے وہ کہتا ہے کہ مامون عباسی کی رائے بھی سابق حکما کی رائے کے موافق تھی۔ وہ پورے دورہ کرہ زمین کو چوبیس ہزار میل جسمیں ہر تین میل کا ایک فرسخ شمار کیا جاتا تھا۔ اُنھوں نے ابوعبداللہ محمد بن موسیٰ بن شاکر اور اُسکے دو بھائیوں محمد اور حسن مذکورین سے درخواست کی کہ وہ زمین کی مساحت کے طریقے کو لکھیں جسے اگلے فلاسفروں نے درست کیا ہے۔ ابوعبداللہ وغیرہ نے تلاش کر کے زمین سنجار کو منتخب کیا۔ کیونکہ وہاں کی زمین بالکل مسطح تھی۔ اور اسی طرح کی سطح زمین وطا کوفہ کی بھی تھی۔ غرض سنجار کے میدان میں چلے گئے۔ اور ایک مقام پر ٹھہر کے قطب شمالی کے ارتفاع کا حساب کیا۔ اور چند ڈوریاں میخوں میں باندھ کے اندازہ کیا۔ پھر اُس مقام پر آئے جہانکہ ارتفاع قطب کیا اندازہ کیا تھا۔ تو دیکھا کہ ارتفاع سے ایک درجہ زیادہ ہوگیا تھا۔ بس اُس مقدار کی مساحت کرلی۔ جسقدر زمین سے اندازہ کیا تھا اُسکی مقدار ۶۶⅔ تھی۔ اس سے اُنہوں نے معلوم کرلیا کہ آسمان کے ایک درجے کے مقابلے میں زمین کا اتنا حصہ پڑتا ہے۔ اُسی کے موافق جنوب کی طرف بھی امتحان کرلیا۔ تو دیکھا کہ قطب شمالی اول کی بہ نسبت ایک درجہ گھٹ گیا ہے۔ اس سے اُنکو اپنے حساب کی صحت معلوم ہوگئی۔ اُسوقت سے اُنہوں نے یہ مقرر کیا کہ آسمان کے بارہ برج ہیں۔ اور ہر برج تیس درجے کا ہے جب مجموعہ تین سو ساٹھ کو ۶۶⅔ میں ضرب دیا تو چوبیس ہزار ۲۴۰۰۰ میل جسکے آٹھ ہزار فرسخ ہوتے ہیں۔ جب یہاں پیمائش کر چکے تو مامون نے پھر کوفہ میں پیمائش کا حکم دیا۔ چنانچہ بعد حساب کے معلوم ہوگیا کہ یہاں اور وہاں کی پیمائش میں کوئی فرق نہ تھا۔ جس سے صحیح اندازہ قدما کی تجربہ کا ہوگیا۔

ملطبرون نے یہ بھی لکھا ہے کہ کرستفورس کلمبوس سے پہلے کچھ لوگ

جنہیں مغرورین کہتے تھے لشبونہ (اندلس میں ایک مقام کا نام ہے) سے سیاحت اور دریافت حالات زمین کے لئے نکلے تھے۔ (وہ سب عرب تھے) دریاؤں کا سفر کرتے تھے۔ اور عجیب و غریب مقامات اور زمینوں کو تلاش کر بحر اٹلینٹک میں تلاش کرتے پھرتے تھے۔

ملطبرون نے ہی یہ بھی لکھا ہے کہ دریائی اور چین کی عجائبات بھی عرب نے دریافت کرلئے تھے۔ چنانچہ یہیں دو شخص واقدی اور ابو زید نامی ملے تھے جو زمین کے حدود کی پیمائش اور وہاں کی عجائبات دریافت کرتے پھرتے تھے۔ ان دونوں شخصوں نے بڑی بڑی دور کا سفر کیا۔ اور آسیا کے بلاد بعیدہ کی پیمائش کی۔ انکا سفر ۸۵۱ع سے لے کر ۸۷۷ع تک رہا۔

"واقدی مذکور الصدر سے مراد غالباً ابو عبداللہ محمد بن عمر بن واقد واقدی مدنی مولی بنی ہاشم یا مولی بنی سہم بن اسلم ہے۔ اسکی تصنیف سے مغازات میں کئی ایک کتابیں ہیں۔ اسکی تصنیف سے کتاب الردہ بھی ہے۔ اس کتاب میں اس نے دکھلایا ہے کہ صاحب شریعت اسلامیہ کے بعد کون کون مرتد ہو گئے۔ اور طلیحہ بن خویلد ازدی اور اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب کی لڑائیوں میں کیا ہوا۔ اور کیونکر کامیابی ہوئی۔

اسکو مامون نے عسکر مہدی میں قاضی بنا کے بھیجا تھا۔ لیکن لوگ اسکی حدیث کو ضعیف سمجھتے تھے۔ ۲۰۷ھ ۸۲۲ع میں بغداد میں اسکا انتقال ہوا مگر اسکی تاریخ وفات ملطبرون کے بیان سے مطابق نہیں ہوتی۔ اس صورت میں یا تو کہا جائے کہ دونوں تاریخوں میں سے ایک غلط ہے۔ یا جسکو ملطبرون نے لکھا ہے وہ واقدی مذکور کی اولاد میں سے ہو۔

اور ابو زید مذکور سے مراد عمر بن شبہ (اسکا نام زید اور لقب شبہ ہے) ابن عبیدہ بن زید ہے اسکو ابن رائطہ نمری بھی کہتے تھے۔ تاریخ البصرہ اسی نے لکھی ہے۔ اسکو عموماً لوگ سچا سمجھتے ہیں۔ انتقال اسکا ۲۶۲ھ ۸۷۵ع میں ہوا۔"

اسلامی جغرافیہ نویسوں میں زیادہ مشہور قطب الدین مسعودی بن عتبہ ہے۔ نام اسکا علی بن الحسین بن علی بن عبداللہ بن زید بن عتبہ بن عبداللہ بن عبدالرحمان بن عبداللہ بن مسعود ہے۔ خلیفہ مطیع للہ بن مقتدر عباسی کے زمانہ میں جغرافیہ نویسی شروع کی تھی۔ چنانچہ ایک کتاب مروج الذہب اور دوسری معادن الجوہر فی تحف الاشراف والملوک واہل الدرایات لکھی۔ یہ ایک عام تاریخ ہے۔ دنیا کے تینوں حصوں کے مشہور و معروف ممالک کو اس میں ذکر کیا ہے۔

یہ کتاب جغرافیہ کے متعلق بہت واضح اور بسیط کتاب ہے۔ خصوصاً افریقہ۔ ہند۔ ایشیائے وسطی کے متعلق تو بہت خوب لکھا ہے۔ اسکا انتقال سنہ ۳۴۶ھ (۹۵۷ء) میں ہوا۔

اسی زمانہ میں ابن حوقل مصنف کتاب المسالک والممالک والمفاوز والمہالک بھی ظاہر ہوا۔ اس نے کتاب مذکور سنہ ۳۶۶ھ (۹۷۶ء) میں لکھی تھی۔ اس کتاب کا ترجمہ پہلے فارسی زبان میں ہوا تھا۔ پھر انگریزی زبان میں کیا گیا۔ اس کتاب میں اسلامی شہروں کی حدبندی بہت اچھی طرح کی ہے۔ مگر اسکے علاوہ اور بلاد کی تحقیق میں بہت اجمال سے کام لیا ہے۔ اور اس بات کو بھی لکھدیا ہے کہ میں اپنی اس کتاب میں نصاریٰ اور حبشہ کے بلاد کی بابت بہت مختصر لکھوں گا۔ کیونکہ میرا انہماک حکمت و عدل و دین و انتظام احکام میں مجھے اجازت نہیں دیتا۔ کہ میں اُنکی زیادہ ثنا و صفت بیان کروں۔

اسکے بعد شریف ادریسی کا ظہور ہوا۔ جسے اہل فرنگ جغرافی نوبی کہتے ہیں۔ اس نے ایک کتاب مسمی نزہتہ المشتاق صقلیہ کے بادشاہ رجار اول کی خاطر سے لکھی تھی۔ یہ کتاب کرہ ارضیہ کی شرح ہے۔ پہلے ایک کرہ چاندی کا بادشاہ مذکور الصدر کے حکم سے بنایا گیا تھا۔ اور تمام ملک کا نقشہ اُس پر کھینچا گیا تھا۔ اُسکے بعد شریف نے اُس نقشے کی پوری تشریح کر دی۔ اور

علاوہ نقشۂ بلاد کی شرح کے ہر ملک کی نباتات کا بھی ذکر کر دیا ہے۔ یہ کتاب ۵۶۲ھ / ۱۱۶۷ء میں لکھی گئی تھی۔

پھر ابو عبداللہ یاقوت حموی بن عبداللہ رومی جنس حموی المولد بغدادی الوطن ملقب بہ شہاب الدین اس فن میں مشہور ہوا۔ بچپنے میں اسی قید کر کے کسی نے بغداد کے ایک سوداگر کے ہاتھ بیچ لیا تھا۔ جس نے اسے خوشنویسی سکھائی تھی تاکہ اپنے کھانے کا سہارا خود ہی کر سکے۔ پھر اس نے تاریخ دیکھنی شروع کی۔ چند دن بعد جغرافیہ میں ایک کتاب لکھی۔ یہ کتاب حروف ہجا کی ترتیب کے موافق ہے۔ نام اسکا معجم البلدان ہے۔ اسکے علاوہ بھی ایک کتاب اسکی تصنیف سے ارشاد الالباء فی معرفۃ الادباء ہے۔ اس کتاب کی چار جلدیں ہیں۔ دوسری کتاب اخبار الشعراء القدماء والمتاخرین۔ کتاب معجم الشعراء ۴ کتاب معجم الادباء ۵ کتاب المشترک وضعاً المختلف صقعاً۔ ۶ کتاب المبدأ والمآل فی التاریخ ۷ کتاب الاول ۸ مجموع کلام ابی علی الفارسی۔ ۹ عنوان کتاب الاغانی ۱۰ مقتضب فی النسب ۱۱ کتاب اخبار المتنبی اسکا انتقال ۶۲۶ھ / ۱۲۲۸ء میں ہوا۔

اسکا دورہ تمام ہونے پر ابن وردی نے جغرافیہ طبعی میں ایک کتاب مسمی خریدۃ العجائب لکھی۔ اسمیں موالید ثلاثہ کے متعلق تمام باتیں لکھی ہیں اور افریقہ و بلاد عرب و شام کے ارضی حالات بہت شرح و بسط سے بیان کئے ہیں۔ مگر یورپ اور ہند و شمالی آسیا کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ البتہ ایک نقشہ تمام زمین کا کھینچ دیا ہے۔ اسکا انتقال ۶۳۰ھ / ۱۲۳۲ء میں ہوا۔

انکے بعد ملک مؤید عماد الدین ابو الفدا سلطان حماہ ہوا۔ اسکی تالیفات سے تقویم البلدان ہے۔ اس کتاب میں تمام زمین کی حدود و تفصیل وار مذکور ہیں۔ اس کتاب کی پہلی جلد میں ہفت اقلیم کا ذکر ہے۔ اور تمام مقامات کے احوال و کیفیات بھی لکھی ہیں۔ تھوڑا سا علم ہیئت کا ذکر بھی اسکے مقد

میں کیا ہے۔ اور دنیا کے بڑے بڑے دریا اور مشہور نہریں اور پہاڑ بہ تفصیل لکھے ہیں۔ شام میں چونکہ خاص وطن تھا اس وجہ سے اُسکی تحدید و تخطیط بہ نسبت اور ملکوں کے بہت اچھی طرح سے لکھی ہے۔ اور شام کے ملے ہوئے ملک عرب و عجم و مصر و مغرب کے حالات بھی صاف صاف بیان کئے ہیں۔ لیکن تاتار اور چین کے حالات پورے نہیں بیان کئے۔ یورپ اور افریقہ وغیرہ جنمیں نصاریٰ اور حبشی ہوتے ہیں۔ وہاں کے حالات کو غیر قابل توجہ سمجھ کے چھوڑ دیا۔ اسکی تالیف سے ایک تاریخ عمومی (عام ملکوں کی تاریخ) حالانکہ فی الحقیقت اسلامیوں ہی کی تاریخ ہے۔ اسکا انتقال سنہ ۳۱۰ھ ۹۲۳ء میں ہوا۔

سنہ ۳۰۰ھ ہجری میں بغوی نے کتاب "عجائب الدولی القادری فی ارضہ" جغرافیہ میں لکھی۔

ملطبرون نے فقط اسیقدر عرب کے جغرافیہ دانوں کا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ انکے علاوہ اور بھی اس فن کے عالم و ماہر گذرے ہیں جنکو فرانس کے جغرافیہ دانوں نے ذکر کیا ہے۔ منجملہ اُنکے ایک ابو اسحٰق اصطخری ہے جسکی تصنیف سے کتاب الاقالیم ہے۔ یہ کتاب سنہ ۳۰۳ھ ۹۱۵ء اور سنہ ۳۰۹ھ ۹۲۱ء کے درمیان میں تیار ہوئی۔ دوسرا ابو القاسم عبداللہ مصنف کتاب المسالک و الممالک ہے۔ اسکا انتقال سنہ ۳۰۰ھ ۹۱۲ء میں ہوا۔ تیسرا محمد جہانی مصنف کتاب المسالک فی معرفۃ الممالک ہے۔ اسکا انتقال سنہ ۳۳۰ھ ۹۴۲ء میں ہوا۔ چوتھا ابو الفرج بغدادی مصنف تذکرہ ہے۔ اسکا انتقال سنہ ۳۳۷ھ ۹۴۸ء میں ہوا۔ پانچواں قزوینی ہے۔ اور انکے علاوہ بھی جغرافیہ دان عرب گذرے ہیں۔

عرب کے سیاح

سیاح بھی عرب میں بہت سے گذرے ہیں منجملہ اُنکے ایک ابن فضلان جس نے افریقہ تک سنہ ۳۰۹ھ میں سیاحت کی ہے اور وہاں کے حالات مفصل لکھے ہیں۔

بیرونی ہے۔ یہ شخص علم ہیئت میں ماہر تھا ہند تک اس نے سنہ ۴۰۰ھ میں

سیاحی کی ہے اور مفصل حالات ہند میں ایک کتاب بہت اچھی لکھی ہے۔
اور پتھروں کے بیان میں بھی ایک کتاب اسکی تصنیف سے ہے۔
ابن بطوطہ ہے اس نے افریقیہ اور ہندو چین و روسیا وغیرہ کا ۷۳۵ھ میں سفر کیا ہے۔
حسن بن محمد قرطبی معروف باسد افریقی ہے۔ اس نے ۹۰۰ھ میں تمام
افریقیہ اور آسیا کے ایک حصہ کی سیاحت کی ہے۔

انکے علاوہ اور لوگ بھی سیاح گذرے ہیں جنمیں سے بعض نے علم سیاحت میں کتاب لکھی۔ کسی نے اقسام معاملہ میں۔ کسی نے ملکوں کے محاورات و واردات شماری اور بلا شماری کے متعلق لکھا ہے۔ کسی نے شہسواری کے متعلق کتاب لکھی ہے اور کسی نے موسیقی میں۔ کسی نے لغات عامہ میں۔ کسی نے جغرافیہ و ہیئۃ و ریاضیات وغیرہ۔ سب کو جمع کر دیا ہے۔ جیسا کہ ابو الفداء نے اپنی کتاب میں بھی ڈھنگ اختیار کیا ہے۔ اسلئے تمام عالم کے لوگوں نے بھی یہی روش اختیار کی۔

ملطبرون لکھتا ہے کہ بعض بعض ایسی باتیں ہیں جنسے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے پہلے یورپین جغرافیہ دان اور نقشہ کش عربی کتابوں ہی کے طفیلی تھے۔ اور اُسی پیرواز پر اپنی کتابیں لکھتے ہیں۔

عرب کا علم نبات

عرب نے علم نباتات میں بھی مداخلت پیدا کی تھی۔ اس علم کا معدن اصل میں دیوسکوریدس ہے۔ دینوری اور قزوینی اور ابن ابی زاجر نے علم حیوانات و نباتات و زراعت میں بھی کتابیں لکھی ہیں۔ ابن بیطار طبیب نباتی تھا۔ اس نے یونان کا سفر کیا و نباتات جمع کرلایا۔ اور موسوم با دویہ مفردہ ایک کتاب علم نباتات میں لکھی۔

ابو ذکریا اشبیلی نے علم زراعت میں بہت بڑی کتاب لکھی۔ قیصر

لکھا ہے کہ ابو ذکریا نے اہل عراق اور یونانیوں۔ رومانیوں۔ افریقیوں۔ اندلسیوں کے تمام معلومات زراعت کے متعلق اپنی کتاب میں جمع کر دی ہیں جن سے لوگ منتفع ہوتے تھے۔

اہل اندلس کو مٹی کے خواص اور زمینوں کی کیفیتیں اور کھاد بنانے کی ترکیبیں ہر زمین سے موافق مزاج اور زراعت کے عنوان اور درخت لگانے۔ باغ سینچنے کے طریقے بہت اچھی طرح سے معلوم تھیں۔ جسکے ذریعہ سے اندلس جیسے چٹیل بے آب و گیاہ مقام کو جنت نشان بنا دیا۔ درخت خرما جو کبھی وہاں پیدا نہ ہو سکتا تھا اپنی کوششوں سے اسکے باغ تیار کرا دیئے خرنوب۔ کپاس۔ توت۔ گنا وغیرہ کی زراعت سکھائی۔ پستی سے بلندی پر پانی لانے کی ترکیب ڈول اور رہٹ کے ذریعے سے بتائی۔ یہانتک کہ یہ اندلس یورپ کے تمام ملکوں کی بہ نسبت حرفہ و صنعت۔ زراعت وغیرہ میں نہایت آباد ہو گیا تھا۔

خلیفہ منتذر عباسی کے زمانے میں ہندوستان سے ترنج منگایا گیا تھا اور عمان میں اسکے درخت لگائے گئے۔ پھر وہاں سے بصرہ اور عراق و شام پہنچ گئے۔ مگر ابن خلدون نے لکھا ہے کہ شام و انطاکیہ و مصر وغیرہ میں جب ترنج کی کثرت ہو گئی تو وہ خوشبو اور رنگ جو ہندوستانی ترنجوں میں ہوتا تھا یہاں کے ترنجوں میں نہ رہا کیونکہ ہندوستان کی آب و ہوا اسکی مزاج کے موافق تھی اور وہ یہاں نہ مل سکی۔ اسکے بعد پرتگال (نارنگی یا سنگترے) یورپ مشرقی بلاد میں لاتے تھے۔ پہلے پہل یہ درخت پرتگالیوں نے پیدا کیا تھا پھر وہاں سے یورپ کے اور شہروں میں پھیل گیا۔ اور جب عرب نے اسے اپنے ہاں لگایا تو اسکا نام پرتگال کہ لیا۔

عرب کی ہندو حساب دانی

عرب نے جس وقت سے اقلیدس اور ارشمیدس اور ابولونیوس کی کتابوں کا

ترجمہ کیا اُسی وقت سے علم ہندسہ میں پورا اشتغال پیدا کیا۔ ابن خلکان لکھتا ہے کہ ابوالوفا محمد بن محمد بن یحییٰ بن اسماعیل بن عباس بوزجانی حاسب علم ہندسہ میں نہایت مشہور و معروف شخص گذرا ہے۔ اس فن میں اس نے اچھی اچھی جدتیں اور باریکیاں پیدا کی ہیں۔

علامہ کمال الدین ابوالفتح موسیٰ بن یونس ہندسی۔ ابوالوفا کی تصنیفات کی بہت تعریف لکھتا ہے۔ اکثر اسی کی تالیفات کا مطالعہ رکھتا تھا۔ اور اپنے اقوال پر اُسی کے اقوال سے دلیل پیش کرتا تھا۔ کمال الدین کے پاس اُسکی تصنیف سے کئی کتابیں موجود تھیں۔ اسکا انتقال ۳۸۷ھ میں ہوا۔ صاحب مقتطف نے لکھا ہے کہ گھڑی کے رقاص کا استعمال عرب میں مدت سے ہوتا تھا۔ ہاں یہ نہیں معلوم ہوسکتا کہ اسکا موجد کون تہا۔" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جربرٹ راہب فرانسیسی نے جو رقاص دار گھڑی بنائی اور یورپ میں مشہور کی اصل میں اسکا طریقہ عرب ہی سے سیکھا ہے۔ جبکہ جربرٹ مذکور اندلس میں مدرس تھا۔

صاحب مقتطف نے یہ بھی لکھا ہے کہ حساب تثلیث بھی عرب سے ایجاد ہوا اور اب بھی اسی طرح ہے جسطرح اسوقت تہا۔ فقط یہ فرق تہا کہ اس زمانے میں ونڈا قواس مستعمل ہوتا ہے اور اگلے زمانے میں جیوب استعمال ہوتا تھا۔

ارزاخل مذکور الصدر نے ایک جدول جیوب کی ایجاد کی تھی۔ اسمیں قطر کے تین سو حصے کیئے تھے۔ اور جابر نے دو قضیہ اور بھی نکالے جن سے جدید فن مثلثات مرتب ہوا۔

بعض مورخین کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ پہلے پہل علم حساب کو ابوالفرج قدامہ بن جعفر بن قدامہ کاتب بغدادی نے ایجاد کیا۔ جو کہ مقتدر عباسی کے زمانے میں تھا۔ قدامہ فن بلاغت میں بھی ضرب المثل تھا۔

لیکن صحیح قول یہ ہے کہ حساب اعشاریہ ہندیوں سے لیا ہے لیکن اُنہیں

اضافات اور اختراعات عربنے بہی بہت کئے ہیں - اور ہر قوم ہند سب یورپ میں عرب سے لگیئیں۔

عربوں کو جبر و مقابلہ میں بہی بڑی طولی حاصل تھا یہ علم بہی انسانی عقل کی بہت بڑی بڑی ایجادات میں سے ہے - اس علم کی بابت مدت تک یہی مشہور رہا کہ اسکا موجد ابوعبداللہ محمد بن موسی خوارزمی ہے (اسکا ذکر پیشتر آچکا ہے - کہ یہ بہی اُن لوگوں میں داخل ہے جنہوں نے قدیم کتابوں کے جمع اور ترجمہ کرنے میں کوشش کی تہی - اور اسی نے مامون کے واسطے دورہ کرۂ زمین کا حساب تیار کر دیا تھا) مگر صحیح یہ ہے کہ اصل میں یہ علم یونان سے لیا گیا ہے - اگرچہ عربوں نے اسکی بہت کچھ اصلاح کرکے نہایت عمدہ عمدہ قواعد پر مبنی کر دیا ہے - جسکے سبب سے اب انہیں کیطرف منسوب ہونیکے قابل ہوگیا - مگر اسبات کے کہنے میں کوئی تامل نہیں ہے کہ عرب میں سب سے پہلے اس علم پر ابوعبداللہ مذکور ہی مطلع ہوا - اور اسی نے عام لوگوں تک بہی پہنچایا عرب کو ثقل نوعی کا بہی علم تھا - چنانچہ صاحب مقتطف نے لکھا ہے کہ ڈاکٹر بلاٹن نے شہر نیویورک کے اکادیمیۃ العلوم میں (شہر نیویارک امریکہ میں ہے) ایک تحریر بہیجی تہی جسمیں اسبات کو دکھلایا تھا کہ عرب کو ثقل نوعی کا بہی علم تھا - اور بہت سے منتخبات خازینی کی کتاب میزان الحکمت سے لیکے اس خط میں درج کیا تہا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ بہی ہوا کا وزن جانتے تھے - اور اکثر جامد اور مائع چیزوں کے نہایت باریک قاعدے ثقل نوعی دریافت کرنے کے جانتے تھے۔

صاحب مقتطف لکھتے ہیں کہ کتاب میزان الحکمۃ میں کئی جدول بہی ہیں جنمیں آجکل کے معروف قاعدہ دریافت ثقل نوعی کو لکھا ہے - اور آلات فلسفیہ بنانے کی ترکیبیں بہی بتائی ہیں - منجملہ انکے ثقل مذکور العدد کے دریافت کا بہی ایک خاص آلہ بتایا ہے۔

عرب کی طب

ہم نے پہلے بیان کردیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بھی عربوں کو علم طب میں معلومات تھیں خواہ وہ تجربہ سے حاصل ہوئی ہوں یا ایران اور ہندوستان کی آمد ورفت سے اہل ایران وہندوستان سے سیکھا ہو۔ بہرطور انکی طب دانی میں کوئی شک نہیں۔

لیکن ان لوگوں میں زیادہ مشہور لقمان بن عاد تھے۔ یہ حکیم وقت بھی تھے۔ بہت ہوشیار اور ذکی تھے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ سلسلۂ نسب ان کا اسطور سے لقمان بن عاد بن لجین بن عاد بن عوص بن ارام بن سام بن نوح (علیہ السلام) عمر انکی ساڑھے تین ہزار سال کی تھی (جو سات گدھوں کی عمر کے برابر ہو۔)

انہیں کے بعد تیم الرباب معروف بہ ابن حذیم ہوا ہے۔ طب میں بہت بڑا حاذق تھا۔ اور اس فن میں ضرب المثل ہی تھا۔ اسکی بابت ایک شاعر نے کہا ہے (اوس بن حجر)

فھل لکم فیھا الی فاننی   بصیر بما اعیی النطاسی حذیما

حرث بن کلدہ بھی بہت بڑا مشہور طبیب گذرا ہے۔ مگر تیم الرباب کو اس سے زیادہ حاذق لکھا ہے۔ یہ طبیب بنی ثقیف سے تھا۔ اور طائف کا باشندہ تھا۔ فارس میں جا کے جندیسابور وغیرہ کے طبیبوں سے جاہلیت ہی کے زمانے میں علم طب حاصل کیا تھا۔ اور فارس میں طبابت بھی شروع کی تھی اس فن کے ذریعے سے بڑی دولت پیدا کی پھر اپنے وطن کو واپس آیا۔ سنہ ۱۳ھ یا سنہ ۶۳۴ع میں زہر سے مرا۔ اسکے مرنے سے ایک سال پہلے اسکو زہر دیا گیا تھا۔

ابن ابی رومیہ تمیمی بھی طبیب اور حرث مذکور الصدر کا ہمعصر تھا۔

نضر بن الحرث بن علقمہ بن کلدہ بن عبد مناف بن عبدالدار بن قصی جاہلی طبیبوں میں سے تھا۔ بدر کی لڑائی میں گرفتار ہوکے مارا گیا۔ لقمان کا قول ہے ہر مرض کا انجام داغ ہے۔ اور یہی مثل بھی مشہور ہے۔ آخر الطب الکی۔

حرث بن کلدہ کا قول ہے من سرہ البقاء ولا بقاء فلیباکر الغداء ولیخفف الرداء ولیقل غشیان النساء (جسکو دائمی زندگی منظور ہو حالانکہ یہ محال ہے۔ تو چاہیئے کہ سویرے صبح کو کھانا کھائے۔ اور قرض کا بار اپنے اوپر نہ رکھے۔ اور مجامعت کم کرے)

انکے معالجات میں سے یہ بھی مشہور ہے کہ احول (بھینگا) کو پھدکتی ہوئی چکی کیطرف دیکھتے رہنا چاہیئے۔ کیونکہ انکا خیال تہا کہ ایسی چکی کیطرف نظر کرنے سے آنکھیں سیدہی ہو جاتی ہیں۔

اور خذر کا علاج یہ تھا کہ اسکے بڑے سے بڑے دوست کو اسکے پاس بلایا جائے (خدر ایک مرض ہے جس سے بدن کے کسی جزو خاص میں حرکت کی قوت نہ رہے) اسی مضمون کے مطابق ایک شاعر اپنی محبوبہ کو مخاطب کرتا ہے۔

رآنی اللہ یاسلمی حیاتی وفی یوم الحساب کما اراک

الی کم تھجرون فتی معنی اذا خدرت لہ رجل عاک

پھر جب اسلام کا دورہ ہوا تو شریعت اسلامیہ نے بھی صیغۂ طبابت کو جاری رکھا۔ بلکہ حکم بھی دیا کیونکہ حدیث میں آگیا ہے کہ خداتعالے نے جو مرض پیدا کیا ہے اسکے واسطے کوئی نہ کوئی دوا بھی ضرور مقرر کی ہے۔ مگر بوڑھاپے کا علاج نہیں ہے۔

اور جب ولید بن عبد الملک کو خلافت ملی تو اس نے مریض خانے اور دوا خانے وغیرہ بنوانے شروع کیئے۔ (اسلام میں پہلے پہل ولید نے شفاخانے بنوائے) اور بیمار خانوں میں طبیب ملازم رکھے۔ انکے واسطے تنخواہیں مقرر کیں

جیفہ امیون کو باہر نکلنے کی ممانعت کردی۔ اور اُنکے واسطے اور نیز اندہوں کے واسطے وظیفے مقرر کر دیئے۔ غرض اُسوقت پوری توجہ علم طب پر صرف ہونے لگی۔ اور حاذقین تلاش ہونے لگے۔ کیونکہ حدیث میں آگیا ہے کہ ہر صنعت کو اُسکے لائق اہل سے دریافت کرو۔

مشہور ہے کہ حرث بن کلدہ صاحب شریعت اسلامیہ کے زمانہ میں تھا اور سعد بن ابی وقاص نے جوکہ اصحاب میں سے تہا اپنی کسی مرض کی بابت اُس سے کچھ دریافت کیا تہا۔ اسی سبب سے مسلمانوں میں جائز سمجھا گیا کہ کفار سے بہی مشورہ لیا جائے۔ کیونکہ حرث مذکور اگرچہ اسلام کے زمانے میں تھا مگر مسلمان نہیں تہا۔ اسی سبب سے مدت تک بنی امیہ اور بنی عباس کی سلطنت میں یہود و نصاری ہی طبیب ہوتے رہے۔ جب تک کہ مسلمانوں نے اس فن میں مہارت نہ حاصل کی۔

پہلے پہل اطباء یونانین میں سے ایک راہب رومی مسمی موریانوس سلطنت اسلامیہ میں ملازم رکھا گیا تہا۔ اسی سے فن طب اور فن کیمیا ابوہاشم خالد بن یزید بن معاویہ بن ابی سفیان نے سیکہی۔ (اس طبیب کا ذکر اسلامی طبیبوں میں آئیگا۔)

موریانوس کے بعد اسطفانوس ہوا۔ اس نے خالد مذکور کے واسطے کئی کتابیں یونانی زبان سے عربی میں ترجمہ کیں۔

مروان بن الحکم کے زمانے میں ماسرجویہ طبیب بصری سریانی اللغت یہودی المذہب تھا۔ علوم طبعیہ میں اسکو مہارت کاملہ تہی۔ اسی نے قس اہرون کی کتاب کو سریانی سے عربی میں ترجمہ کیا۔

حجاج بن یوسف ثقفی کی خدمت میں ثیوذکس اور ثیوذون دو رومی طبیب تھے۔ (یہ زمانہ عبدالملک بن مروان کی خلافت کا تہا) ثیوذوکس کے کئی شاگرد بہی تیار تھے۔ طب میں اس نے کتاب بہی لکھی ہے۔ فرات بن شحناثا

جو منصور کے زمانے میں ہوا ہے وہ تھیوڈوکس ہی کا شاگرد تھا۔ منصور عباسی
کے زمانے میں عائلہ بختیشوع گذرا ہے۔ اور ان سب سے پہلے جاورجیوس
بن بختیشوع جندیسا پوری آیا تھا۔

مشہور ہے کہ جب خلیفہ منصور عباسی کے کسی مرض کا معالجہ کرتے وقت تمام
اطبا عاجز ہوئے تو جاورجیوس مذکور جندیسا پور سے اس نے بلوایا تھا وہ بغداد میں
آیا اور اسکے ساتھ عیسیٰ بن شہلا شاہی تھا۔ جب دربار میں حاضر ہوا تو فارسی اور
عربی (دونوں زبانوں) میں بادشاہ کو دعا دی جس سے منصور کو بہت تعجب ہوا۔
پھر بیٹھنے کا حکم دیا۔ اور پہلے اس سے چند سوال کئے جنکا جواب شافی پایا۔ پھر
اپنے مرض کو بیان کیا جسکے جواب میں طبیب مذکور نے کہا اذن ادبرلک بمشیۃ اللہ
(میں اب تمہارا علاج کرلونگا) اسی وقت منصور نے ایک خلعت فاخرہ اسکو مرحمت کیا۔
اور نہایت عمدہ مقام میں اسکو ٹھہرنے کے واسطے جگہ دی اور بہت ہی اعزاز و اکرام
کے ساتھ اس سے برتاؤ کیا۔ اسی وقت سے جاورجیوس نے اسکا علاج کرنا شروع
کردیا یہانتک کہ منصور بالکل صحیح و سالم ہوگیا۔ اس امر سے منصور کو بڑی خوشی
ہوئی۔ ایک روز طبیب مذکور الصدر سے دریافت کیا کہ یہاں تمہاری خدمت
کون کرتا ہے۔ اس نے کہا میرا ایک شاگرد ہے وہی میری خدمت کرتا ہے
پھر دریافت کیا کہ تمہارے ساتھ تمہاری بیوی نہیں ہے۔ اس نے کہا میری
بیوی زندہ تو ہے مگر بہت ہی بڑھیا ہے۔ اٹھ بیٹھ نہیں سکتی۔ طبیب مذکور یہکہکر
وہاں سے چلا آیا اور اپنے گرجا میں عبادت کے واسطے چلا گیا۔ یہاں منصور نے
فوراً اپنے خادم کو حکم دیا کہ حکیم صاحب کے واسطے ابھی تین نوجوان لڑکیاں لیجاؤ مگر
بہت خوبصورت اور رومی ہوں۔ اور ساتھ ہی تین ہزار اشرفیاں بھی لیجانا۔ خادم نے
اسی وقت تعمیل حکم کی۔ چونکہ جاورجیوس اس وقت موجود نہ تھا اس وجہ سے اسکے
شاگرد نے لڑکیوں کو اپنے ہی کمرے میں ٹھہرالیا۔ اور اشرفیاں بھی رکھوالیں
جب طبیب موصوف واپس آیا تو شاگرد نے کل واقعہ بیان کیا اور لڑکیوں کو پیش کیا

جاورجیوس کو یہ بات بہت ناگوار ہوئی اور فوراً لڑکیوں کو واپس کر دیا اور اپنے شاگرد سے کہا۔ "او شیطان کے شاگرد تو نے کیوں انکو میرے مکان میں گھسنے دیا۔ تو چاہتا ہے کہ مجکو نجس کرے جا ابھی اور انکو نکال باہر کر"۔

غرض شاگرد نے اُن لڑکیوں کو منصور کے خادم کے پاس پہونچا دیا۔ جب یہ خبر منصور کو پہونچی تو حکیم صاحب کو بلوایا اور واپس کر دینے کا سبب دریافت کیا۔ اُس نے کہا کہ ہم نصاریٰ کی قوم میں ایک سے زیادہ بیوی رکھنی جائز نہیں ہے اور جب تک ایک بیوی زندہ ہو دوسری سے توصل نہیں کر سکتے۔ یہ بات منصور کو بہت پسند آئی اور بہ نسبت سابق اُسکی عزت بھی بڑھا دی۔

۱۵۲ھ میں جاورجیوس کسی مرض میں مبتلا ہو کر وطن کو جب جانے لگا تو خلیفہ نے اسکے مسلمان ہو جانے کی درخواست کی اور کہا کہ اے حکیم! خدا سے ڈر اور مسلمان ہو جا میں تیرے واسطے جنت کا ضامن ہوتا ہوں۔ جاورجیوس نے جواب دیا کہ مجھے وہی جگہ زیادہ پسند ہے جہاں میرے باپ دادا رہتے ہیں خواہ وہ جنت ہو یا دوزخ ہو۔ یہ سُن کے منصور ہنسا اور وہ اپنے شہر کو واپس گیا۔ مگر اپنے شاگرد عیسیٰ کو یہیں چھوڑتا گیا۔ منصور نے اسکو اپنا طبیب بنایا تھا مگر آخر میں اُس نے لوگوں کی ایذا رسانی شروع کی۔ جب منصور کو یہ خبر معلوم ہوئی تو فوراً اپنے ملک سے اسکو نکلوا دیا۔

اُسی زمانے میں منصور کے مصاحبوں میں سے نوبخت منجم فارسی بھی تھا۔ علم ہیئت میں بھی اسکو اچھا دخل تھا۔ جب بوڑھا ہو گیا تو منصور نے اس سے کہا کہ اب اپنے بیٹے کو بلا کے اپنے قائم مقام کر دے۔ چنانچہ اُس نے بلا دیا۔ جب منصور کے سامنے حاضر ہوا اور نام دریافت کیا گیا تو اس نے کہا کہ میرا نام "خرشاذ ماہ طیماذاہ مابا ذار خسرو ابہشاد" ہے منصور نے پوچھا کیا اتنا بڑا نام ہے۔ اُس نے کہا ہاں۔ منصور ہنسنے لگا اور کہا کہ یا تو مجھے اجازت دے کہ میں تیرے اتنے بڑے لمبے چوڑے نام میں سے فقط طیماذ کو منتخب کر لوں

یا یہ کہ کوئی خاص کنیت مثلاً ابو سہل وغیرہ معین کر لوں جس سے تجھے بآسانی پکار سکوں۔ اس نے کنیت کو ترجیح دی۔ آخر کنیت ہی سے مشہور ہوا۔ اور نام اسکا بہت کم لوگوں کو معلوم تھا۔ اور اگر معلوم بھی تھا تو کوئی اس سے کام نہیں لیتا تھا۔

جاورجیوس مذکور کے مرنے کے بعد اسکا بیٹا بختیشوع قائم مقام ہوا۔ وہ خلیفہ ہارون رشید کا طبیب تھا۔

اسی خلیفہ کے زمانے میں یوحنا بن ماسویہ طبیب کامل گذرا ہے۔ اسکی تصنیفات بھی بہت مشہور ہیں۔

بختیشوع کے بعد اسکا بیٹا جبرائیل قائم ہوا۔ اسکے بعد جاورجیوس (جو جبرائیل کا بھائی تھا) اسکا قائم مقام ہوا۔ اسکے بعد بختیشوع بن یحیی اسکا جانشین ہوا

اسی طور سے سنہ ۴۵۰ھ تک برابر فارسی اطبا ان سلطنتوں میں ملازم ہوتے رہے۔ انکی تصنیفات بھی کثرت سے ہیں۔ انہیں سے کسی کی تصنیف سے انجیل المسیح بھی ہے۔

اس زمانے کے مترجمین میں سے حجاج بن مطر ہے جس نے بطلیموس کی مجسطی کا اور اقلیدس کی کتاب کا ترجمہ کیا۔

منجملہ انکے عبد المسیح بن ناعمہ اور بطریق اور ابو زکریا یحیی بن البطریق بھی ہیں یہ سب لوگ منصور کے زمانے میں گذرے ہیں۔

اس زمانے میں چند اطبا یہودی۔ فارسی۔ ہندی۔ نصرانی۔ علاوہ ان لوگوں کے جنکا ذکر اوپر آچکا ہے۔ خلفاء کے پاس موجود رہتے تھے منجملہ ان کے منکہ۔ صالح بن بہلہ۔ عبدوس بن زید۔ موسی بن اسرائیل کوفی۔ عائلہ طیفوری۔ زین الدین طبری یہودی۔ ابو یوسف یعقوب بن اسحق۔ صباح کندی۔ یحیی۔ قسطا بن لوقا۔ یحیی بن ماسویہ مذکور الصدر۔

ان لوگوں کے ذیل میں ابو یعقوب بن اسحاق عبادی طبیب کو لکھتے ہیں

داخل ہے ۔ یہ طبیب یوحنا بن ماسویہ مذکور کا شاگرد رشید تھا ۔ ولادت اسکی
سنہ ۱۹۴ھ (۸۰۹ء) میں ہوئی ۔ ہارون رشید عباسی کے زمانے میں موجود تھا ۔ ترجمہ میں
اسکا بھی شہرہ ہوگیا تھا ۔ طب میں اپنے وقت کا امام تھا ۔ تصنیفات بھی اسکی
بہت سی ہیں ۔ اسکی عادات میں سے یہ بات تھی کہ ہر روز حمام میں نہاتا ۔ اور
جب نہا دھو کے نکلتا اور بدن خشک کر لیتا تو عود و عنبر کی دھونی لیتا ۔ کھانے
میں مرغ کا گوشت استعمال کرتا تھا ۔ اور ہر روز چار رطل پرانی شراب پیتا تھا
انواع و اقسام کے میوے خصوصاً سیب کا استعمال بہت رکھتا تھا ۔ اسکا
انتقال سنہ ۲۶۰ھ میں ہوا ۔ وہ زمانہ متوکل عباسی کی خلافت کا تھا ۔

ابو زید حنین کے دو بیٹے بھی تھے ۔ ایک ابو یعقوب اسحق جو بہت بڑا
فلسفی اور قدیم کتابوں کا مترجم گذرا ہے ۔ اسکی تصنیفات بھی علم طب میں
ویسی ہی ہیں جیسی کہ اسکے باپ کی لکھی ہیں ۔ دوسرا بیٹا داؤد تھا اسکو فقط علاج
امراض ہی میں بڑی مہارت تھی ۔

ابراہیم بن ثابت بن قرۃ الحرانی بھی کتب قدیمہ کے مترجمین میں سے
ہے ۔ مذہب اسکا صابی تھا ۔ مگر بہت بڑا حاذق طبیب تھا ۔ اپنے زمانے کے
اطباء میں سب سے فوقیت لیگیا تھا ۔

ابراہیم مذکور کا بھتیجا ابو الحسن ثابت بن سنان بن ثابت بن قرہ حرانی
بغداد میں معز الدولہ ابن بویہ کے عہد میں تھا ۔ طب میں اسکو پورا کمال تھا ۔
جالینوس اور بقراط کی کتابوں کا درس دیتا تھا ۔ طب اور فلسفہ اور ہندسہ میں
اپنے باپ کی تحقیقات کو مانتا تھا ۔ قدیم ریاضی صنعتوں کو بھی خوب جانتا تھا ۔
اسکی تصنیف سے ایک تاریخ بھی ہے ۔

مقتفی بامر اللہ عباسی کے زمانے میں امین الدولہ ابو الحسن ہبۃ اللہ بن
صاعد معروف با ابن تلمیذ نصرانی تھا ۔ طب میں اسکو ایسا کمال تھا کہ بقراط اور
جالینوس کے بعد کوئی بھی اسکا مثل نہیں نکلا ۔ باوجود اس کمال کے ظرافت

بھی اسکی مزاج میں تھی۔ آداب مجلس سے خوب واقف تھا۔ بڑے بوڑھے لوگ اسکی صحبت کے شائق رہتے تھے۔ امراؤ وزرا میں اسکی بڑی قدر تھی۔ اسکی تصنیفات میں سے ایک قرابادین ہے۔ دوسری شرح کلیات ابن سینا۔ (نہایت تعجب کی بات ہے کہ مقتفی کا زمانہ نوسو ۵۴۳ھ ہے اور شیخ بوعلی سینا کا زمانہ ۴۲۸ھ پھر کیونکہ شیخ کے کلیات کی شرح ابن التلمیذ نے کی)

حکایت۔ ایک روز ابن التلمیذ مذکور خلیفہ مقتفی کی خدمت میں حاضر تھا۔ اور اپنی شیریں کلامیوں سے مقتفی کو خوش کررہا تھا۔ اتنے میں ابومنصور جوالیقی بغدادی (مصنف کتاب ادب الکاتب والمعرب اور کتاب عروض اور تتمہ درۃ الغواص حریری) بھی آگیا۔ اور مقتفی کو السلام علی امیر المومنین ورحمۃ اللہ وبرکاتہ سے مخاطب کرکے سلام کیا۔ ابن تلمیذ نے ٹوکا اور کہا کہ یہ طریقہ امیر المومنین کو سلام کرنے کا نہیں ہے۔

ابومنصور نے یہ سن کے ابن تلمیذ کیطرف تو کچھ توجہ نہ کی بلکہ مقتفی کیطرف مخاطب ہوکے کہنے لگا کہ اگر کوئی شخص اسبات کی قسم کھائے کہ کسی یہودی یا نصرانی کو علم حاصل نہیں ہوسکتا اور علمی کمالات سے اسکو کچھ حصہ نہیں ملسکتا۔ تو ہرگز قسم کھانے والے پر کفارہ لازم نہ ہوگا۔ کیونکہ اسکی قسم بالکل سچی اور فرمودہ خدا کے مطابق ہوگی۔ خدا تعالے نے اپنی کتاب میں اطلاع دیدی کہ انکے دلوں پہ مہر کردی ہے اور جسکے دل میں خدائی مہر ہو وہ بغیر ایمان کے کسی طرح مٹ نہیں سکتی۔

خلیفہ نے کہا سچ کہتے ہو۔ پھر ابن تلمیذ تو کٹ سے رہگیا اور ابومنصور کے رعب علم سے بالکل بات نہ کرسکا۔

ابومنصور نے ایک معما بھی ترازو کا لکھاہے وہ بھی ہدیہ ناظرین ہے۔

ماواحد مختلف الاسماء ۔۔۔ یعدل فی الارض وفی السماء
یحکم بالقسط بلا ریاء ۔۔۔ اعمی یری الارشاد کل راء

اخرس الا من علة وداء ۔ یغنی عن التصریح بالایماء
یجیب ان نادا، ذوا متراء ۔ بالرفع والخفض علی النداء
یفصح ان علق فی الهواء

مختلف الاسماسے مراد میزان شمسی ہے جسے اسطرلاب بھی کہتے ہیں یحکم فی الارض والسماء سے بھی مراد ہے کیونکہ اسطرلاب سے زمین آسمان کے حالات معلوم ہوتے ہیں۔ میزان کلام نحو ہے۔ میزان شعر عروض ہے۔ میزان معانی منطق ہے۔ میزان ترازو۔ اور پیمانہ اور گز کو کہتے ہیں

ہبتہ اللہ کی بابت ابن خلکان اپنی تاریخ میں بڑے زور سے لکھتا ہے کہ یہ حکیم اپنے وقت کا بقراط اور جالینوس تھا۔ علم طب کا اپنے وقت میں خاتمہ کر گیا۔ اس سے قبل والوں میں بھی یہ قابلیت نہ تھی۔ عمر اسکی طولانی تھی۔ قدر و عزت بھی اسکی بڑھی تھی۔ حسن و صورت بھی خداداد تھا۔ ظاہرہ باطن دونوں اسکا اچھا تھا۔ روح اسکی لطیف تھی۔ خوشنما بدن تھا۔ ارادے اسکے اونچے اونچے تھے بہت بڑھی ہوئی تھی۔ وکاوت انتہا درجہ پہ تھی۔ فکر اسکی صائب تھی۔ رائے اسکی بہت ٹھیک ہوتی تھی۔ عیسائیوں کا رئیس و پیشوا اور قسیس کامل تھا۔ علوم و فنون میں تفنن کی قوت بہت رکھتا تھا۔ عقل اسکی متین تھی۔ تدبیر اسکی مستحکم ہوتی تھی۔ خلفا کی خدمت اس نے بہت دنوں تک کی ہے۔ اسکی صحبت کو لوگ عموماً بہت غنیمت سمجھتے تھے۔ اشعار بھی اسکے دل لبھانے والے تھے۔ اپنے نانا معتمد الملک ابو الفرج یحیی بن تلمیذ نصرانی کا جانشین تھا۔ اسکا انتقال عید الفصح کے دن ۲۸ ربیع الاول ۵۶۰ ہجری میں ہوا۔ کوئی ایسا نہ تھا جو اسکے جنازے میں نہ شریک ہوا ہو۔

اسکے بعد وحید عصر ابو البرکات ہبتہ اللہ بن علی بن ملکان بہت بڑا طبیب مشہور ہوا۔ اسی کی تصنیف سے کتاب المعتبر فی الحکمۃ ہے۔ ابن التلمیذ سے اور اس سے سخت منافست تھی۔

یہ حکیم مذہباً یہودی تھا۔ آخر میں مسلمان بھی ہو گیا تھا۔ ابن التلمیذ بہت بڑا منکسر المزاج اور یکتائے زمانہ تھا۔ مگر موقع موقع سے تکبر بھی کرتا تھا۔ اسی کی بابت بدیع اسطرلابی نے یہ دو شعر کہے ہیں۔

ابوالحسن الطبیب ومقتفیہ ابوالبرکات فی طرفی نقیض

فہذا بالتواضع فی الثریا وھذا بالتکبر فی الحضیض

شیخ ابن التلمیذ طبیب ابو الحسن ہبۃ اللہ بن سعید کی تصنیف سے کئی کتابیں مشہور ہیں۔ منجملہ انکے کتاب الملخص ہے۔ دوسری مغنی۔ تیسری کتاب الاقناع ہے۔ مغنی ایک جلد میں ہے اور اقناع چار جلدوں میں یہ تینوں کتابیں علم طب میں ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اس زمانے میں مسلمانوں نے فلسفہ اور طب میں بڑے زور سے محنت کرنی شروع کی تھی۔ اور ان تمام علوم کو انہی طبیبوں وغیرہ سے پڑھتے رہے۔ یہانتک کہ مسلمانوں میں بھی بڑے بڑے نامی طبیب ہوئے۔ اور اسوقت انکی حالت ایک حافظ کی تھی جسکا سلسلہ یونانیوں اور فرنگ سے ملا ہوا تھا۔

اور اکثر چیزوں میں بقراط اور جالینوس کی تحقیقات پر عملدرآمد کرتے تھے۔ فن تقطیر۔ فن تخمیر تاتاریوں سے لیا تھا۔ کیمیاوی آلات ایسے بنائے تھے جن سے بآسانی کیمیا بنانی ممکن ہو۔ علم کیمیا کے بعض بعض طریقے بھی آپ ہی آپ استنباط کئے۔

بعض مورخین لکھتے ہیں کہ عرب نے بہت بڑا مشغلہ علم طب میں پیدا کیا تھا۔ صیدلہ۔ اور کیمیا بھی حاصل کی تھی۔ جدری (چیچک) کی حقیقت اور چیچک کے ٹیکا لگانے کی ترکیب انہی نے سکھائی۔ اس سے پہلے عورتیں اپنے ہاتھ سے بچوں کے ہاتھوں میں کانٹے سے ٹیکا لگاتی تھیں۔

چھوٹی چیچک کی حقیقت بھی انہی نے بتائی۔ صیدلہ میں سبسے پہلے سبق انکا تھا

بڑھ گئے تھے۔ علم طب میں بہت سی باتیں اضافہ بھی کیں۔ سنا۔ ریوند چینی۔
تمر ہندی۔ (املی) کا سپا۔ جوز الطیب کبش القرنفل وغیرہ کی ماہیت اور خاصیت
انہی نے دریافت کی۔ عرقیات اور روغن۔ تقطیر اور تصعید سے انہی نے
پہلے بنائے۔ دواؤں میں شکر کا استعمال انہی سے شروع ہوا۔ اس سے
پہلے شہد کا استعمال ہوتا تھا۔ انہی نے علم کیمیا کے اصول ایجاد کئے۔
طبی مدرسے بھی بہت سے قائم کئے تھے۔ اندلس کے حکام دفتر صیدلہ کے
مہتمم ہوتے تھے۔ اور دوائیں اسکے واسطے تلاش کرتے تھے تاکہ میل اور
غش نہ ہونے پائے۔ اور نرخ اسکا فقیروں کے حسب حال رکھا تھا۔

انکی طبی ترقی اسقدر تھی کہ اب بھی ہمکو اسبات کے ماننے میں کوئی عذر
نہیں ہے کہ یورپ کی طبی ترقی پر عربی طبی ترقی کو ترجیح دیں کیونکہ سالرنو کا
مدرسہ انہی کے دم سے قائم ہوا تھا۔ اگر یہ نہ ہوتے تو یورپ میں کبھی اس فن کو
اتنی ترقی نہ ہو سکتی۔

البتہ علم تشریح میں انکو کم مداخلت تھی۔ اسوجہ سے کہ اسلامی شریعت
میں انسان کے مردے کی چیر پھاڑ اور تجربہ جائز نہیں رکھا گیا ہے لیکن
فن جراحی میں بڑے کامل تھے۔ بلکہ ابوالقسم کی تحریر سے تو معلوم ہوتا ہے کہ
اندلس کی عورتیں تک جراحی میں کمال رکھتی تھیں۔ اور اپنی ہمجنس عورتوں کا
علاج کرتی تھیں۔ اسی نے اہل یورپ و امریکہ کو آج اسبات پر آمادہ کیا ہے
کہ وہ عام ترقی اس فن کو دے رہے ہیں۔

مورخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ آخر میں ان طبیبوں نے حجرالفلاسفہ۔ یعنے کیمیا
کاذبہ کی تلاش بھی شروع کی تھی۔ اس خیال سے کہ شاید تانبے اور قصدیر سے
سونا اور چاندی بنجائے۔ اور دولت و ثروت میں زیادتی ہو۔ جسطرح سے علم نجوم
میں کوشش کرتے تھے تاکہ آیندہ زندگی کے حالات ہمیں معلوم ہوتے ہیں یا نہ
ان دونوں میں انہیں ناکامیابی ہی رہی۔

باقیماندہ فلاسفر اور اطبائے عرب

ہم نے اگرچہ بڑے بڑے کاملین کا تذکرہ اوپر لکھدیا ہے جنہیں شیخ بوعلی سینا اور ابن رشد وغیرہ داخل ہیں لیکن کچھ اور بھی رہ گئے ہیں۔ جنکا ذکر نہیں ہوا حالانکہ وہ بھی فلسفیوں میں شمار کئے جانیکے قابل ہیں۔

منجملہ اُنکے ابو خالد یزید بن معاویہ اموی ہے۔ قریشیین میں اسکا علم بہت تھا کیمیا اور طب میں اسکے رسالے اسکی علمی لیاقت پر شاہد ہیں۔ اس نے موریانوس راہب رومی مذکور الصدر سے پڑہا تھا۔ اس تعلیم کی بابت تین رسالے اس نے لکھے ہیں۔ ایک میں موریانوس سے تحصیل علم کی کیفیت اور جو باتیں اُسکے اور موریانوس کے درمیان اثنائے تعلیم میں پیدا ہوتی رہیں مذکور ہیں اور چند رموز بھی ہیں۔

اس علم میں بہت سے اشعار بھی اسکے موجود ہیں سنہ ۸۵ھ میں اس کا انتقال ہوا۔

احمد بن ابراہیم خلیفہ یزید بن عبد الملک کا طبیب تھا قریب سنہ ۱۱۰ھ کے اس نے شہرت پیدا کی تھی۔ اور بقراط کی کتابوں سے منتخب کر کے ایک کتاب مسمی اصول الطب اور ایک رسالہ نباتات کی تحقیق میں جو کہ علاج میں مستعمل ہوتی ہیں لکھی تھی۔

ابو بکر محمد بن سیرین بصری۔ اسکا باپ تانبا فروش جرجرایا کا رہنے والا تھا عین التمر میں کسی ضرورت سے آیا تھا۔ خالد بن ولید نے اسے مع چالیس آدمیوں کے جو اسکے ساتھ تھے قید کر لیا تھا۔ جب مدینہ میں لایا تو انس بن مالک نے اسکو خرید لیا اور ابو بکر کی لونڈی مسماۃ صفیہ سے نکاح کر دیا۔ اسی سے ابو بکر محمد مذکور الصدر پیدا ہوا تھا۔ ولادت اسکی سنہ ۳۳ھ کی ہے۔ حدیث دانی اور تعبیر خواب میں مشہور تھا۔

انس بن مالک جب بصرہ کا گورنر مقرر کیا گیا تو بھی ابو بکر محمد اسکا منشی تھا۔

ایک عورت سے اسکے تیس ۳۰ بچے پیدا ہوئے تھے۔ قرضدار ہو جانیکی

وجہ سے قید بھی کیا گیا تھا۔ جب انس بن مالک مرا ہے تو اس نے وصیت کر دی تھی کہ کوئی شخص سوائے ابن سیرین کے مجھے غسل و کفن نہ دے۔ اور نہ نماز پڑھے۔ غرض ابن سیرین کو قید سے نکالا۔ اس نے تمام تجہیز تکفین کے کام کو انجام دیا اور قید خانہ میں واپس گیا

اسکی تصنیف سے کتاب تفسیر الاحلام ہے جسکا ذکر آئندہ لوگوں میں بہت رہا۔ (چھٹے باب کی چوتھی فصل میں اسکا ذکر آچکا ہے)

ابن ابی زاجر ہے۔ اسکا ذکر علم النبات کی بحث میں آچکا ہے۔ یہ شخص تقریباً ۱۲۵ھ تک زندہ رہا۔

عبد اللہ بن مقفع عیسیٰ بن علی (منصور عباسی کا چچا) کا کاتب تھا۔ (اسکا ذکر دسویں باب کی پہلی فصل میں آچکا ہے) اس نے ایک کتاب امراض کے بیان میں لکھی ہے۔ اور ارسطو کی ایک کتاب کی شرح بھی لکھی ہے فارسی سے عربی میں ترجمہ کر لیگئی ہے

ابو قریش عیسیٰ صیدلانی خلیفہ مہدی کے عہد میں بغداد میں رہتا تھا علم طب میں ماہر نہ تھا۔ اطبا میں اسکا ذکر فقط اسوجہ سے ہوتا ہے کہ اسکے متعلق ایک ظریف حکایت ہے جس سے ہنسی آتی ہے۔

حکایت۔ ابو قریش صیدلانی اصل میں بالکل غیر مشہور آدمی تھا اتفاق سے ایک دفعہ خیزران (زوجہ خلیفہ مہدی) کو کوئی شکایت لاحق ہوئی اُس نے اپنی جاریہ سے کہا کہ میرا قارورہ کسی ایسے طبیب کو دکھا جو تجھے پہچانتا ہو جاریہ نے قارورہ اُٹھایا اور باہر لیگئی۔ ابو قریش بھی قصر شاہی کے پاس ہی رہتا تھا۔ جاریہ نے وہ قارورہ اسی کو دکھلایا۔ اُس نے دریافت کیا قارورہ کسکا ہے۔ جاریہ نے کہا ایک ضعیف عورت کا ہے۔ ابو قریش نے اسکے جواب میں کہا۔ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ قارورہ تو ایک جلیل القدر ملکہ کا ہے جو دراصل حاملہ ہے اور اُس سے ایک شاہزادہ پیدا ہوگا۔ جو خود بھی بادشاہ ہوگا

(اسکا یہ کلام بالکل انکل پچو تھا۔ اسکو پہلے سے کچھ خبر نہ تھی) جاریہ نے پورا واقعہ خیزران سے آکے نقل کیا۔ وہ اُچھل پڑی اور مارے خوشی کے پھولی نہ سمائی۔ اور اپنی جاریہ سے کہا کہ اس شخص کی دوکان کا نشان و پتہ یاد رکھنا اگر یہ قول اُسکا سچا نکلا تو میں اپنا طبیب اُسی کو بناؤنگی۔ چند روز بعد حمل ظاہر ہوا۔ مہدی کو جب خبر ہوئی تو بہت خوش ہوا۔ خیزران نے اس خبر کے سچی ہونیکی وجہ سے دو بھاری خلعت ابو قریش کے پاس بھیجیں۔ (اب قسمت چمکتی ہے) اور تین سو اشرفیاں بھی دیں۔ اور یہ بھی کہلا بھیجا کہ ابھی اتنی اشرفیوں سے اپنا کاروبار چلا۔ اگر تیری خبر سچی نکلی تو ہم تجھے اپنا طبیب بنا ئینگے۔ ابو قریش تو یہ سنکے بہت متعجب ہوا اور کہنے لگا کہ دیکھو خدا کی شان۔ میں نے تو جاریہ سے یونہی بے سمجھے بوجھے کہدیا تھا اور وہاں واقعہ سچا نکل آیا۔ غرض جب خیزران کے ہاں موسیٰ ہادی پیدا ہوا تو مہدی کے سرور کی کوئی حد نہ تھی۔ اس موقع پر خیزران نے ابو قریش کی رجماً بالغیب خبر دینے کی حکایت بیان کی۔ مہدی نے اُسے بلوایا اور طبابت کے متعلق کچھ دریافت کیا۔ وہ بیچارہ تو جاہل تھا کیا بتاسکتا یونہی کچھ ٹوٹی پھوٹی باتیں جبدل کے متعلق بیان کردیں۔ باایں ہمہ مہدی نے اسکو اپنا طبیب بنایا اور ہر وقت ساتھ رکھتا۔ تعظیم و تکریم بھی حد کی کرتا تھا۔

ابو عبداللہ جعفر بن محمد بن علی الصادق۔ جنکا ذکر چوتھے باب کی چوتھی فصل میں آچکا ہے۔ آنکی تصنیفات سے علم ہیئت۔ علم کیمیا۔ علم رمل میں کتابیں ہیں۔ مدینہ میں سنہ ۱۴۸ھ / ۷۶۵ء میں آنکی وفات ہوئی۔

ابو موسیٰ جابر بن حیان بن عبدالصمد صوفی۔ طرطوس میں پیدا ہوا۔ اور کوفہ میں اقامت اختیار کی۔ امام جعفر صادق کے شاگردوں میں سے تھا۔ علم کیمیا میں مشہور تھا۔ پانچسو رسالے امام جعفر کی تصنیفات سے ایک ہزار صفحے میں جمع کئے تھے۔ وہ تمام رسالے سنہ ۱۸۹۳ء اور سنہ ۱۹۲۵ء میں اسٹراسبرگ میں چھپے تھے۔ اور جابر کی تصنیف سے اصول کیمیا اور نیز ابن سینا کی کتاب کیمیا بہل

سنہ ۱۵۴۲ء میں چھپی۔ جابر کی ایک اور کتاب علم ہیئت میں نورسبرج میں سنہ ۱۵۳۴ء میں چھپی تھی۔

شیخ ابوبکر محمد بن زکریا رازی علم طب۔ علم منطق۔ علم ہندسہ۔ علم موسیقی میں ماہر تھا۔ بچپن میں عود باجہ بجایا کرتا تھا۔ پھر علم کیطرف متوجہ ہوا۔ اور بغداد کے بیت الشفا میں رئیس الاطبا مقرر ہوا۔ پہلے اس نے مریضستان ری کی اصلاح کی تھی۔ علم طب کو اس نے حکیم ابوالحسن بن زین طرجی سے حاصل کیا تھا۔ جسکی تصنیف سے فردوس الحکمۃ ہے۔

ابن زکریا رازی کی تصنیف علم طب میں کتاب حاوی ہے جسکی تقریباً تیس جلدیں ہیں۔ دراصل یہ کتاب بقراط کے اقوال سے منتخب کرکے جالینوس حکیم یونانی کے متفرق صحیفوں میں لکھا تھا۔ کیونکہ جالینوس سے پہلے علم طب کو بہت چھپاتے تھے۔ اور بطور اسرار کے کسی کسی کو بتاتے تھے۔ مگر جالینوس نے چاہا کہ میں اسے مشہور کردوں۔ تاکہ خلق خدا کو عام نفع پہونچ سکے۔ اسی وجہ سے مشہور ہے کہ علم طب تو مرچکا تھا مگر جالینوس نے اُسے زندہ کیا۔ یہ علم پہلے فقط بنی اقلیموس میں تھا۔ اور ایک دوسرے کو بطور وراثت اپنے ہی خاندان میں بتاتے تھے۔ کسی غیر خاندان والے کو اسپر مطلع کرنا جائز نہیں جانتے تھے۔ غرض ابن زکریا کا جب دورہ آیا تو اس نے جالینوس کے متفرق لکھے ہوئے صحیفوں کو جمع کیا۔ اور اُسکا نام حاوی رکھا۔ پھر بھی یہ کتاب ناقص تھی شیخ بوعلی سینا نے اُسے کامل کردیا۔ اسی وجہ سے اُسکو شیخ الرئیس کہتے ہیں۔ کیونکہ اسکا پایہ اپنے ماقبل کے اطبا سے بڑھا ہوا تھا۔

دوسری کتاب ابن زکریا رازی کی تصنیف سے کتاب الجامع ہے۔ کتاب الاعصاب۔ کتاب المنصوری۔ اسمیں علم و عمل دونوں مذکور ہیں۔ اس کتاب کو ابوصالح منصور بن ابی نصر سامانی کے واسطے لکھا تھا۔

ابن زکریا کے نادر اقوال میں سے ہے کہ جبتک کسی مرض کا علاج غذا سے

ہوسکے اُسوقت تک دوا سے علاج نہ کرو۔ اور جبتک ایک دوا سے علاج ہوسکے اُسوقت تک مرکب دواؤں کو نہ استعمال کراؤ۔

اسکے متعلق ایک عجیب عبرتناک حکایت ایک کتاب میں لکھی ہے خلاصہ اُسکا یہ ہے کہ ابن زکریا نے منصور مذکور الصدر کے لیئے ایک کتاب علم کیمیا کاذب میں لکھی تھی۔ منصور نے کہا کہ اچھا جسقدر آلات و اسباب کیمیا درکار ہیں اُسی میں مہیا کیئے دیتا ہوں۔ تو کیمیا تیار کر۔ آخر ابن زکریا نے کوشش کرنی شروع کی۔ مگر ناکامیاب رہا۔ منصور کو اس فعل پر غصہ آیا اور کہا کہ تو چاہتا ہے کہ حکمت میں ایک ایسی کتاب بھی شامل کردے جسمیں سوائے جھوٹ کے اور کچھ نہو اور وہ حکمت کے نام سے مشہور رہے۔ اور ہزاروں آدمیوں کو غلطی میں ڈالے۔

اسکے بعد منصور نے اُسکو مارنے کے واسطے کوڑا اُٹھایا اور حکم دیا کہ وہی کتاب ابن زکریا پہ ماری جاے کہ اُسکا سر پھٹ جائے۔ خادم نے حکم کی تعمیل کی۔ اسکی ضرب سے ایسا صدمہ ابن زکریا کی آنکھوں پر پہونچا کہ دونوں آنکھیں اندھی ہوگئیں۔ اور پانی اُتر آیا۔ اور سنہ ۳۲۰ھ (۹۳۲ء) میں فوت ہوگیا۔

ابوالقاسم زہراوی طبیب اندلسی ہے۔ زہرا ایک مقام کا نام ہے جو قرطبہ کے پاس ہے) میں سنہ ۵ھ میں پیدا ہوا تھا۔ اور طب میں بہت مفید رسالے لکھے ہیں منجملہ اُنکے کتاب عورتوں کے امراض کے متعلق۔ دوسری جراحی کے متعلق ہے۔ ان دو میں سے ایک کتاب لاطینی زبان میں ترجمہ ہوکے اکسفورڈ میں سنہ ۱۱۹۲ھ (۱۷۷۸ء) میں چھپ چکی ہے۔ تیسری کتاب اختصار ادویہ میں ہے۔ یہ بھی لاطینی میں ترجمہ ہوکے بندقیہ میں سنہ ۹۹۸ھ میں چھپ چکی ہے۔ ابوعلی یحییٰ بن جزلہ طبیب مصنف کتاب منہاج۔ ابو علی نے اس کتاب کو بترتیب حروف تہجی لکھا ہے۔ اور تمام دواؤں کے نام اسمیں جمع کیئے ہیں۔ اسکی تصنیف سے دوسری کتاب تقویم الابدان ہے۔ کتاب منہاج البیان

فی ما یستقلہ الانسان ۔ کتاب الاشارۃ فی تلخیص العبارۃ ۔ ایک رسالہ ہے جسمیں طب کی بہت کچھ تعریف کی ہے اور بتایا ہے کہ یہ علم شرع بالکل شرع کے موافق ہے ۔ مشہور ہے کہ یہ شخص پہلے نصرانی تھا ۔ پھر مسلمان ہوگیا تھا اسکا استاد ابوالحسن سعید بن ہبۃ اللہ بن الحسن ہے ۔ ابو علی مذکور اپنے اہل محلہ اور شناسائیوں کا علاج بغیر اجرت کے کرتا تھا ۔ بلکہ اپنے پاس سے دوا ہر شربت وغیرہ بلا قیمت دیتا تھا ۔ فقرا کی تلاش میں رہتا تھا ۔ اور اُنکے ساتھ ہمیشہ نیک سلوک کرتا تھا ۔ ۴۹۳ھ ۱۰۹۹ء میں فوت ہوا ۔

ابو الصلت امیۃ بن عبد العزیز بن ابی الصلت اندلسی علم و ادب میں بہت بڑا فاضل تھا ۔ فن حکمت میں ماہر تھا ۔ نظم میں بھی ایک دیوان اسکا موجود ہے ۔ (یہ ابو الصلت اُس امیہ بن ابی الصلت کے علاوہ ہے جو کہ صدر اسلام میں بڑا شاعر گذرا ہے)

اسکی تصنیفات میں سے علم طب میں ایک کتاب ادویہ مفردہ کے بیان میں ہے ۔ اس نے افضل مصری کے واسطے عمل اصطرلاب کا ایک رسالہ لکھ بھیجا تھا ۔ تیسری کتاب الوجیز فی علم الہیئۃ ۔ چوتھی کتاب منطق میں تقویم الاذہان ہے ۔ پانچویں کتاب الحدیقہ ۔ یتیمۃ الدہر ثعالبی کی طرز پر ہے ۔ اسکا انتقال ۵۲۹ھ ۱۱۳۴ء میں ہوا ۔

امام فخر الدین رازی ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن الحسین بن الحسن ابن علی تیمی بکری طبرستانی رازی ۔ ولادت اسکی رے میں ہوئی ۔ اپنے اہل زمانہ سے علم میں فائق تھا ۔ علم کلام ۔ معقولات ۔ فلسفیات وغیرہ میں ماہر تھا ۔ کئی کئی فنون میں اسکی تصنیفات موجود ہیں ۔ بلکہ اُنکے شرح کلیات قانون شیخ ۔ شرح اشارات شیخ ۔ ملخص ۔ شرح عیون الحکمۃ ۔ علم کلام کے متعلق المطالب العالیہ نہایت العقول ۔ کتاب الاربعین ۔ محصل ۔ کتاب البیان والبرہان فی الرد علی اہل الزیغ والطغیان ۔ کتاب المباحث العمادیہ ۔ کتاب تہذیب الدلائل کتاب

عیون المسائل۔ کتاب ارشاد النظار الی لطائف الاسرار۔ کتاب اجوبۃ المسائل البخاریہ۔ کتاب تفصیل الحق۔ کتاب الزبدۃ۔ کتاب المعالم۔۔ اور علم طلسمات کے متعلق۔ السر المکتوم۔ شرح اسماء حسنیٰ۔ اصول فقہ میں۔ المحصول۔ المعالم نحو میں۔ شرح مفصل زمخشری۔ فقہ میں۔ شرح وجیز غزالی۔

معری کی سقط الزند کی بھی شرح لکھی ہے اور اعجاز میں بھی اسکی ایک کتاب ہے نہایۃ الاعجاز ہے۔ اور علم فراسہ وغیرہ میں بھی اُس نے کتابیں لکھی ہیں۔ اسی کا یہ شعر بھی ہے۔

المرء ما دام حیا یستھان بہ ویعظم الرزء فیہ حین یفتقد

انتقال اسکا ۶۰۶ھ میں شہر ہرات میں ہوا۔ ۱۲۰۹ء

ان تمام فاضلین وکاملین نے جسقدر عرق ریزی کر کے علم طب میں کتابیں لکھی ہیں۔ وہ کچھ علم طب کے ساتھ خاص نہیں ہیں بلکہ بیطرہ (گھوڑے کا علاج) ازدقہ (چڑیوں کا علاج) بزدرہ (زراعت کے متعلق) فلاحت (درخت لگانے کا فن) وغیرہ بھی شامل ہیں۔ اور اکثروں نے علم طبعیات سے بھی طبی کتابوں میں بحث کی ہے۔ کیونکہ بہت بڑا علاقہ باہمی ان دونوں علموں میں ہے۔ اور علم نجوم سے بھی بحث کی ہے کیونکہ ستاروں کا اثر بدن پر بہت پڑتا ہے۔ علم موسیقی سے بھی بحث ہے۔ اسوجہ سے کہ نبض کے احکام میں اسکو بھی پوری مداخلت ہے۔ اور ہم نے اپنی کتاب زبدۃ الصحائف فی اصول المعارف میں صاف صاف یہ لکھدیا ہے کہ ۱۵۰۰ء میں انہی کتابوں سے یورپ میں علم طب کو ترقی ہوئی۔

چھٹی فصل

عرب کے مدارس۔ اُن کا مشہور ہونا اور اُن کا انجام کار۔

جس زمانے میں کہ عرب نے پوری توجہ تحصیل علوم کیطرف کی تھی اُس وقت مدرسے بھی بہت سے بنائے گئے تھے۔ اور علماء چاروں طرف سے بلا کے تعلیم کے واسطے مقرر ہوئے تھے۔ سب سے زیادہ مشہور۔ بغداد۔ بصرہ۔ بخارا۔ قاہرہ۔ مصر۔ مراکش۔ فاس کے مدرسے تھے۔

بغداد کے مدرسے میں سنہ [illegible]ھ میں چھ ہزار پڑھنے اور پڑھانیوالے موجود تھے۔ فقط قرطبہ میں مستنصر بن عبدالرحمان کی خلافت کے زمانہ میں ساڑھے چار سو ہجری کے قریب اسی مدرسے تھے۔ قاہرہ مصر میں بیس مدرسے تھے۔ منجملہ اُنکے جامع ازہر بھی ہے جو اس وقت سنہ ۱۳۲۰ھ ۱۹۰۲ء میں بھی اسلام کا بہت بڑا مدرسہ ہے۔ اس مدرسے کی بنیاد جوہر قائد نے ڈالی تھی جبکہ خلیفہ معز عبیدی نے قاہرہ کو آباد کیا تھا۔

رفاعہ بیگ طحطاوی نے لکھا ہے کہ اس مدرسہ میں علم اصول علم توحید۔ علم فقہ۔ علم تفسیر۔ علم حدیث۔ علوم آلیہ مثل علوم عربیہ۔ علم منطق علم وضع علم مناظرہ کے اور تمام ریاضیات اور الٰہیات علم طب۔ علم ہیئت۔ تاریخ وغیرہ پڑھائے جاتے تھے۔ لیکن اس زمانے میں سوائے علوم شرعیہ کے اور کچھ نہیں پڑھایا جاتا۔ البتہ چند علوم جو علم شرعی کے مقدمہ ہیں وہ بھی پڑھائے جاتے ہیں۔ اور لغت عرب کی بھی تعلیم ہوتی ہے مشہور ہے کہ اگلے زمانے میں اس مدرسہ کے طالب علم بارہ ہزار کے قریب تھے۔ مگر اس زمانے میں

کبھی بارہ سو سے زیادہ نہونگے۔

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ بلاد مصر میں اسی مدرسہ کی بدولت علم وآداب کی ترقی ہوئی۔ اکثر غریب نادار بھی اس مدرسے سے پڑھ کے اور فاضل ہو کے نکلے۔ اور اس وقت سے اب تک کچھ نہ کچھ پڑھنے والے اس مدرسے میں رہتے ہیں۔ اسی مدرسے سے شیخ محمد بوصیری۔ شیخ محمد منبوسی (جس نے لغت میں ایک بہت بڑی کتاب لکھی ہے) شیخ جلال الدین سیوطی بھی فاضل ہو کے نکلے تھے۔

مدرسہ مسمی دار الحکمۃ تھا۔ جسے ابو علی منصور بن العزیز باللہ الی النصر نزار بن المعز عبیدی نے بنوایا تھا۔ اسمیں طالب العلم رہتے تھے۔ اور عمدہ عمدہ کتابیں بڑے بڑے کتب خانوں سے منگا کے یہاں جمع کیگئی تھیں۔ فقہا۔ منجمین۔ علمائے نحو۔ اہل لغت۔ اطبا۔ پڑھانے پر ملازم تھے۔ ہر فن کی کتابوں کا ذخیرہ ایسا کافی موجود تھا کہ اسطرح اجتماعی حیثیت سے دوسری جگہ ملنا ناممکن تھا۔ ملازمین اور مدرسین کی بڑی بڑی تنخواہیں مقرر تھیں۔ دوات۔ قلم سیاہی کاغذ۔ کاپی۔ مساوی کتابیں وغیرہ ضروریات بھی طالب علموں کے لئے مہیا تھے۔ ۵۱۶ھ تک یہ مدرسہ بنا رہا تھا۔ وہ شخص اس مدرسہ سے بھی بہت لائق ہو کے نکلے تھے۔ ایک حمید بن مکی اطفیحی قصار (اطفیح مصر کا ایک قصبہ) تھا۔ دوسرا مسمی برکات۔ لیکن ان دونوں کے اپنی ترقی کا یہ اصول سمجھ لیا کہ خدائی کا دعویٰ کرنا چاہیئے۔ چنانچہ دونوں نے اپنے خدا ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور سیکڑوں آدمیوں کو بہکایا۔ جب یہ خبر افضل بن امیر الجیوش جمالی (مستنصر عبیدی کا وزیر) کو پہونچی تو فوراً حکم دیا کہ مدرسہ دار الحکمۃ بند کر دیا جائے۔ اور وہ دونوں شخص گرفتار کئے جائیں لیکن دونوں ایسے چھپے کہ گرفتار نہ ہو سکے آخر کار برکات تو اسی حالت میں مر گیا۔ اور اسکے تابعین کو افضل مذکور نے قتل کر دیا۔ باقی رہا حمید قصار۔ وہ اس وقت تک چھپا رہا کہ افضل نے قضا کی اور خلیفہ ابو علی منصور نے دوبارہ مدرسہ جاری کرنے کا حکم دیا۔

پھر عبید نے بھی اپنے آپ کو ظاہر کیا اور بہت سے لوگوں کو بہکایا۔ اور دعویٰ خدائی کرتا رہا۔ شعبدہ باز کامل تھا۔ اسی کے ذریعے سے لوگوں کو بہکاتا تھا۔ لوگوں کی یہ کیفیت تھی کہ اس سے بہت خوف کھاتے تھے۔ اور اسکی صورت پہ نظر بھر کر دیکھنا گناہ سمجھتے تھے۔ جبتک اس کے سامنے بیٹھے رہتے سر جھکائے رہتے تھے۔ آخر کار مامون خلیفہ عباسی نے اسکو پکڑوا کر پھانسی دلوادی۔ اور اسکے معتقدین کو سولی دلوائی۔ یہ واقعہ ۵۱۷ھ کا ہے۔

پھر جب عبیدیوں کا زمانہ ختم ہوا۔ اور سلطان صلاح الدین ایوبی نے مصر پر قبضہ کیا۔ اور رایت عباسیہ دوبارہ مصر میں لہرانے لگا۔ تو دار الحکمت پہ قبضہ کیا۔ اور تمام مال واسباب جواہرات وغیرہ لے لئے۔

ابن خلکان نے لکھا ہے کہ منجملہ جواہرات کے ایک زمرد کی چھڑی بھی تقریباً ڈیڑھ بالشت کی تھی اور ایک یاقوت کی تھی۔ کتابیں بھی تقریباً ایک لاکھ جلدیں تھیں جو اپنی خوبی میں لاجواب تھیں۔ مگر ابن خلدون نے لکھا ہے کہ ایک لاکھ بیس ہزار سفر تھے۔ انہیں عبدالرحیم بیسانی کو جو کہ صلاح الدین کا منشی اور قاضی تھا حوالہ کردیں۔ اور دار الحکمت کو گروادیا۔ پھر وہیں مختصر سا ایک مدرسہ شافعی مذہب کی کتابیں پڑھانے کے لئے بنوادیا گیا۔

خلاصہ یہ کہ جسقدر مدرسے اور تعلیم گاہیں کہ عربیوں نے بنائیں خواہ ایشیا وہسپانیا اور افریقیہ وغیرہ میں اور وہاں نایاب نایاب کتابیں جمع کر دیگئیں بغیر انہی کے ذریعے سے ہزاروں میں بڑے بڑے کامل علماء تیار ہوکے مشہور ہوئے۔ اسوقت تک فلسفہ ارسطو کی بڑی ترقی تھی۔ کیونکہ اسی کی مولفات ترجمہ ہوئی تھیں۔ اور اسی میں کچھ کمی و زیادتی کرکے تعلیم دیجاتی تھی۔

صاحب تمدن نے لکھا ہے کہ بہ نسبت ان تمام مقامات کے مدرسوں کے اندلس کی تعلیم گاہ بہتر ہے۔ اسوجہ سے اہل یورپ نے بھی قرون وسطی میں اندلس کا سفر اختیار کیا۔ اور وہاں پہونچ کے علوم حاصل کئے اور اپنے ملک میں واپس آ

سنہ [illegible] ہجری میں ہرشوٹ بشپ دیرماری غالن نے بہت سے راہبوں کو حکم دیا کہ اندلس میں جا کے تحصیل علم کریں۔ اسکے حکم کے مطابق بہت سے رہبان اندلس میں پہونچے۔ اور تحصیل علم کرنے لگے۔ لیکن سب میں کامل اور لائق پاپا سلیبسٹر ثانی فرانسیسی (نام اسکا جربرٹ تھا) ہوا۔ انہی نے بڑے بڑے سفر تحصیل علم کی غرض سے کئے۔ یورپ کے بہت سے ملکوں میں اس گوہر بے بہا کی تلاش میں پھرتا رہا۔ آخر جب اندلس میں پہونچا اور قرطبہ و اشبیلیہ کے مدرسوں کی ترقی دیکھی [illegible] آخر وہیں [illegible] تمام و کمال علم حاصل کر کے اپنے ملک میں آیا۔ اور پاپا کے منصب [illegible] اس نے دو مدرسے ایک اٹلی میں اور دوسرا [illegible] جاری کئے۔ اور [illegible] فنون عربیہ اور ہندی رقومات وغیرہ جو [illegible] سے سیکھا تھا [illegible] تعلیم شروع کی۔ اسکے بعد سے اٹلی [illegible] ہر ملک سے طالبان علم اندلس پہونچے [illegible] پڑھ کے ساتھ پڑھا۔

مسٹر [illegible] نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے [illegible] کے جتنے علوم ہیں ان میں سے کوئی ایسا نہیں جسکی بابت یہ کہا جا سکے کہ عرب سے نہیں لیا گیا ہے۔

غرض اٹلی میں جن لوگوں نے علوم کی اشاعت کی انمیں سے ڈاکٹر بونا بھی ہے۔ اس نے علم ہیئت نظم طب۔ فلسفہ۔ طلیطلہ میں پڑھا۔ اور [illegible] کا ترجمہ کیا۔ فخر الدین رازی اور شیخ بوعلی سینا کی کتابوں کا ترجمہ لاطینی زبان میں کیا۔ دوسرا لیونارڈو [illegible] ہے اس نے علم حساب اور جبر و مقابلہ عربوں سے سیکھا ہے۔ تیسرا آدیلارڈ [illegible] ہے اس نے علم ہیئت اور طبعیات و علم طب عربوں سے پڑھا۔

اہل انگلینڈ میں سے [illegible] جسکا دوسرا نام [illegible] تھا۔ اور اسکاٹ بھی اسکو کہتے تھے، علم کیمیا۔ فلسفہ۔ ریاضیات۔ عربوں ہی کی کتابوں

حاصل کیا۔ ابو حسن خازن اندلسی کے اقوال پہ اسکا عمل تہا۔ اسی طرح فینلیو بھی بصریات میں مشہور تھا۔ اس نے بھی حسن مذکور سے علوم حاصل کئے تھے۔ انکے علاوہ اور بھی انگریز ہیں جنکا ذکر زبدۃ الصحایف میں کیا گیا ہے۔

غرض اسی طرح سے دو دو چار چار آدمی اندلس وغیرہ میں جاتے تھے اور پڑھ پڑھا کے اپنے شہروں میں واپس آتے اور لوگوں کو تعلیم دیتے تھے اسی اثنا میں جنگ صلیبی چھڑ گئی۔ اور اہل یورپ کو اندلس پہ فتحیابی ہوئی۔ پھر کیا کہنا ہے۔ جسقدر اُنکے علوم وفنون کی کتابیں تہیں اُنکو لیکے اپنی زبان میں ترجمہ کرا لیا۔ بلکہ یہ کہنا چاہئیے کہ جسقدر عربوں نے یونانیوں سے لیا تہا۔ اور اپنا اضافہ بھی کیا تہا وہ سب یورپ والوں کے ہاتھ آیا۔ اور تمام فلسفہ۔ علم ہیئۃ۔ طبعیات۔ ریاضیات۔ بصریات۔ کیمیا۔ طب۔ صیدلہ۔ جغرافیا۔ زراعت فراست وغیرہ میں ان لوگوں نے دستگاہ پیدا کی۔ کاغذ۔ بارود۔ شکر۔ برتن دواسازی۔ کپڑا بنانے کی ترکیبیں سب اُنہی سے سیکہیں۔ ریشم کے کیڑے بھی وہیں سے لائے اور اُس سے ریشم تیار کرکے کپڑے بنوائے۔ چانول گنا۔ زعفران۔ کپاس۔ انار۔ انجیر وغیرہ بھی اُسی زمین کی چیزیں تہیں جو یورپ میں پھیلیں۔ چمڑا بنانے اور دباغت کرنے کی ترکیبیں بہی انہی سے لیگئیں۔ کیونکہ اہل ہسپانیہ نے جبکہ مسلمانوں کو اس جنگ کے بعد اپنی ولایت سے نکالدیا تو اُن سے یہ فن بھی جاتا رہا۔ اور انگریزوں نے اُسے سیکھ لیا چنانچہ مدت تک دباغت کی ہوئی جلد (موراکو وکوردوفان) ہی کہتے ہے۔ جسکے معنے یہ ہونے کہ یہ صنعت مراکش اور قرطبہ کی ہے۔

یہی سبب تہا کہ اکثر علوم ومباحث میں عربی الفاظ استعمال ہوتے رہے اور اب بھی وہی استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً سمت۔ نظیر۔ سموت۔ مقنطرات اور ستاروں کے نام اور کحول۔ قلی۔ جبر۔ قطن۔ شراب۔ کیمیا وغیرہ۔ اور اوزان کے نام بھی عربی لغت سے مشتق ہیں۔ مثلاً قنطار۔ ربع۔ شبر۔ وغیرہ۔ اور پانی کے

حصوں کے نام مثلاً بحیرہ۔ برکہ۔ جب۔ قبیبہ وغیرہ۔ غرض تھوڑی تھوڑی سی تحریف کرکے اُنہی عربی الفاظ کو اپنی زبان میں داخل کرلیا۔ اور اگر عربی الفاظ نہ ملے ہوتے تو ہسپانیہ کی زبان کبھی اِن علوم و فنون کے ترجمہ کرنیکے واسطے کافی نہ ہوتی۔

مورخ رابرٹسون وغیرہ نے لکھا ہے کہ جس زمانے میں عربوں کو علمی ترقی تھی۔ اور اُنکی اُلوالعزمیوں کا آفتاب عالمتاب ہو رہا تھا۔ وہ زمانہ اہل یورپ کی بالکل خواب غفلت میں سوئے رہنے کا تھا۔ اسی جنگ صلیبی نے اُنکو جگا دیا کیونکہ اس لڑائی میں جبکہ انکا گذر یروشلیم کیطرف سے ہوا۔ کہ اُسکے لہلہاتے سبزے اُسکی شاداب زراعت حسن تمدن نے انکے دلوں پر قبضہ کرلیا۔ اور جان سے فریفتہ ہو گئے۔ پھر جب آسیا میں پہونچے۔ جسے خلفائے عباسیین نے علوم و فنون سے بھر دیا تھا۔ (اگرچہ اس زمانے میں آسیا اُنکے اختیار سے باہر ہو چکا تھا) تو دل پر انکے سانپ لوٹنے لگے۔ اسیوقت سے ان ممالک کی فتح کرنے اور ان تمام چیزوں پر قابو پانے کی تدبیریں کرنے لگے۔ یہانتک کہ اپنے ارادوں میں کامیاب ہوئے۔

اسی طرح جب قسطنطنیہ پر ۱۲۰۴ھ میں قابض ہوئے۔ جو کہ یونانی قیاصرہ کا پائے تخت تھا۔ اور اُسمیں ایسی ایسی چیزیں اُنکو نظر آئیں جو کہ ان کے شہروں میں نہ تھیں۔ مثلاً خوبی تمدن۔ حسن تربیت و تعلیم۔ بحری قوت۔ معتبر معاملات و دولتمندی کے وسائل تو اُن کے مُنہ میں پانی بھر آیا۔ اور علوم و فنون کی تحصیل کیطرف پوری توجہ صرف کی۔ کیونکہ یہ سمجھ گئے تھے کہ جو کچھ ہم دیکھتے ہیں اسی علم و ہنر کی برکت سے ہے۔ اور بڑا ایک سبب یہی تہا کہ ان لوگوں کو لڑائیوں میں کامیابی بھی وہاں کے علوم و فنون پڑھے اور سیکھے بغیر نہیں ہوسکتی تھی۔ رفتہ رفتہ علم کی ترقی کا دروازہ کھلتا رہا۔ اور فوجیں جو وہاں سے واپس آتی تھیں اور اُنکے آداب و تہذیب سے واقف ہو چکی ہوتی تھیں

تو اپنے ہاں بھی ویسے ہی برتاؤ کرتی تھیں۔ چنانچہ تھوڑے دن میں اہل یورپ کے دواوین میں تحسین و تزئین ہونے لگی۔ مجلسوں اور محفلوں میں تہذیب کا چرچا پھیلنے لگا۔ علوم بھی رفتہ رفتہ ترقی پذیر ہونے لگے۔ اور جب ارسطو کے فلسفے کا ترجمہ کرانا چاہا تو سوائے اسکے کہ عرب کی ترجمہ شدہ کتابوں سے لیں اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔ کیونکہ یونانی زبان سے انکو ناواقفیت تھی۔ اور عربی زبان سے آمد و رفت اور خلط ملط کی وجہ سے بہت کچھ موانست ہوگئی تھی۔

البتہ یہ بات ضروری تھی کہ عرب نے جو کچھ یونانی زبان سے ارسطو کے فلسفے کا ترجمہ کیا تھا اسمیں غلطیاں بہت کچھ رہ گئی تھیں کچھ تو ترجمہ کرنے والوں کی ناواقفیت سے اور کچھ اسلامی فلسفیوں کی اپنی قابلیت سے مثلاً شیخ بوعلی سینا وغیرہ کہ انہوں نے عمداً بہت کچھ اپنی من گھڑت باتیں بھی فلسفے میں داخل کر دی تھیں۔ جنکو خاص ارسطو کے اصلی فلسفہ سے کوئی تعلق نہ تھا۔ جب اہل فرنگ نے ان کتابوں کو بعینہٖ عرب سے لیا اور لاتینی زبان میں ترجمہ کیا۔ اور اپنے ہاں کی تعلیم میں داخل کیا تب ہی مدت تک یہ لوگ بھی اسی عنوان سے پڑھتے رہے۔ اور انہی غلطیوں میں رہے۔

آخر جب زمانے میں کہ عثمانیوں نے قسطنطنیہ پر ۸۵۷ھ ۱۴۵۳ء میں قبضہ کر لیا۔ اور یونانی علماء اٹالیا وغیرہ میں اپنی اپنی کتابیں لے کے بھاگ گئے۔ اور یورپ کے شہروں میں پناہ لی۔ تو پھر دوبارہ ارسطو کی اصلی یونانی کتابوں کا ترجمہ لاتینی زبان میں کیا گیا۔ اور عربی کے ترجمے سے مقابلہ کیا گیا۔ تو بہت کچھ فرق معلوم ہوا۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قدیم ترجمے متروک ہوئے۔ اور جدید ترجموں کی تعلیم کے واسطے بہت سے مدرسے کھولے گئے۔ اور یونانی و رومانی کتابیں پڑھائی جانے لگیں۔ اب اگر دیکھو تو جسقدر علم و فن کا خزانہ خواہ عربی علوم ہوں یا یونانی یا رومانی سب اہل یورپ ہی کے پاس ہے۔ بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ سب کی کنجی ان کے ہاتھ میں ہے۔

اب عربوں کے تنزل کو دیکھئے۔ کہ جسقدر اُنکے کتب خانے تھے۔ جتنے مدرسے تھے۔ وہ سب ویران ہوگئے۔ اور کوئی نام لیوا بھی اُنکا باقی نہ رہا۔ گویا انکی علمی ترقیوں کا مدار اُنکی سلطنت تھی۔ جب سلطنت اپنے ہاتھ سے دی تو اُسی کے ساتھ علوم و فنون کو بھی دے کے بیٹھ رہے۔ اور اسکا سبب قوی یہ تھا کہ آپسمیں مسلمانوں نے جب ایک دوسرے پر حملہ کیا۔ اور ایک دوسرے پر فتحیاب ہوئے تو جہاں مال و اسباب کو لوٹا کتب خانوں پر مصیبت ڈالی کسی میں آگ لگادی کسی کو دریامیں پھینکوا دیا۔ غرض اسی طور سے تباہ و برباد کر دیا۔ جیسا سلجوقیہ اور کردیہ سلطنت کے عہد میں ہوا۔ اُسکے بعد ہلاکو نے بہت کچھ علم کا حصہ ضائع کیا۔

صاحب مقتطف نے یہ بھی لکھا ہے کہ اندلس کے کتب خانے کچھ بہت دن تک قائم نہ رہے تھے۔ بلکہ بہت تھوڑے ہی دنوں میں اُنکی زندگی کا خاتمہ ہوچکا تھا۔ کیونکہ بہت سی کتابیں تو سعید بن احمد ان منصور (ملک موید کا وزیر) نے تلف کردیں۔ اور بہت بڑا حصہ ہسپانیہ کے ہاتھوں ضائع ہوئیں۔ ایک مورخ نے لکھا ہے کہ مسمی شمینز کردسے نے اسی ہزار کتابیں اندلس کے کتب خانوں سے نکلوا کے ۱۴۹۰ء میں غرناطہ کے میدان میں جلوادی تھیں۔ اور مورخ ہسپانی مسمی ریلیں لکھتا ہے کہ ہسپانیوں نے دس لاکھ پانچ ہزار جلدیں اندلس کے کتب خانوں کی جلادی تھیں۔ جنہیں خاص عربوں کی قلموں نے لکھا تھا۔ اور تین کشتیاں جو فقط کتابوں سے بھری ہوئی تھیں اور مراکش کیطرف لیئے جاتے تھے اُنکو بھی ہسپانیوں نے چھین لیا۔ اور قصر اسکوریال میں لاکے ڈال دیا۔ اُسوقت سے ۱۶۷۱ء تک اُسی مکان میں پڑی رہیں یہانتک کہ ایک مرتبہ اُس مکان میں آگ لگی اور تین حصہ کتابوں کا بھی مکان کے ساتھ جل گیا۔ فقط ایک چوتھائی کتابیں بچالیگئیں۔ وہ بھی اُسوقت کہ جب اُنہیں ہوش آیا کہ یہ کتابیں بچالینی چاہئیں۔ شاید کسی وقت نافع ہوں۔ غرض

باقی ماندہ کتابیں میخائیل نامی ایک مارونی شخص کی معرفت اہل طرابلس سے اٹھا دی گئیں۔ اس نے ایک لاکھ اسی ہزار اکاون کتابوں کے نام انہیں لکھوا دیئے تھے۔ میرے گمان میں یہ وہی کتابیں ہیں کہ جو سلطانی کتب خانہ میں اب بھی محفوظ ہیں۔

اسکے علاوہ بہت کچھ حصہ علم و فن اور بیشتر کتابوں کا گروہ عرب کے زہد وورع کی بدولت بھی ضائع ہوا۔ اور اہل فرنگ ان تمام زمانوں میں اسی فکر میں پھرتے رہتے ہیں کہ جہاں کہیں قدیم کتابیں دستیاب ہو جائیں اسکو یورپ تک پہونچانا چاہئے۔ یہانتک کہ آجکل عرب کی یہ حالت ہے کہ اگر کوئی بھی اس زمانے کی قلمی کتاب تلاش کیجائے تو سوائے ایک آدھ لغت کی کتاب کے یا دو چار فقہ وغیرہ دینیات کی کتابوں کے وہ بھی بوسیدہ کرم خوردہ ملینگی اور علمی کتابیں تو ایک ہی نظر آئینگی۔ جسطرح سے عرب کے مدرسوں کا اگر کہیں نام و نشان پوچھا جائے تو شاید سوائے جامع ازہر کے جو اب بھی مصر میں آباد ہے کسی کا نشان نہیں بتایا جا سکتا۔ اور اسمیں بھی سوائے دینی کتابوں کے باقی فنون فلسفہ کی بالکل تعلیم نہیں دیجاتی۔ یا چند لغت اور نیز بانداتی کے متعلق کتابیں پڑھا دیجاتی ہیں۔ باقی خیر صلاح ہے۔

الخاتمة

خلفا اور ملوک وغیرہ کے سنین جلوس

ابوبکر صدیقؓ کا خلافت کے واسطے انتخاب صاحب شریعت صلعم کی وفات کے بعد سنہ ۱۱ ہجری ۶۳۲ء میں ہوا۔

عمرؓ بن خطاب ۱۳ھ/۶۳۴ء میں خلیفہ ہوئے اور دس برس چھ مہینے خلافت کرکے مقتول ہوئے۔
عثمانؓ بن عفان ۲۳ھ/۶۴۴ء میں خلافت کے لئے منتخب ہوئے بارہ برس حکمرانی کرکے قتل کئے گئے۔
علیؓ بن ابیطالب ۳۵ھ/۶۵۶ء میں متولی خلافت ہوئے چار برس دو مہینے کے بعد مسجد کوفہ میں مقتول ہوئے۔
حسن بن علی بن ابیطالب ۴۰ھ/۶۶۱ء میں متعین خلافت ہوئے۔ مگر کل چھ مہینے انکی خلافت رہی۔ پھر بنی امیہ کے ہاتھ میں چلی گئی اور برابر انہی کے ہاتھوں میں چندرہ شخصوں تک متواتر باقی رہی۔ انکی سلطنت مصر۔ حجاز۔ ہند۔ چین۔ خراسان۔ مشرق۔ افریقہ۔ اندلس۔ وغیرہ بلاد اسلام میں رہی۔ انکا پائے تخت دمشق شام میں تھا۔

۱۔ انہیں سے پہلا خلیفہ معاویہ بن ابوسفیان اموی ہے۔ ۴۱ھ/۶۶۱ء میں تخت نشینی کا منصب ملا۔ اور اس سے بیس برس بعد انتقال ہوا۔

۲۔ ۶۰ھ/۶۸۰ء میں یزید بن معاویہ تخت نشین ہوا۔ اور تین برس بعد انتقال کرگیا۔

۳۔ معاویہ بن یزید ۶۴ھ/۶۸۳ء میں تخت نشین ہوئے اور نوّے دن کے بعد خلافت سے اٹھا دیئے گئے۔

۴۔ عبداللہ بن زبیر ملک حجاز و عراق میں ۶۴ھ میں خلیفہ مقرر ہوئے۔ اور اس سے نو برس بعد مقتول ہوئے۔

۵۔ مروان بن حکم۔ مروانیوں کا پہلا خلیفہ ہے۔ انکی حکومت شام و مصر پر ۶۴ھ/۶۸۴ء میں تھی۔ فقط آٹھ مہینے بعد اپنے ہی قریب وارثوں کے ہاتھ سے دھوکے میں مارے گئے۔

۶۔ ۶۵ھ/۶۸۵ء میں عبدالملک بن مروان تخت نشین ہوئے۔ مگر انکی خلافت اسوقت تک تسلیم ہوئی جبتک کہ ابن زبیرؓ مارے گئے۔ تیرہ برس خلافت کے بعد انتقال کیا۔

۷۔ ولید بن عبدالملک ۸۶ھ/۷۰۵ء میں خلیفہ ہوئے۔ اور دس برس نو مہینے بعد وفات پائی۔

۸۔ سلیمان بن عبدالملک (ولید مذکور الصدر کا بھائی) ۹۶ھ/۷۱۵ء میں متولی خلافت

ہوئے۔ اور مرج دالق میں دو برس آٹھ مہینے بعد فوت ہوئے۔

۹۔ عمر بن عبد العزیز ۹۹ھ میں متولی خلافت ہوئے۔ دو برس تین مہینے بعد زہر سے دیر سمعان میں (جو کہ حمص میں واقع ہے) مارے گئے۔

۱۰۔ یزید بن عبد الملک ۱۰۱ھ میں متولی خلافت ہوئے (اسی کے زمانے میں آل مہلب کی بیخ و بنیاد زائل ہوئی) اپنی خلافت سے چار برس بعد حوران میں انتقال کیا۔

۱۱۔ یزید بن عبد الملک کے بھائی مسمی ہشام ۱۰۵ھ میں خلیفہ ہوئے، اور رصافہ میں (جسے شام میں بنوایا تھا) بیس برس خلافت کرکے انتقال کیا۔

۱۲۔ ولید بن یزید بن عبد الملک ۱۲۵ھ میں خلیفہ ہوئے۔ اور ایک سال بعد مقتول ہوئے۔

۱۳۔ ولید مذکور الصدر کا بیٹا یزید ۱۲۶ھ میں خلیفہ ہوا۔ اور مرض طاعون میں مبتلا ہوکر پانچ مہینے چند دن بعد انتقال کیا۔

۱۴۔ یزید کے بعد اُنکے بھائی ابراہیم ۱۲۶ھ میں خلیفہ ہوئے۔ اور چار مہینے بعد خلافت سے اُٹھا دیے گئے۔ پھر مروان محمد بن مروان آخری خلیفہ بنی امیہ ۱۲۷ھ میں خلیفہ ہوئے۔ پانچ برس کے بعد قریہ بوصیر میں قتل ہوئے۔

(ان کے بعد بنی عباس کی خلافت کا دورہ شروع ہوا)

پہلے خلیفہ سفاح تھے ۱۳۲ھ میں تخت پر بیٹھے اور بنی امیہ کے استیصال میں مصروف ہوئے۔ اہل تواریخ لکھتے ہیں کہ سفاح نے جب مروان بن محمد بن مروان کے قتل سے فراغت پائی تو اظہار مصالحت کے واسطے ایک ولیمہ کیا۔ اور روسا و امرا بنی امیہ کو انہیں طلب کیا۔ لوگ تو بہت خوش ہوئے کہ یہ بادشاہ بڑا حلیم ہے مگر جب سب کے سب ولیمہ میں شریک ہوئے تو یکبارگی ان میں سے اسی آدمیوں کو مار ڈالا۔ اور عبد الرحمان داخل اور اُنکے باپ کے دونوں کر آگے ابھرگا کوئی نہ بچا۔ بعد اسکے سفاح نے حکم دیا کہ انہیں لاشوں پر

وسترخوان بچھایا جائے۔ اور کھانا کھایا جائے۔ کہتے ہیں کہ جس لذت سے سفاح نے اس روز کھانا کھایا ہے عمر میں کسی دن ایسی لذت سے نہ کھایا ہوگا غرض چار برس بعد اپنی خلافت کے انتقال کیا۔

۲۔ انکے بعد ابوجعفر منصور ۱۳۶ھ / ۷۵۴ء میں خلیفہ ہوئے۔ اور بغداد کو پایۂ تخت بنایا۔ عبدالرحمان داخل جنکا ذکر پہلے آچکا ہے منصور کے ہاتھ سے بچ کے مصر کیطرف بھاگے۔ پھر وہاں سے برقہ میں گئے پھر وہاں سے اندلس کے ایک موضع مسماۃ ظاہرین پہونچے۔ چونکہ انکی ماں وہیں کی تھیں اسوجہ سے ظاہر والوں نے انکی حمایت کی اور امیر یوسف سے (جو بنی عباس کیطرف سے اندلس میں گورنر تھا) لڑے۔ بعد غلبہ کے عبدالرحمان کی سلطنت وہاں قائم ہوگئی۔ اور کئی ایک خلیفہ وہاں ہوئے۔ مگر جب بربریوں کا دورہ آیا تو ۴۱۷ھ / ۱۰۲۶ء میں خلافت قادر باللہ عباسی کے عہد میں انکی خلافت چھن گئی اور کئی ایک بادشاہوں نے مل کے اس سلطنت کا حصہ بانٹ لیا۔ اور تمام علوم و فنون جو عبدالرحمان کے بعد کے خلفاء نے وہاں جمع کئے تھے سب تلف کر دیئے یہانتک نوبت پہونچی کہ ۸۹۸ھ تک تمام عرب وہاں سے نکل بھاگے۔ اور پھر اسی ملک کے رہنے والوں کا قبضہ ہوگیا

(خلفائے بنی امیہ جو کہ اندلس میں گذرے ہیں انکے نام اور تواریخ جلوس)

سنہ ہجری	سنہ میلاد عیسوی	بادشاہوں کے نام
۱۳۸	۷۵۵	عبدالرحمان داخل
۱۷۲	۷۸۸	عبدالرحمان کا بیٹا ہشام
۱۸۰	۷۹۶	حکم بن ہشام
۲۰۶	۸۲۱	عبدالرحمان اوسط ابن ہشام
۲۳۸	۸۵۲	محمد بن عبدالرحمان
۲۷۳	۸۸۶	منذر بن محمد
۲۷۵	۸۸۷	عبداللہ منذر مذکور الصدر کا بھائی۔

۳۰۰ھ - سنہ ۹۱۲ء - عبدالرحمان ملقب بناصر عبیداللہ مذکور کا نواسہ

۳۵۰ - ۹۶۱ - حکم بن ناصر ملقب بہ مستنصر -

۳۶۶ - ۹۷۶ - ہشام بن حکم ملقب بہ موید -

ہشام بن حکم مذکور اپنی تمام خلافت کے زمانے میں اپنے وزیر منصور بن ابی عامر کے دباؤ میں رہا۔ آخر منصور مذکور خود تخت نشین ہوگیا۔ اور الحاجب المنصور کے خطاب سے اپنے آپ کو مخاطب کیا۔ سنہ ۳۹۳ھ (۹۹۸ء) میں اسکا انتقال ہوا اسکے بعد اسکا بھائی مظفر تخت نشین ہوا۔ پھر مظفر کا بیٹا۔ عبدالرحمان المنصور تخت نشین ہوا۔ آخر عبدالرحمان مذکور۔ موید مذکور الصدر کو اس بات پر مجبور کیا کہ عہد خلافت ہمیں دیدو۔ انجام کار موید ایک دستاویز لکھدی جسپر تمام بنی امیہ اور قریشی بگڑ گئے۔ اور موید کو خلافت سے ہٹا دیا۔ اور محمد بن ہشام بن عبدالجبار ابن امیر المومنین ناصر ملقب بہ مہدی کی بیعت کرلی۔ مگر اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اب دونوں سلطنتوں میں ایسی لڑائی کی آگ بھڑکی کہ جس نے آخر کار تمام سلطنت کو فرانس کے قبضے میں دیدیا۔

عباسیوں کی سلطنت

ابو جعفر منصور عباسی کے انتقال کے بعد انکے بیٹے مہدی سنہ ۱۵۸ھ (۷۷۴ء) میں خلیفہ ہوئے۔ اور دس برس کے بعد اپنے بیٹے ہادی کو سنہ ۱۶۹ھ (۷۸۵ء) میں خلافت سپرد کر کے انتقال کیا۔ ہادی نے بھی ایک سال بعد انتقال کیا۔

ہادی کے بعد انکے بھائی ہارون الرشید سنہ ۱۷۰ھ (۷۸۶ء) میں خلیفہ ہوئے۔ اور تئیس برس خلافت کر کے اپنے بیٹے محمد امین کو سنہ ۱۹۳ھ (۸۰۹ء) میں تخت دیکر انتقال کیا۔

محمد امین اپنی خلافت کے زمانے میں مسئلہ خلق قرآن کا قائل تھا۔ اور اسکے بعد کے خلفا بھی اسی مسئلہ پر قائم رہے۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ہزاروں جانیں تلف ہوئیں غرض امین مذکور الصدر نے بھی سنہ ۱۹۸ھ (۸۱۳ء) میں اپنا تخت خلافت اپنے بھائی مامون کو دیکے انتقال کرگیا۔

ہارون واثق کے چھ برس خلافت کرنے پر انکے بھائی جعفر متوکل باللہ سنہ ۲۳۲ھ (۸۴۷ء) میں تخت نشین ہوئے۔ اور چودہ برس بعد اپنے بیٹے کے چیلے سے دھوکے میں مقتول ہوئے۔

سنہ ۲۴۷ھ میں منتصر باللہ بن متوکل تخت نشین ہوئے اور تین مہینہ بعد انتقال کیا (۸۶۱ء)

سنہ ۲۴۸ھ میں ہی مستعین باللہ بن محمد بن المعتصم تخت نشین ہوئے۔ (۸۶۲ء)
انکے زمانے میں ترکوں کی قوت بڑھ گئی تھی۔ پہلے تو بڑے بڑے جھگڑے پڑے رہے۔ آخر مستعین نے خود خلافت چھوڑ دی۔ اور چار برس بعد اپنی خلافت سے قتل ہوئے۔

سنہ ۲۵۲ھ میں معتز بن متوکل تخت نشین ہوئے۔ (۸۶۶ء) مگر ساڑھے چار برس تک جو انکی خلافت کا زمانہ تھا۔ وہ برابر قید میں گذرا۔ آخر عہدۂ خلافت کو بدنے سے ہٹایا گیا۔ انکے زمانے میں احمد بن طولون نے ملک مصر پر قبضہ کر لیا۔ سلاطین میں پہلا بادشاہ ہے جو سلطان کے لقب سے مشہور ہوا۔ کیونکہ اس سے پہلے خلفا کیطرف سے مصر میں قضاۃ گورنر ہوا کرتے تھے۔ مگر اس بادشاہ نے خلافت کا دعویٰ نہیں کیا۔ بلکہ اپنے آپ کو نائب خلیفہ کی حیثیت میں سمجھتا رہا۔ یہ واقعہ ۲۵۴ھ کا ہے۔ مگر اسکے بعد پھر اسکے جانشین تقریباً ۳۰ برس تک سلطنت کرتے رہے۔ یہانتک کہ مکتفی باللہ عباسی کا وقت آیا۔

مصری بادشاہوں کے نام

سنہ ۲۵۴ھ - سنہ ۸۶۸ء	احمد بن طولون مذکور
۲۷۰ - ۸۸۳ء	ابو الجیش خمارویہ بن احمد بن طولون
۲۸۲ - ۸۹۵ء	ابو موسیٰ ہارون بن خمارویہ یہ بادشاہ

نو برس تک سلطنت کرتا رہا۔ آخر میں اسی کے دو چچاؤں نے ملکے اسے مار ڈالا اسکے بعد دس دن تک ابو المغازی شیبان بادشاہ رہا۔ اسکے قتل ہونے پر مصری بادشاہوں کی سلطنت ختم ہوگئی اور پھر عباسیوں کے قبضے میں مصر آگیا اور خلیفہ راضی باللہ کے عہد تک

عباسیوں ہی کے تصرف میں رہا۔

نوٹ - شاید کسی شخص کو یہ اشتباہ پیدا ہو کہ جب یہ سلطنت مصر کی بطور نائب خلیفہ کے تھی تو پھر یہ کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ اس سے کوئی جبراً شاید بنی عباس کی خلافت پیدا ہوگا تو اسکا دفعیہ یوں ہوسکتا ہے کہ خلفائے عباسیہ پہلے کیسانی المذہب تھے۔ پھر انہوں نے اس رائے کو چھوڑ دیا تھا۔ کیونکہ امامت کی بابت سخت جھگڑے پڑ گئے۔ کوئی کسی کو امام مانتا تھا کوئی کسی کو۔ آخر اس تحریک کرنے اور عام لوگوں کی مختلف رایوں کو اختیار کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلفائے عباسیہ کی سلطنت میں ضعف پیدا ہونے لگا۔ شوکت و دبدبہ کم ہونے لگا۔ اپنے ہی تمام مددگار مخالف بن گئے۔ اسوقت ان لوگوں نے سوچا کہ اب سلطنت کا زوال ہو جائے گا۔ لہٰذا یہ ترکیب کرنی چاہیئے کہ سلطنت کو عام کر دیا جائے اور ترکوں کردوں وغیرہ میں سے جو شخص کسی حصے کو کسی ملک کے فتح کرے اسکو وہاں کا بادشاہ مقرر کرنا چاہیئے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جو شخص کسی ملک کا کوئی حصہ فتح کرتا تھا اسکو وہاں کا سلطان کر دیا جاتا تھا جسکا نتیجہ فقط یہ ہوتا تھا کہ خلفاء کے نام کا خطبہ فقط جمعہ اور عیدین کی نمازوں میں پڑھا جاتا تھا اور سکوں پر انہی کا نام لکھا جاتا تھا۔

ابتدا ابتدا میں تو یہ امر کسیقدر اچھا تھا۔ کیونکہ اسکے ذریعے اکثر شہر فتح ہوتے رہتے تھے اور ان میں ایک قسم کا جوش ہوتا تھا۔ مگر بعد میں وہ ایسی مستقل ہوئے کہ خلفاء کو بالکل انہیں کسی قسم کے زور دینے کی قوت نہ رہی تھی۔ اسی سبب خلفاء کے قبضے سے بہت سے ممالک نکل گئے تھے۔ کہیں سلاطین خوارزم خودسر ہوگئے۔ کہیں اتابک موصل کہیں اتابک فارس۔ کہیں ایوبیہ سلطنت قائم ہوگئی کسی طرف ترک۔ کہیں چنگیزیہ۔ کہیں سلجوقیہ۔ بنی ارتق وغیرہ نے ایک بادشاہت قائم کر لی۔ بنی رسول اور شرفائے مکہ اور ملوک خراسان نے علیحدہ علیحدہ اپنے لئے ایک حصہ سلطنت کا لے لیا۔ غرض اسطور سے خلفاء کے

ملک تقسیم ہو گئے۔ اور اُنکی کچھ بھی قوت باقی نہ رہ گئی۔ حتیٰ کہ بغداد اور اطراف بغداد پر بھی اُنکی پوری حکومت نہ رہی۔

الغرض معتز باللہ کے بعد مہتدی محمد بن واثق سنہ ۲۵۵ھ ۸۶۹ء میں خلیفہ ہوئے مگر ایک سال بھی خلافت نہ کر سکے۔ ترکوں کے زور پکڑا اور پہلے تو ان کو خلافت سے ہٹا دیا پھر قتل کر دیا۔

سنہ ۲۵۶ھ ۸۷۰ء میں معتمد عباسی بن متوکل خلیفہ ہوئے اور بیس برس تک سلطنت کرتے رہے۔ انہی کے عہد میں قرامطہ نے زور پکڑا اور تمام مشرقی ملکوں میں عباسیوں کو دبایا۔ اور اُنکی سلطنت میں ضعف پیدا ہونے لگا۔

سنہ ۲۷۹ھ ۸۹۲ء میں معتضد باللہ احمد بن موفق خلیفہ ہوئے اور دو برس دس مہینے بعد انتقال کیا۔

سنہ ۲۹۵ھ ۹۰۸ء میں مقتدر عباسی معتضد کے بھائی خلیفہ ہوئے اور چوبیس برس کئی مہینے سلطنت کر کے اپنے قاہر بار کو سنہ ۳۲۰ھ ۹۳۲ء میں تخت کا مالک بنا کے دائمی سلطنت آخرت کیطرف چل دیے۔

انہی کے زمانہ میں قرامطہ نے قوت پکڑی اور عبا[illegible]ںوں کو اپنا پامال بنالیا۔ اور لوٹ مار کا بازار گرم کیا۔ حاجیوں پر [illegible]ست درازی کرنے لگے۔ حجراسود کو اُٹھا لے گئے۔ خانہ کعبہ کے دروازے کو کھود لیگئے۔

اسی اثنا میں ابوجعفر بن علی شلمغانی معروف بہ ابن ابی العزاقر جو صوفی المذہب تھا مدعی خدائی بن بیٹھا۔ اور حسین بن قسم جو خلیفہ مقتدر کے وزیر تھے۔ اُسکے معتقد ہو گئے جب خلیفہ نے انکو بلوایا تو یہ اور اُنکے ساتھی سارے بھاگ گئے اور اُنکی جگہ پر ابن مقلہ [illegible] شنو بیس وزیر ہوا۔

اسی اثنا میں ابو عبداللہ شیعی افریقیہ کے شہر قیروان میں لڑائی چھیڑ دی اور خلافت علویہ وہاں قائم کی۔ اُسوقت سے بڑی بڑی مہمیں عباسیوں کو اُٹھانی پڑیں۔ مگر جب الحمد [illegible] نے زور پکڑا اور بالفریقون عباسیوں

کیطرف سے حملہ کیا تو پوری کامیابی ہوئی۔ اور آفریقی سلطنت بالکل معدوم ہو گئی۔

خلفائے علویہ افریقیہ

۲۹۷ھ	سنہ ۹۰۹ء	عبداللہ مہدی
۳۲۲ -	۹۳۴	ابوالقاسم بن محمد القائم بامر اللہ بن مہدی مذکور
۳۳۴ -	۹۴۵	اسمٰعیل منصور بن قائم مذکور۔

خلفائے علویہ مصریہ

۳۴۱ -	۹۵۲	...	معز الدین بن اسمٰعیل منصور
۳۶۵ -	۹۷۵	...	عزیز باللہ ابوالمنصور نزار بن معز الدین۔
۳۸۶ -	۹۹۶	...	حاکم بامر اللہ ابوعلی منصور صاحب و بانئ فرقہ دروز ابن عزیز
۴۱۱ -	۱۰۲۰	...	ظاہر لاعزاز الدین ابوالحسن علی ابن الحاکم فاتح شام
۴۲۷ -	۱۰۳۵	...	مستنصر باللہ ابوتمیم بغداد میں جسکے نام کا خطبہ پڑھا گیا
۴۸۷ -	۱۰۹۴	...	مستعلی باللہ ابوالقاسم احمد بن مستنصر۔
۴۹۵ -	۱۱۰۱	...	آمر باحکام اللہ ابوعلی منصور بن مستعلی۔
۵۲۴ -	۱۱۲۹	...	الحافظ لدین اللہ عبدالمجید بن محمد بن مستنصر
۵۴۴ -	۱۱۴۹	...	الظافر باعداء اللہ اسماعیل بن حافظ۔
۵۴۹	۱۱۵۴	...	فائز بنصر اللہ عیسیٰ بن ظافر۔
۵۵۵ -	۱۱۶۰	...	عاضد لدین اللہ عبداللہ بن یوسف بن حافظ

عاضد کے مرنے کے بعد شاہ وزیر صلاح الدین یوسف بن ایوب دی ملک کا مالک بنا۔ اور اپنا لقب ملک ناصر مقرر کیا۔ سنی المذہب تھا۔ اپنے آپ کو عباسیوں کا محکوم بنایا۔ جیسا کہ اور سلاطین عباسیوں کے ماتحت تھے۔ اور سلطنت [illegible] حاکم ہو گئے [illegible] یہاں تک کہ [illegible]

سلاطین مصر کے نام

۵۶۷ھ ۔ ۱۱۷۱ء نام صلاح الدین یوسف مذکور الصدر۔ اس نے شام کو بھی اپنے قبضہ میں کیا اور مصر سے اسکو ملا لیا اسکا ایک معتمد شخص بہاؤالدین قراقوش تھا۔

۵۸۹ - ۱۱۹۳ عزیز عثمان بن صلاح الدین۔

۵۹۵ - ۱۱۹۸ منصور محمد بن عثمان۔

۵۹۶ - ۱۱۹۹ عادل سیف الدین ابوبکر بن ایوب۔

۶۱۵ - ۱۲۱۸ کامل محمد بن عادل۔

۶۳۵ - ۱۲۳۷ عادل ابوبکر بن کامل۔

۶۳۷ - ۱۲۳۹ صالح ایوب نجم الدین (عادل ابوبکر کا بھائی)

۶۴۷ - ۱۲۴۹ ملک معظم تورانشاہ کل دو مہینے سلطنت کر کے مارا گیا اور شجرة الدر تین مہینے اسکا قائم مقام رہا۔ پھر سلطنت سے ہٹا دیا گیا۔

۶۴۸ - ۱۲۵۰ ملک اشرف موسیٰ بن یوسف۔ یہ پانچ برس بادشاہ رہ کے معزول کر دیا گیا اور ترکی سلطنت اسی وقت سے قائم ہوئی جنکے نام حسب ذیل ہیں۔

ترکی بادشاہوں کے نام

۶۵۲ - ۱۲۵۴ معز الدین عزالدین ایبک ترکمانی صالحی۔

۶۵۵ - ۱۲۵۷ منصور علی ابن معز عزالدین

۶۵۷ - ۱۲۵۸ مظفر قطز معزی۔

الظاہر رکن الدین والدنیا بیبرس بنالی بندقداری جسکے زمانے میں سلطنت خلفائے عباسیہ معدوم ہوئی۔ لہذا اب ہم ان مصری بادشاہوں کا ذکر چھوڑ کے پھر اسی خلفا کی طرف رجوع کرتے ہیں کیونکہ ہماری غرض عربوں کے حالات لکھنے کی تھی

اور جب عباسیہ سلطنت تمام ہوگئی اور فقط ترکی سلطنتیں رہ گئیں۔ تو وہ ہمارے موضوع بحث سے علیحدہ ہوگئیں۔

الغرض قاہر باللہ عباسی ٣٢٠ھ میں خلیفہ ہوئے اور کل ڈیڑھ سال سلطنت کرنے پائے تھے کہ خلافت سے ہٹا دیئے گئے۔

٣٢٢ھ میں راضی باللہ بن قاہر باللہ خلیفہ ہوئے اور چھ برس تک سلطنت کرتے رہے ٣٢٩ھ میں راضی باللہ کے بھائی متقی باللہ ابراہیم خلیفہ ہوئے۔ اسوقت انکے قبضے میں سوائے بغداد کے اور کوئی ملک نہ تھا۔ باہمہ بھی بڑی بڑی لڑائیاں رہیں۔ غرض تین برس خلافت کرنے کے بعد معزول کیے گئے پھر مقتول ہوئے۔

٣٣٣ھ میں مستکفی باللہ عبداللہ بن مکتفی۔ ایک سال تین مہینے تک خلیفہ رہا۔ اسکے بعد معزالدولہ بن بویہ دیلمی شیعی نے اسکو سلطنت سے معزول کر دیا۔ اور دونوں آنکھیں نکلوا کے قید کر دیا۔ اسکے بعد خود بغداد میں آیا۔ اور تخت نشین ہو تمام گرد و پیش پر بغداد کے قبضہ جما لیا اور اپنا لقب سلطان العراق رکھا۔ غرض اس نے خلفا کے واسطے سوائے منبر اور تخت اور سکہ اور مہر اور چک پر دستخط کرنے اور مہمانوں کے سامنے بیٹھنے کے اور کچھ نہ چھوڑا۔ ہاں سلام تعظیمی البتہ خلفا ہی کو ہوتا تھا۔ اور خطاب خلافت باقی تھا۔ یہی حالت قائم بامراللہ تک رہی۔ جب سلجوقیہ سلطنت قائم ہوئی تو بنی بویہ کی سلطنت بھی تمام ہوگئی۔ مگر خلفا اسوقت بھی قید ہی کی حالت میں رہے۔ آخر جب ہلاکو خان بادشاہ تاتار آیا ہے اور مستعصم باللہ کو قتل کیا ہے تو بغداد کو زیر و زبر کر دیا اور عباسیوں سے ان تمام بلاد کو خالی کرا لیا۔

سلاطین بویہ

٣٣٤ھ معزالدولہ بن بویہ پہلا سلطان بغداد۔

٣٥٦ھ بختیار بن معزالدولہ۔

٣٦٧ھ عضدالدولہ۔ بختیار مذکور کا چچا زاد بھائی تھا۔ اسکے نام کا خطبہ بغداد میں پڑھا گیا۔ اور اسکے دروازے پر تین نوبتیں بجائی گئیں عضدالدولہ

علمائے سے بہت محبت رکھتا تھا۔ اسکے نام سے کئی کتابیں بھی اس نے لکھی ہیں
الیضاح علم نحو میں۔ حجت علم قرأت میں۔ ملکی علم طب میں۔ تاجی تاریخ میں۔
اس نے بیمارستان (شفا خانے) اور پل بنوائے تھے۔ اسی کے عہد سے تجارتی
اسباب پر ٹیکس شروع ہوا۔ اور یہی سلطنت کی تجارت تھی۔ ایک آدھ چیزوں کی
تجارت کو منع کر دیا تھا۔

سنہ ۳۷۲ھ / ۹۸۲ء صمصام الدولہ بن عضد الدولہ۔

سنہ ۳۷۶ھ / ۹۸۶ء شرف الدولہ ابو الفوارس۔ صمصام الدولہ کا بھائی۔

سنہ ۳۷۹ھ / ۹۸۹ء بہاؤ الدولہ شرف الدولہ کا بھائی۔

سنہ ۴۰۳ھ / ۱۰۱۲ء سلطان الدولہ ابو شجاع بن بہاؤ الدولہ۔

سنہ ۴۱۲ھ / ۱۰۲۲ء مشرف الدولہ ابو علی۔ سلطان الدولہ کا بھائی۔

سنہ ۴۱۸ھ / ۱۰۲۷ء جلال الدولہ۔ مشرف الدولہ کا بھائی۔

اسی کے عہد میں خلافت نیست و نابود ہو گئی۔ کردیوں نے حملہ کیا۔
اور خلیفہ کا باغ لوٹ لیا۔ تمام عرب بغداد کے چاروں طرف بھاگ گئے عورتیں
رہ گئیں۔ وہ خوب لوٹی گئیں۔

سنہ ۴۳۵ھ / ۱۰۴۳ء ابو کالیجار۔ جلال الدولہ کا بھائی۔ خلیفہ نے اسکا لقب
محی الدولہ رکھا تھا۔

سنہ ۴۴۰ھ / ۱۰۴۸ء ابو نصر ملقب بہ رحیم ابن ابو کالیجار۔ اسکے زمانے میں پھر
بغداد میں بہت بڑا فتنہ برپا ہو گیا۔ اور شیعہ سنیوں میں سخت لڑائی ہوئی۔ بڑی
خونریزی ہوئی۔ بعض محلوں میں آگ لگا دیگئی۔ بعض مقبرے جلا دیئے گئے۔ اسی
اثنا میں ایک شخص طغرلبگ نامی سلجوقی جو کہ روم کے شہروں میں ترکوں سے لڑا تھا۔
بغداد میں آگیا۔ اور اسکے اور بویوں کی فوجوں میں سخت کشت و خون ہوا۔ آخر وہی
سلطنت پر قابض ہو گیا۔ اور ابو نصر رحیم کو قید کر لیا۔ اور ترکوں کا سب مال بغداد سے
صاف کر لیگیا۔ اپنا پائے تخت شہر قونیہ کو بنایا۔ دار الخلافہ میں ایک شخص نائب بنایا

اُس وقت کے خلفا وہی ہوتے تھے جو اگلے خلفا کی اولاد سے ہوتے تھے
اور قیدیوں کی طرح رہتے تھے۔ فقط اُنکا یہ کام رہگیا تہا کہ سلجوقی یا بویہی سلطان جب
اُنکے سامنے حاضر ہوتا تھا تو اُنکے ہاتھ پر بوسہ دیتا تھا۔ اور بات کرنے میں آداب کا
لحاظ رکھتا تھا۔ اور تعظیم کے ہر پہلو کا خیال رکھتا تھا۔ پھر جب اُنکو خلافت سے معزول
کرنا چاہتا تھا۔ تو آنکھیں نکلوا لیتا یا قتل کرا دیتا تھا۔

منجملہ اُن قیدی خلفا کے۔ مطیع فضل بن مقتدر تھے ۳۳۴ھ میں متولی
خلافت ہوئے اور تین برس خلیفہ رہکر معزول کئے گئے۔ انہی کے وقت میں قرامطہ
نے حجر اسود کو لاکے مکہ میں رکھدیا۔ پھر عبدالکریم بن مطیع ۳۶۳ھ میں خلیفہ ہوئے
اور سترہ برس چھ مہینے تک اُنکی خلافت رہی۔ پھر اُنکو بہاء الدولہ دیلمی نے اس مطلب
غرض سے معزول کر دیا کہ اُنکا مال لیکے اپنی خرچ پر صرف کرے۔ اور اُنکی جگہ پر قادر باللہ
ابوالعباس احمد بن مقتدر کو ۳۸۱ھ میں خلیفہ بنا دیا۔ وہ اکتالیس برس خلافت
کرکے فوت ہوگئے۔ اُنکی جگہ پر قائم بامر اللہ ۴۲۲ھ میں بیٹھے اور چوالیس برس تک
خلافت کر کے دنیا سے سدہارے۔

اسی زمانے میں بنی بویہ کی سلطنت بغداد سے نیست و نابود ہوگئی اور اُسکی
جگہ پر سلجوقیہ سلطنت قائم ہوئی۔

سلجوق تتار کے کسی ریاست کا وزیر تھا۔ ایک مورخ نے لکھا ہے کہ سلجوق کو ند
۳۷۵ھ میں بہت بڑا لشکر لیکے نکلا۔ اور سمرقند و بخارا پر قبضہ کیا۔ پھر وہیں مسلمان
بھی ہوگیا۔ رفتہ رفتہ مشرقی و مغربی حدود میں چین سے لیکر اناطولی تک قبضہ کرلیا۔
اور سوریا و مصر بھی اپنے زیر تصرف کیا۔ اسی کے ہاتھ سے غزنوی سلطنت فنا ہوئی۔
سلجوقیوں کے قابض ہوتے ہی علم و فن کا چرچا عرب کے ملک سے کم ہونے لگا
اور تھوڑے ہی دن تمام قوم قریب جاہل ہوگئی۔

علامہ فاضل جبر احمد افندی مورخ عثمانی لکھتے ہیں کہ ۴۵۰ھ ہجری کی
ابتدا میں علوم و فنون کے خاتمہ کی ابتدا شروع ہوئی کسی کے دل میں آداب

معارف کی قدر نہ رہی۔ سب کے افکار پراگندہ ہو گئے۔ علما میں کاہلی و سستی کا مادہ بڑھ گیا۔ مدرسے چھوڑ چھوڑ کے اپنے گھروں میں بیٹھے۔ کیونکہ تاتاریوں کے ہجوم کرنے کا ہر وقت خوف لگا رہتا تھا۔ چار و ناچار سے انہی کی پرورش کا مشغلہ ہو رہا تھا۔ عرب کی سلطنت بھی اسی زمانے میں یعنی مشرقی اور مغربی خلافتوں کے نظام میں سخت اختلال پڑ گیا۔ اسی زمانے میں ایک صوفی صاحب مسمی ابن القسی نے اندلس میں خروج کیا۔ اور عبارات تصوف کو تار کے بد سلطنت اور شرع کے دین کے قائم کرنے کا آوازہ بلند کیا۔ اسکے ساتھیوں کو مرابطین کہتے تھے۔

دوسرے صاحب اہل بن سلام انصاری نے اپنے گلے میں قرآن لٹکایا۔ اور بغداد کے گلی کوچوں میں پھرنے لگے۔ اور لوگوں کو قرآن اور حدیث پر عمل کرنے کا خیال دلانے لگے۔

افریقہ کے شہر سوس میں شیخ تومرتی صوفی نکلے۔ کچھ انھوں نے زہد کیا اور قبیلہ مصامدہ سے مسمی عباس نے خروج کیا۔ اور اپنے مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ خلاصہ یہ کہ قائم بامر اللہ کے بعد مقتدی باللہ عبد اللہ بن محمد بن القائم سنہ ۴۶۷ھ ١٠٧٥ء میں خلیفہ ہوئے اور انیس برس تک خلافت کر کے دنیا کو خیرباد کہا۔ انکے زمانے میں فرقہ باطنیہ کا ظہور ہوا۔ جنہوں نے سخت خونریزی کی۔

سنہ ۴۸۷ھ ١٠٩٤ء میں مستظہر باللہ احمد مقتدی باللہ قائم مقام ہوئے اور چھبیس برس تک خلافت کر کے انتقال کیا۔ انہی کے زمانے میں صلیبی جنگ شروع ہوئی۔ اور شام و انطاکیہ پر انھوں نے قبضہ کر لیا۔ اور یروشلیم میں اپنا ایک گورنر بٹھلا دیا۔

سنہ ۵۱۲ھ ١١١٨ء میں مسترشد باللہ فضل بن مستظہر خلیفہ ہوئے مگر سلطان سلجوق نے خلافت کے سترہ برس بعد مراغہ کے قریب انہیں قتل کر دیا۔ اور انکی جگہ منصور راشد کو سنہ ۵۲۹ھ میں خلیفہ بنا دیا۔ ایک سال کے بعد وہ بھی مقتول ہوئے۔

سنہ ۵۳۰ھ ١١٣٦ء میں مقتفی بامر اللہ محمد بن مستظہر خلیفہ ہوئے اور چوبیس برس تک خلافت کر کے فوت ہوئے۔

سنہ ۵۵۵ھ ۱۱۶۰ء میں مستنجد باللہ یوسف ابن مقتفی مذکور گیارہ برس خلافت کرکے فوت ہوئے
سنہ ۵۶۶ھ ۱۱۷۰ء میں مستضئ بنور اللہ حسن بن مستنجد خلیفہ ہوئے اور نو برس چھ ماہ بعد فوت ہو گئے
سنہ ۵۷۵ھ ۱۱۸۰ء میں ناصر الدین اللہ احمد بن مستضئ خلیفہ ہوئے اور چھیالیس برس بعد فوت ہو گئے۔

انہی کے زمانے میں ایوبی سلطنت مصر میں قائم ہوئی۔ اور سلطان صلاح الدین اور فرانس میں سخت جنگ واقع ہوئی۔ اسی لڑائی میں صلاح الدین نے یروشلم کو فرانس سے لے لیا۔ لیکن تاتاریوں کے ہاتھ سے عباسیوں پر مصیبت آنی شروع ہوئی۔

سنہ ۶۲۲ھ ۱۲۲۵ء میں ظاہر باللہ محمد بن ناصر مذکور خلیفہ مقرر ہوئے۔ ایک سال بھی کامل اسکے بعد زندہ نہ رہے۔

سنہ ۶۲۳ھ ۱۲۲۶ء میں منصور مستنصر باللہ بن ظاہر خلیفہ ہوئے اور سترہ برس بعد فوت ہوئے۔ انہی کے عہد میں تاتاریوں کا زور بڑھا۔ اور لوٹ مار ان کی زیادہ ہوئی۔ بغداد کے گردو پیش انکی دستبرد سے تباہ ہونے لگے۔

سنہ ۶۴۰ھ ۱۲۴۲ء میں مستعصم باللہ عبداللہ بن منصور مستنصر خلیفہ ہوئے اور پندرہ برس تک خلافت کی۔ یہ خلیفہ نہایت ضعیف الرائے بے تدبیر تھا۔ بہت سا لشکر اپنا موقوف کردیا تھا۔ اور وزیر اپنا مؤید الدین علقمی اسماعیلی المذہب کو بنایا۔ اسی کی بابت شیخ شمس الدین بن کوفی واعظ کہتا ہے۔

یا عصبة الاسلام نوحی واندبی ۔۔۔ حزنا علی ما حل بالمستعصم

دست الوزارة کان قبل زمانه ۔۔۔ لابن الفرات فصار لابن العلقمی

مشہور ہے کہ اسی وزیر نے ہلاکو کو بغداد پر چڑھائی کی صلاح دی تھی۔ آخر اس نے بغداد کا تمام مال اسباب لوٹا۔ اور سخت خونریزی کی۔

سنہ ۶۵۶ھ ۱۲۵۸ء میں اس خلیفہ کو قتل کردیا۔ بس انہی پر تمام عباسی خلافت کا بغداد سے خاتمہ ہو گیا۔

اس جابر بادشاہ مجوسی کے تمام ظلم و ستم میں سے ایک یہ بھی ظلم تھا کہ بقیہ

نفیس کتابیں اس نے بغداد کے کتب خانوں میں پائیں سب کو دجلہ میں پھنکوا دیا۔

اور کچھ لوگ جو عباسیوں میں سے قتل سے بچ گئے تھے۔ وہ مصر میں ایوبی سلطنت میں پناہ گزین ہوئے۔ کیونکہ انہی کے آبا و اجداد کو ایوبی بادشاہوں نے خلیفہ بنایا تھا۔ اسی طرح انہیں سے ایک ایک کو رفتہ رفتہ خلیفہ کے نام سے نامزد کرتے رہے۔ یہانتک کہ دو سو اکانوے برس میں سترہ شخص ایک کے بعد ایک خلیفہ ہوئے۔

اگرچہ ایوبی بادشاہوں سے تقدیم و تاخیر کی بہت کچھ انکو تکلیفیں پہنچتی رہیں۔ جب متوکل علی اللہ محمد بن مستمسک باللہ یعقوب تک نوبت پہنچی۔ اور لوگوں نے قسطنطنیہ میں ان سے بیعت کی۔ (جبکہ یہ سلیم عثمانی کے ساتھ جو کہ فاتح مصر تھا قسطنطنیہ میں گئے تھے۔) پھر یہ وہاں سے واپس آئے۔ اور مصر میں سنہ ۹۴۵ھ میں انتقال کیا۔ تو عباسی خلافت کا دنیا سے خاتمہ ہوگیا۔ اگرچہ اس زمانہ تک نام ہی نام کو خلافت تھی کیونکہ سلاطین چرکسیہ و ایوبیہ وغیرہ ان پر حکمران تھے۔ انکو کسی قسم کا زور تو تھا ہی نہیں صرف نام کے خلیفہ تھے۔

اور جس وقت سے کہ آفتاب خلافت عباسیہ پر زوال آیا ملک ظلمت کسوف عدم میں چھپ گیا۔ اسوقت سے علوم و فنون پر مصیبتیں آنے لگیں۔ اور تمام نفیس نفیس چیزیں عرب سے ضائع و برباد ہونے لگیں۔ کسی کو صنائع و بدائع کیطرف توجہ نہ رہی۔ عدم ممارست کیوجہ سے دماغ و ذہن بھی انکے کند ہو گئے۔ سپانیا اور افریقیہ میں بھی جو علوم و فنون آخر زمانہ میں ترقی پذیر ہوئے تھے۔ وہ بھی منتشر ہو گئے۔ غرضیکہ ہر طرح سے عالم پر زوال آگیا۔ اور سوائے جہل کے اور کچھ باقی نہ رہگیا۔ اگر تو جاہلوں نے جنسے کچھ امید ترقی ہوسکتی انہوں نے الف لیلہ۔ قصہ حاتم۔ لیلی مجنوں ا[illegible] دیکھنا شروع کئے۔ [illegible] اگر بھی دوبارہ علوم کیطرف مائل ہو جاتے [illegible]

آہستہ آہستہ اسکو ترقی دیتے (اگرچہ کوئی مددگار ویسا نہ تھا جس طرح سے فلفاء کی سرپرستی تھی) تو ہم کو بہت اچھی طور پر اپنی اس کتاب کے خاتمہ پر اس بات کے کہنے کا موقع ملتا کہ یہ شرف دمجد یعنی علمی دنیا کی ترقی انہی ہوپول نے اس حد پر بڑہائی تھی۔ اور انہی سے ابتدا ہوئی اور انہی پر انتہا۔ .... (انتہی)

تمام شد ترجمہ صناجۃ الطرب فی تقدمات العرب

[illegible]

پیسہ اخبار لاہور

جس میں ہر ہفتہ ملک کے تمام ضروری معاملات پر اعلےٰ درجہ کی رائے زنی کیجاتی ہے اور انگریزی عربی ترکی وغیرہ اخبارات کے مضامین ترجمہ ہو کر درج ہوا کرتے ہیں اور جسکو باقی تمام اردو اخبارات سے زیادہ سے زیادہ اور تازہ خبریں بہم پہونچانے کا فخر حاصل ہے ہر ہفتہ دنیا کے کسی مشہور شخص کی تصویر و حالات بھی چھاپے جاتے ہیں بوجہ اپنی نہایت ارزاں قیمت اور ہر دلعزیز پالیسی کے ہندوستان بھر کے تمام اردو اخبارات سے زیادہ چھپنے والا ہے قیمت معہ محصولڈاک فقط اڑھائی روپے (عـہ/) پیشگی قیمت کی وصولی پر تین نادر کتابیں ہر ایک خریدار کو مفت ملتی ہیں۔

انتخاب لاجواب

دنیا کے تمام نہایت دلچسپ اخباروں مفید کتابوں اور سفرناموں کا عطر مجموعہ جس میں ہزارہا ایسے قیمتی علمی اور عملی مضامین دل بہلاؤ اور تعلیم کے لئے درج ہوتے ہیں کہ جو اور کسی ذریعہ سے اردو زبان میں مل نہیں سکتے ہندوستان بھر کی کسی زبان میں اس قسم کی کوئی کتاب یا رسالہ نہیں چھپا اردو زبان میں بے نظیر نعمت ہے۔ ناظرین میں کئی قسم کے انعام تقسیم ہوتے ہیں اور مضمون نگاروں کو معاوضہ دیا جاتا ہے ہفتہ وار اشاعت ۴۸ صفحہ کلاں قیمت معہ محصولڈاک چار روپے (للعہ)

بچوں کا اخبار

انگلستان اور امریکہ میں کم از کم ایک سو اخبار بچوں کی تعلیم و تربیت کے متعلق شائع ہوتے ہونگے مگر اردو زبان میں تمام ہندوستان میں ایسا ایک اخبار یا رسالہ بھی شائع نہیں ہوتا اس کمی کے پورا کرنے کے لئے بچوں کا اخبار بڑی آب و تاب کے ساتھ کارخانہ پیسہ اخبار سے شائع ہونا شروع ہوا ہے اور اسے ملک کے تمام اخبارات اور اہل الرائے لوگوں اور محکمہ تعلیم کے اکثر افسروں نے بچوں کے اخلاق آداب اور تعلیم و تربیت کیلئے نہایت مفید تسلیم کیا ہے کوئی بال بچہ والا گھر اس سے خالی نہ رہے قیمت سالانہ معہ محصولڈاک دو روپے چھ آنہ (عـــہ) اور درخواستوں کا پتہ ہے۔ مہتمم پیسہ اخبار لاہور)